میرے چارہ گر

رخسانہ نگار عدنان





میرے چارہ گر

چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔ حالانکہ صبح سے تو اچھی خاصی تیز دھوپ نکلی ہوئی تھی بلکہ دس بجے کے بعد تو یہ تیز چمکتی دھوپ بے حد نوکیلی ہو گئی تھی بدن کو چھیدتی ہوئی، جس نے گھنٹہ بھر میں ہی سب کے چھکے چھڑا دیے تھے ایک تو ویسے ہی اتنے دنوں سے شدید گرمی اور حبس نے بے حال کر رکھا تھا اور آج تو سورج کے تیور دیکھ کر لگ رہا تھا کہ موسم کا گرم ترین دن ہوگا جس سے دم گھٹا جا رہا تھا۔ پریکٹیکل لیب میں اس قدر گرمی تھی کہ پنکھے چلنے کے باوجود ہوا بدن کو ذرا نہیں لگ رہی تھی۔ سب ہی پسینے میں شرابور تھے۔

میڈم نور الٰہی کا تو سارا فاؤنڈیشن بہہ کر ان کے چہرے پر عجیب وغریب نقشے بنا گیا تھا۔ آنکھوں کا کاجل پھیل کر چہرے پر سیاہ لکیریں کھینچ چکا تھا۔

ایک تو گرمی کی شدت اس پر پریکٹیکل کا عذاب، اوپر سے میڈم نور الٰہی کا مضحکہ خیز حلیہ۔ ان کے خوب گوشت و چربی سے بھرے سانولے جسم سے چپکی پیلی شیفون کی ساڑھی اور گہرا نیلا بلاؤز کسی بھی قسم کی رومانیت پیدا کرنے میں ناکام ہو چکا تھا اور کوشش کے باوجود کوئی بھی لڑکی اس ساری صورت حال کو انجوائے نہیں کر سکی تھی، سب ہی کو گرمی نے نڈھال سا کر رکھا تھا۔

''ارے دیکھو بادل آئے۔'' صائمہ کے نعرے پر سب نے بے ساختہ گردنیں پیچھے کھڑکیوں کی طرف گھمائی تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دھوپ کی تلوار لیے آنکھیں دکھاتا سورج سیاہ بدلیوں کی یلغار کے سامنے دبک کر رہ گیا اور سارے میں گہری شام کا سا اندھیارا پھیل گیا۔ کچھ دیر کو تو ہر طرف ایک بولتی سی خاموشی چھا گئی طوفان سے پہلے کی گھمبیر خاموشی

اور پھر اس خاموشی کو بادلوں کی گونج دار کڑک نے توڑا اور ساتھ ہی موٹے موٹے قطرے برسنے لگے۔ تیز ہوا سے لیب کی کھڑکی پر جھکا شہتوت کا درخت مستی کے عالم میں جیسے سر دھننے لگا۔ کھڑکیاں ہوا کے زور سے بند ہونے لگیں۔ بارش کی تیز بوچھاڑ نے آندھی کے حملے کو پسپا کر دیا اور چند ہی منٹوں میں اس بوچھاڑ نے موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی اور جب ان کا پریکٹیکل تمام ہوا تو کالج کے تمام لان اور نشیبی رستے گدلے پانیوں کے جوہڑ بن چکے تھے۔

''او مائی گاڈ! اتنا پانی......'' باہر نکلتے ہی ساری لڑکیاں حیرت زدہ سی رہ گئیں جبکہ بارش ابھی بھی اسی رفتار سے برسے جا رہی تھی۔

''شکر ہے وین والا آ جائے گا، ورنہ اس موسم میں مجھے کس نے لینے آنا تھا گھر سے۔'' کاریڈور سے نکلتے ہوئے گیٹ تک دو لان اور تین سڑکیں عبور کرنے کا سوچتے ہوئے اسے خیال آیا۔

''توبہ آج کا تو دن ہی شدید ترین طلوع ہوا ہے۔ پہلے دھوپ، گرمی اور حبس اس قدر، اور اب بارش اتنی شدید۔'' نورین بولتے ہوئے اس کے ساتھ ہی چلی آ رہی تھی۔ آج وہ اسی کی وین میں آئی تھی۔

''دیکھ لو، اللہ کی قدرت ہے۔ یہ ساون کا مہینہ ہوتا ہی بے اعتبار ہے ویسے وین والا تو آ جائے گا نا!'' ایہا نے سر اٹھا کر خوب برستے سیاہ بادلوں سے اٹے آسمان کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور اپنی گلابی ہتھیلی بارش میں بھگونے لگی۔

''ظاہر ہے آئے گا۔ صبح بھی تو آیا تھا۔ شکر ہے آج پریکٹیکل تو تمام ہوئے۔ اب تو بس وائیوا والے دن ہی آنا ہے اگلے ہفتے۔'' نورین نے اپنی بے بی پنک تنگ پائنچوں کی شلوار کو ذرا اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اور کیا، یہی پریکٹیکلز میڈم نور الٰہی نے ہمیں پہلے کروا دیے ہوتے تو یوں پورا ہفتہ اس قیامت خیز گرمی میں تو نہ آنا پڑتا۔'' ایہا کوفت سے بولی۔

''ہاں میڈم ہر سال اسی طرح کرتی ہیں۔ پورا سال چھٹیاں اور پریکٹیکل سے ناغے اور آخر میں سب کے پیچھے ڈنڈا لے کر پڑ جانا، ارے آج ان کا حلیہ دیکھا تھا۔ چہ چہ...... سارا میک اپ پسینے کے سیلاب میں بہہ رہا تھا۔'' نورین کو میڈم کا حلیہ یاد آتے ہی ہنسی آ گئی۔

''ہاں تو اور کیا اور مجبوری دیکھو یار! ہنس بھی نہیں سکتے تھے۔ چلیں اب۔''

بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اور نہ ہی کم ہونے کے اس لیے یہاں کھڑے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اردگرد کی ساری لڑکیاں جا چکی تھیں ویسے بھی کالج میں تو گرمیوں کی چھٹیاں تھیں صرف ان کی کلاس ہی ہفتہ بھر سے آ رہی تھی۔

''ہاں چلو، یہ بارش تو آج رکتی نظر نہیں آ رہی۔'' انہوں نے جی کڑا کر کے برآمدے سے باہر قدم رکھا۔ گیٹ تک پہنچتے پہنچتے دونوں مکمل طور پر بھیگ چکی تھیں۔

گیٹ کے پاس آٹھ نو لڑکیاں کھڑی تھیں شیڈ کے نیچے۔ ان دونوں کی بمشکل ہی جگہ بن سکی۔

''اف اللہ، کوئی رکشہ ہی مل جائے۔'' صبیحہ نے گیٹ سے باہر گردن نکالتے ہوئے کہا۔ ''گلزار انکل کو بھیجا تو ہے نہ جانے کدھر بیٹھ گئے ہیں جا کر۔'' اس نے چوکیدار کا نام لیتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔

''کیوں، رکشہ کس لیے؟'' نورین نے اپنا دوپٹہ ایک کونے سے پکڑ کر نچوڑا۔

''گھر جانے کے لیے اور کس لیے؟ گھر بھی تو ہمارے اللہ میاں کے پچھواڑے ہیں۔'' آج سے پہلے شاید اسے گھر کبھی اتنا دور نہیں لگا تھا۔

''کیوں رفیع انکل نہیں آئیں گے کیا؟'' نورین نے چونک کر وین والے کا پوچھا۔

''جی نہیں۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولی۔ ''صبح تم لوگ تو جلدی سے اندر بھاگ گئی تھیں وہ ہمیں کہہ گئے تھے کہ واپسی پر خود آ جانا انہیں کسی فوتگی پر شہر سے باہر جانا ہے۔''

''او مائی گاڈ!'' ایہا اور نورین کا رنگ اڑ گیا۔

''اگر رکشہ ملتا ہے تو تم ہمارے ساتھ ہی چلنا۔ تمہارا گھر تو بالکل ہماری روڈ پر ہے ایہا کا البتہ مسئلہ ہو جائے گا۔ اس کا گھر تو تمہارے گھر سے بھی اچھا خاصا دور ہے۔'' صبیحہ بولی۔ ''ہم چار لڑکیاں رکشہ کر رہی ہیں۔ تم بھی ٹھس جانا۔''

''میں کیسے جاؤں گی؟'' اسے بارش وارش سب بھول گئی۔

''تم......!'' نورین کچھ کوفت بھرے انداز میں مجبوراً مڑی تھی۔ ''ارے یہ فائزہ اور حنا ہیں نا۔ تم ان کے ساتھ چلی جانا۔'' وہ جیسے چٹکی بجا کر پیچھے کھڑی دونوں لڑکیوں کو دیکھ کر بولی، وہ دونوں کزنز تھیں اور اس وقت باتوں میں مگن تھیں۔ نورین کی بات پر ایک لمحے کو چپ

سی ہو گئیں۔

مگر ان کا گھر تو خاصا پہلے آجاتا ہے۔ میں اس موسم میں اکیلی رکشے میں کیسے جاؤں گی۔؟" اسے تو پہلی بار رکشے میں وہ بھی اکیلے اور اس موسم میں جانے کا سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے تھے۔

"رکشہ آگیا۔" صبیحہ جو ان کی گفتگو سے بے نیاز آدھی گیٹ سے باہر نکلی بارش سے بے نیاز کھڑی تھی۔ جوش سے مڑ کر بولی تو نورین نے ابیہا کی اگلی بات بھی نہیں سنی اور ہاتھ ہلاتی باقی لڑکیوں کے پیچھے دوڑ گئی۔ ابیہا نے قدرے بے بسی سے بے نیاز سی باتوں میں مگن فائزہ اور حنا کو دیکھا۔

"ارے بیا! تم ابھی تک گئی نہیں؟" ایک دم پیچھے سے اسے روشی کی آواز سنائی دی۔

"نہیں ڈرائیور دونوں ہی چھٹی پر اچانک چلے گئے۔ تایا جی کی گاڑی ورکشاپ میں تھی، صبح میں نورین کی وین میں آئی تھی۔ اب اس نے بھی نہیں آنا تھا اور نورین رکشے میں......"

"او کے بیا! ہم بھی جا رہے ہیں۔ صد شکر کہ بھائی کو خیال تو آگیا ہمیں لینے کا۔ اب اس کی بائیک پر خوب نہاتے ہوئے جائیں گے اور تمہاری تو کزن آگئی ہے۔ تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ اب تو کوئی مسئلہ نہیں۔ ان کا تو گھر بھی کالج کے بالکل ہی پاس ہے، او کے بائے۔"

حنا نے اچانک ابیہا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرسکون انداز میں کہتے ہوئے اس کا سکون برباد کر دیا۔ اس کا بھائی بھیگا مرغا بنا گیٹ کے آگے بائیک لیے کھڑا دونوں کو جلدی نکلنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ ہلاتی آگے بڑھ گئیں۔

"ہاں ہاں بیا! تم چلو میرے ساتھ۔ تمہیں تھوڑی دیر میں ابو چھوڑ آئیں گے یا بھائی۔" روشی خوشی سے چہکی تو بیا کا دل گویا پاتال میں اترتا چلا گیا۔

شیڈ کے نیچے وہ دونوں ہی اب کھڑی تھیں۔

چوکیدار برگد کے گھنے سال خوردہ درخت کے نیچے کھڑا گویا ان دونوں کے نکلنے کا منتظر تھا۔ گراؤنڈ میں پانی ہی پانی بھر گیا تھا دور آفس کی بلڈنگ بھی بند پڑی تھی کہ وہ گھر پہ فون

کر کے کسی کو بلا لیتی۔

"چلیں پھر؟" روشی نے اس کا بازو ہلاتے ہوئے اپنا دوپٹہ درست کر کے پوچھا۔

"تمہارے گھر تو فون بھی نہیں ہے، ورنہ میں گھر اطلاع کر کے کسی کو بلوا لیتی۔" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

"تم چلو تو سہی، میں تمہیں بھجوا دوں گی۔ امی کس قدر خوش ہوں گی تمہیں دیکھ کر۔ بس پانچ منٹ کا تو رستہ ہے ادھر سے۔" روشی نے اس کا ہاتھ ہولے سے کھینچا۔

"روشی! تمہیں نہیں معلوم اگر تایا جی کو یا چاچو کو معلوم ہو گیا تو......" وہ بے حد خوفزدہ تھی۔ ان دونوں کے بگڑے چہرے اسے بارش کی بوچھاڑ میں بھی صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"بیا! ہم کوئی غیر تو نہیں۔" روشی کی آواز فوراً ہی رندھ گئی تھی۔

"مم میرا یہ مطلب نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ کسی کا دل دکھانا بھی تو اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

"تمہیں معلوم تو ہے سب۔" ابیہا نے روشی کی لبالب بھری آنکھوں کو دیکھ کر قدرے ملائمت سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ اک دم سے بادل زور سے گرجے ساتھ ہی بجلی تیز روشنی کے ساتھ کوندی تھی۔ ان دونوں نے ڈر کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ آسمان پر ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا تھا بادلوں کی نئی کھیپ براجمان ہو چکی تھی اور برسنے کو تیار۔

"چلیں پھر، اب اس موسم میں میں تمہیں ادھر چھوڑ کر بھی تو نہیں جا سکتی۔" اس نے مضبوطی سے ابیہا کا ہاتھ تھام لیا۔

"چلو۔" اس نے بے بسی سے اپنا شولڈر بیگ کندھے پر جما کر بھیگے ہوئے دوپٹے کو درست کیا اور دونوں گیٹ سے نکل آئیں۔

☆☆☆

"میڈم! ڈاکٹر رضا ہیں لائن پر۔" شائستہ پال نے سیکریٹری کی اطلاع سن کر انٹر کام رکھتے ہوئے میز پر دائیں طرف رکھے سبز رنگ کے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"گڈ مارننگ میڈم اینڈ ہاؤ آر یو؟" ڈاکٹر رضا چہکتے ہوئے بولے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب، میرے خیال میں تو اب گڈ ایوننگ بھی ہو چکی ہے اور میڈم تو میں اپنے اسٹاف کے لیے ہوں اور آپ کی تو میں غالباً بھابی رہ چکی ہوں۔"

آخری فقرہ بولتے ہوئے عجیب سی تھکن ان کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

''اللہ آپ کی ایوننگ، مارننگ سب گڈ کرے۔ اپنی تو یہی دعا ہے اور یہی مدعا بھی۔''

''مطلب؟'' ریسیور کا تار انگلی پر لپیٹتے ہوئے شائستہ نے چیئر گھمائی۔

''آپ کو ابھی بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہے۔ میں نے کل شام بھی آپ کو تاکید کی تھی، آپ کی رپورٹس۔''

''کم آن رضا! اب کیا میں بستر سے لگی دیواروں کے نقش و نگار تکتی موت کا انتظار کرتی رہوں۔'' وہ خاصا جھلا کر بولیں۔

''اللہ نہ کرے۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا مگر اتنی جلدی، نائن ٹو فائیو والی سیٹ بھی تو بہت نقصان دہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے نا!''

''آئی نو۔'' وہ اب کے قدرے دھیمے مگر بیزار لہجے میں بولیں۔ ''میں بس اٹھنے ہی والی تھی۔''

''گھر جا کر اچھے بچوں کی طرح ریسٹ کریں۔ اچھی سی چائے یا کافی بنا کر پئیں۔ ذرا اپنے آفس سے باہر نکل کر دیکھیں، باہر موسم کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ایسے موسم میں تو یوں بھی آفس جیسی فضول جگہ پر بیٹھنا کفران نعمت سے کم نہیں۔''

''تو تم آجاؤ۔ مجھے اس موسم کے قیامت ہونے کا احساس دلانے کے لیے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولیں۔

''یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ آہ! کیا کہہ ڈالا آپ نے۔'' ڈاکٹر رضا ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''بارش نے نہ رکنے کی قسم کھائی ہوئی ہے، اس کے باوجود میرے کلینک کے باہر گاڑیوں کی لمبی قطار جمع ہو چکی ہے، اس لیے میری طرف سے یہ کافی ادھار رہی لیکن آپ پلیز اٹھ جائیے۔ آج اگر میرا دوست جان زندہ ہوتا تو میں دیکھتا، وہ کیسے آپ کو اس کنڈیشن میں بیٹھنے دیتا۔ یوں آپ کو کام کرتے دیکھ کر اس کی روح کو کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی یہی خیال کر کے آپ اپنی کیئر کر لیں پلیز۔'' ڈاکٹر رضا کے ملتجی لہجے پر شائستہ کے چہرے پر عجیب سی سختی آگئی۔

''او کے، میں اٹھ رہی ہوں اور فون کرنے کا شکریہ۔ بائے۔'' شائستہ نے ڈاکٹر کی اگلی بات سنے بغیر ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ کر وہ اپنا

ضروری سامان سمیٹنے لگیں۔

باہر واقعی بارش نے جل تھل مچا رکھی تھی۔ ان کا آفس شہر کے پوش ترین علاقے میں تھا اور اس علاقے کی سڑکیں جیسے نہر بن چکی تھیں تو باقی شہر کا کیا حال ہوا تھا۔

ڈرائیور ان کے کہنے پر یونہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔ ونڈ اسکرین پر تیزی سے گردش کرتے وائپرز انہیں بارش کی جولانی کی خبر دے رہے تھے مگر گھر جانے کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا تھا۔ خالی گھر انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

انہوں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا جان پال کے چلے جانے کے بعد وہ اس قدر تنہا ہو جائیں گی کہ ایسی بھری برسات میں نا صرف ان کا دل اس قدر اکیلا ہو جائے گا بلکہ ان کا امنگوں بھرا جوانی کی تڑپ لیے یہ حسین بدن بھی۔

ایسا موسم تو ان کی تنہائی کو اور بھی دیوانہ کر دیتا تھا۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اس لگژری گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر سڑک پر نکل جائیں اور چھاجوں برستے مینہ کے نیچے خود کو اتنا بھگوئیں کہ ان کے جسم کا ریشہ ریشہ تر ہو جائے۔ ہر رگ کی پیاس بجھ جائے۔ انہوں نے لگژری کے بند شیشے سے اپنا سلگتا ہوا چہرہ ٹکا دیا۔

☆☆☆

گھر پہنچنے تک وہ دونوں مکمل طور پر بھیگ چکی تھیں۔ بارش کی تیزی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ اب تو ہوا بھی جیسے طوفانی رفتار سے چل رہی تھی۔ کئی بار تو انہیں لگا وہ دونوں اڑ ہی جائیں گی۔

''اللہ توبہ، ایسی بھی بارش ہوتی ہے۔''

چار قدم آگے بھی رستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آسمان سے برستی بوندوں کی قطاریں کچھ دیکھنے نہ دے رہی تھیں۔ پانچ منٹ کا رستہ گویا پانچ گھنٹوں پہ محیط ہو گیا۔ سڑکیں مکمل طور پر ویران ہو چکی تھیں موسم کا موڈ دیکھ کر لوگ گھروں میں دبک گئے تھے۔

دروازہ پہلی دستک پر ہی کھل گیا تھا اور دروازہ کھولنے والے آفتاب زبیری تھے۔ ان کے اکلوتے پھوپھا جان۔ جن کو دیکھنے پر پہلی نظر میں تو یہ گمان ہوتا کہ دیو مالائی قصوں میں جو بار بار اپالو کا ذکر آتا ہے اس میں کچھ جھوٹ بھی نہیں۔ وہ جیتے جاگتے اپالو تھے۔ وہ مردانہ وجاہت و خوب صورتی کے مالک ہی نہیں دلوں کو جکڑ لینے والی کشش بھی رکھتے تھے۔

اور نہ جانے کیوں لیہا کو پہلی بار دیکھنے پر ہی اپالو کے اس مقناطیسی مجسمے نے متاثر کرنے کے باوجود خوف زدہ کر دیا تھا۔ ان کی گھنی پلکوں، کنچوں جیسی آنکھوں میں نہ جانے کون سا اسرار تھا جو اسے کبھی بھی ان سے نظریں نہ ملانے دیتا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ جیسے اندر تک سہم جاتی تھی۔

''السلام علیکم ابو!'' روشی کی بلند چہکار میں اس کا سلام بہت دھیما تھا۔

''خوش آمدید، خوش آمدید...... جو ابر ایسے برسے کہ کالی گھٹا ایسی خوش بختیاں اپنے بوجھل پروں پر سجائے گھر آنگن پر چھائیں، ساون جو ایسا ہو تو خدایا ہر برس نہیں ہر روز برسے جو ایسی نایاب بیش بہا قیمتی کو ہری مبارک ہستی کو ہمارے غریب خانے کی رونق بنائے۔ ہم ایسے ساون پر قربان جائیں۔ سعدیہ بیگم! جو دوڑ کر آ سکتی ہو تو دوڑ کر آؤ جو سر کے بل آ سکتی ہو تو اپنی پلکوں سے رستے کا سارا کیچڑ گارا سمیٹ کر رستے میں پھول کلیاں بکھیرتی آؤ۔ دیکھو تو آج تمہاری اونچی آن والے ذی وقار مائیکے سے ایک پروقار حسن کی دیوی ہمارے کچے گھر کو رونق بخشنے قدم رنجہ فرما رہی ہیں۔ اماں میرے بھیا کو بھیجوری کہ ساون آیا......''

''پھوپھا جان کا عقیدت نامہ'' اتنا طویل اور شرمندہ کر دینے والا ہوگا اسے اندازہ ہوتا تو شاید وہ ایسی خوفناک بارش میں قطرہ بن کر بہہ جانے کو ترجیح دیتی بجائے ادھر آنے کے۔

''افوہ ابو جی! اندر تو آنے دیں دیکھ بھی رہے ہیں کس سیلاب سے بچ کر آ رہے ہیں۔'' روشی نے دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''سیلاب نہ کہو۔ ابر رحمت کہو، رحمت بیکراں کہو کہ کس شان سے ساون نے ہماری کٹیا کو رونق بخشی ہے کہ کوئی چاہے بھی تو مثل پیش نہ کر سکے۔'' طنز کے سارے تیر انہوں نے آج کے دن کے لیے سنبھال رکھے تھے۔ اس سے پہلے لیہا کی ان سے روبرو ملاقات نہ ہوئی تھی۔ سینے میں پھڑپھڑاتا دل اور بھی سہا جا رہا تھا۔

''یا اللہ گھر سے کوئی آ جائے۔'' اگرچہ جانتی تھی کہ دعا لا حاصل ہے پھر بھی دل ہی دل میں مسلسل دعا مانگے جا رہی تھی۔

''ارے لیہا میری بچی! میری شہزادی! میری بیٹی! میں تجھ پر نثار۔ میری بینائی اس حسین نظارے پر قربان۔ میری تو آنکھیں ترس گئی تھیں تم لوگوں کو دیکھنے کے لیے۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔ تیری رحمت کی بارش کا پہلا خوب صورت الہامی تحفہ، میں صدقے میری بیٹی آئی ہے۔''

پھوپھی نے باہر آ کر انتہائی والہانہ پن سے اسے اپنے ساتھ لپٹایا اور چٹا چٹ اس کا چہرہ، ماتھا، ہاتھ چومنے لگیں۔ آنسو ان کی آنکھوں سے ساون کی بارش کی طرح بے قابو ہو کر بہنے لگے تھے۔ اسے زیرلب وہ دعا بھی بھول گئی تھی جو وہ پچھلے قدم تک کرتی آ رہی تھی۔ پھپھو کی گرم محبت بھری آغوش میں اسے لگا وہ ایک لمبی مسافت کے بعد کسی سائبان کے نیچے آ گئی ہے۔

''امی! آپ بھی ابو کی طرح شروع ہو گئیں۔ کم از کم ہمیں چینج تو کر لینے دیں۔ بارش نے حشر کر دیا ہے اور سردی سے میرے تو دانت بج رہے ہیں اوف یوں بھی آسمان کیا کم برس رہا ہے جو آپ کی آنکھوں نے بھی برسنا شروع کر دیا ہے۔'' روشی نے آگے بڑھ کر ان کو کندھوں سے تھام کر اس سے علیحدہ کیا۔

''ارے روشی بچے! نہ روکو اپنی ماں کو جو چاہو تو ساون سے مقابلہ کرا لو آج تمہاری ماں ہی جیتے گی۔ برسوں کی مناجاتوں کے بعد بے چاری کی دعاؤں کو شرف قبولیت ملا ہے۔'' پھوپھا جان پیچھے سے بولے۔

''آج میں آپ کے کسی طنز کا برا نہیں مانوں گی۔ سب کچھ ہنس کر سہہ لوں گی۔ بیا تم ٹھیک تو ہو نا۔ گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ بھائی بھابیاں، بچے۔ تم چینج کر لو سب کا الگ الگ حال پوچھوں گی۔'' وہ اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

''روشی! میری گڑیا کو اپنے سب سے اچھے کپڑے دو۔ یہ نہا لے میں تم دونوں کے لیے کھانے چائے کا انتظام کرتی ہوں۔'' خوشی ان کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''جاؤ بیٹا!'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے آزاد کیا۔

اور واقعی انہوں نے کھانے کا انتظام گرما گرم چائے کے ساتھ صرف ان دونوں کے نہانے اور چینج کرنے کے دوران ہی کر لیا۔

''شکر ہے گوشت پڑا تھا۔ ہنڈیاں میں نے پہلے سے پکا رکھی تھیں گوشت کو ککر میں ڈالا اور دوسری طرف چپاتیاں اتار لیں۔ بیا! تمہیں کھانا پسند آیا۔ میں نے سویٹ ڈش بھی بنائی ہے۔ فرنی فریج میں رکھ دی ہے۔ ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو پھر کھا لینا۔''

وہ اس سے بچوں کی طرف پیش آ رہی تھیں۔ کھانا اپنے ہاتھوں سے نکال کر دیا بلکہ

دونوالے تو خود اس کے منہ میں اپنے ہاتھوں سے ڈالے۔

"میں بدنصیب مجھے بھائیوں کے بچوں کو کھلانے کی خوشی بھی نصیب نہ ہو سکی۔ بچپن میں وہ کیسے تھے۔ شروع میں ان کی صورتیں کس پر تھیں کیسے چلنا سیکھا۔ میرے حافظے میں تو ایسا ایک بھی منظر محفوظ نہیں۔ صرف زریاب اس وقت دو ڈھائی سال کا تھا اور ولید تو ابھی دو ماہ کا بھی نہیں ہوا تھا کہ میرے نفس کے سرکش گھوڑے نے مجھے میکے کی گلیوں سے اڑا کر زندگی کی بھٹی میں جھونک دیا۔"

آخر میں ان کی آواز بالکل دھیمی ہو چکی تھی۔ گلوگیر آواز میں وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

"روشی! کچھ مجھ بدنصیب کے کھانے کو بھی ہے، اس گھر میں یا آج روشنی اور رزق سارے گھر کا ایک ہی گوشے میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ موم بتی ہی لے آؤ۔ اندھیرے میں بیٹھا اپنے نصیبوں کی سیاہ شبوں کو گن رہا ہوں۔ آخر یہ گنتی اور کوئی کمبخت کیوں نہیں کرتا۔" پھوپھا جان کی طنزیہ بلند اور بارعب آواز نے ایک بار پھر اس کا دل دہلا دیا۔

لائٹ کب کی جا چکی تھی اور وہ تینوں برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ پھوپھا جان سامنے چھوٹے سے صحن کے پار بنی بیٹھک میں تھے۔ روشی فوراً اٹھی، ان کے لیے کھانا نکالا اور موم بتی جلا کر کھانا ان کے کمرے میں لے گئی۔ پھپھو سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

"پھپھو! آپ بھی کھائیں نا!" اسے ذرا بھی بھوک نہیں تھی اور ویسے بھی گھر کا خیال بار بار اس کا دھیان بٹائے دے رہا تھا۔

"ہوں!" وہ چونکی۔ "زریاب، زریاب کیسا ہے؟ ابھی باہر ہی ہے تعلیم مکمل نہیں ہوئی اس کی۔"

زریاب کے ذکر پر اس کی پلکیں خود بخود تھرتھرانے لگیں۔ چہرے پر حدت سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے جواب دینا چاہا مگر کچھ بول نہ سکی۔

"معلوم نہیں پھوپھو! ادھر ہی آخر کوئی بزنس وغیرہ شروع کر دیا ہے۔ ایم بی اے اس سال مکمل کیا ہے۔"

"بھائی جان زور نہیں دیتے؟"

"کہتے ہیں۔ ویسے اس سال کے آخر تک آ جائیں گے۔" وہ بمشکل بولی۔

"تم سے تو رابطہ رہتا ہوگا۔ خط، فون وغیرہ۔" پھپھو کا لہجہ مشتاق سا تھا۔

"جی!" ابیہا کا سر مزید جھک گیا۔ کیسے بتاتی کہ ابھی پچھلے ہفتے ہی اس کی برتھ ڈے پر کیسا خوب صورت گفٹ اور کارڈ بھیجا تھا۔ ایسا کوئی بھی موقع وہ مس نہیں کرتے۔

"تمہیں کچھ نہیں بتایا، آنے کے بارے میں؟" پھپھو نہ جانے کیوں متجسس تھیں۔

"اوہو زریاب بھائی کی بات ہو رہی ہے، تو کب ہماری بیا بنو بن کر بڑے ماموں کے آنگن میں جلوہ افروز ہوں گی۔" روشی آتے ہی چہکی۔

"تم چپ رہو۔" اس نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"ولید کا تو آخری سال ہے نا، ضویا تو ابھی تھرڈ ائیر میں ہے۔ چھوٹی ممانی کا کیا ارادہ ہے۔" پھپھو نے اگلا موضوع چھیڑا۔

"ممی کا ارادہ تو میرا اور ضویا کا ایک ساتھ کرنے کا ہے مگر چاچی ابھی فریال کی وجہ سے ہامی نہیں بھر رہیں۔ پھر ولید بھی پہلے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔" ابیہا نے پھپھو کا اشتیاق دیکھ کر آہستگی سے بتایا۔

"بچے، پیروں پر کھڑے ہونے کی بھی خوب کہی۔ ماشاء اللہ باپ تایا کا کروڑوں کا بزنس ہے۔ اسے کون سی نوکریاں ڈھونڈنی ہیں اور فریال کون سی گئی گزری ہے۔ صورت و سیرت میں یکتا ہے۔ نہ روپے دھیلے کی کمی۔ ہاں جوڑ کا رشتہ ملنا ضروری ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولیں۔ ابیہا چپ رہی، کیا کہتی۔ اسی وقت زوردار آواز کے ساتھ بادل گرجے اور بجلی کا کوندا جھماکے سے لپکا۔ وہ جھٹ سے پھپھو سے چمٹ گئی۔

"اللہ رحم کرے، ایسی بارش غریبوں کی جھونپڑیاں ہی بہانے آتی ہے۔ امیروں کے لیے تو......" وہ ابیہا کی طرف دیکھ کر کہتے کہتے رک گئیں۔ "اللہ سب کو حفظ و امان میں رکھے، سب کے لیے یہ باران رحمت، رحمت ہی ہو۔ زحمت نہ بنے۔" جو بوچھاڑ کی صورت برستی بارش کو دیکھ کر ہاتھ پھیلائے دعا مانگنے لگیں۔

"پھپھو! مجھے گھر جانا ہے، آپ کو پتا ہے نا۔ تایا جان اور چاچو کیسے خفا ہوں گے۔ اگر انہیں پتا چل گیا تو......"

"معلوم ہے بچے! بیس اکیس سالوں میں ان کے پتھر دل نہ پگھلے تو اب کیا نرم

پڑیں گے۔ بہن کی محبت کو تو انہوں نے اس دن دلوں سے کھرچ کر نکال پھینکا تھا جس روز میں ان کی زندگیوں سے نکلی تھی۔ ایک لمحے کے اختیار ہی نے تا عمر کی بے بسی دے ڈالی ہے۔ ترس گئی ہوں ان دونوں کو دیکھنے کے لیے۔ تیسرے کو خدا نے بلا لیا اپنے پاس، ایسی کم عمری میں۔ ہوتا آج تو دیکھتا اس کی بیا کیسے میرے سینے سے لگی بیٹھی ہے تو شاید موم ہو ہی جاتا۔ آخری بار اس کا دیدار کرنے گئی تھی۔ اس کا بے جان چہرہ راتوں کو لیٹتی ہوں تو نظروں سے نہیں ہٹتا۔ یہ کوئی عمر تھی بھلا جانے کی۔ ماں کیسی ہے تمہاری؟" بڑا پہاڑ سا حوصلہ نکلا اس کا۔ بچوں کو پروں تلے چھپا کر سسرال میں بیٹھی رہی ہے، میکہ کا دم ہوتے ہوئے بھی۔" پھپھو آج اپنے ہی دھیان کی دنیا میں گم تھیں۔ باہر کی آوازیں انہیں کم ہی سنائی دے رہی تھیں۔

بجلی ایک بار پھر کڑکی اور جیسے آسمان کے بند سوتوں کے منہ کھل گئے۔ تڑا تڑ اولے برسنے لگے۔

"پھپھو...... پھپھو...... مجھے گھر جانا ہے۔" وہ رو ہی پڑی۔

"نہ میرے بچے! ابھی گھر جانے کا نام بھی نہیں لینا۔ پہل پہلوٹھی کی ہو۔ دیکھ رہی ہو کیسی دیوانی ہو رہی ہے بارش اور بجلی کی لپک۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ جیسے ہی بارش ذرا تھمتی ہے، میں تمہیں بجھوا دیتی ہوں۔ اگر فون ہوتا تو تم کر لیتیں۔ ماں کو تسلی ہو جاتی وہ گھنٹہ دو گھنٹہ کو صورت حال سنبھال لیتیں۔ اچھا حارث کی سناؤ، کون سی جماعت میں آیا ہے اب؟" انہیں سب کے احوال کی پڑی تھی اور اس کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔

"اے لیول میں ہے پھپھو! میں گھر کیسے جاؤں گی؟" وہ پھر مچلی۔ صحن میں تڑا تڑ اولے گر رہے تھے۔ گھر کی سال خوردہ دیواروں سے پیلی سفیدی بہہ بہہ کر آ رہی تھی۔ بیرونی دروازے کے پاس بنی نالی کے اوپر رکھا جالی کا ڈھکن تنکوں اور مٹی سے بند ہو چکا تھا۔ صحن میں پانی پہلی سیڑھی تک بھر چکا تھا۔ بارش اور اولوں میں اور تیزی آئی تھی تو ہوا اس سے بھی تیز رفتار تھی۔ اندر کسی کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ اس کا پٹ دیوانہ وار دیوار اور چوکھٹ سے سر ٹکرا رہا تھا۔

"روشی بیٹا! دیکھو رافع کے کمرے کی کھڑکی تو نہیں کھلی۔ اس کی کتابوں کی میز کے پاس جو ہے، اللہ میرے بچے کی خیر کرے۔ ابھی کہاں گھر آئے گا۔ میرے مولا اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔ اس کی خیر کرنا۔"

وہ زیر لب اپنے بیٹے کے لیے دعا مانگنے لگیں۔ روشی بھاگ کر کمرے میں گئی اور ی بند کر کے کتابوں کی میز پرے گھسیٹ آئی۔ اب تو ویسے بھی شام ہو رہی تھی۔ ایک تو ات نہیں تھی۔ دوسرا آسمان تاریک ہو چلا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں اندر کمرے کی دیوار پہ لگا وال کلاک بھی اپنی جگہ رکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھپھو!" اس نے چپ بیٹھی پھپھو کو آہستگی سے پکارا۔

"بارش رک جائے بیا! تو تمہارے پھوپھا تمہیں چھوڑ آئیں گے۔" پھپھو نے اس ی ہراساں صورت دیکھ کر نرمی سے کہا۔

"اللہ کرے آج رات تو بارش نہ ہی رکے۔" روشی شرارت سے کہتے ہوئے کچن ے نکلی تو بیا کو پہلی بار وہ بہت بری لگی۔ "بیا آج ہمارے پاس ہی رک جائے۔" اندھیرے یں بیا کو اس کی شکل بھی ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"امی! چائے تیار ہے۔ میرا خیال ہے، اندر چل کر پیتے ہیں۔ بارش تو ادھر تک انے لگی ہے۔ ذرا کمی ہولے تو میں یہ نالی کا ڈھکن تو کھول آتی۔ کمروں تک پانی آنے لگا۔" وہ ہاتھ میں ٹرے لیے ان کے سر پر کھڑی تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے مڑ کر صحن کی طرف دیکھا۔ بارش کے گدلے پانی میں تنکے، ں، کاغذ کے ٹکڑے بسکٹوں کے ریپر تیرتے ہوئے برآمدے تک آ رہے تھے۔

"چلو بیا، اندر چلیں۔ بارش...... تو رکتی نظر نہیں آ رہی۔" ان کے اٹھتے ہی وہ بھی بے جان قدموں سے اٹھ کر ان کے پیچھے چل پڑی۔ روشی کمرے میں پہلے ہی موم بتی جلا چکی تھی۔ باہر آ کر اس نے تخت گھسیٹ کر کچن کے آگے کر دیا۔ بھاپ اڑاتی چائے کی ٹرے میز پر رکھی تھی۔

"امی! آپ لوگ شروع کریں، میں ابھی آئی۔ دو چار برتن ہیں پھر اندھیرا مزید ہو جائے گا تو کیسے دھو پاؤں گی۔ موم بتی بھی یہ آخری ہے۔"

"پتا نہیں یہ کون سا قانون قدرت ہے کہ جو چیز ہمیں بہت اچھی لگتی ہے۔ لاکھ دامن چھڑاؤ، دل کو کھینچے جاتی ہے اور آخر بندے کو بے بس کر کے چھوڑتی ہے۔ کسی سحر کے اثر میں جیسے سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اپنی جگہ، اپنا مقام، اپنا مرتبہ، اپنے پیارے، ان کی محبتیں، ضرورتیں۔ سب فراموش کر کے اس چیز کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ پڑتا ہے اور جب اس کو پا لیتا

ہے تو پھر بہت کچھ کھو دینے کا، بہت سوں سے بچھڑ جانے کا جان لیوا احساس ستانے لگتا ہے۔ خواہش کا حصول مکڑی کے جالے کی طرح ہی تو ہے۔ ایک بار جو اس کے اندر پھنس جائے، نکل نہیں سکتا اور میرے رب کا فرمان کتنا سچا ہے کہ تمہیں کیا معلوم، تمہیں جو چیز اس قدر بھلی لگتی ہے، بظاہر درحقیقت وہ تمہارے لیے کس قدر مضر ہے۔ اگر انسان ان کمزور لمحوں میں اس ایک حقیقت کو سمجھ لے تو پھر زندگی کے بہت سے کٹھن مرحلے آسان ہو جاتے ہیں اور میرے خیال میں دنیا میں بہت کم لوگ بروقت اس مصلحت آمیز حکمت کو سمجھ پاتے ہیں۔ زیادہ تر تو مجھ سے نادان ہی ہوتے ہیں جو تا عمر اپنی حماقت کے نقش پا کو دیکھ دیکھ روتے ہیں۔''

وہ پھر سے رونے لگی تھیں۔ باہر گرجتا برستا آسمان اندر پھپھو کے ملال بھرے آنسو۔ بیا کا دل ڈوبنے لگا۔

اس نے جلدی سے چائے کا مگ انہیں تھمایا۔

''پھپھو! آپ پچھتا رہی ہیں اپنے فیصلے پر...... پھوپھا جان سے شادی کے فیصلے پر؟'' چند لمحوں بعد وہ قدرے جھجک کر بولی۔

''پچھتاوا؟'' وہ ہنسیں۔ ''اب کیسا پچھتاوا۔ اب تو پلوں کے نیچے سے بہت پانی بہہ چکا۔'' وہ چائے پینے لگیں۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''روشی...... آجاؤ بیٹی! تمہاری چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' پھپھو کے پکارنے پر روشی گیلے ہاتھ دوپٹے کے پلو سے پونچھتی اندر چلی آئی۔

''بس آ گئی۔ سب کام ختم کر آئی ہوں۔ ابو کو چائے دینی تھی، وہ بھی دے آئی۔ رات کو گڑ اور باداموں والے چاول پکائیں گے اور ساتھ چکن کڑاہی۔ کڑاہی کا مسالہ بھی تیار کر آئی ہوں۔ اتنے دنوں بعد تو گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔'' روشی، بیا کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میں رات، نہیں......نہیں پلیز...... مجھے گھر جانا ہے۔ ممی پریشان ہوں گی۔'' بیا نے ہاتھ میں پکڑا کپ گھبرا کر رکھ دیا۔

''معلوم ہے بیٹا! اچھا روشی، تم ایک کام کرو۔ چائے پی کر آنٹی عالیہ کی طرف جاؤ اور ماموں کی طرف فون کر آؤ بلکہ بیا! تم ساتھ چلی جاؤ۔ اپنی ماں سے خود بات کر لینا کہ جیسے ہی ذرا بارش کم ہوتی ہے، میں تمہیں بھجوا دوں گی۔'' پھپھو کی بات پر اس کی جان میں جان

آئی۔ اس نے کپ دوبارہ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

اور قسمت کی خرابی کہ وہ روشی کے ساتھ ان کے ہمسائی کے گھر گئی مگر گھر کے دونوں فون شاید ڈیڈ ہو چکے تھے اور موبائل پر رابطہ کرنے کی اس فون پر سہولت نہیں تھی، ورنہ ولید یا حارث سے ہی بات کر لیتی۔ چاچو کے موبائل پر فون کرنے کی جرأت تو شاید وہ نہ کر پاتی۔ اس نے ایک بار نہیں، چار پانچ دفعہ گھر کا نمبر ڈائل کیا مگر بے سود۔

وہ روشی کے ساتھ مایوس واپس آ گئی۔ دو قدم پر گھر ہونے کے باوجود ایک بار پھر دونوں کے کپڑے بھیگ چکے تھے۔ بارش اس رفتار سے ہو رہی تھی۔ لائٹ بھی ابھی تک نہیں آئی تھی اور اکیلے ایسے موسم میں کہیں آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا گھر بھی تو شہر کے دوسرے کونے میں تھا۔

''یا اللہ...... میں کیا کروں؟'' بے بسی سے آسمان کو تکتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

کپڑے بدل کر روشی کو پھر چائے کی طلب ستانے لگی تو اس نے ساتھ رول بھی فرائی کر لیے مگر بیا کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ پھپھو عصر کی نماز کے ساتھ کوئی وظیفہ کرتی تھیں، سو وہ مغرب تک جائے نماز پر بیٹھی رہیں اور وہ بے قراری انہیں دیکھتی رہی۔ کئی بار آنکھیں بھیگیں، روشی کی باتیں، اس کے بہلاوے، اسے سب کچھ زہر لگ رہا تھا۔

''ممی، ضویا، حارث کیا سوچ رہے ہوں گے؟ تائی امی، چاچی انہوں نے تو دس دفعہ پوچھ ڈالا ہوگا۔ اگر تایا جان یا چاچو جلدی گھر آ گئے تو......'' اس کا دل سہم سہم جاتا۔ خدا خدا کر کے پھوپھو کا وظیفہ تمام ہوا۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر جائے نماز سے اٹھیں۔

''پھپھو! گھر بھجوا دیں۔ میں کیا کروں؟'' وہ رو پڑی۔

''بچے! مجھے بتا، میں کیا کروں۔ ایسے موسم میں سواری کہاں سے ملے گی۔ رافع آ جاتا تو وہی کوئی بندوبست کر دیتا۔ تمہارے پھوپھا کا ویسپا خراب پڑا ہے۔ میں تجھے کہاں بھیج دوں۔ بیا میری بچی! مجھے شرمندہ نہ کر۔ بار بار احساس دلا کر کہ تو محفوظ جگہ پر نہیں ہے۔ میں بات کرتی ہوں تمہارے پھوپھا سے کہ کچھ کریں۔'' ان کی بات پر وہ کچھ شرمساری ہو گئی۔

پھوپھو بیٹھک میں چلی گئیں۔

"تمہارے پھوپھا کہتے ہیں۔ وہ جا کر کہیں اور سے فون کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ ہوا تو کسی سے لفٹ لے کر گھر جا کر خود بتا آئیں گے کہ یا تو تمہیں کوئی آ کر لے جائے یا پھر تم صبح آ جاؤ گی۔ ٹھیک ہے نا۔" پھپھو نے چند لمحوں بعد آ کر بتایا تو اس کے بے قرار دل کو کچھ قرار سا آیا۔

اسے معلوم تھا، ممی کو اس کی ادھر موجودگی کا جیسے ہی علم ہوا، وہ کسی نہ کسی کو لینے بھیج دیں گی۔ ولید تو ضرور ہی آ جائے گا۔ اس کا دل آس کا چپو لے کر مایوسی کے دریا میں دھیرے دھیرے چلانے لگا۔

کوئی پونے دو گھنٹوں کے بعد پھوپھا جان کی واپسی ہوئی۔ رات کے نو بجنے کو تھے اور پھوپھا جان کیچڑ میں لت پت جوتے، گندے کپڑوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تھے۔

"مجھے تو ایسی سسرال سے کبھی کوئی فیض نہ ملا، الٹا زندگی بھر کی بے عزتی کے بعد بھی ان ہی کی عزت و ناموس کا خیال کر کے ایسے خراب موسم میں گیا...... تمہارے گھر میں خیر سے کوئی نہیں تھا۔ میرے دونوں سالے صاحبان ابھی تک فیکٹریوں کو تالے ڈال کر نہ لوٹے تھے۔ تمہارا بھائی ابھی چھوٹا ہے۔ سیلاب میں بہہ جانے کا اندیشہ ہے اور کزن صاحب کہیں اس سہانے موسم کو انجوائے کرنے نکلے تھے، ابھی تک نہیں لوٹے۔ ان سب لوگوں میں سے کوئی بھی رات بارہ بجے سے پہلے لوٹ آیا تو لے جائے گا۔ ورنہ تمہاری والدہ صاحبہ فرما رہی تھیں، صبح سویرے چلی آنا۔ وہ سب سنبھال لیں گی۔"

پھوپھا جان بگڑے ہوئے مزاج کے ساتھ خاصا چیخ رہے تھے۔ اسے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے روشی کے ہاتھ سے صاف لباس لے کر باتھ روم میں گھس گئے اور وہ پریشانی کے عالم میں اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

پھر رات کے بارہ کیا ساڑھے بارہ بج گئے مگر اسے لینے کوئی نہیں آیا۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی مگر کافی ہلکی ہو چکی تھی۔ بوندوں کی کن من اسے ہراساں کرتی رہی۔ گلی کے کھڑے پانی میں کوئی گاڑی گزرتی یا ذرا کی ذرا ٹھہرتی تو اس کا دل جیسے سینے میں ٹھہر جاتا۔ کان ڈور بیل یا دروازہ دھڑ دھڑانے کی آواز پر لگ جاتے۔ تین گھنٹے اسی آس و نراس میں بیت گئے۔ کھانا بھی اس پریشانی میں ساڑھے گیارہ بجے کھایا گیا۔ پونے بارہ بجے لائٹ آئی

تھی۔ روشی جا کر کچن سنبھالنے لگی۔ پھوپھو، پھوپھا جان کو دوا دینے گئی تھیں۔ وہ بے چینی سے چھوٹے سے کمرے میں ٹہلے جا رہی تھی۔

تقریباً رات بارہ بجے ڈور بیل چیخی تھی۔ وہ جو ابھی کرسی پر نڈھال ہو کر گری تھی۔ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ دروازہ تک جانے کی ہمت نہیں تھی۔ کھڑکی سے باہر صحن میں دیکھنے لگی۔ پھوپھو نے دروازہ کھولا تھا اور آنے والے کو دیکھ کر اس کے دل پر منوں اوس گر پڑی۔

وہ رافع بھائی تھے۔ اس نے شاید پانچ سال بعد انہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی پہچان لیا تھا۔ وہ پھوپھا جان کی ڈپلیکیٹ تھے مگر ان کا رنگ سانولا تھا اور آنکھیں گہری سیاہ بڑی بڑی۔ اس نے پانچ سال پہلے چاچی کے میکے میں ہونے والی کسی شادی کی تقریب میں دیکھا تھا اور پہلی بار کب دیکھا تھا، یاد نہیں آ رہا تھا۔ پریشانی سے اس کا ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ وہ کمرے میں پھر سے ٹہلنے لگی۔

پھوپھا جان ان کے دور کے رشتہ داروں میں سے تھے اور مالی طور پر ان سے بہت کم حیثیت بھی۔ والدین کے اکلوتے تھے پھر خدا نے حسن و وجاہت کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔ سعدیہ پھوپھو نے انہیں شادی کی کسی تقریب ہی میں دیکھا تھا اور دل ہار گئی تھیں۔ دونوں میں رابطہ کس طرح ہوا، اس بارے میں ٹھیک سے کسی کو معلوم نہیں تھا اور جب تک سب کو خبر ہوتی، پانی سر سے گزر چکا تھا۔ سعدیہ شاید سیکنڈ ائیر میں تھیں۔ تینوں بھائیوں کی لاڈلی اور ماں کی سرچڑھی۔ والد فوت ہو چکے تھے۔

شاید چوتھے یا پانچویں مہینے ہی پھوپھا جان کی والدہ رشتہ لیے چلی آئیں۔ تایا جان اور چاچو کو تو گویا آگ لگ گئی۔

"کہاں تم، کہاں ہماری نازو پلی اکلوتی بہن۔ تم نے اپنی اوقات کے بارے میں خود سے سوچنے کی زحمت نہیں کی تو کسی راہ چلتے سے ہاتھ پکڑ کر پوچھ لیتا یا آئینہ دیکھ لیتیں تو ادھر آنے کی جرأت نہ کرتیں" تایا جان آگ بگولا ہو کر چلائے۔

"اوقات کے بارے میں بھی سوچا تھا اور تمہاری بہن کے بارے میں بھی۔ اسلام میں بھی شادی کے لیے اہمیت لڑکے لڑکی کی رضامندی کی ہوتی ہے، نہ کہ اوقات اور عہدے کی۔ اتنا گرجنے برسنے سے پہلے اپنی بہن سے تو صلاح لے لو جا کر جو میرے بیٹے کے بغیر جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ تمہیں فیصلہ کرنے میں بھی سہولت رہے گی اور راہ چلتوں کے

ہاتھوں مفت کا تماشا بھی نہیں لگے گا۔"

پھوپھا جان کی والدہ بھی خوب شیر ہو کر بولی تھیں۔ تایا جان کف اڑانے لگے۔ جب ہی سعدیہ بھائی کے سامنے تن کر سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"بھائی جان! میں شادی کروں گی تو آفتاب زبیری سے ورنہ کسی سے نہیں۔"

ان کی آنکھوں اور انداز میں بلا کی جرأت تھی۔

اور پھر چھ ماہ کی سرد اور گرم جنگ کے بعد دادی نے پھپھو کو عاق کرنے کی دھمکی دے ڈالی۔ پھپھو پھر بھی اڑی رہیں تو تایا جان نے بے حد سادگی سے چند جوڑے کپڑوں کے ساتھ نکاح کے دو بول پڑھوا کر انہیں رخصت کر دیا اور ساتھ ہی ساری زندگی صورت نہ دیکھنے کی قسم کھالی اور اس قسم کے سب ہی پابند تھے۔ دادی نے بھی دوبارہ ان کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا۔ سب نے اپنے سینوں پہ پتھر رکھ لیے اور یہ عقدہ تو بھولی بھالی پھپھو پر شادی کے بعد کھلا کہ آفتاب زبیری نے ان سے یہ شادی دولت کی خاطر کی تھی نہ کہ محبت کی خاطر۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ سعدیہ پھپھو تھیں اور زندگی کا طویل کانٹوں بھرا سفر۔ گھر سے تعلق ٹوٹا تھا مگر خاندان والوں سے آفتاب زبیری کی والدہ کے توسط سے تھوڑا بہت جڑا ہوا تھا۔ کبھی کبھار کسی تقریب میں سالوں بعد گھر والوں سے آمنا سامنا ہو جاتا مگر گھر کا کوئی فرد بھائی، بھابھی، ماں ان سے ملنے کی روادار نہ تھیں۔ دادی فوت ہوئیں تو انہیں صرف دو منٹ کے لیے چہرہ دیکھنے کی اجازت ملی۔ وہ بھی جب تایا جان موجود نہیں تھے اور آخری بار وہ گھر آئی تھیں ڈیڈی کی میت پر، ڈیڈی کی جواں مرگی پر وہ بہت ٹوٹ کر روئی تھیں ان کے بین اور آنسو دیکھ کر ہر کوئی رو پڑا تھا مگر تایا جان نے انہیں دیکھتے ہی گھر سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

"تو یہ حقیقت ہے خواہش کو پالینے کی۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"روشی! کھانے کے ساتھ چائے کا ایک تھرماس بھی ضرور تیار کر دینا۔ مجھے ابھی جاگنا ہے اور کھانا امی کے پاس......" کسی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر گھمایا تھا۔

"اوہ بیا تم، سوری۔ میں سمجھا روشی ہے۔" وہ حیرت زدہ سی مڑی تو رافع بھائی اس کی شکل دیکھ کر خجل سے ہو کر بولے۔ ان کی غلط فہمی درست بھی تھی کہ وہ روشی کے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔

"امی بتا تو رہی تھیں مگر میں نے دھیان سے سنا نہیں، بارش نے تو آج کمال ہی کر

دیا۔ سارا شہر جیسے ڈوبا پڑا ہے۔ کہیں بھی لائٹ نہیں، کئی جگہوں پر تو گھٹنوں گھٹنوں پانی ہے۔ بڑی مشکل سے گھر پہنچا ہوں۔ بس نہانے کی جلدی تھی۔ میں نے امی کی بات پوری سنی نہیں۔ تم اچھی تو ہو نا!" وہ اپنے گیلے بال تولیے سے رگڑ رہے تھے۔

"جی ٹھیک ہوں۔" وہ کچھ بے دلی سے بولی۔

"گھر والوں کو پتا ہے نا کہ تم یہاں ہو؟" وہ چند سیکنڈ بعد پھر بولے۔

"جی، وہ پھوپھا جان جا کر بتا آئے تھے۔" وہ کرسی پر جا بیٹھی۔

"ابو!" وہ جیسے لبوں پر بڑبڑائے وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"ایگزام کیسے ہوئے تمہارے؟" وہ سر جھٹک کر بولے۔

"ٹھیک۔" اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"بھائی! کھانا امی کے کمرے میں رکھ دیا ہے۔" روشی نے آ کر اطلاع دی تو وہ سر ہلا کر چل پڑے۔

"بیا! تم اب سو جاؤ۔ تھک جاؤ گی۔" روشی اس کے پاس آ کر ہمدردی سے بولی۔

"نیند نہیں آ رہی۔" اس نے اپنی کنپٹی دبائی۔

"یوں ٹینس رہو گی تو کیا ہو جائے گا۔ اب یہ چند گھنٹے تو گزارنے ہی پڑیں گے چائے لاؤں تمہارے لیے؟"

"نو تھینکس۔ تم تھکتی نہیں اتنا کام کر کے۔"

اس نے ہمدردی کی۔ آخر اس سارے میں کم از کم اس کا یا کسی کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔

"کون سا کام؟" وہ کچھ حیران سی ہو کر بولی۔

"جب سے ہم کالج سے آئے ہیں۔ تم مسلسل کام میں لگی ہو۔"

بارش ہلکی ہونے کے بعد اس نے صحن اور دونوں کمروں کی صفائی کی تھی۔ کمرے میں پوچا لگایا، ڈسٹنگ کی پھر صحن کی دھلائی، کچن کا سارا کام، کھانا پکانا اور بعد میں برتنوں کی دھلائی۔ ابیہا نے ایک آدھ دفعہ اس کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی، مگر اس نے اسے ہاتھ نہ لگانے دیا۔

"تم پہلی بار ہمارے گھر آئی ہو اور شاید......" وہ رکی۔ "تم بس جا کر امی کے پاس

بیٹھو۔ امی کو میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اس قدر خوش دیکھا ہے۔'' اس نے لیہا کا ہاتھ پکڑ کر صحن سے باہر نکال دیا تھا۔

''ارے یہ بھی بھلا کوئی کام ہوئے، یہ سب تو زندگی کا حصہ ہیں، اگر میں نہ کرتی تو امی کرتیں تو کیا امی کرتی اچھی لگتیں اور میں تمہارے ساتھ بیٹھی باتیں مٹھارتی اچھی لگتی۔

بیا! ہماری امی نے بہت کٹھن زندگی گزاری ہے۔ یہ ہم دونوں بہن بھائیوں کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ ہماری کیا ہیں۔'' وہ دکھی سی ہو کر بولی۔

''مجھے معلوم ہے۔'' لیہا نے دھیرے سے کہا۔

''ہمارے ابو......'' وہ رکی پھر کچھ سوچنے لگی۔ ''اچھا تم بتاؤ، تم اپنے گھر میں کیا کیا کام کرتی ہو؟'' اس نے موضوع بدل ڈالا۔

''کچھ خاص نہیں، میرا مطلب صفائی، کپڑے وغیرہ کچن کے برتن کے لیے ملازمہ ہے، باقی شریفاں ہوتی ہے اوپر کے کاموں اور کچن میں ممی کا ہاتھ بٹانے کے لیے کبھی کبھی میں ضوبا بھی کر لیتے ہیں۔'' اسے بتاتے ہوئے شرمندگی سی ہوئی تھی۔

''چلو اچھی بات ہے، زندگی پڑی ہے ان کاموں کے لیے اور اللہ کرے تمہیں آئندہ زندگی بھی ایسی اچھی اور آرام دہ ملے۔ بھئی میں تو چائے لینے جا رہی ہوں۔ تم میرا ساتھ دینے کے لیے دو گھونٹ پی لو نا!'' روشی ایک بے چین لڑکی تھی۔ چند منٹ سے زیادہ کہیں ٹک کر بیٹھتی نہیں تھی سو پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا لے آؤ۔ نیند تو آ نہیں رہی۔ مزید بھگا لیتے ہیں۔'' اس نے ذرا سا مسکرا کر کہا۔

یہ کس کا پروگرام ہے بھئی رت جگا منانے کا۔'' رافع بھائی اندر آتے ہوئے بولے۔

''فی الحال تو ہم دونوں کا ہے۔ اگر آپ کا شمولیت کا ارادہ ہے تو آپ کو بھی انوائٹ کر لیتے ہیں۔'' روشی جاتے جاتے رکی۔

''نو سوری، میں تم لوگوں کی طرح فارغ نہیں۔ اگلے ماہ سے میرے فائنل ایگزام ہونے والے ہیں۔ جاگنا تو ہے مگر پڑھنے کے لیے۔ روشی! چائے پلیز۔''

''بنا رہی ہوں بھائی! آپ کو تو دعا کرنی چاہیے تھی۔ آج بارش پانی کے بجائے

چائے کی ہوتی اور آپ سال بھر کی چائے اسٹور کر لیتے۔''

''وہ بھی سال بعد ختم ہو جاتی پھر تمہیں بنانی پڑتی۔'' روشی منہ بنا کر باہر نکل گئی۔

''بیا! اس وقت کوئی سواری ملنا بہت مشکل ہے۔ رئیلی! اگر مجھے شام کو پتا چل جاتا تو میں فوراً گھر آ جاتا مگر اب تمہیں معلوم تو ہے اس موسم میں...... اگر تم کہو تو میں جا کر کوئی ٹیکسی یا رکشہ دیکھ لوں؟'' وہ اس کی طرف پلٹے۔ رات کا ایک بجنے کو تھا۔ اسے باہر کا سوچ کر ہی جھرجھری سی آ گئی۔

''نہیں رہنے دیں۔ اب تو تین چار گھنٹے بس گزر ہی جائیں گے کسی طرح۔'' وہ ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔

''اور گھر میں سب ٹھیک ہے؟ ماموں، ممانیاں۔''

وہاں کوئی ان کا ذکر تو کیا نام لینا پسند نہ کرتا اور یہ لوگ ان کی خیریت پوچھے جا رہے تھے۔

''جی، ٹھیک ہے۔'' وہ قدرے بے دلی سے بولی۔

''زریاب کی سناؤ۔ فون وغیرہ آتا ہے۔''

''جی!'' وہ کرسی پر سمٹ سی گئی۔

''کب تک آنا ہے اس نے؟''

''دیکھیں۔ شاید اسی سال یا چھ آٹھ مہینے بعد۔'' وہ کچھ اٹکتے ہوئے بولی۔

''اچھا!'' وہ سر جھکا کر سوچنے لگے۔

''بیا! تم سے ایک بات کہنی ہے۔'' چند لمحوں بعد وہ اس کی طرف دیکھ کر بولے۔

''جی کہیے۔'' ان کے لہجے میں کچھ تھا۔ وہ چونک سی گئی۔

''سچ کتنا ہی سچ کیوں نہ ہو۔ اس کے بولنے کے لیے کچھ کنڈیشنز لازمی ہوتی ہیں۔ ماحول، موسم اور سب سے بڑھ کر کہنے والے کا قابلِ بھروسہ ہونا اور تم پتا نہیں میرے بارے میں ایسی رائے رکھتی ہو یا نہیں۔''

وہ جانچتی ہوئی نظروں سے لیہا کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھنے لگا۔

''آپ کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولی۔

''آج شاید اس سچ کے لیے موزوں ماحول نہیں، او کے پھر سہی۔'' وہ جانے کو

پلٹے۔

''رافع بھائی! آپ جو کہنا چاہتے ہیں، پلیز کہہ دیں۔ کنڈیشنز کی پروانہ کریں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''پھر تمہیں اس سچ پر یقین نہیں آئے گا۔''

''یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

''اگر تمہیں ہی یقین نہ آئے تو پھر بتانے کا کچھ فائدہ نہیں۔''

''رافع بیٹا! کھانا کھا لیا ہے تو اب چائے کا دور نہ شروع کر دینا۔ جا کر تھوڑا آرام کرو۔ صبح سویرے اٹھ کر پڑھ لینا۔'' اسی لمحے پھپھو اندر داخل ہوئی تھیں۔

''نہیں امی! آرام ابھی نہیں۔ کم از کم دو ڈھائی ماہ تک تو بالکل نہیں ایگزام ہو جائیں پھر سوچوں گا۔''

''اور ہاں، صبح تم نے کتنے بجے جانا ہے؟'' پھپھو کو کچھ یاد آیا۔

''جلدی نکلوں گا آٹھ سوا آٹھ بجے تک، کیوں؟''

''بیا کو تو تمہارے ابو چھوڑ آئیں گے۔ تم مجھے اور روشی کو اپنے ساتھ لے جانا۔ فوزیہ کو دیکھنے جانا ہے۔ ہاسپٹل۔ کیا کہتی ہوگی۔ اچھی بہن ہے ہفتے بھر سے خبر نہیں لی۔ اب تو میرا خیال ہے۔ وہ ڈسچارج ہونے والی ہوگی۔''

''ابھی نہیں میں کل شام کو گیا تھا۔ ابھی انہیں تین چار دن اور لگیں گے۔''

''روشی کے پریکٹیکلز نے دیر کر دی۔ کل تو میں ضرور ہی جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے صبح جلدی تیار ہو جایئے گا، لے جاؤں گا۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔

''بیا بیٹا! میں بہت شرمندہ ہوں کوشش کے باوجود...... اگر گھر میں کوئی سواری ہوتی یا فون...... فون تو خیر اگلے ہفتے لگ ہی جائے گا۔ میں تمہیں بھجوا نہیں سکی۔'' وہ کچھ شرمندہ سی اس کے پاس آ بیٹھیں۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اتر آئی۔

''تم پریشان ہو نا؟'' وہ فکرمندی سے اس کے بال سنوارتے ہوئے بولیں۔

''کوئی بات نہیں پھپھو!'' وہ بڑی مشکل سے مسکرائی۔

''اب سو جاؤ، میں نے تمہارے پھوپھا سے کہہ دیا ہے۔ وہ صبح سات بجے تک تمہیں چھوڑ آئیں گے۔''

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ سات بجنے میں تو ابھی بہت دیر تھی۔

''ربیعہ کا تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔ وہ کیسی ہے۔ اس نے تو پچھلے سال گریجویشن کر لیا تھا۔''

''جی ٹھیک ہے وہ بھی۔'' وہ شاید اس کا دھیان بٹانا چاہ رہی تھیں۔

''اس کی شادی بھی تو طے تھی نا اپنے ماموں زاد کے ساتھ۔ کیا نام تھا بھابھی کے بھائی کا جو انگلینڈ میں ہوتے ہیں۔'' وہ ذہن پر زور دے کر بولیں۔

''ہمدانی انکل وہ آئے ہوئے ہیں پاکستان آج کل اسی سلسلے میں۔ ایک دو دن میں انہوں نے گھر بھی آنا تھا۔ فائنل ڈیٹ رکھنے۔ ربیعہ کی شادی تایا جان شاید ایک آدھ مہینے میں کر دیں گے۔''

''زریاب ان ہی کے پاس ہوتا ہے نا انگلینڈ میں؟''

''نہیں۔ آج کل تو وہ فرینکفرٹ میں ہوتے ہیں۔ دو تین سالوں سے وہیں ہیں۔''

''اچھا!'' وہ سر ہلا کر بولیں۔

''پھپھو! ایک بات پوچھوں؟'' وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''ہاں پوچھو۔'' انہوں نے اس کی طرف یوں دیکھا۔ جیسے پتا ہو وہ کیا پوچھے گی۔

''پھپھو! آپ صلح کیوں نہیں کر لیتیں تایا جان اور چاچو سے۔''

''صلح!'' وہ ایسے ہنسیں جیسے ابھی رو دیں گی۔

''بہت دفعہ کوشش کی۔ شادی کے بعد کئی بار فون پر اور کئی بار خود جا کر معافی مانگی۔ اماں جان بہشتن سے بھی اور بھائیوں سے بھی۔ اماں جان نے تو آخر کار معاف کر دیا تھا مگر بھائی...... انہوں نے میری شکل دیکھنے سے انکار کر دیا تو اماں جان نے بھی مجھے گھر آنے سے منع کر دیا۔''

پھر میں بس ان کے انتقال پر گئی تھی۔ بہت بہت دل کرتا ہے بڑے بھائی جان کی صورت دیکھنے کو چھوٹے بھائی......'' آنسو ان کی آنکھوں سے پھر برسنے لگے۔

''تم اب سو جاؤ۔ بہت دیر ہو گئی؟'' انہوں نے آنکھیں رگڑیں اسی وقت روشی دو مگ اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

''لڑکی! باؤلی ہو گئی ہو۔ چائے پی پی کر خشکی کرنی ہے۔ دماغ میں۔ سو جاؤ اب اور

بیا کو بھی سونے دو۔" انہوں نے روشی کو گھورا۔

"امی! بالکل دو دو گھونٹ ہیں۔ اس کے بعد بس سونے ہی لگے ہیں۔" اس نے ایک کپ بیا کو تھمایا اور اپنا کپ لے کر بستر پر جا بیٹھی۔

"اچھا بیٹا! سو جانا۔ میں صبح تمہیں اٹھا دوں گی اور کوئی فکر نہیں کرنا۔ روشی! صبح جانا ہے فوزیہ کو دیکھنے تم بھی صبح جلدی اٹھ جانا میں تمہاری وجہ سے رکی ہوئی تھی۔" انہوں نے روشی کو تاکید کی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

☆☆☆

"آپ اندر آئیں نا!"

پھوپھا جان نے اسے گھر کے گیٹ سے دس قدم دور ہی اتار دیا تھا۔ اس نے مروتاً انہیں دعوت دی۔

"آئیں نا پھوپھا جان اندر۔" انہیں خاموش دیکھ کر ایہا نے پھر اصرار کیا۔

"نہیں، بہت بہت شکریہ۔ کل بھی اچھی خاصی عزت افزائی ہوئی تھی میری۔ کسی نے جھوٹے منہ اندر بلانا گوارا نہیں کیا تھا۔ ہاں بھئی اونچے لوگ ہیں، تم جاؤ۔ تمہارا اندر شدت سے انتظار ہو رہا ہوگا۔" آخر میں انہوں نے اسے ان ہی پراسرار نظروں سے دیکھا تھا۔ لبوں پر عجیب سی مسکان تھی جسے وہ چھپانا بھی نہیں چاہ رہے تھے۔ وہ ایک دم پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی گیٹ تک آ گئی۔ اسی وقت ان کا ویسپا واپس مڑا اور چند لمحوں بعد ہی اس کی آواز معدوم ہو گئی۔

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس نے ذرا سا دھکیلا اور اندر چلی آئی۔ اطراف کے دونوں لان بارش سے خوب دھلے ہوئے تھے۔ ہری ہری گھاس کی رنگت سورج کی ابھرتی سنہری روشنی میں خوب کھل رہی تھی۔ ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر پھولوں کی خوشگوار باس کو اپنے اندر اتارا۔ لان کے ساتھ جاتی بجری کی ڈھلی ہوئی روش پر چلتی ہوئی وہ جیسے سنگ مرمر کے برآمدے تک پہنچی اس کے قدم وہیں جم گئے۔

سامنے کین کی کرسی پر ممی بیٹھی تھیں۔ تھکی تھکی سی نڈھال، بکھرے بال ملگجا حلیہ، سوجی ہوئی آنکھیں، سوکھے پپڑی زدہ ہونٹ اور چہرے کی پیلی رنگت اس نے ان کی ایسی حالت تو شاید ڈیڈی کی وفات پہ بھی نہ دیکھی تھی ایہا کے دل نے کئی دھڑکنیں مس کیں۔

اس نے بڑی مشکل سے تین سیڑھیاں عبور کیں۔

"مم...... ممی کیا ہوا۔ آپ یوں، ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟" اس نے ذرا سا جھک کر ان کا کندھا ہلایا تو جیسے ان کے ساکت وجود میں جان پڑ گئی انہیں شاید اس کے لمس پر ہزار واٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

"تم...... تو کہاں سے آئی ہے مردود، کہاں سے؟" انہوں نے بالکل اچانک اس کے جھکے ہوئے چہرے پر تڑاتڑ تھپڑوں کی بارش کر دی۔

وہ لڑکھڑا کر کاریڈور کے پلر سے جا ٹکرائی۔

"ممی! کیا ہو گیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے؟ نامراد، بتاؤں تجھے میں کیا ہو گیا ہے۔ تو پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہ گئی بیا! تو نے میری بیوگی کو ایسا داغ لگایا۔ ہائے آج سوچتی ہوں۔ رات بھر سے دعائیں کر کر کے تھک گئی۔ تمہارے باپ کی جگہ میں قبر میں اتر گئی ہوتی تو اب تک میری ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوتیں تیری یہ منحوس صورت تو نہ دیکھتی۔"

انہوں نے بے دردی سے اسے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بال ان کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ تکلیف سے اس کی چیخیں نکل گئیں اسے تو آج تک کسی نے پھول کی پتی سے نہیں پیٹا تھا کجا ایسی ذلت آمیز مار۔

"ممی! میں نے کیا کیا ہے۔ چھوڑیں مجھے۔" اس نے روتے ہوئے اپنا آپ ان سے چھڑانا چاہا۔

"تو نے کیا کیا ہے۔ یہ بھی میں بتاؤں گی۔ بول کہاں تھی رات بھر، کس کے ساتھ بھاگی تھی۔ وہ تجھے کیوں صبح سویرے اس دروازے پر دھتکار گیا۔ میں نے تو آج تیری فاتحہ بھی پڑھ لی تھی۔ سارے زمانے میں آج تجھے مردہ قرار دینا تھا تو پھر کہاں سے زندہ ہو کر آ گئی۔"

زور زور سے چلاتے ہوئے ان کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"میں کہاں تھی؟ میں رات بھر، آپ کو کچھ......" ان کے انکشاف نے تو اس کے پیروں تلے سے بھی زمین کھینچ لی اسے تو دکھن کا درد کا سب احساس بھی بھول گیا۔

"بھابی جان! بس کریں، چھوڑ دیں اس کو۔ گیٹ کھلا ہے۔ اس سے کہیں جدھر رات گزار آئی ہے۔ ادھر ہی واپس چلی جائے۔ اس گھر میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔"

تایا جان کی ٹھنڈی ٹھار بارعب آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ لاؤنج کے دروازے سے نکل کر برآمدے میں آ گئے، ان کے ساتھ تائی جان اور چاچی بھی تھیں، جبکہ نڈھال سی ضوفیا لاؤنج کے دروازے سے لپٹی کھڑی تھی۔

''تایا جان! تایا جان! آپ یقین کر لیں قسم سے۔'' میں تو رات کو...... موسم خراب تھا۔ کل میں نے کالج سے گھر پیغام۔ اس سے کچھ بھی ٹھیک طرح بولا نہیں جا رہا تھا۔

''اسی موسم کا تو نے فائدہ اٹھایا ہے۔ ہم اب کوئی اور دلیل کوئی بہانہ، کوئی عذر نہیں سنیں گے۔ جس طرح چپ چاپ آئی ہو اسی طرح چپ چاپ واپس مڑ جاؤ۔ سارے شہر میں تمہاری گمشدگی کا ڈھنڈورا پٹ چکا ہے۔ کہاں کہاں نہیں تلاشا تمہیں جو کالک رات کی سیاہی میں تم نے ہمارے چہروں پر ملی ہے۔ اسے اب ملی رہنے دو۔ تمہارے اس طرح پلٹ کر آنے سے وہ دھل نہیں جائے گی۔ جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے بہت بے دردی سے اسے کندھے سے پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف دھکا دیا تھا۔

''تایا جان! تایا جان! میں کہیں نہیں گئی تھی۔ میں تو پھپھو کی طرف تھی رات بھر......'' وہ زور سے چیخی۔ اسے احساس ہوا کہ اب نہ بولی تو تمام عمر دھکے کھائے گی۔ اس نے جھک کر ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

''مت جھوٹ بول۔ جانتی ہے نا ہمارا اس عورت سے کوئی تعلق کوئی رشتہ نہیں اور تو اس سے رات کی سیاہی میں عزت کا بندھن باندھ آئی ہے۔ بھابی! اس سے کہو یہ یہاں سے چلی جائے ورنہ میں اسے اٹھوا کر باہر پھینکوا دوں گا اور میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے۔'' تایا جان کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

''تایا جان! قسم لے لیں تایا جان! موسم خراب ہو گیا۔ وین والا نہیں آیا۔ مجھے روشی اپنے ساتھ لے گئی۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔ میں آپ کو ان لوگوں کے پاس۔'' وہ ان کے پاؤں پکڑے زار زار رو رہی تھی۔

''بس...... بس۔'' انہوں نے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ پیچھے الٹ گئی۔

''میں اور کچھ نہیں سنوں گا۔'' نکل جاؤ یہاں سے۔'' وہ ذرا بھی نہیں پگھلے تھے۔

''توبہ کیا دیدہ دلیری ہے۔ رات بھی باہر گزار آئی ہے اور اب رو دھو کر مظلومیت کا ڈرامہ بھی کر رہی ہے۔'' اجنبی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ انکل ہمدانی اور ان کی بیوی،

تائی جان کے ساتھ کھڑے تھے۔

''تو یہ لوگ کل ہی آ گئے۔ میری بربادی کی داستان پر مہر تصدیق ثبت کرنے۔''

''تایا جان! آپ بیا کی پوری بات تو سن لیں۔'' ولید نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ ممی کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

''ہرگز نہیں۔ تم بھی دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جو کوئی مجھ سے اس کی سفارش کرے گا میں اسے بھی نکال دوں گا۔ عزت آبرو کوئی کھیل ہے، مذاق ہے۔ جس کا جب جی چاہا گھر سے باہر بغیر بتائے رات بتا دی اور صبح پاک صاف ہو کر چلے آئے۔ سنو صاحبزادے! یہ عزت میرے باپ دادا نے میں نے رات بھر میں نہیں کمائی جو تم جیسوں کے ہنسی مذاق کے حوالے کر دوں، نکالو اس بدبخت کو یہاں سے۔'' وہ اپنے موقف سے ایک انچ نہ ہٹے۔

''ولید! پلیز میرا یقین کرو۔ میں پھپھو کی طرف تھی۔ کوئی مجھے لے کر آنے والا نہیں تھا۔ پھوپھا جان گھر آ کر بتا گئے تھے رات کو کہ وہ مجھے صبح چھوڑ جائیں گے یا ادھر سے کوئی آ کر مجھے لے جائے۔ میں تو رات بھر......'' وہ اپنی ہچکیاں روکتے ہوئے بمشکل بولی تھی۔

''جھوٹ بکواس، کوئی ادھر نہیں آیا۔ بولیں بھابی! کوئی آیا پیغام؟'' چاچو آگے بڑھ کر گرجے تھے۔ ممی نے بے حد سنجیدگی سے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

''ممی! خدا کی قسم ممی! پھوپھا جان خود آئے تھے۔ وہ آپ سے ملے تھے، آپ نے انہیں کہا......'' وہ دیوانہ وار سیڑھیاں پھلانگ کر ممی کے پاس جا کر زور سے بولی۔

''اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کو کیوں ماں کو بھی دوزخی کر رہی ہے۔ کوئی نہیں آیا تھا یہاں۔ پوری رات اس پورے گھرانے نے کانٹوں کے بستر پر گزاری۔ یہ بدنصیب عورت اسی جگہ بیٹھی رہی۔ تیری جیسی نامراد اولاد کی راہ تکتی رہی۔ پوچھ اس سے۔'' تائی جان نفرت سے بولیں۔

وہی تائی جان جو اسے دیکھتے ہی کھل اٹھتی تھیں اور ان کے منہ سے پھول جھڑنے لگتے تھے۔

''دیکھو، تم سب لوگ اب اندر جاؤ میں مزید کوئی تماشا افورڈ نہیں کر سکتا۔ بھابی! آپ خود اس سے کہیں یہ یہاں سے چلی جائے ورنہ مجھے خود اسے دھکے دے کر نکالنا پڑے گا۔'' تایا جان ایک بار پھر غصے میں اس کی طرف بڑھے۔

"ممی، نہیں ممی! پلیز میرا یقین کریں، مجھے تو کچھ بھی نہیں پتا، آپ پھپھو سے پوچھ لیں۔ کسی سے بھی پوچھ لیں۔ میں کیا کرتی۔ اتنی تیز بارش میں اکیلی......" وہ تایا جان کے جلال سے بچنے کے لیے ماں کے پیچھے چھپتے ہوئے چیخی۔

"بارش میں تم پگھل جاتی۔ جھوٹی، کس قدر مکار فریبی نکلیں تم۔ ہمارے سر میں خاک ڈال دی۔ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہے ہم۔" تائی جان زہر خند لہجے میں بولیں۔

"یہ فضول کے ٹسوے بہانہ بند کرو۔ جہاں رات بھر رہی ہو، ادھر ہی دفع ہو جاؤ۔ اس گھر میں اب تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہ میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے، سنا تم نے۔" تایا جان نے اس کی کلائی اپنی آہنی گرفت میں لے کر ایک بار پھر اسے سیڑھیوں کی طرف دھکیلا تھا۔

"تایا جان! ہوسکتا ہے یہ سچ کہہ رہی ہو۔ آپ پلیز تحمل سے اس کی بات سنیں۔" ولید نے ایک بار پھر مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ ولید! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" وہ غصے سے چلائے۔

"آپ اس طرح بھی تو اسے گھر سے نہیں نکال سکتے۔ میں سچ جان کر رہوں گا۔ آپ آئیں میرے ساتھ۔ اگر اس کی بات سچ ہوئی تو آپ کو اسے معاف کرنا ہوگا اور اگر جھوٹ ہوئی تو جو آپ فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔" ولید ان کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ جھوٹ بول رہی ہے، مجھے معلوم ہے۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔" تایا جان چبا چبا کر بولے۔

"تو یہ ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ آئیں میرے ساتھ۔" اس نے زبردستی ان کا ہاتھ پکڑا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

"میں بھی آتا ہوں ساتھ۔" انکل ہمدانی فوراً ان کے پیچھے لپکے، چاچو وہیں کھڑے رہے۔ چند منٹوں بعد ہی ولید انہیں گاڑی میں بٹھا کر لے جا چکا تھا۔ لیہا کے حد سے زیادہ ہراساں دل کو ذرا سی ڈھارس محسوس ہوئی۔

ظاہر ہے پھپھو کیوں انکار کریں گی۔ میں رات بھر تو ان کے پاس تھی۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

وہ تھک کر وہیں ممی کے قدموں کے پاس ڈھیر ہوگئی۔ ممی تو کرسی پر ادھ موئی سی

پڑی تھیں۔ تائی جان اور چاچی نے اسے حقارت بھری نظر سے دیکھا اور اندر چلی گئیں۔ ضویا اسی جگہ کھڑی تھی دیوار سے جڑی ہوئی۔ اس کے پاس ہی حارث آ کر کھڑا ہو گیا تھا، متوحش نظروں سے سب کو تکتا ہوا۔

ایک ایک لمحہ قیامت سے بھاری گزر رہا تھا۔ جیسے وقت کی نبضوں کو کسی آہنی ہاتھ نے جکڑ لیا تھا، اسی ہاتھ کو زور آور گرفت نے لیہا کی دھڑکنوں پر بھی نا قابل برداشت بوجھ ڈال رکھا تھا۔

ان کی واپسی تک کسی میں بھی بولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ نہ ممی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے خود سے کوئی صفائی دی۔ بس سب کچھ ٹھیک ہو جانے کی دعائیں مانگتی رہی۔ اپنے سچے ہونے کے باوجود اس کا دل ان دیکھے اندیشوں کے بھنور میں ڈوب رہا تھا۔

تب ہی گاڑی گیٹ پر آ کر رکی۔

سب سے پہلے تایا جان اترے تھے۔ ان کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

ولید بہت نڈھال سا گاڑی سے نکلا تھا۔

"میں کہتا تھا نا۔ یہ بے غیرت لڑکی جھوٹ بولتی ہے۔" وہ قریب آ کر گرج دار آواز میں چلائے۔

☆☆☆

"وہ بدمعاش لچا لفنگا آفتاب زبیری، آج دوسری بار اس گھر کی بیٹی نے مجھے اس کے سامنے دو کوڑی کا کر دیا وہ تو مجھے دیکھ کر حیران ہی رہ گیا اور جو ولید نے اس بدبخت کے بارے میں پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ یہ نامراد اس کے گھر کیوں آنے لگی۔ اس نے تو برسوں سے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ وہ تو کلام پاک اٹھا کر لے آیا قسم کھانے کے لیے۔ وہ کتنا ہی خبیث کیوں نہ ہو کم از کم قرآن ہاتھ میں لے کر تو جھوٹ نہیں بک سکتا۔ اب بتاؤ، میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں اسے یہیں گولی مار دوں یا خود مر جاؤں۔

اس گھر کی بیٹیوں نے مجھے دوبارہ زندہ قبر میں اتارا ہے بھابی! اس سے کہو یہاں سے کہیں دور چلی جائے۔ میں اب جیتے جی اس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہ میری نظروں سے دور ہو جائے ابھی اور اسی وقت۔" انہوں نے کہتے ہوئے ایک آخری نفرت بھری نگاہ بیا کے چہرے پر ڈالی اور پشت پھیر کر کھڑے ہو گئے۔

ان کی قہر برساتی آواز سن کر ہی گھر کے سب لوگ ایک بار پھر وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔

"تایا جان! مجھے معاف کر دیں۔ خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں....." اس نے گڑگڑاتے ہوئے ان کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

انہوں نے اس کے ہاتھ کو زور سے پاؤں تلے کچلا اور دور جا کر کھڑے ہو گئے۔

"میرا آخری فیصلہ...... بھابی اگر آپ اس کو گھر سے نہیں نکالیں گی۔" وہ چبا چبا کر بولے۔ "تو پھر آپ کو اپنے باقی دونوں بچوں سمیت اس گھر سے ہر رشتہ اور تعلق توڑ کر نکلنا ہو گا۔ آپ کا جائیداد میں جو حصہ بنے گا وہ آپ کو مل جائے گا مگر اس گھر سے نکلنے کے بعد۔ اور اگر آپ اس کو گھر سے نکال دیتی ہیں تو پھر دوبارہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گی۔ تب ہی میں آپ کی اور آپ کے دونوں بچوں کی ذمہ داری لے سکتا ہوں، دونوں باتیں آپ کے سامنے ہیں اور آپ کے پاس سوچنے کے لیے آج کی رات اور کل کا دن ہے۔ خوب اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کر لیں اور آپ جانتی ہیں۔"

وہ جاتے جاتے رکے اور اسی پتھریلے لہجے میں بولے۔

"میں اپنے فیصلے بدلنے کا عادی نہیں اور بخدا رو دھو کر مجھے اس پر مجبور کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے کیونکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔"

ان کی آہنی لہجے کی گونج خاموش فضا میں ان کے جانے کے بعد بھی سب کو دہلاتی رہی پھر ایک ایک کر کے سب ان کے پیچھے چلے گئے۔

ان کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اور ناقابل ترمیم، یہ سب جانتے تھے اس لیے کسی کو اختلاف کی جرأت نہ ہوئی۔ ولید اور چاچو بھی اسی خاموشی سے پلٹ گئے اور وہ وہیں رستے میں اپنے زخمی ہاتھ سے اٹھتی ٹیسوں سے بے نیاز پتھر کا بت بنی بیٹھی رہی۔

ممی اس طرح نیم مردہ حالت میں بیٹھی تھیں۔ ضوبا اسی طرح دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی اور حارث، ممی اور ضوبا کو ہراساں نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور ابیہا کے چہرے پر شاید اسے اس کی تقدیر صاف لکھی نظر آ رہی تھی جب ہی وہ اس کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہا تھا۔

"پھوپھا جان نے ایسا کیوں کیا؟ پھپھو نے آخر سچ کیوں نہ بتایا۔" اس کی نظروں میں پھوپھا جان کی وہ آخری پراسرار مسکان ٹھہر گئی تھی۔

"میں ادھر آنے سے پہلے اس ذلت کو سہنے سے پہلے مر کیوں نہ گئی۔" اس کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا مگر آج سے اس گھر سے شاید اس کے دل کے سارے اختیارات چھین لیے جانے تھے۔

وہ ٹکر ٹکر ممی کی شکل دیکھ رہی تھی۔ ان کی نوک زباں پر اب اس کی تقدیر دھری تھی اور ممی ان کو تو جیسے اردگرد کا کچھ ہوش نہیں تھا وہ پتھر کی طرح ساکت تھیں۔

☆☆☆

"انصاری ہاؤس" خاندان بھر بلکہ شہر بھر میں ایک مثالی گھرانہ سمجھا جاتا تھا محبت و اتفاق کے معاملے میں لوگ تینوں بھائیوں کی محبت و یگانگت کی مثالیں دیتے تھے۔

انہوں نے خود بھی کبھی تایا جی، ڈیڈی اور چاچو کے درمیان ذرا سی تکرار یا معمولی سی رنجش پنپتے نہیں دیکھی تھی۔ گھر کے سب اختیارات اور فیصلے تایا کے پاس تھے اور ان کے کسی فیصلے سے دونوں بھائیوں یا ان کی بیویوں نے کبھی اختلاف نہیں کیا تھا اور تایا جی نے بھی کبھی

اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

یہی حال تینوں کی بیویوں کا تھا۔ کبھی تائی جی، ممی یا چاچی میں روایتی حسد بغض یا بدگمانی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ تینوں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بہت رواداری اور تحمل کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

دادی کے زمانے سے ہی تینوں کے پورشنز علیحدہ علیحدہ تھے اس لیے بھی جھگڑے کا امکان نہیں تھا۔

ہفتے میں ایک دو بار تینوں فیملیز اکٹھے رات کا کھانا کھاتی تھیں۔ زندگی کے دن بہت خوش باش گزر رہے تھے۔

گھر کے سارے بچے تایا جی کے لاڈلے تھے جو فرمائش جو ضد اپنے والدین سے نہ منوائی جا سکتی اسے تایا جی بخوشی پوری کر دیتے تھے۔

اور ابیہا تو ان کی خاص منظور نظر تھی۔

اس کی شاید دو تین وجوہات تھیں۔ ایک تو وہ ان کے بھائی کی پہلی اولاد تھی اور پیدا ہوتے ہی اسے نمونیہ ہو گیا تھا اور نمونیہ بھی ایسا کہ ایک بار تو ڈاکٹر نے اس کی موت کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

اس وقت اسے تایا جی اور تائی ہی اسپتال لائے تھے دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے تائی تو باقاعدہ رونے لگیں۔ قدرت کو شاید ان کے آنسوؤں پر رحم آیا یا اس کی زندگی منظور تھی کہ چند گھنٹوں بعد اس کی حالت سنبھل گئی۔

اس روز تایا جی نے گھر آ کر ڈیڈی سے اسے اپنے اکلوتے بیٹے زریاب کے لیے مانگ لیا تھا۔ اس لیے بھی وہ ان کی پیاری تھی کہ وہ ان کی ہونے والی بہو تھی اور زریاب کی پسند بھی۔ تائی جی بھی آج تک اس پر جان چھڑکتی آئی تھیں۔

سردیوں گرمیوں کے آدھے سے زیادہ ملبوسات تائی جی اس کے لیے خرید کر لاتی تھیں اور تایا جی کی ہر شاپنگ میں اس کا حصہ ضرور ہوتا تھا۔

پھر زریاب کی طرف سے ملنے والے قیمتی گفٹس علیحدہ ہوتے۔ محبتوں کے انہی جھولوں میں جھولتے جوانی میں قدم رکھا تو خدا کی بنائی اپنی صورت دیکھ کر خود بھی پیار آنے لگا۔

تایا جی کی فیملی کی محبتوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا، وہ تو شاید اسے انٹر کے بعد ہی

رخصت کرا لیتے مگر زریاب نے باہر جا کر پڑھنے کی ضد شروع کر دی۔

یوں آج سے پانچ چھ سال پہلے وہ باہر چلا گیا۔ زندگی کے انہی خواب اور لمحوں میں تقدیر نے چپکے سے نقب لگائی اور اس کے خاموش طبع، بہت محبت کرنے والے، خیال رکھنے والے ڈیڈی کو بلڈ کینسر جیسے موذی مرض نے آن لیا اور خبر بھی اس وقت ہوئی جب ہاتھ پاؤں مارنے کی مہلت بھی نہ تھی۔

تایا جی نے ان کے علاج پر پانی کی طرح روپیہ بہایا مگر تقدیر کے آگے کسی کا بس نہ چلا۔ ڈیڈی آٹھ ماہ میں ہی دنیا چھوڑ گئے اور اس کی سدا کی ہنس مکھ خوش اخلاق ممی نے ہمیشہ کے لیے سوگ اور بیوگی کی چادر اوڑھ لی۔

ڈیڈی کے بعد تایا جی اور بھی ان سب کا خیال رکھنے لگے۔ ڈیڈی نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ضویا کا رشتہ ولید سے طے کر دیا تھا۔ اس میں ولید کی مرضی زیادہ تھی۔

ڈیڈی کی تو خواہش تھی کہ ابیہا ان کی آنکھوں کے سامنے تایا جی کی فیملی کا حصہ بن جائے مگر ان دنوں زریاب کے ایگزام تھے اور ڈیڈی یہ حسرت لیے ہی منوں مٹی تلے جا سوئے۔

"میری ابیہا گریجوایشن کر لے، ڈرائیونگ تو اس نے سیکھ ہی لی ہے پھر ایک آلٹو میں اسے گفٹ کروں گا۔"

ابھی ایک ہفتہ قبل ہی تو تایا جی نے رات کے کھانے پر اعلان کیا تھا اور اس کے سارے کزنز اسے رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"ڈیڈی! آپ نے مجھے تو گاڑی لے کر نہیں دی۔ دس دفعہ فرمائش کر چکی ہوں۔" ربیعہ کچھ منہ بنا کر بولی۔

"کیونکہ ربیعہ جی! آپ بیا نہیں ہو۔" فریال اس کے کان کے پاس با آواز بلند بولی تھی۔ تایا جی ہنس پڑے تو بیا کا چہرہ خواہ مخواہ حدت دینے لگا۔

"فریال نے صحیح کہا۔" تایا جی کی ہنسی پر ربیعہ مزید خفا ہوئی۔

"ڈیڈی یہ زیادتی ہے۔"

"اچھا بھئی، ہم سوچیں گے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے ہم بے جا کسی سے زیادتی نہیں کرتے۔"

"اور تایا جی! یہ کیا ہے؟ یہ بے وجہ کا ظلم زیادتی...... میں کس طرح آپ کو یقین

دلاؤں کہ میں نے کچھ نہیں کیا میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ آپ کی عزت کی چادر کی طرح، پھر آپ مجھ سے یہ زیادتی کیوں کر رہے ہیں؟"

اس نے اپنی آنکھیں مسلیں۔ صبح سے وہ کمرے میں بند تھی کسی نے پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی۔ نہ ممی اس کے پاس آئیں نہ گھر کا کوئی فرد۔ ملازمہ ایک بار کھانا لے کر آئی تھی جو اس نے واپس بجھوا دیا۔

اس کی بھوک، پیاس، نیند، سکون سب جیسے مٹ چکا تھا۔

وہ کئی بار زریاب کا نمبر ٹرائی کر چکی تھی۔ اس کے فون پر آنسرنگ مشین لگی تھی۔ وہ اس کو سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ اپنی معصومیت اپنی بے گناہی اس پر ثابت کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے کے گھر والے اس کے دامن پر لگا کیچڑ اسے دکھائیں وہ خود اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ کہ کہیں وہ اس سے بدگمان نہ ہو جائے لیکن شاید خدا کو یہ بھی منظور نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"کیا کروں کس طرح سب کو یقین دلاؤں۔" اسے پھپھو کی فیملی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت، بھول، گناہ کیا نام دوں میں اسے۔" اس نے دکھتے ہوئے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔ "ممی تک میری صورت دیکھنا نہیں چاہتیں تو اور کوئی کیا میرا یقین کرے گا۔"

"بیا! تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" ضویا ٹرے اٹھائے اندر آ گئی تھی۔ اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ میں سینڈوچ بنا کر لائی ہوں اور ساتھ چائے۔ کچھ کھا لو۔ تم صبح سے بھوکی ہو اور اب تو پانچ بجنے کو ہیں۔" اس نے کہتے ہوئے ٹرے میز پر رکھ دی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"کھاؤ گی تو بھوک لگے گی۔ یوں بھی خود کو بھوک کی سزا دے کر تم کچھ بھی نہیں منوا سکتیں۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مجھے کچھ نہیں منوانا جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔" وہ درشتی سے چیخ کر بولی تو ضویا خاموشی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"اچھا یہ تم تھوڑا سا کچھ لو تو سہی پھر بات کرتے ہیں۔" ضویا نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ضویا! پلیز چلی جاؤ تم یہاں سے اور مجھے کچھ نہیں کھانا۔ نہ کوئی بات کرنی ہے۔" اس کی آنکھوں کے کنارے از سر نو بھیگنے لگے۔

"بیا! پلیز یوں مت کرو یہ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے۔" اس نے ابیہا کو کھینچ کر کرسی پر بٹھایا۔

"ممی...... ممی کہاں ہیں؟" اس نے نڈھال سے لہجے میں پوچھا۔

"سو گئی ہیں۔ کل سے مسلسل جاگ رہی تھیں۔ سلیپنگ پلز دے کر آئی ہوں، بڑی مشکل سے سوئی ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی اور سینڈوچ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ وہ آنکھیں جھپک جھپک کر امڈتی برسات کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بیا! کھاؤ نا پلیز۔" اس نے سینڈوچ اس کے منہ کے پاس کیا تو بیا نے سینڈوچ کا ذرا سا کونہ دانتوں سے توڑا۔

"جب تمہیں معلوم تھا کہ گھر میں کوئی پھپھو کا نام لینا پسند نہیں کرتا تو پھر تم کیوں گئی ادھر۔" اس نے تھوڑا سا سینڈوچ کھا کر واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

"میں کیا کرتی موسم بے حد خراب تھا۔ اس قدر بارش تھی وین والا بھی نہیں آیا تھا۔ کالج سارا خالی ہو چکا تھا۔ سڑک دور دور تک بالکل ویران اور طوفانی بارش...... کسی رکشے یا ٹیکسی میں بیٹھنے سے مجھے خوف آ رہا تھا۔ روشی گھر پر جانے کیلئے نکل رہی تھی مجھے دیکھ کر اس نے اصرار کرنا شروع کر دیا۔ اپنے خوف کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے سوچا گھنٹہ دو گھنٹہ تک میں کسی طرح گھر آ ہی جاؤں گی مگر وہاں جا کر موسم اور بھی خراب ہو گیا، میں کیا کرتی۔" اس کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو پھر بہنے لگے تھے۔

"فون...... فون کر دینا تھا تایا جی کے موبائل پر، ولید کے نمبر پر، گھر پہ کہیں بھی۔"

"کہاں سے کرتی فون؟ پھپھو کے گھر فون تھا نہیں، ان کی ہمسائی کے گھر گئی تو گھر کے تینوں نمبرز ڈیڈ تھے اور موبائل ڈائل کرنے کی سہولت ان کے فون پر نہیں تھی۔"

"ممی نے حارث کو بھیجا تھا نورین کے گھر، وہ سوئی ہوئی تھی اس کی امی نے کہہ دیا کہ ابیہا نے کہا تھا وہ خود ہی گھر پہنچ جائے گی۔ دوسری بار ممی نے اس خیال سے نہ بھیجا کہ وہ

لوگ کچھ اور نہ سمجھ لیں۔ خود ہی تمہارا انتظار کرتی رہیں پھر کافی دیر بعد جب ولید آیا تو ممی نے اسے کالج بھیجا مگر وہاں تو کچھ نہیں تھا۔ تایا جی اور چاچو بھی کچھ جلدی گھر آ گئے۔ اس دوران چاچی کی کزن کی گاڑی خراب ہوگئی وہ دونوں میاں بیوی تین چار گھنٹے ادھر رکے ان کی موجودگی ہی میں انکل ہمدانی ان کی بیوی اور سالی آ گئے اور جو کچھ میں اور ممی چھپانا چاہ رہے تھے، کچھ بھی نہ چھپ سکا۔ سب کو تھوڑی ہی دیر میں خبر ہوگئی۔ چاچی کی کزن تو تین گھنٹوں بعد چلی گئیں اس کے بعد ولید اور چاچو کے موبائل پر انکے دو تین فون آئے اور خاندان کے کچھ اور عزیزوں کے بھی کہ ابیہا آئی یا نہیں، بچی کا کچھ پتا چلا یا نہیں۔ تایا جی کو جیسے ہی پتا چلا انہوں نے زمین آسمان ایک کر دیے۔

تائی جی نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کہ انکل ہمدانی اور ان کی مسز کو کچھ پتا نہ چلے۔ وہ تو ربیعہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آئے تھے اور آج دوپہر وہ لوگ کوئی بھی بات کیے بغیر واپس چلے گئے ہیں۔ تائی جی کا الگ صدمے اور غصے سے برا حال ہے اور اس کی وجہ تمہاری یہ حماقت۔'' ضویا آہستہ آہستہ اسے تفصیل بتا رہی تھی۔

''میری حماقت، میری غلطی، کوئی میری بات بھی تو سمجھنے کی کوشش کرے۔'' وہ چیخی۔

''تمہاری بات میں کچھ دم نہیں بیا! تم رکشہ کر کے آ سکتی تھیں۔ غضب خدا کا کل شام سے آدھا دن اور پوری رات۔ ادھر طوفان آنا تو لازمی تھا۔ تم خود سوچو اور زریاب کا صبح فون آ گیا تھا دس بجے کے قریب، تائی جی انہیں سب کچھ بتا چکی ہیں۔ اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔

تایا جی کا غصہ ہنوز برقرار ہے وہ دو بجے سے گھر آ چکے ہیں اور ان کے لیگل ایڈوائزر بھی دونوں اسٹڈی میں ہیں اور تایا جی اپنے فیصلے کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں یہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی۔ ممی تو صدمے سے جیسے گنگ ہو کر رہ گئی ہیں۔ مجھے تو ڈر ہے انہیں خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے۔'' ضویا کی باتوں نے اس کا رہا سہا خون بھی خشک کر دیا۔

''کیا...... کیا فیصلہ کریں گے تایا جی۔''

''جو وہ صبح کہہ رہے تھے۔'' ضویا اپنے ناخن کھرچ رہی تھی۔

''کیا...... کیا کہہ رہے تھے؟'' اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ، کون ہے؟'' ضویا نے سر اٹھا کر کہا۔

ولید دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔ اس نے ایک نظر دونوں کی اجڑی صورتوں کو دیکھا اور دروازے کے پاس پڑی چیئر پر بیٹھ گیا۔ کافی دیر تک کمرے میں خاموشی رہی جیسے تینوں کی زبانیں بولنا بھول گئی ہوں۔

''تایا جی پیپرز تیار کروا رہے ہیں۔'' وہ شاید ایک صدی بعد بولا تھا۔

''کیسے...... پیپرز!'' ضویا نے بدقت تمام پوچھا تھا۔

''پراپرٹی میں آپ لوگوں کے حصے کے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی چابی کو مٹھی میں دبایا۔

''کیا مطلب؟''

''جو وہ صبح کہہ رہے تھے دونوں باتوں میں سے ایک۔''

''کون سی دونوں باتیں؟'' اس کا جسم ہولے ہولے کپکپانے لگا تھا۔

''تمہیں اس گھر سے جانا ہوگا یا سب کو۔'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔

''مم مجھے...... مگر میں کہاں جاؤں گی؟'' اسے لگا وہ ابھی کرسی سے نیچے گر پڑے گی۔

''تایا جی اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ میں نے اور ڈیڈی نے بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر وہ تو ابھی سب کے حصے بخرے کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''بیا! ان سے جا کر معافی مانگ لیتی ہے۔'' ضویا آس بھرے لہجے میں بولی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ وہ اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلیں گے جس شخص کا دل اکلوتی بہن کی دس معافیوں پر ان چوبیس پچیس سالوں میں نہیں پگھلا یہ تو پھر......''

کمرے میں موت کا سا سناٹا چھا گیا تھا جو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے وہ دونوں سر جھکائے بیٹھی تھیں اور ابیہا پاگلوں کی طرح باری باری دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

''فیکٹری بہت عرصے سے مسلسل خسارے میں جا رہی ہے۔ گھر کی ویلیو ڈاؤن ہو چکی ہے۔ خام مال جو پروسیسنگ میں ہے دونوں کی پے منٹ اور حصے کی بات ایک سال بعد ہوگی۔''

جن کلائنٹس کو مال سپلائی کیا جا چکا ہے ان سے ادائیگی چند ماہ تک متوقع ہے اس لیے اس ادائیگی میں بھی وقت لگ سکتا ہے۔ اس طرح آپ لوگوں کو ابھی فی الحال بمشکل تیرہ چودہ لاکھ ملیں گے یا شاید اس سے بھی کم۔ ولید کچھ دیر خاموش رہا۔

''اتنے میں تو گزارے لائق گھر بھی نہیں ملتا کجا زندگی بسر ہو۔'' اور اس کی اس

تفصیل کا مطلب کیا تھا۔ اسے سمجھ میں آ رہا تھا کہ ایسی صورت حال میں پہلی شرط ہی قا: قبول ہو گی۔

اسے ہی اس گھر سے جانا ہو گا مگر کہاں؟ وہ ٹکٹکی باندھے سامنے بیٹھے نفوس کو بنا پل جھپکے تکے جا رہی تھی۔

کوئی امکان کوئی رستہ اور چوائس شاید!

☆☆☆

اسے آج بھی یاد تھا جان پال سے اپنی پہلی ملاقات کا منظر اس فائیو اسٹار ہوٹل م اسے بطور ریسپشنسٹ اپائنٹ ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے بلکہ شاید ہفتہ دس دن ہی ہو۔ تھے اور اس کی جاب بھی دو ماہ کے ٹرائل پر دی گئی تھی۔

اس شاندار ہوٹل میں بطور ویٹرس ہی جاب مل جانا بہت بڑی بات تھی کجا ریسپشنسٹ کی جاب اور اسے اس دو ماہ کی عارضی نوکری کو اپنے لیے مستقل کرنا تھا کیونکہ یہ جاب ا کے خوابوں کے منزل کی جانب رستے کا پہلا قدم تھا۔

اس روز ہوٹل میں کوئی بین الاقوامی سیمینار تھا شاید کسی بیماری کے بارے میں سارے ہوٹل میں گہما گہمی تھی۔

دو دن پہلے ہی ہوٹل کے تمام کمرے بک ہو چکے تھے۔ غیر ملکی مہمانوں کی غیر معمو کھیپ نے انتظامیہ کو خاصا چوکنا اور متحرک کر دیا تھا۔

''مس عائشہ! آپ کو بہت الرٹ رہنے کی ضرورت ہے۔ عام دنوں کے مقابل میں دس گنا زیادہ مجھے کوئی کمپلین نہ ملے۔'' اسسٹنٹ منیجر مصروف سے انداز میں اسے صبح ہ تنبیہہ کر گئے تھے۔

اور اس تنبیہہ کا نتیجہ تھا کہ وہ اس ''فری'' ہوتے غیر ملکی مہمانوں کو بڑی شائستگی سے بھگتا رہی تھی جو ہال میں موجود ویٹرز کو نظر انداز کر کے کبھی اس سے Exit کا پوچھنے آتا، کبھ لفٹ کا اور کبھی سیمینار سے متعلق دوسری معلومات۔ وہ اچھی خاصی چڑ گئی تھی مگر جب تیسر پھیرے پر شائستہ نے ایک گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا تو وہ قدرے چونک گئی۔

اس غیر ملکی مہمان کا بیحد قیمتی سوٹ، بیش قیمت گھڑی، گولڈ کی موٹی چین او آنکھوں سے ٹپکتا اشتیاق...... اسے لگا اس کی منزل خود چل کر اس کے قریب آ رہی ہے اور و

جو صبح سے ہائی ہیل سینڈل میں بیحد مستعد اور الرٹ کھڑی اپنی ڈیوٹی نبھا رہی تھی اس نے ڈیوٹی پر دل میں لعنت بھیجی اور اس مہمان کے التفات و اشتیاق کو توجہ دینے لگی جس کے نتیجے میں وہ شام کو اس کے ساتھ ایک دوسرے ہوٹل میں ڈنر کر رہی تھی۔

وہ ادھر پندرہ دنوں کے لیے آیا تھا۔ پندرہ دن تو بہت زیادہ تھے اس نے اپنی پراپرٹی اور پیسے کی جو جھلک شائستہ کو دکھائی تھی وہ پندرہ منٹوں میں اپنے دل سمیت اپنا آپ اس کے قدموں میں ڈھیر کر چکی تھی۔

وہ اپنے ذرائع سے اس کے بارے میں بلکہ اس کی پراپرٹی کے بارے میں حتی القدور معلومات بھی حاصل کر چکی تھی جب جان پال نے اسے حسب توقع پروپوز کر دیا۔

''ول یو میری می۔'' وہ ہوٹل کے اس نیم تاریک گوشے میں اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بڑے جذب سے پوچھ رہا تھا۔

''تم جانتے ہو ہم دو مختلف انتہاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔'' شائستہ نے بیحد شائستگی سے اس کے پرپوزل کا جواب دیا تھا۔

''میری نظر میں مذہب شادی سے علیحدہ چیز اور تمہاری نظر میں......'' اور شائستہ کی نظر میں تو اس وقت جان پال کی ہینڈسم پراپرٹی کے سوا اور کچھ بھی اہم نہیں تھا۔

''مذہب ہماری زندگیوں کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ یہ آگے جا کر کہیں نہ کہیں ایک بڑے اختلاف کا باعث بن سکتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں اپنی گارنٹی دیتا ہوں۔ مجھے تمہارے مذہب سے کوئی غرض نہیں تم میرے مذہب کو بھول جاؤ ہم پیپر میرج کر لیں گے۔ ہم اچھے دوست تو ہیں نا اور شادی کے لیے دوستی پہلی ٹھوس شرط ہوتی ہے۔'' وہ اپنے کلچر اور تہذیب کے عین مطابق بات کر رہا تھا۔ اس کے والدین پارسی تھے اور خود کیا تھا یہ اسے بھی معلوم نہیں تھا۔

''جان! یہ بہت بڑا رسک ہو گا میرے لیے۔ میرے گھر والے، میرا خاندان مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔''

یہ جملہ بولتے ہوئے وہ اب بہت تیزی سے ان شرائط کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اسے اس پیپر میرج کے عوض جان پال سے طے کرنی تھیں۔

''اور شادی کے بعد یہاں رہنا میرے لیے خودکشی کے برابر ہو گا۔''

''تم ادھر کیوں رہو گی، تم میرے ساتھ برمنگھم چلو گی اور ہم دونوں مل کر ایک اچھے
مضبوط خاندان کی بنیاد رکھیں گے جو دوستی جیسے ناپائیدار رشتے سے جنم لے گا۔''

''اور جو درمیان میں تم مجھ سے فیڈ اپ ہو گئے یا تمہارا موڈ بدل گیا تو میں تو کہیں
کی نہ رہوں گی نہ اپنے گھر کی طرف پلٹ سکوں گی اور نہ کسی اور جانب۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

''جان! اس زندگی کو محض گارنٹی ہی تحفظ نہیں دے سکتی، زندگی سے وابستہ ہر خد
کو......'' اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اپنا مدعا کیسے بیان کرے۔

''یو آر رائٹ۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ '' میں اپنی پراپرٹی میں سے نصف
تمہارے نام شادی سے پہلے ہی کرنے کو تیار ہوں بلکہ اگر تم کہو تو اس سے بھی پہلے اور ج
کہو۔''

وہ شائستہ کی توقعات سے بڑھ کر ذہین اور سمجھدار نکلا تھا اور اس کی سمجھداری ی
کہ وہ بھی مزید نہ سوچے اور اس نے سوچا بھی نہیں۔

اگلے مہینے وہ اس کی لائف پارٹنر کی حیثیت سے اس کے ساتھ برمنگھم جا رہی تھ
مذہب کا خانہ دونوں نے ہر ضروری ڈاکومنٹ میں خالی چھوڑ دیا تھا۔

اور مزے کی بات جان پال کے ساتھ اٹھارہ سالہ رفاقت میں اسے کبھی بھی پل
دیکھنے یا سوچنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ اس نے کیا غلط کیا۔ وہ اب سوچتی تھی تو اسے خو
یقین نہیں آتا تھا جان نہ خود کبھی چرچ گیا نہ اسے مجبور کیا اور اس کے تو ہر درد کی دوا ڈھیروں
تھا جو جان کے والدین اس کے لیے چھوڑ گئے تھے کہ وہ ساری زندگی بیٹھ کر عیش کرے۔

پھر ان دونوں کے کوئی بھی بچہ نہ ہوا جو اس مذہبی خلیج کو بیدار کرنے کا باعث بنتا
صد شکر کہ ایسا کوئی موقع نہ آیا اور شاید اسی خیال نے اسے کبھی بے اولاد ہو
احساس بھی نہ ہونے دیا، ہاں اب کچھ مہینوں سے جان پال کی اس محبت بھری رفاقت
دولت کی ولولہ انگیز موجودگی کے باوجود اس کے اندر کوئی احساس چٹکیاں کاٹنے لگا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ اس زد میں آ کر کچھ سوچنا شروع کرتی جان پال کا بلاوا آ
کینسر نے اس کے جسم کی ہر ریشے کو زہر آلود کر دیا تھا۔ اس کے آخری دن کر
اذیت بھرے تھے کہ شائستہ کو بھی اس کے قریب جاتے خوف آنے لگا تھا۔

وہ اس سے کہیں دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ گھنٹوں کسی پب میں کسی ویرانے میں یا
اپنے شاندار اپارٹمنٹ میں بیٹھی رہتی مگر جان کے پاس نہ جاتی۔

آخر لمحوں میں بھی شاید اسے شائستہ کا ہی انتظار تھا جو وہ کھلی آنکھیں دروازے کی
طرف جمائے اس دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ اور شائستہ کو بھی اس ان دیکھے احساس جرم سے رہا
کر گیا۔ اس نے کچھ اثاثے بیچے بلکہ زیادہ تر تو وہ جان کی زندگی میں ہی فروخت کروا چکی تھی۔
اس کے پاس زیادہ دولت بنک میں رقم کی صورت میں موجود تھی جسے اس نے فی الفور پاکستان
ٹرانسفر کر دیا اور پھر اسے ادھر آ کر سیٹ ہونے میں بھی کافی وقت لگا۔

جان پال کا قریبی دوست ڈاکٹر رضا تھا جس نے اس کی کافی مدد کی تھی ایک چھوٹی
سی فرم، شاندار گھر اور ایک لگژری لائف سیٹل کرنے میں۔ مگر اس لگژری لائف میں تنہائی کے
خون چوسنے والے کانٹے اُگے تھے جو ہر پل اس کے وجود کو چھلنی کرتے رہتے تھے۔

☆☆☆

''یہ سب پیپرز میں نے تیار کروا دیے ہیں آپ لوگوں کے شیئرز کے اور باقی سب
تفصیل بھی میں نے لکھ دی ہے۔ فیکٹری کے بارے میں آپ کو معلوم ہے گزشتہ تین چار
سالوں سے خسارے میں جا رہی تھی۔ اس حساب سے سب گوشوارے اور حصے تیار کیے گئے
ہیں۔ فیکٹری میں موجود خام مال اور جو پروسیسنگ میں ہے اس کی ادائیگی میں سال لگ سکتا
ہے اور جہاں تک گھر کی بات ہے اس کی قیمت میں سے تیسرا حصہ آپ لوگوں کا ہے اس سب
تفصیل کے مطابق آپ کا حصہ تقریباً سولہ لاکھ روپے بنتا ہے جو میں آپ کو ٹھیک پانچ دن بعد
ادا کروں گا۔ امید ہے آپ کو سب کچھ سمجھ میں آ گیا ہوگا۔''

تائی جی کے چہرے پر دنیا جہاں کی اجنبیت تھی اور آنکھوں میں سرد مہری۔ وہ ابھی
چند منٹ پہلے ممی کے بلانے پر ان کے کمرے میں آئی تھی۔

ضویا اور حارث ممی کے بستر پر ہی بیٹھے تھے جب تایا جی اندر داخل ہوئے اور اندر
موجود نفوس کے وجود سے قطعاً بے نیاز انہوں نے ممی کے پاس کرسی پر بیٹھ کر ہاتھ میں پکڑے
پیپرز میں سے ایک پر لکھی یہ تفصیل کسی روبوٹ کی طرح پڑھنا شروع کر دی تھی۔

پھر فائل بند کر کے انہوں نے ممی کے آگے رکھ دی جبکہ ممی کی آنکھوں سے تو ساون
کی جھڑی لگی تھی۔

تایا جی نے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر نہ تو ان تینوں کو دیکھا نہ ممی کے آنسوؤں کو۔

''بھائی صاحب! یہ سب کیا ہے۔ میں نے اس طرح تو کبھی نہیں چاہا تھا۔ پلیز مجھے یہ سب نہیں چاہیے۔ مجھے اس چھت کے نیچے پڑا رہنے دیں۔ اس گھر سے نکل گئی تو ان کے باپ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ پلیز بھائی صاحب! غلطی کی معافی...... خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ اس کو معاف کر دیں۔ بیا آپ کی بچی ہے۔ آپ ہی اس کے باپ ہیں۔ آپ ہی نے ان سب کی، مجھ بیوہ کی ذمہ داری لی تھی۔ ہمیں زمانے کے سرد و گرم سے بچایا تھا پلیز ایک بار معاف کر دیں۔ سمجھیں ربیعہ کی طرح......'' ممی سسکیوں کے درمیان منہ پر ہاتھ رکھے بمشکل بول رہی تھیں۔

''ربیعہ کا نام مت لیں۔ ربیعہ کے ساتھ جو دشمنی آپ لوگوں نے کر دی ہے آپ کی بچی معصوم ہے تو میری بیٹی نے بھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ ٹھیکرے کی مانگ تھی وہ اسد کی جسے صبح اس کو ہونے والا سسر نظر انداز کر کے چلا گیا۔ صرف اس بدکردار لڑکی کی وجہ سے جس نے اس گھر کی ہوا گندی کی۔'' انہوں نے نفرت بھری ایک سلگتی نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی اور ان کا وہ گھٹیا خطاب اسے اپنی پیٹھ پر کسی کوڑے کی مانند لگا تھا۔

اسے لگا ڈیڈی ابھی فوت ہوئے ہیں اور وہ ننگے پاؤں ننگے سر بیٹھی سڑک پر کھڑی ہے۔

''تایا جی۔'' روتے روتے اسے شدید غصہ آیا تھا، وہ زور سے چیخی۔ ''آپ...... آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا، میں نے ایسا کچھ نہیں......''

''چٹاخ۔'' ممی نے ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر مارا تھا پھر ایک اور اس کے بعد ایک اور۔

''زبان دراز، منحوس، اپنے باپ کے آگے زبان چلاتی ہے مانگ معافی پیروں میں گر کے۔'' ممی نے اسے زوردار دھکا دیا تو وہ بیڈ سے نیچے لڑھک گئی عین تایا جی کے قدموں کے پاس۔

''نہیں بھابی! اس کی ضرورت نہیں۔ آپ معافی کی بات کرتی ہیں۔ میں اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ مجھے آپ کی بیوگی پہ ترس آتا ہے۔ اس عمر میں کہاں خوار ہوں گی۔ اگر آپ کو ادھر رہنا ہے تو اس کو یہاں سے چلتا کر دیں سارے زمانے میں اس کی

افعان ہو جانے کے اشتہار لگ چکے ہیں۔ آج صبح فیکٹری گیا تو دس فون آ گئے۔ آپ کی بھتیجی آئی، مل گئی، اغوا ہو گئی تھی یا کسی کے ساتھ...... مجھے لگا میرے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی۔ آپ ظاہر ہے اپنی بیٹی کو تو خود سے جدا نہیں کریں گی اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اب اپنے رستے علیحدہ کر لیے جائیں۔''

تایا جی اپنی سفاکی کی انتہا پر تھے اور وہ ان کے قدموں میں پڑی سسک رہی تھی۔

''میں اس کو کہاں دفع کروں نامراد کو کہاں پھینک دوں۔ زندہ ہے مر تو نہیں گئی جو زمین میں دفن کر آؤں۔ کوئی تختی پر لکھا حرف تو نہیں جو آنسوؤں سے دھوؤں۔ کیا کروں میں اس کا۔'' ممی نے روتے ہوئے ایک بار پھر اس کی کمر میں دھموکے لگائے۔

''جہاں اس نے رات گزاری ہے وہیں روانہ کر دو عزت ذلت ناموس غیرت ان لوگوں کے لیے سب برابر ہے۔ وہ اسے ہنسی خوشی قبول کر لیں گے۔''

تایا جی کے لہجے میں بے حد حقارت تھی۔

بائیس تئیس سال بھی کسی انسان کے غصے اور نفرت کو کم کر سکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں تو اس کے بہائے ہوئے یہ چند آنسو اور یہ چوبیس گھنٹوں کی ندامت ان کی بدگمانی کو کیا دھو پائے گی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ رگڑ کر صاف کیا اور دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھی اور دوسری طرف پڑے صوفے کے کنارے پر جا کر بیٹھ گئی۔

تایا جی کے بالمقابل ممی نے اس کی ڈھٹائی کو گویا آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور جیسے شرم سے ان کا سر اور جھک گیا جبکہ تایا جی کا غصہ سوا ہو گیا۔

''دیکھ رہی ہیں آپ اس کے انداز۔ بہرحال میں نے دونوں راستے آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں آپ کے پاس پانچ دن ہیں اس گھر کو چھوڑنے کے لیے۔ میں نے عزت اور غیرت کا سودا کبھی نہیں کیا اور نہ کروں گا چاہے مجھے اس کے لیے اپنی عزیز ترین شے کو قربان کرنا پڑے۔ آپ جانتی ہیں۔ آپ کو پے منٹ چار دن بعد کر دی جائے گی۔ ابھی مجھے ربیعہ کا معاملہ بھی درست کرنا ہے اور میں نے زریاب کا رشتہ بھی طے کر دیا ہے۔ اگلے ماہ وہ آ رہا ہے اور میں نے دونوں بہن بھائی کا ایک ساتھ بیاہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ بھی سوچ لیں اور فیصلہ کر لیں، میں چلتا ہوں۔'' انہوں نے لاتعلقی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے ممی کی

سسکیوں اور ہچکیوں کی پروا کیے بغیر اٹھے اور بڑے کروفر سے چلتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

''ممی! مت روئیں، اس طرح کیوں رو رہی ہیں۔ رونے سے بھلا کیا مسئلہ حل گا۔ آپ کی طبیعت خراب ہو گی۔'' ضویا نے ممی کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے ان کے آ صاف کیے۔

''مولا! یہ دن بھی دیکھنے تھے مجھے۔ میں اس سے پہلے مر کیوں نہ گئی۔ کیا کرو کیسے بگڑی بناؤں۔'' وہ بے قراری سے ہاتھ ملنے لگیں۔

''ممی! جو بگڑ چکا ہے اسے آپ کے آنسو یا فریادیں نہیں سنوار سکیں۔'' ضویا ہولے ہولے ان کے کندھے دبانے لگی۔ ''تایا جی نے نہ جانے کون سے زمانے کی قیمت لگوائی اس گھر کی۔ ابھی چند دن پہلے میری دوست کے فادر نے اسی علاقے میں ایک کنال کا پلا خریدا ہے ساٹھ لاکھ کا، ہمارا تو رقبہ بھی دوگنا ہے اور گھر بھی اتنا پرانا نہیں پھر......'' ضویا آہستہ سے بولی۔

''مروتم سب جا کر حساب لگا کر مر جاؤ۔ مجھے اس گھر سے کہیں نہیں جانا جو کچ انہوں نے ہمارے حصے میں نکالا ہے وہ ہمارے شیئر کا تیسرا حصہ بھی نہیں مگر میں مجبور ہوں شام میں تمہارے ماموں کو فون کیا تھا فون تو انہوں نے صبح ہی کر دیا تھا، مجھے تو سمجھ نہیں آتی خبر ایک رات کی صبح سے بھی پہلے جنگل کی آگ کی طرح کیسے سارے خاندان میں پھیل گئی۔ انہوں نے پھر بے قراری سے ہاتھ ملے۔

''تمہارے ماموں کہنے لگے میں تو گورنمنٹ سرونٹ ہوں تمہارے حصے کے دعو کے لیے کورٹ کچہری کے چکر نہیں لگا سکتا جو کچھ مل رہا ہے صبر شکر کر کے لے لو۔ میرا اور کوا ہے۔ یہ حارث ابھی اپنے پیروں پر بھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ میں کس پر مان کروں، کیا دعوا کرو عمر بھر کی کمائی ایک رات میں غارت ہو گئی۔'' وہ پھر رونے لگیں۔ ''تمہارا باپ ہی ہوتا یہ دن دیکھتا...... چلو اچھا ہے وہ نہیں ہے ورنہ رات کو ہی مر چکا ہوتا۔'' انہوں نے سرد آہ بھر کر آ دیکھا اور زور وشور سے رونے لگیں۔ کمرے میں اب ان کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

''ممی! اب آپ نے کیا سوچا ہے؟'' ضویا چند لمحوں بعد بولی۔

''یہ گھر میرا چھپر چھاؤں ہے۔ اس کو تو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتی چند لاکھ لے کر میں کہاں جاؤں اس رقم میں آتا کیا ہے پھر سارے اپنوں سے کٹ کر علیحدہ ہو جاؤں تو

دونوں کو کون پوچھے گا۔ حارث کو ابھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے وقت چاہیے۔ پھر تمہارا اچھا خاصا رشتہ طے ہے ولید کے ساتھ۔ ایک کی خاطر میں تم دونوں کے نصیبوں سے کھیل جاؤں اس نے تو کچھ سوچا نہیں کہ......'' وہ پھر رونے لگیں۔

''ٹھیک ہے، میں ہی کہیں چلی جاتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ پتھروں سے بنے اس گھر میں رہنے والوں کے دل بھی پتھر سے بنے ہیں۔ ایک معمولی سی غلطی کو جس انداز سے لیا گیا ہے ممی! مجھے خود سے نفرت ہونے لگی ہے اور اتنی نفرتوں میں کوئی کیسے جی سکتا ہے اس سے اچھا ہے میں ہی مر جاؤں۔ آپ اس گھر کی چوکھٹ چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ اپنے دونوں لاڈلوں کو سینے سے لگا کر رکھیں۔ میں ہی خود کو کہیں دفعان کر لیتی ہوں۔'' آنسوؤں کے درمیان اس نے چیخ کر کہا اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ یہ نہیں سوچتی کہ میری نظر میں تم تینوں کی بھلائی ہے۔ آج اگر اس کی خاطر سب کو چھوڑ چھاڑ کر چل پڑوں تو کہیں قدم نہ جما پاؤں گی۔ سارے زمانے کی تھوتھو علیحدہ جو داغ اس کو لگ گیا اس کے بعد تم دونوں کا سوالی کون ہو گا؟ کس کس کے آگے قسمیں کھاؤں گی اس کی پاکدامنی کی، جب اپنے یقین نہیں کر رہے تو غیر کب کریں گے۔ مجھے تو سب نظر آ رہا ہے کہ اس گھر سے نکل کر ہمارے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے۔ میں اکیلی بیوہ اس میں کیا ایسے حالات کا مقابلہ کروں گی۔ حارث! تم اٹھو جا کر ولید کو بلا کر لاؤ۔ آٹھ بج رہے ہیں۔'' انہوں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ حارث اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''کیا کریں گی آپ؟'' ضویا نے پریشان نظروں سے انہیں دیکھا۔

''تم جاؤ اس بدنصیب کے پاس۔ جذبات میں آ کر کوئی اور حماقت نہ کر بیٹھے انہوں نے اسے بھی اٹھاتے ہوئے عجلت بھرے انداز میں کہا تو ضویا نہ چاہتے ہوئے بھی سر ہلا کر باہر نکل گئی تو وہ بے قراری سے ولید کا انتظار کرنے لگیں۔

☆☆☆

''امی، امی! دیکھیں تو کون آیا ہے؟'' دروازہ روشی نے کھولا تھا۔ سامنے منجھلی ممانی اور ولید کو کھڑے دیکھ کر وہ سلام کرنا بھی بھول گئی اور خوشی سے چلاتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گئی۔

''امی امی! وہ ممانی آئی ہیں۔ عارفہ ممانی اور ولید بھائی دیکھیں تو......'' اندر کمرے

سے اس کی خوشی سے چہکتی آواز باہر تک آئی تھی وہ دونوں خود ہی کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

رات کو نو بج رہے تھے۔ سیاہ رات چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ فضا میں شدید حبس تھا، دور کہیں جھینگر بول رہے تھے۔

''بسم اللہ، سو بسم اللہ بھائی جان آئیں۔ ولید آؤ بیٹا! اندر آؤ، آپ لوگ دروازے میں کیوں کھڑے ہیں۔'' سعدیہ ہانپتی کانپتی تیز قدموں سے باہر آئی تھیں۔

''روشی! بے وقوف انہیں بیٹھک میں تو بٹھاتیں آئیں بھابی جان!'' انہوں نے پہلے بھابی کو گلے لگانے کی کوشش کی۔

وہ ذرا ان کے گلے لگیں پھر ان کے پیچھے چلتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہو گئیں روشی بیٹھک کے دروازے میں کھڑی تھی۔ وہ دونوں خاموشی سے اندر جا کر بید کے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ صوفے پر پرنٹڈ کشن پڑے تھے درمیان میں لکڑی کی میز اور اس کے سامنے دو کرسیاں۔ کونے میں پیتل کا ایک گملا پڑا تھا جس میں مصنوعی پودے لگے تھے۔

''روشی! کھانا تیار ہے۔ پہلے وہ گرم کر کے لے آؤ پھر باتیں ہوں گی۔'' سعدیہ کی سانسیں ابھی بھی متوازن نہ ہو سکی تھیں۔

''نہ کھانا نہ کچھ اور، کسی چیز کی ضرورت نہیں روشی! تم جاؤ ہمیں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' سعدیہ نے بھابی کے سرد و سپاٹ چہرے کی طرف دیکھا اور روشی کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ سست قدموں سے باہر چلی گئی۔

''اس گھر نے جو تواضع کر دی ہے ہماری، وہ تو ساری زندگی میں فراموش نہ کر سکوں گی مزید کی ضرورت نہیں۔'' وہ بڑبڑائی تھیں۔

''کیا مطلب بھابی جان! جو کہنا ہے کھل کر کہیں۔'' وہ ان کے انداز سے پہلے ہی ٹھٹک چکی تھیں، تحمل سے بولیں۔

''اب جو بھی کہنا ہے بہن، کھل کر ہی کہنا ہے۔ ہم نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ نصیب میں یہ دن بھی آئیں گے کہ......'' انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کہ مجھ جیسے کم ذات اور حقیر کے گھر آ کر کوئی بات کرنا پڑے گی۔'' سعدیہ طنز سے بولیں۔

''چھوٹی تائی، بات کو الجھائیں نہیں۔ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ولید نے آہستگی سے کہا۔

''معلوم ہے مجھے۔ کل بیا تمہارے گھر آئی تھی؟'' انہوں نے سعدیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''ہاں، کل تو میری زندگی کا یادگار دن تھا۔ میری بچی اس گھر میں آئی تھی۔''

''ہاں کل کا دن ہمارے لیے بھی یادگار رہے گا تا عمر۔'' وہ کلس کر بولیں۔

''وہ رات بھر رہی تھی یہاں؟''

''ہاں، موسم بے حد خراب تھا اور ہمارے پاس سواری نہیں تھی۔ میں کیسے بھیجتی اسے۔ بہت بے چین تھی وہ اور میں بھی مگر کوشش کے باوجود......'' وہ جیسے افسوس بھرے لہجے میں بولیں۔

''اور صبح یہاں سے کیسے گئی تھی؟''

''آفتاب کے ساتھ، وہ اسے گھر چھوڑ کر آئے تھے۔'' وہ بے چین سے لہجے میں بولیں۔

''اور تم دونوں ماں بیٹی اس کے بعد کہاں تھیں؟'' کوشش کے باوجود ان کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔

''ہم کسی کی عیادت کو اسپتال گئے تھے لیکن آخر اس جرح کا مقصد؟'' وہ زچ ہو کر بولیں۔

''جرح تو ہماری تقدیر نے کی ہے۔ کٹہرے میں تو ہمیں نصیب نے لا کھڑا کیا ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولیں اور پھر جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ من و عن سارا قصہ انہیں سنا دیا۔

''یہ گل کھلایا ہے تمہارے میاں نے۔ میری بچی کی معصومیت کو یوں داغدار کیا کہ اس نے اپنے سارے حساب چکا دیے اس خاندان سے بدلہ لینے کے۔'' آخر میں وہ رو ہی پڑیں۔

''میرے خدایا! اور مجھے کسی بات کا علم ہی نہیں۔'' سعدیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''انہوں نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا، یا اللہ!'' چند لمحے وہ گم صم سی بیٹھی رہیں۔

"اب مجھے بتاؤ میں اپنی معصوم بچی کو کس کنوئیں میں دھکا دوں جا کر۔ بھا
صاحب تو ایک ہی بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ بیا کو اس گھر سے چلتا کر دو یا پھر تم سب کو۔
کر نکل جاؤ اور شیئر کے نام پہ جو کچھ دے رہے ہیں اتنا تو شاید سب اثاثوں کی زکوٰۃ بھی
بنے اور میں جوان بچیوں کو لے کر کہاں نکل پڑوں۔" وہ اپنے آنسو پونچھنے لگیں۔

"آپ مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ کس طرح اپنے اس ناکردہ جرم کی تلافی کروا
جو کچھ اس گھر سے آپ کی بچی کے ساتھ ہوا۔" سعدیہ نے بھاوج کی شکل دیکھی۔ "اگر کہ
ہیں تو میں جا کر گھر کے سب لوگوں کے سامنے بھائی صاحب کو حلف اٹھا کر قسم کھا کر جو وہ کہیں
گواہی دے دوں۔"

"ہونہہ، تمہاری گواہی۔" وہ پھنکاریں۔ "وہ تمہیں کچھ نہیں سمجھتے تو تمہاری گواہی
کون قبول کرے گا۔"

"تو پھر بتائیں میں کیا کروں۔ میرے لائق کیا خدمت ہے؟" وہ کچھ رکھائی سے
بولیں۔

"انہوں نے زریاب کا رشتہ بھی پل بھر میں توڑ دیا ہے بلکہ کہیں اور طے بھی کر د
ہے اور اگلے ماہ ان دونوں کی شادیاں بھی کر رہے ہیں۔" عارفہ نے آہستگی سے پرملال لہجے
میں کہا۔

"گویا بیا کو وہ معاف بھی کر دیں تو بھی اپنی بہو نہیں بنائیں گے؟"

"بہو، ہونہہ وہ اس کی صورت نہیں دیکھ رہے۔ بدکردار تک کہہ ڈالا ہے اس معصو
کو۔ پتا نہیں کون سے جنم کا بیر نکالا ہے، جیتے جی وہ تو مر گئی۔"

"اللہ معاف کرے۔ ایسا تکبر، ایک یتیم کے ساتھ یہ زیادتی۔ بھائی صاحب کے
سینے میں دل نہیں پتھر ہے۔ مجھے تو لگتا ہے انہیں کسی بہانے کی ضرورت تھی یہ رشتہ توڑنے کے
لیے۔" سعدیہ آخر میں دبے لہجے میں بولیں۔

"کیا کہہ سکتی ہوں، مجبور ہوں بے بس ہوں۔" چند لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

"رافع ...... رافع کیا کر رہا ہے آج کل؟" عارفہ چند لمحوں بعد بولیں۔

"ایم بی اے کا فائنل ہے۔ ولید کے ساتھ ہی ہے۔ شام کو پارٹ ٹائم جاب کر
ہے۔ اسی لیے رات کو دیر سے آتا ہے۔" وہ سرسری لہجے میں بولیں۔

"سعدیہ! میرے پاس کوئی راستہ نہیں بچا اور کوئی فیصلہ مجھ سے ہو نہیں پا رہا۔ میں
نے بھائی صاحب کی منت کی کہ وہ مجھے کچھ وقت دیں، چند ماہ میں، میں بیا کا کہیں دیکھ کر رشتہ
کر دوں گی مگر وہ ایک دن کی بھی مہلت دینے کو تیار نہیں۔ دوسری صورت میں جائیداد کے
کاغذوں کا پلندہ ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں کہ پکڑو اور نکلو ادھر سے۔" سعدیہ چپ چاپ سنتی
رہیں۔

"اب راتوں رات میں اس کے لیے لڑکا کہاں سے ڈھونڈوں۔" وہ ٹھنڈا سانس
بھر کر بولیں سعدیہ نے سر جھکا لیا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں آپ۔ مجھے کیا خبر تھی اتنی معمولی سی بات کو یہ رنگ مل جائے
گا۔" آفتاب زبیری کیا کہوں میں تمہیں انہوں نے آخری فقرہ دل میں کہا تھا۔

"انہوں نے مجھے کہا ہے بلکہ طعنہ دیا ہے کہ اس کو وہیں بھیج دو جہاں یہ رات گزار
کر آئی ہے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولیں تو سعدیہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"مطلب؟ اگر آپ بیا کو ادھر بھیجنا چاہ رہی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ مجھے
روشی سے بڑھ کر پیاری ہوگی۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

"یہاں؟ مگر کس ناتے سے؟" وہ کوشش کے باوجود مدعا بیان نہیں کر پا رہی تھیں۔

"میری بیٹی بن کر۔" وہ تیزی سے بولیں۔

"بیٹی تو تمہاری ایک ہی ہے روشی۔ ساری دنیا جانتی ہے۔"

"پھر آپ بتائیں؟" سعدیہ نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

"تم رافع کے لیے بیا......" وہ چپ کر گئیں۔

"اوہ......" انہوں نے ہونٹ سکوڑے۔ "اب سمجھی۔"

"میں اس قابل کب ہو گئی بھابی جان!" وہ جیسے طنز سے بولیں۔

"سعدیہ! اب تم بھی طنز کرو گی؟ میں تو پہلے ہی چھلنی ہو رہی ہوں۔" ان کی آنکھیں
پھر سے چھلکنے لگیں۔

"بھابی جان! میں طنز نہیں کر رہی۔ صرف آپ کو حقیقت بتا رہی ہوں۔ میرا گھر
آپ کے سامنے ہے۔ آپ کے سرونٹ کوارٹر سے بھی گیا گزرا ہے۔ آپ کی بیٹی کنالوں میں
رہنے والی۔ گاڑیوں میں گھومنے پھرنے والی، ہزاروں کی شاپنگ کرنے والی اور کھانوں سے

بھری ٹیبل پر سونگھ کر کھانے والی وہ یہاں کیسے رہے گی۔"

"تم بھی تو کنالوں سے اٹھ کر آئی تھیں۔ تم نے بھی تو زندگی گزاری ہے نا۔"

"میری بات چھوڑیں۔ میں نے تو جوا کھیلا تھا اور زندگی کیسے گزاری ہے اگر آ علم نہیں تو پھر رہنے دیں اس ذکر کو یہیں۔" وہ تلخی سی بولیں۔ عارفہ سوالیہ نظروں سے انہیں لگیں کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

"سعدیہ!" تھوڑی دیر بعد عارفہ لجاجت سے بولیں۔

"بھابی جان! مجھے معلوم ہے اس وقت آپ بہت مشکل میں ہیں اور چونکہ آ یہ مشکل میرے شوہر کے گھٹیا پن کی وجہ سے پڑی ہے اگرچہ یہ بھی ایک کہنے کی بات ۔ آفتاب ایسا نہ بھی کرتے تو بھی بھائی صاحب......! خیر آپ اس وقت جائیں کیونکہ یہ بہر حال میں اکیلی تو نہیں کر سکتی۔ مجھے آفتاب سے، رافع سے مشورہ لینا پڑے گا بلکہ ضروری رافع کی مرضی ہے، اس کے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"سعدیہ! بہت وقت نہیں ہے میرے پاس......" وہ جیسے گڑگڑائیں۔

"بھابی جان! جب آپ کو یقین ہے کہ آپ کی بیٹی بے گناہ ہے، بے قصور آپ یوں خود کو ہلکان کیوں کر رہی ہیں اور میں آپ کو بتاؤں اس سارے قصے میں اگر صاحب ذمہ دار ہیں تو کچھ کمزوری آپ کی بھی ہے۔

آپ نے خود رورو کر منتیں کر کے اپنی بیٹی کو سب کی نظروں میں چھوٹا کیا ہے۔ شاندار زندگی ایک دم سے چھوڑنا اسی طرح دشوار ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عزت اپنے خونَ داؤ پر لگا دیتا ہے۔" وہ طنز سے بولیں۔

"آپ جائیں۔ میں کل شام سے پہلے فون کر کے بتا دوں گی۔" وہ کہتے ؛ اٹھیں عارفہ کچھ شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بہتر تھا آپ کھانا کھا لیتیں۔" دروازے کے پاس سعدیہ مروتاً بولیں۔ ولی دونوں سے پہلے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

"میں فون کا انتظار کروں گی کل شام سے پہلے......" وہ دہلیز پار کرتے ؛ بولیں۔

"اللہ حافظ بھابی جان!" سعدیہ نے کہتے ہوئے ان کی گاڑی روانہ ہونے

پہلے ہی دروازہ بند کر دیا۔

"اس دنیا میں رشتے کچھ بھی نہیں ہیں۔ صرف ضرورت کی زنجیریں ہیں جو سب کو ایک دوسرے سے باندھے ہوئے ہیں ورنہ رشتے کچے دھاگے۔ ایک ذرا سی غلط فہمی کے جھٹکے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ضرورت پڑی تو پھر گرہ لگا کر جوڑ لیا تلخی ہوئی تو پھر سے توڑ دیا اور یہ گرہوں والا بندھن کتنا پائیدار ہو سکتا ہے اس بات کو سوچنے کی نہ تو سب کو فرصت ہے نہ ضرورت۔" وہ دروازے سے پشت لگائے آنکھیں بند کیے سوچنے لگیں۔

سامنے کھڑی روشی انہیں حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کی حیرت دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

"آخر کیا مصیبت ہے نمبر کیوں نہیں مل رہا۔" اس نے کوئی دسویں بار زریاب کا نمبر ٹرائی کیا تھا بالآخر کچھ دیر بعد زریاب کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہیلو"

"ہیلو، ہیلو۔ میں ایہا، زریاب آپ کہاں ہیں۔ میں صبح سے ٹرائی کر کر کے تھک چکی ہوں۔" وہ بے قراری سے بولی۔

"میں بزی تھا گھر پہ نہیں تھا۔" بہت رکھی سا لہجہ تھا زریاب کا۔

"گھر کے فون پر آنسرنگ مشین، میرا میسج......"

"ایہا! تم نے کیوں فون کیا ہے؟" اس نے بڑے آرام سے اس کی بات کاٹی۔

"میں...... میں نے صبح سے فون......"

"سن لیا ہے میں نے۔ پلیز جو بات کرنا ہے کرو مجھے کہیں ضروری کام سے جانا ہے۔" بے حد روکھا لہجہ تھا۔ ایہا کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"زریاب! میں بہت پریشان ہوں بہت زیادہ۔ ادھر بہت کچھ ہو گیا ہے ایک رات میں ایک دن میں۔"

وہ سسک اٹھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "آپ کو تایا جان نے فون کیا؟ تایا نے......" اس کی لمبی خاموشی پر وہ بولی تھی۔

"معلوم ہو گیا ہے مجھے۔ تمہاری اس غلط حرکت کا خمیازہ میرے والدین کو کیسے بھگتنا

پڑا ہے۔ کچھ احساس ہے تمہیں۔ میری بہن کا رشتہ تقریباً ٹوٹ گیا ہے اور جو خاندان بھر میں ہماری رسوائی ہوئی ہے وہ الگ ہمدانی انکل کی فیملی الگ ناراض ہو چکی ہے اور تم اپنی پریشانی کا سنا رہی ہو۔ پریشانی کا پہاڑ تو ہم پر ٹوٹا ہے تمہاری وجہ سے۔'' وہ جیسے پھٹ پڑا۔ وہ تو اس کا لہجہ سن کر ہی گنگ رہ گئی۔

''تم اس قدر احمق لڑکی ہو گی یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ گھٹیا اور بیچ لوگ جن کو کبھی ہمارے والدین نے منہ لگانے کی کوشش نہ کی تم ان میں رات بتانے چلی گئیں۔ تمہیں ذرا شرم نہ آئی۔'' وہ اسے بری طرح سے لتاڑ رہا تھا۔

''زریاب......'' وہ جیسے پتھر کی ہو گئی۔

''اب بتاؤ تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے۔ ان سارے حالات میں تمہارا اس طرح فون کرنا......'' وہ ڈھٹائی کا لفظ منہ میں ہی دبا گیا۔

''زریاب! کیا آپ کو میرا یقین نہیں؟ میں کوئی بھی اس طرح کی غلط حرکت جس کا الزام تایا جان نے......''

''مجھے تمہارا یقین تھا۔'' وہ چبا چبا کر بولا۔

''اب نہیں ہے کیا؟''

''اب اگر تمہارا یقین کروں گا تو...... بیا! میں اپنے والدین کا مان نہیں توڑ سکتا۔ وہ پہلے ہی تمہاری حرکت کی وجہ سے ہرٹ ہوئے ہیں۔ میری معصوم بہن ربیعہ...... کس طرح آنٹی منہ پر کہہ گئیں کہ ہمیں کیا معلوم تھا اس گھر کی لڑکیاں ایسی دیدہ دلیر ہیں، سوچو اس کے معصوم دل پر کیا گزری ہو گی۔'' اسے اپنے گھر والوں کے ہر احساس کی خبر تھی۔

''اور جو قیامت میرے دل پر ٹوٹی ہے۔ تمہیں اس کی کچھ خبر نہیں؟'' وہ چیخ کر بولی۔

''وہ تمہاری اپنی غلطی کی سزا ہے۔ اس میں میرا یا میرے گھر والوں کا کچھ ہاتھ نہیں البتہ ہمیں تمہارے جرم کی سزا ملی ہے۔'' وہ نہایت سفاکی سے بولا۔

''جرم، جرم کیسا جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو۔ کیا حق پہنچتا ہے آپ لوگوں کو میرے کردار پر کیچڑ اچھالنے کا۔'' اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

''مت چیخو، جو جھوٹے ہوتے ہیں وہی اس طرح چیخا کرتے ہیں۔''

''میں جھوٹی ہوں تو تمہارے والدین کون سا گنگا نہائے ہوئے ہیں۔ ان کے سازشی ذہن دیکھے ہیں میں نے کروڑوں کی جائیداد میں سے چند لاکھ ہمیں اس بہانے سے دے کر دودھ میں پڑے بال کی طرح نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔''

''شٹ اپ بیا! میرے اور تمہارے بیچ اب کوئی رشتہ نہیں اگر کچھ تھا تو میرے پیرنٹس اس کو توڑ چکے ہیں اور میں اپنے پیرنٹس کے فیصلوں کا پابند ہوں اور آئندہ مجھے فون مت کرنا۔ خدا حافظ۔'' یکدم لائن بے جان ہو گئی۔

''جھوٹا، دغا باز فریبی۔ اب پیرنٹس کے فیصلوں کا پابند ہے اور میں کچھ بھی نہیں۔''

وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ کر دھواں دھار رونے لگی۔

ایک آخری آس بھی چکنا چور ہو گئی۔ اسی وقت کوئی زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

''کون ہے اب کون سی آفت آ گئی ہے۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے ضویا کھڑی تھی۔ بیا نے اپنا منہ دوپٹے سے رگڑا اور اس کی طرف پشت پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

''بے فکر رہو۔ میں خودکشی نہیں کروں گی۔ میں بہت بزدل ہوں۔'' وہ ضویا کی نظروں کا مفہوم جان کر بولی اور جیسے تھک کر ایزی چیئر پر گر گئی۔

''تم نے زریاب بھائی کو فون کیا تھا؟'' ضویا نے چند لمحوں بعد پوچھا تھا۔

''کیا تھا، پھر۔'' وہ جیسے دروازے سے چپکی اس کا فون سن رہی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ پورا خاندان اس قدر دھوکے باز ہو گا ان کے ظاہر اور ہیں، باطن اور۔'' وہ جیسے منہ میں ہی بڑبڑائی۔

''اب تو سوچ سکتی ہو نا۔'' ضویا دل گرفتی سے بولی۔

''اور اس کے باوجود ممی ان ہی لوگوں سے چپکی رہنا چاہتی ہیں جنہوں نے اس طرح ہمارا تماشا بنایا ہے۔'' وہ سلگ کر بولی۔

''تمہارے لیے کھانا لے آؤں؟'' ضویا اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

''زہر لے آؤ کہیں سے۔'' وہ تپ کر بولی۔

''جی جلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔'' ضویا سمجھانے والے انداز میں بولی۔

''ممی کہاں ہیں۔؟''

"اپنے کمرے میں ہیں۔"

"انہوں نے کھانا کھالیا؟"

"نہیں۔"

"ضویا پلیز، تم یہاں سے چلی جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے آنکھیں م لیں ضویا کافی دیر کھڑی رہی آخر ہار کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

قیامت سی رات سر پر کھڑی تھی۔ ضویا نے بصد منت ماں کو کچھ کھلایا تھا عارف سعدیہ کے گھر سے آ کر بالکل چپ ہو گئی تھیں۔ انہیں نہیں لگ رہا تھا کہ سعدیہ مانیں گی انہو نے کون سا زندگی بھر اس کے ساتھ کوئی رعایت برتی تھی جواب وہ خیال کرتی۔

"ممی! آپ نیند کی گولی لے لیں اس طرح مسلسل سوچنے اور جاگنے سے آپ طبیعت خراب ہو جائے گی۔" ضویا گولی لیے سر پر کھڑی تھی۔ انہوں نے خاموشی سے گولی کر کھالی۔

"بیا نے کچھ کھایا؟" وہ لیٹے ہوئے بولیں۔

"جی، دو چار لقمے بڑی مشکل سے کھلا کر آئی ہوں۔" اس نے قصداً جھوٹ بولا انہوں نے کروٹ لی تو وہ لائٹ آف کر کے باہر نکل گئی۔

ضویا نے باہر نکل کر مین لائٹس آف کیں۔ ان کے پورشن میں موت کا سا سناٹا تھ

"ایسی خاموشی، ایسا سناٹا تو ڈیڈی کی موت پر بھی نہیں ہوا تھا۔" وہ سوچنے لگی ک دن تک تایا جی اور چاچو کی فیملی ان کے پورشنز میں ہی رہی تھیں۔

تینوں ٹائم کا کھانا محض ان کی دلجوئی کے خیال سے ادھر ہی کھایا جاتا اور اب دنوں سے کسی نے شکل نہیں دکھائی تھی۔

وہ بیرونی کاریڈور کی لائٹ آف کرنے باہر نکلی تو یونہی دروازہ کھول کر باہر نکا آئی۔ ولید پورچ سے نکل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی فائل تھی۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟" وہ اس کے پاس رک گیا۔

"نہیں، بس سونے جا رہی تھی۔" اس نے لان کی طرف دیکھا۔

"چھوٹی تائی اور بیا سو گئیں؟"

"معلوم نہیں، کہہ تو رہی تھیں کہ سونے لگی ہیں۔"

"تائی کو کوئی ٹیبلٹ دے دینا تھی نیند کی۔"

"دے دی ہے۔ ویسے ولید! کیا ٹیبلٹ سے سکون مل جاتا ہے؟"

"معلوم نہیں، لیکن اللہ کرے وہ سو جائیں۔" وہ دونوں چلتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر لان میں آ گئے۔

"تم نے کھانا کھالیا؟"

"ہوں۔" وہ سر اٹھا کر تایا جی کے پورشن کی طرف دیکھنے لگی گھر کی تمام لائٹس روشن تھیں دونوں خاموشی سے ٹہلنے لگے۔

"ولید! ممی کہاں گئیں تھیں، پھپھو کی طرف؟"

"ہوں۔"

"کس لیے؟"

"تمہیں معلوم نہیں کیا؟" وہ اچنبھے سے بولا۔

"ممی نے ذکر تو نہیں کیا ویسے ہی مجھے خیال گزرا کہ وہ وہاں کس لیے گئی ہوں گی۔ پھپھو نے کیا کہا؟"

"کل شام تک بتائیں گی۔"

"ان کا رسپانس کیسا تھا؟" وہ ذرا رک کر پوچھنے لگی۔

"ایسے حالات میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس ٹھیک ہے۔" ولید میں یہی تو خرابی تھی کبھی جذباتی نہیں ہوتا تھا۔

"ولید! ایک بات بتاؤ۔؟" وہ گلاب کی کیاریوں کے قریب رک کر بولی۔

"کیا ممی درست کر رہی ہیں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ ہم سے زیادہ سمجھ دار ہیں اور انہوں نے دنیا دیکھ رکھی ہے، انہیں تجربہ ہے۔" اس نے پھر اپنی رائے محفوظ کر لی۔

"پھپھو کی فیملی ہم لوگوں سے میچ نہیں کرتی۔" دل کی بات زبان پر آ گئی۔

"تقدیر یہ سب کب دیکھتی ہے کہ کس کی میچنگ کس کے ساتھ ہونی چاہیے۔"

"تایا جی اتنے سخت دل کیوں ہو گئے ہیں۔ ان کے فیصلے میں ذرا بھی لچک نہیں۔"

"وہ آج تو سخت دل نہیں ہوئے شروع سے ایسے تھے تمہیں شاید احساس اب ہے۔"

"ولید......" وہ کچھ کہتے کہتے رکی اور آگے بڑھ کر سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ لیکن اضطرا
میں پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہو، رک کیوں گئیں تم۔" وہ اس کے بے چین چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"چاچی اور فریال ایک بار بھی نہیں آئیں۔"

"میرے خیال میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔
ویسے تم وہ بات کہو جو پوچھنا چاہ رہی ہو۔" ضویا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی

"مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کس بات سے۔"

"بیا نے زریاب بھائی کو فون کیا تھا، ان کا رویہ بے حد خراب تھا۔ شاید تایا جی ۔
بھی زیادہ۔ بیا بہت روئی، وہ تو بیا سے بہت محبت کرتے تھے کم از کم انہیں تو اس طرح نہیں
چاہیے تھا۔" وہ رک رک کر بول رہی تھی۔

"ضویا۔" ولید نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ "تم وہ بات پوچھو جس کا ذ
کر رہی تھیں اور ان حالات میں زریاب بھائی سے اس سے بہتر رویے کی توقع نہیں کی جا
تھی۔ تم اپنی کہو۔"

"اگر تمہیں معلوم ہے تو خود کیوں نہیں سمجھ جاتے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"مجھے کیا معلوم ہے بھلا؟" وہ انجان بن کر بولا۔

"میں اپنے اور تمہارے تعلق کی بات کر رہی ہوں۔" وہ جیسے ہار کر بولی۔

"ضویا! کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں۔"

"یقین ہے۔ آج کل تو بڑے بڑے یقین کی مضبوط عمارتیں دھڑا دھڑ گر ر
ہیں۔ میں کیا کسی کا یقین کروں۔"

"پھر تو تمہیں میرے لفظوں میرے وعدوں پہ بھی یقین نہیں آئے گا اس لیے ا
موضوع کو ابھی رہنے دو، اسے وقت ثابت کرے گا اس کے لیے تمہیں بہت انتظار نہیں
پڑے گا۔ چھ آٹھ ماہ سے زیادہ نہیں۔ اس کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" وہ ٹھوس لہجے

بولا۔

"اگر تایا جی نہ مانے، چاچو چاچی تو؟" اس کے اندر خدشے ہی خدشے اگ آئے تھے۔

"تم تو راضی ہو نا، کوئی نہ بھی مانا تو ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔ مجھ میں اتنی جرأت ہے اور میں نہ آنکھوں کا اندھا ہوں نہ کانوں کا کچا کہ کسی الٹی سیدھی کہانی مفروضے کے چکر میں آ جاؤں۔ مجھے اپنی عقل پر بھروسہ ہے اور خدا پر یقین۔ اب تم جاؤ اور جا کر سو جاؤ کچھ بھی اپنے متعلق سوچے بغیر۔ آج کل تو صرف چھوٹی تائی اور بیا کو توجہ دو۔ آج کل تم صرف ان کا خیال رکھو تمہاری سوچیں آج کل کس نہج پر چل رہی ہیں۔ مجھے سب پتا ہے۔ تم اپنی فکر کرنا چھوڑ دو تم اب میری ذمہ داری ہو اور تم جانتی ہو میں کتنا ذمہ دار ہوں اور میں بیچ رستے میں چھوڑ جانے والوں میں سے بھی نہیں ہوں۔ اگر سب کچھ بھی مجھ سے چھن جائے تو بھی میرے بازوؤں میں اتنا دم ہے کہ میں خود کچھ کر سکوں اور تمہیں اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر ساری دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکوں اور......"

"بس بس مسٹر رومیو زیادہ پھیلنے کی ضرورت نہیں۔ میں سونے جا رہی ہوں اب۔ مجھے بہت نیند آ رہی ہے شب بخیر اینڈ تھینک یو۔"

وہ کہہ کر رکی نہیں اور تقریباً دوڑتے ہوئے لان عبور کر گئی۔ تو ولید کے چہرے پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

بیا اپنے کمرے میں کھڑکی سے دونوں کو ٹہلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ "ضویا! خدا تمہارے سارے وسوسوں کو دور کرے تم ہمیشہ خوش باش رہو۔"

وہ کھڑکی کے پٹ پر سر رکھ کر رونے لگی۔ زریاب کا ہتک آمیز رویہ، تایا جی کی نفرت، تائی جی کی حقارت اس کے تو ہر جانب کانٹے اگ آئے تھے۔

☆☆☆

اگلا دن کسی امتحان کی طرح طلوع ہوا تھا۔

عارفہ کو زندگی میں پہلی بار صبح سے دوپہر اور دوپہر سے سہ پہر کرنا قیامت کے انتظار سا طویل لگ رہا تھا۔ ضویا کے بصد اصرار پر بھی وہ کچھ نہ کھا پی سکی تھیں۔

"ضویا! میں بہت سخت جان ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ ہو سکے تو چائے کا ایک

کپ لا دو بس۔" وہ اس کے اصرار پر بمشکل مانی تھیں۔

"پیا کو دو کچھ جا کر۔" چائے کا کپ لیتے ہوئے انہوں نے تاکیداً کہا۔

ان کی لاڈلی جس کی آنکھوں میں آیا ایک آنسو بھی انہیں بے تحاشا بے قرار کر دیتا تھا وہ آج تین دن سے مسلسل رو رہی تھی اور وہ اس کے آنسو بھی نہیں پونچھ سکتی تھیں۔

"میرے مولا! اتنا کرم کرنا، دنیا نے ستم کی ٹھانی ہے تو رحم کر دینا۔ وہ بہت معصوم ہے، بھولی اور نادان اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی، سب کچھ جانتے ہوئے بھی" دعا کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ممی! پھپھو کا فون ہے۔" نا معلوم کیسے چار بجے تھے جب ضویا نے آ کر انہیں ریسیور تھمایا۔ ان کے سینے میں پھڑکتا دل بہت بیتابی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لرزتے دل کو تھام کر انہوں نے ریسیور کان سے لگایا۔

"بھابی جان! میں معافی چاہتی ہوں، میں مجبور......" اس سے آگے ان سے سنا نہ گیا ان کا سر چکر کھانے لگا تھا۔ ریسیور لڑھک کر سینے پر آ گرا۔ ضویا باہر جا چکی تھی انہوں نے اسے آواز دینے کی کوشش کی مگر ان کے لب نہ مل سکے۔

☆☆☆

"ممی...... ممی! کیا ہوا...... آپ ٹھیک تو ہیں نا ممی......"

ضویا شاید دروازے میں ہی کھڑی تھی۔ ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹتے اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھے جھکتے دیکھ کر تیزی سے اندر آئی تھی۔

"میں ٹھیک...... ہوں۔" ان کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ ضویا نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو...... ہیلو جی...... پھپھو...... ممی کو دوں...... ممی!" ضویا نے ریسیور کان سے ہٹا کر عارفہ بیگم کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے خوف زدہ نظروں سے ریسیور کو دیکھا۔

"ممی! ہار ہو یا جیت، بہادر وہی ہوتا ہے جو بڑے حوصلے اور تمکنت سے اپنے مقدر کا فیصلہ سنتا ہے کہ آخری سانس تک کوئی بھی فیصلہ آخری نہیں ہوا کرتا۔ امید کی ننھی سی چنگاری شکست کی راکھ میں کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے۔ پلیز ہمت سے کام لیں۔" ضویا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے حوصلہ دیا تو انہوں نے یخ ہاتھوں میں ریسیور تھام کر کان سے لگا لیا۔

"بھابی جان! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ آپ مجھے سن رہی ہیں؟" ان کے کانوں میں سعدیہ کی بے چین آواز آئی۔

"میں...... میں ٹھیک ہوں۔ سعدیہ! کہو تم کیا کہہ رہی تھیں۔" بہت ہمت کر کے انہوں نے خود کو اس دھماکے کے لیے تیار کیا جو ابھی ان کی سماعتوں نے سننا تھا۔

"بھابی جان! ہم لوگ کل شام سات بجے نکاح کرنے آئیں گے اور......"

"کیا؟" ان پر جیسے شادی مرگ طاری ہو گیا۔

"ساتھ ہی رخصتی بھی۔ میں کوشش کے باوجود فون جلدی نہیں کر سکی، اس کے لیے آپ سے معذرت کر رہی تھی۔ آپ پتا نہیں کیا سمجھیں۔" وہ جلدی جلدی بتانے لگیں تو وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئیں۔

''رافع...... مان گیا؟'' انہوں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ جس لڑکے کو انہوں شاید زندگی میں ایک یا دو بار دیکھا تھا، اس کے کردار اور قابلیت کے بارے میں بھی کچھ نہ جانتی تھیں، اس کے ہاتھ میں اپنی لاڈلی کا ہاتھ دینے جارہی تھیں۔

''جی وہ مان گیا ہے، تب ہی تو آپ کو فون کررہی ہوں۔ کل شام سات بجے ہم لوگ انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ چھ سات لوگ ہوں گے، رافع کے قریبی دوست اور گھر والے۔ آپ کچھ تکلف نہ کیجئے گا، کھانے وغیرہ کا انتظام ہم گھر پر ہی کرکے جائیں گے۔ انہیں تسلی دے رہی تھیں۔

''سعدیہ! مجھے اتنا شرمسار مت کرو، اس قابل تو ہوں میں کہ چند مہمانوں کی تواضع کرسکوں۔'' ان کی آواز میں نمی اتر آئی۔

''بھابھی جان! مہمان اگر اپنے اسٹیٹس کے ہوں تو ان کی تواضع بندے کی عزت میں اضافہ کرتی ہے۔ کمتر ہوں تو آدمی اپنی نظروں میں بونا سابن جاتا ہے۔ پلیز آپ زحمت مت کیجئے گا اور ہاں، ولید کے ہاتھ بیا کا ناپ بھجوادیں۔ ویسے تو اسے روشی کا سوٹ بھی آیا تھا۔ احتیاطاً بھیج دیں تو اچھا ہے۔''

''سعدیہ!'' وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

''جی بھابھی جان!''

''شکریہ، بہت بہت۔ تم نے میرا مان رکھا۔ میری اس کڑی مشکل میں کام آئیں ورنہ مجھے تو لگتا تھا میں جان سے گزر جاؤں گی۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''بھابھی جان! بلاوا آنے تک کوئی جان سے نہیں گزرتا۔ بس مشکل گھڑی میں لگتا ہے، ورنہ بوجہ مشکل کسی کو مرتے کم ہی سنا گیا ہے اور بندہ تو کسی قابل نہیں، اپنی مرضی سے آنکھ نہیں جھپک سکتا، کسی کی مدد کیا کرے گا۔ یہ تو اللہ ہے جو ویسے بناتا ہے کہ آدمی کو تنکے کا سہارا بھی پتوار لگتا ہے۔ اچھا اجازت دیں، نکاح سادگی سے ہوگا پھر بھی کچھ تیاری تو کرنی ہے۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' الوداعیہ کلمے کے ساتھ ان کے دل سے سعدیہ کے لیے بہت دعائیں نکلیں۔

''آج تم نے میرا بھرم رکھا۔ اللہ تمہاری زندگی کی سب کٹھنائیاں اسی طرح دور کرے۔''

وہ دعا کرکے اٹھیں تو لگا آج ایک عرصے بعد وہ زندہ ہوئی ہیں۔ انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے سات بج رہے تھے۔

''بھائی صاحب تو ابھی نہیں آئے ہوں گے۔'' وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکلیں۔

ان کے اندازے کے مطابق بیا اپنے کمرے میں چپ چاپ ایزی چیئر پر آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ تین دن میں اس کا اتنا سا چہرہ نکل آیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔

''بیا! سو رہی ہو؟'' ان کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ خود ہی دوسری طرف صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''کیا سوچ رہی تھیں؟'' ان کے سوال پر اس نے زخمی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ماں سے ناراض ہو؟'' وہ پھر بھی چپ رہی۔

''جو کچھ ہوا، میں جانتی ہوں، اس میں تمہارا قصور نہیں مگر کبھی آدمی قسمت کے ہاتھوں اس طرح ٹریپ ہوتا ہے کہ زندگی تنگ پڑنے لگتی ہے۔ میں مجبور ہوں۔'' وہ نظریں جھکائے بول رہی تھیں۔

''سب حالات سے تم واقف ہو، اپنے تایا جی کے مزاج اور غصے سے بھی۔ اس طرح ادھر سے اٹھ کر چلے جانا بھی تو مشکل ہے۔'' وہ بے ربط جملے ان کے منہ سے نکل رہے تھے۔

''ممی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ بتائیں۔ ادھر اُدھر کی باتوں سے نہ خود ڈسٹرب ہوں، نہ مجھے کریں۔ پلیز۔'' اس نے سرد لہجے میں، انہیں دیکھے بغیر کہا تھا۔

''کل شام کو سات بجے تمہارا نکاح ہے رافع کے ساتھ اور رخصتی بھی۔'' انہوں نے اگلے ہی پل بغیر رکے کہہ دیا۔

''اور کچھ؟'' چند ثانیے بعد وہ اسی سرد لہجے میں بولی۔

''تم ذہنی طور پر خود کو تیار......''

''ممی پلیز! یہ آپ کا مسئلہ نہیں کہ میں ذہنی طور پر تیار ہوں یا نہیں۔ آپ نے مجھے بتا دیا یہ کافی ہے بس آپ لوگ بے درنہ ہوں، مجھے پھانسی کب چڑھنا ہے۔ آپ بتا چکیں......'' وہ چبا چبا کر بولی۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ وہ اس سے زیادہ خود پر بند نہیں باندھ سکتی

تھی۔

انہیں پتا تھا وہ اب کتنا روئے گی مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔

☆☆☆

عارفہ بیگم تو یہی سوچتے ہوئے رات دس بجے کے قریب ارباب انصاری کے پو
کی طرف آئی تھیں کہ اس وقت وہ اکیلے ہوں گے۔کھانے وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہوں
اور اطمینان سے ان سے ساری بات کر لیں گی مگر وہاں جا کر تو وہ خود شرمندہ ہو گئیں۔ڈائنن
ٹیبل پر کھانا چنا ہوا تھا، سارے کمرے میں کھانوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔ٹیبل کے گرد
کے جیٹھ جٹھانی، دیور دیورانی اور ولید سب بیٹھے تھے باتوں کے دوران خوشگوار ماحول میں
کیا جا رہا تھا۔ان سب کے چہرے بشاش تھے جیسے اس گھر کی چھت کے نیچے کوئی انہونی ہ
ہی نہیں۔کوئی بھی چہرہ انہیں غمگسار نہ لگا۔

عارفہ بیگم نے آہستگی سے سلام کیا۔تایا جی کا چہرہ یک دم تن گیا۔کسی نے بھی انہ
بیٹھنے کو نہ کہا۔ولید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آیئے چھوٹی تائی! آپ ادھر آ جایئے۔'' وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہو
بولا۔

''شکریہ بیٹا! میں بیٹھنے نہیں آئی۔ویسے بھی ضویا کھانا لگا رہی تھی۔بچے میرا انتظ
کر رہے ہوں گے۔بھائی صاحب! کل شام سات بجے بیا کا نکاح ہے سعدیہ کے بیٹے را
کے ساتھ۔وہ آٹھ دس لوگ آئیں گے، میں آپ لوگوں کو دعوت دینے آئی تھی۔'' انہوں
خود کو سنبھالتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''اچھی بات ہے۔ایسا ہے کہ مجھے تو کل دوپہر میں اسلام آباد کے لیے نکلنا
ایک اہم کانفرنس میں شرکت کے لیے۔یہ شہاب ادھر ہے۔یہ شامل ہو جائے گا۔'' انہوں
چھوٹے بھائی کی طرف اشارہ کیا۔

''اور آپ؟''

''میرا شامل ہونا مشکل ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولے۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں اور بھی کرنی تھیں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولیں۔

''تو کر لیں، میں سن رہا ہوں۔'' وہ بے نیازی سے بولے عارفہ بیگم نے ایک نظ

ب کے چہروں کی طرف دیکھا، سب کھانے میں یوں مگن تھے جیسے وہاں کوئی بھی غیر معمولی
بات نہ ہو رہی ہو۔

''میں ذرا ٹھہر کر آ جاؤں گی۔آپ کھانا کھا لیں۔'' کہہ کر وہ رکی نہیں۔

''کہیں مجھ سے کچھ غلط تو نہیں ہونے جا رہا۔یہ سب تو ایسے لگ رہا ہے جیسے پہلے
سے تیار تھے۔سب کچھ طے شدہ تھا، صرف بہانہ ملنے کی دیر تھی۔''

ان کا ڈائننگ روم ویران پڑا تھا۔

''ضویا...... لیہا...... حارث...... کہاں ہو تم لوگ؟'' گھر کی ویرانی پر ان کا دل
یکدم ہی گھبرایا تھا۔وہ لاؤنج میں کھڑے ہو کر انہیں پکارنے لگیں۔

''جی ممی......!'' ضویا ست سی اپنے کمرے سے نکلی۔

''بیا اور حارث کہاں ہیں؟''

''اپنے کمروں میں۔''

''کھانا کھا لیا تم لوگوں نے۔''

''وہ دونوں کہہ رہے ہیں، انہیں بھوک نہیں۔آپ کو لا دوں؟''

''ہاں لے آؤ، یہیں ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا دو اور ان دونوں سے بھی کہو، ادھر
آئیں۔میں بلا رہی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے خود ہی بیا کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ ستا ہوا چہرہ اور سوجی آنکھیں لئے بولی۔

''کھاؤ گی تو خود ہی بھوک لگ جائے گی۔چلو۔''

انہوں نے بارعب لہجے میں اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف بڑھیں۔

''ممی! پلیز...... مجھے نہیں کھانا کچھ بھی۔'' وہ زور لگا کر اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''نہ کھانا، میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔'' وہ ان سنی کرتے ہوئی اسے ٹیبل تک لے
آئیں۔

انہوں نے اس کی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈال دیئے۔وہ چمچہ ہاتھ میں لیے
ساکت بیٹھی تھی۔

''میں کھلا دوں اپنے ہاتھوں سے، یہ لو۔'' کہتے ہوئے انہوں نے زبردستی ایک چمچہ
اس کے منہ میں ڈال دیا۔

"ممی! بس کریں یہ دکھاوے کے لاڈ پیار۔ معلوم ہے مجھے ان کی حقیقت۔" وہ پلیٹ میں پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں کے کٹورے لبالب بھر چکے تھے۔ وہ تیزی سے مڑ اپنے کمرے میں چلی گئی تو وہ گہرا سانس لے کر بے دلی سے لقمہ توڑنے لگیں۔

"ضویا! صبح جلدی اٹھ جانا، آٹھ بجے تک بازار چلیں گے۔ بہت کام ہے۔" کھانے کے بعد انہوں نے ضویا سے کہا تھا۔

"ممی! اتنی صبح کون سا بازار کھلا ہوتا ہے بھلا؟"

"آٹھ بجے تک گھر سے نکلیں گے تو نو بجے تک پہنچیں گے اور نو بجے تک زیادہ مارکیٹیں کھل ہی جاتی ہیں۔"

اسی وقت ارباب انصاری اندر داخل ہوئے۔

"کیا بات کرنا تھی آپ کو بھابی جان؟" وہ خود ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"بھائی صاحب! میں نے ابھی آپ کو بتایا تھا کہ کل بیا کا نکاح ہے اور ساتھ ہی رخصتی بھی۔" ضویا اور حارث کے جاتے ہی وہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"یہ ابھی آپ بتا کر آئی ہیں۔"

"چائے پئیں گے آپ؟"

"نہیں شکریہ۔ میں کھانے کے بعد چائے نہیں پیتا۔" ان کے جواب پر وہ کچھ دیر چپ رہیں۔

"بھائی صاحب! جو کچھ ہوا، میں اس کا الزام کسی کو بھی نہیں دینا چاہتی مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میری بیٹی بے قصور ہے۔ بہر حال اب ان باتوں کا کچھ فائدہ نہیں۔ کل اسے رخصت ہو کر چلے جانا ہے۔ دنیا کے دستور کے مطابق کوئی اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کرتا، آپ کو معلوم ہے۔"

"ظاہری بات ہے۔"

"زیور گہنے تو تھوڑے بہت میرے بھی پڑے ہیں۔ کل جیولر سے جا کر کچھ چینج کرا لوں گی۔ کچھ نئے لے لوں گی۔ کچھ ریڈی میڈ کپڑے اور ضروری سامان بھی۔ اب اتنی جلدی جہیز کا سامان تیار نہیں ہو سکتا، اس لیے میں چاہتی ہوں، میں بیا کو کیش کی صورت میں کچھ دے دوں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" وہ اثبات سر ہلا کر بولے تو وہ ان کی شکل دیکھنے لگیں۔

"میں بیا کو کم از کم پانچ لاکھ روپے کیش دینا چاہتی ہوں۔" وہ چند لمحے بعد بولیں۔

"تو دے دیں، کس نے منع کیا ہے؟"

"میرے اکاؤنٹ میں بمشکل دو لاکھ روپے ہوں گے۔" انہوں نے جیسے اطلاع دی۔

"تو......؟" وہ سوالیہ انداز میں بولے۔

"دیکھیں، اگر آپ کہتی ہیں کہ فیکٹری سے آپ کو کچھ مل جائے تو جو آپ کے ماہانہ اخراجات ہیں، اس کے حساب سے سب آپ کو باقاعدگی سے ملتا ہے۔ اتنا ہی جتنا ہم دونوں بھائیوں کو ملتا ہے۔ ہم نے اپنے بچوں کی شادیاں یا تعلیم جو بھی کرنا ہے، اسی رقم سے کرنا ہے، اس لیے بھی کہ فیکٹری میں مزید کچھ نہیں نکل سکتا۔ تینوں فیملیز کا بوجھ بھی فیکٹری نے اٹھا رکھا ہے۔ وہی غنیمت سمجھیں۔" وہ دوٹوک انداز میں بولے۔

"تو کیا میں اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت کر دوں؟" وہ چیخ کر بولیں۔

"یہ میں نے کب کہا ہے، آپ کی جتنی استطاعت ہے، اسے دیں۔ اس کی تائی بھی شاید پچیس تیس ہزار اسے دینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی خیال شہاب کا بھی ہے۔"

"بھائی صاحب! مجھے اپنی بچی کے لیے خیرات نہیں، اس کا حق چاہیے۔" وہ تلخی سے بولیں۔

"حق اس کا تب بنتا، جب وہ اس گھر کی ناموس کا خیال کرتی۔ اس نے تو ہم سب کی عزت کو بیچ کر چوراہے میں ٹانک دیا اور ہم اس کے لیے بینک خالی کر دیں؟ سوری بھابی جان! میں اب کچھ نہیں کر سکتا، میں معذرت خواہ ہوں۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اٹھ گئے تو وہ بڑی مشکل سے روکے گئے آنسو کو بہانے لگیں۔

"مجھے معلوم تھا یہی جواب دیں گے آپ، پھر بھی نہ جانے کیوں بات کر لی میں نے۔ مگر میں بھی اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ نہیں بھیجوں گی۔ دیکھوں گی کل کو یہ بھی اپنی بیٹیوں کو خالی ہاتھ رخصت کرتے ہیں۔ یا...... منافق لوگ۔" پہلی بار انہوں نے نفرت سے ان کے بارے میں سوچا تھا۔

"مجھے خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔" سوچتے ہوئے انہوں نے ضویا کو آواز دی۔ کل بینک

جا کر لاکر کا جائزہ لینا تھا۔ جیولر کی طرف جانا تھا اور بیا کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کروانی تھی
کاموں کی فہرست یاد آتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

انسان سوچتا کیا ہے اور ہوتا کیا ہے۔ سوچا تو یہی تھا سب نے، اس نے......' نے اور زریاب نے کہ شادی اس کے ایگزام کے فوراً بعد ہو جائے گی۔ زریاب نے ایک ماہ میں آنا تھا، تایا جی اور تائی جی نے تو شادی کی شاپنگ بھی شروع کر دی تھی۔ ایک لسہ انہوں نے زریاب کو بھی بھیج دی تھی اور ایک لسٹ زریاب نے اس سے پوچھ کر بنائی تھی۔

''بیا! تمہیں جو جو پسند ہے، سب لکھوا دو۔ کوئی ایک حسرت، کوئی ایک خواہش بھ تمارے دل میں تشنہ نہیں رہنی چاہیے۔ ہماری شادی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے جسے تم یوں لاکلی لے رہی ہو کہ تمہیں کچھ نہیں چاہیے۔ میں کہتا ہوں، تم دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین لڑکی ہو گی جس کی کوئی تمنا یا خواہش ادھوری نہ ہو گی۔ دنیا کی ہر نعمت، ہر خوشی، ہر محبت تمہارے قدموں میں ہو گی۔ تم مجھے اپنی پسند کی سب چیزیں بتاؤ، میں لے کر آؤں گا۔ ویسے تو تمہیر شادی کے فوراً بعد میرا مطلب ہے، آفٹر منی ہنی مون جو ہم پاکستان کے ناردرن ایریاز میں منائیں گے اس کے فوراً بعد تمہیں میرے ساتھ فرینکفرٹ آنا ہے اور یہیں سے ہمارے اصل ہنی مون کا پیریڈ اسٹارٹ ہو گا۔ پورے دو ماہ پر مشتمل۔ پیرس، لندن اور سوئٹزرلینڈ۔

یہ تین جگہیں تو میں نے سوچی ہیں تمہارے ساتھ ادھر ضرور جانا ہے۔ اور تمہیں جو جگہ پسند ہے، وہ بھی اپنے پلان میں شامل کر لیں گے۔''

رات کے دو بجے آنے والی زریاب کی، پچھلے ماہ کی پچیس تاریخ کی یہ کال تھی۔ آج سے پندرہ دن پہلے کی پلاننگ۔ اس نے اپنے دکھتے ہوئے سر کو دبایا۔

''زریاب! مجھے اسپین بہت پسند ہے۔ میں الحمرا دیکھنا چاہتی ہوں، اور میڈرڈ اور دوسرا ملک مجھے آسٹریلیا بہت پسند ہے۔ میرا دل چاہتا ہے، میں اس کے ہرے بھرے لینڈ اسکیپ پر ننگے پاؤں ساری زندگی تمہارے ساتھ چلتی رہوں اور ہم ڈھیروں باتیں کریں اور کبھی نہ تھکیں۔'' اس نے کارڈلیس دوسرے کان سے لگاتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔

''صرف باتیں؟'' زریاب کی سرگوشی پر اس کے دل نے ایک بیٹ میس کی تھی۔

''شادی کے بعد خصوصاً ہنی مون پیریڈ میں مائی سویٹ ہارٹ باتیں تو نہیں ہوتیں

بلکہ اکثر نرم گرم محبت بھرے لمس میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ایک بار شادی ہو جانے دو پھر تمہیں پتا چلے گا۔ ہنی مون میں کوئی بیوقوف باتیں نہیں کرتا۔''

''زریاب! پلیز......'' اس کا چہرہ حدت دینے لگا تھا۔

''تم نے پچھلی بار بھی وعدہ کیا تھا کہ یہ باتیں ابھی ہمارے درمیان نہیں ہوں گی۔''
بیا نے اسے اس کا پیمان یاد دلایا۔

''وہ وعدہ ہ کیا جو ٹوٹے نا۔ ویسے اب تو خود کو تیار کر لو......'' وہ پھر پٹڑی سے اترنے لگا۔ زریاب کی ہنسی کا ساتھ اس کی شرمیلی مسکان نے دیا تھا اور تقدیر نے تو شاید قہقہہ لگایا تھا۔

''میرے آنے میں صرف ایک ڈیڑھ ماہ ہے، میں نے ممی کی بھیجی ہوئی لسٹ کے مطابق شاپنگ شروع کر دی ہے۔ تم اپنی چیزیں لکھواؤ۔''

''مجھے ابھی فی الحال کچھ یاد نہیں آ رہا۔ میں دو چار دنوں میں لکھوا دوں گی۔''

''او کے، میں کل رات کو پھر فون کروں گا۔''

''یہ رات کو فون کچھ زیادہ نہیں ہونے لگے؟'' بیا نے اسے ٹوکا۔

''او ظالم لڑکی! تمہیں کیا پتا ادھر رات اور دن کا فرق بھی تو ہے مگر جب میں تمہیں فون کرتا ہوں تو اپنے اردگرد مکمل اندھیرا اور خاموشی کر کے اور رات کے سحر میں اپنی فیانسی سے بات کرنا کس قدر رومان پرور ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم؟ اب تو میرا دل چاہتا ہے، یہ ایک دو ماہ پر لگا کر اڑ جائیں اور تم میری دسترس میں آ جاؤ اور ہم بس......''

''زریاب خدا حافظ۔'' اس نے جلدی سے فون بند کر دیا اس طرح باتیں کرتے ہوئے اکثر پٹڑی سے اتر جانا۔ اس کی ان باتوں سے جو بالکل ہی کھلی ہوتی تھیں بیا کو بہت کوفت ہوتی۔ عجیب سا عامیانہ پن جھلکتا ہوا محسوس ہوتا۔

''تم آج اتنی جلدی سو گئیں؟'' اچانک کسی نے لائٹ جلائی تو اس کی دکھتی ہوئی آنکھیں جیسے درد سے بھر گئیں۔ اس نے فوراً بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ عارفہ بیگم اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ پہلے تو جی چاہا کہ سوتی بن جائے مگر وہ اس کی تیزی سے بند ہوتی آنکھوں کو دیکھ چکی تھیں۔

''آپ کو شاید یاد نہیں، میں اسی وقت سوتی ہوں۔'' اس نے رکھائی سے کہہ کر کروٹ لینا چاہی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے کندھے سے تھام لیا۔

"بیا! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو اس طرح ری ایکٹ کر کے؟"

"کیا مطلب، میں آپ کو کیا پریشان کر رہی ہوں؟ آپ کیا چاہتی ہیں، میں اب سوؤں بھی نہیں۔" وہ تنگ کر بولی۔

"تمہیں نیند نہیں آ رہی میری جان! مجھے معلوم ہے۔" انہوں نے ہاتھوں سے اس کے بال سنوارے۔

"آ جائے گی بلکہ آ رہی تھی، اگر آپ لائٹ آن نہ کرتیں تو؟" اس نے ان کے ہاتھ جھٹکے۔

"بیا! میرا قصور تو بتاؤ جو مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہو۔" وہ جیسے رو دینے کو تھیں

"قصور...... قصور......؟" وہ غصے سے پھنکاری۔ "کسی کا قصور نہیں، سارا میرا قصور ہے اور آپ مجھے اس قصور کی سزا...... آپ سارے مجھے دینے تو جا رہے ہیں اور اب مجھ سے کیا چاہیے آپ کو؟"

"اگر تم نئی زندگی کو سزا سمجھ کر شروع کرو گی تو پھر زندگی گزارنا بہت مشکل ہو جائے گا بلکہ ناممکن۔"

"یہ آپ کا ہیڈک نہیں، کل آپ مجھے دو بول نکاح کے پڑھوا کر اس گھر سے دفعان کریں۔ اس کے بعد آپ کا مجھ سے اور میرا آپ سے کچھ واسطہ نہیں ہوگا۔ مجھے معلوم ہے آپ مجھ سے یہی کچھ کہنے آئی ہیں۔ میں نے آپ کی مشکل آسان کر دی۔ اب آپ جائیں اور مجھے سونے دیں۔" بات کرتے کرتے نہ جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسو قطار کی شکل میں بہنے لگے تھے۔

"تم ماں کے بارے میں یہ سوچتی ہو؟" انہیں شاک لگا تھا۔

"ممی! آپ بتائیں، مجھ سے اب اور کیا چاہتی ہیں۔ اور پلیز...... اس وقت مجھ سے یہ جذباتی ڈائیلاگ مت بولیں۔ آپ اس وقت کس لیے یہاں آئی ہیں۔ وہ کہہ دیں میں سن لوں گی اور مان بھی لوں گی۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ رگڑ کر صاف کر ڈالا۔

"تم اٹھ کر میرے کمرے تک آؤ گی میرے ساتھ؟" انہوں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"اوکے۔" وہ ان کے ہاتھ کو نظر انداز کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان سے پہلے

کمرے سے نکل گئی۔

"عارفہ بیگم کے بیڈروم میں ضوبیا بیٹھی تھی۔

"ممی کی چمچی!" وہ اسے دیکھ کر جھلسی۔

اس کے سامنے بیڈ پر قطار کی شکل میں زیورات کے کھلے پانچ چھ ڈبے پڑے تھے اور جگمگ کرتے زیورات کی چمک کمرے کی روشنی کو اور بڑھا رہی تھی۔ بیڈ کے دوسری جانب دو سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ ایک ریشمی کپڑوں سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے میں دو چار شاپرز پڑے تھے۔

"تو گویا میرے جنازے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔" اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں۔

"آؤ آؤ بیا! بیٹھو۔ ممی نے یہ کچھ زیورات نکالے ہیں اور کچھ کپڑے بھی۔ باقی لسٹ ہم بنا رہے ہیں۔ اس میں جو تم کہو......"

ضوبیا اسے دیکھ کر خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ بیا کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔ وہ بیڈ کے سرے پر ٹک گئی۔

"یہ حارث آج اتنی جلدی کیسے سو گیا؟" اسی وقت عارفہ بیگم کہتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

"ممی! ساڑھے گیارہ ہو چکے ہیں۔ وہ تو ویسے بھی نیند کا کچا ہے اور دو تین دنوں سے صحیح طرح سو بھی نہیں سکا، اس لیے۔" ضوبیا کے پاس ہر سوال کا جواب تیار ہوتا تھا۔

"دیکھو بیا! یہ زیورات، تین سیٹ ہیں۔ ایک میں نے جیولر کو فون کر کے کہہ دیا ہے۔ یہ چوڑیاں ہیں، ساتھ میں کنگن بھی۔ زیور کی طرف سے تو مجھے کچھ فکر نہیں۔ یہ تو تقریباً مکمل ہی ہیں۔ سادہ سات آٹھ اچھے قیمتی سوٹ بھی میں نے خرید رکھے تھے۔ کل چھ سات ریڈی میڈ اور خرید لیں گے۔ ایک شادی کا جوڑا ہو......"

"ممی! آپ نے مجھے یہاں کس لیے بلوایا ہے؟" وہ تندی سے ان کی بات کاٹ کر بولی تو ممی کا منہ جیسے کھلا رہ گیا اور ضوبیا جو زیورات کے ڈبے اس کی طرف کھسکا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ وہیں تھم گئے۔

"تم کچھ دیر ہمارے پاس بیٹھو اور......"

''مجھے نیند آ رہی ہے، کوئی کام ہے تو بتائیں۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''تو پھر ایک کام کر دو، ضویا اٹھو۔'' ممی کے کہنے پر ضویا اٹھ کر باہر چلی گئی۔ واپ
آئی تو اس کے ہاتھ میں کون مہندی تھی۔

''مجھے اپنے ہاتھوں پر مہندی لگا کر دکھاؤ۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولیں۔

''نہیں، بالکل نہیں۔'' اس نے دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔

''بیا! پلیز...... میری یہ خواہش ہے۔''

''میری کون سی خواہش پوری ہوئی ہے جو میں لوگوں کی خواہشات کا احترام کر پھروں۔'' وہ تلخی سی منہ پھیر کر بولی۔

''بیا! ممی لوگ تو نہیں، تمہاری ماں ہیں اور اس سارے معاملے میں ان کا کچھ قصو نہیں۔'' ضویا نرمی سے بولی۔

''تم چپ کرو، ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتی ہو۔ اگر تمہارے ساتھ سب بیتا ہوتا......''

''بیا! خاموش ہو جاؤ، میری نرمی اور محبت کا غلط مطلب مت لو۔ بیٹھو ادھر، چلو ضو مہندی لگاؤ۔''

ممی نے اٹھ کر اسے بیڈ پر دھکا دیا تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''ہر بات کی کوئی حد ہوتی ہے۔ نظر بھی آ رہا ہے۔ ماں کس قدر پریشان ہے پھر بھ میری پریشانیوں میں اضافہ کیے جا رہی ہو بک بک کر کے۔'' ممی اپنی جگہ بیٹھ کر زیورات دیکھ لگیں۔

''کل آپ کی ساری پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔'' ضویا بہت تیزی سے اس کی ہتھیلی پر بیل بوٹے بنا رہی تھیں۔

ہتھیلی کے بیچ میں اس نے جیسے ہی اے پلس زیڈ کی جگہ اے پلس آر لکھا دیکھا بیا کے دل میں یکدم کچھ ٹوٹا تھا۔ درد کی لہر اس کے دل میں اٹھی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے ضویا کے ہاتھ سے کون چھین کر سامنے دیوار پر دے مارا اور اپنی ہتھیلی کو ایک نظر دیکھ کر اسے اپنے دوپٹے سے رگڑ ڈالا۔

''نہیں ہوتا مجھ سے یہ ڈھونگ۔ سنا آپ نے۔'' وہ وحشت بھری نظروں سے ا

کے حیران چہروں کو دیکھتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

☆☆☆

''افوہ بیا! اٹھ بھی جاؤ، نو بج گئے ہیں۔ کیا سارا میلہ مویشیاں بیچ کر سوئی ہو۔ میں اور ممی بمشکل ایک گھنٹہ سوئے ہیں۔ اٹھو جلدی سے، ممی کہہ رہی ہیں بازار جانا ہے ہمارے ساتھ۔ برائیڈل ڈریس تو اپنی پسند سے لو گی نا۔'' ضویا نے اسے بری طرح سے جھنجوڑ کر اٹھایا تھا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

''اوہو، سرخ سرخ ڈورے، کجرارے نینوں میں لگتا ہے رات بھر پیا ملن کے سپنے دیکھے ہیں۔ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں تمہاری یہ نشیلی سی اکھیاں۔'' وہ شرارت سے چہکی۔ اس کی چہکار بیا کے دل پر انگاروں کی طرح پڑی تھی۔

''شٹ اپ۔ بکواس بند کرو۔'' وہ لیٹے لیٹے غرائی۔

''یہ شٹ اپ وٹ اپ بعد میں کر لینا میری جان! چلو اٹھو، اٹھ کر ناشتہ کرو اور ہمارے ساتھ جانے کی تیاری پکڑو۔'' اس نے بیا کا ہاتھ کھینچا۔

''تھوڑی سی مہندی لگی تھی، کیسا لال رنگ آیا ہے۔ دیکھو تو تمہاری ساس تو تم سے خوب عشق فرماتی ہیں۔ پہلے تو میں تمہیں جب بھی عید پر مہندی لگاتی تھی، کبھی ایسا رنگ نہ آیا۔ رات بھر لگی رہنے کے باوجود اور شام تک بالکل پھیکا مٹیالا ہو جاتا تھا۔ ایسی محبت فرماتی تھیں تائی موصوفہ تم سے۔ کیا تھا جو رات کو صبح سے لگوا لیتیں۔'' وہ تاسف سے بولی۔

''تم یہاں سے دفع ہوتی ہو یا نہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ کھینچا۔ اس بے وقوف کو کیا پتا، میرا دل تو ابھی بھی اس پھیکے مٹیالے رنگ کی تمنا کر رہا ہے جسے دیکھ کر تائی جی نہال ہو جاتی تھیں اور ہر عید کی صبح عیدی سے بھی پہلے وہ اس کا سرپرائزنگ عید کا جوڑا، میچنگ جیولری، سینڈل اور پانچ نیلے نوٹ اس پھیکے رنگ کی ہتھیلی پر دھر جاتی تھیں۔

''اپنے تایا جی کے عید پڑھ کر آنے سے پہلے تیار ہو کر آ جانا۔ گھر آتے ہی تمہاری صورت دیکھیں تو ان کا موڈ بحال ہو جاتا ہے۔'' جاتے جاتے وہ اسے تاکید کر جاتیں۔ تلخ یادوں کے کانٹوں بھرے جھولے اسے ایک پل کو چین نہ لینے دے رہے تھے۔

''اب اٹھ بھی چکو، ممی آوازیں لگائے جا رہی ہیں۔ ناشتے کی ٹیبل پر تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔ اٹھو جلدی سے۔''

می کی پکار اس نے بھی سن تھی، وہ مجبوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر یونہی سر اٹھا کر کمر دیکھنے لگی۔

"آج میری اس کمرے میں آخری صبح ہے اور آج کا دن آخری دن۔"

اس کے دل سے اچانک ہوک سی اٹھی تو جیسے کمرے کے در و دیوار بھی اٹھے۔

پورے سترہ برس کا ساتھ تھا اس چار دیواری کے ساتھ۔ چار سال کی عمر میں م اسے اور ضویا کو یہ کمرہ دیا تھا۔ ضویا تین سال کی تھی اور وہ چار سال کی۔

یہ کیا کسی ٹریجک فلم کی ہیروئن بن کر بیٹھ گئی ہو۔ یار! اٹھ بھی چکو اب۔" ضو پھر اس کا کندھا ہلایا۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے نا تمہیں کہ آج اس گھر میں، اس کمرے میں آخر ہے پھر سب کچھ تمہارا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"بیا! تم ایسا کیوں سوچتی ہو۔ دیکھو ہم بہنیں کم، دوست زیادہ ہیں۔ میں تم دکھ کو تم سے زیادہ سمجھتی ہوں مگر کیا تم نہیں سمجھتیں کہ یہ کتنا اچھا ہو رہا ہے کہ......" وہ اس پاس بیٹھ گئی۔ "بے شک دل ٹوٹا ہے اس چوٹ کا نشان رہ جانے کا بھی امکان ہے مگر کچھ کے اصل چہرے تو پہچانے گئے بیا! یہ لوگ تو بالکل ناخالص تھے۔ تمہاری خالص محبت کے بالکل ناموزوں۔ مجھے پتا ہے تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا مگر اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں وہ فیصلہ فرماتے ہیں جو ہمارے حق میں اچھا ہوتا ہے۔ اس بات کا اندازہ تمہیں آگے چل گا بظاہر خوشنما دکھائی دینے والی چیزیں اندر سے کس قدر بدصورت ہوتی ہیں اور بظاہر لگنے والے لوگ ہمارے لیے کس قدر بھلے ہوں گے۔ بیا! اس بات کو وقت پر چھوڑ دو، چند ماہ لگیں گے اور سب کچھ تمہاری نظروں کے سامنے آجائے گا پھر می کی، میری د تمہارے ساتھ ہیں۔ دیکھنا تمہارے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہوگا۔ اب اٹھو جلدی سے، می کر رہی ہیں۔" وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"یہ سب کہنا بہت آسان ہے ضویا بی بی! جس کے ساتھ بیتے وہ تن جانے اٹھ کھڑی ہوئی۔

واش روم میں منہ دھونے کے ساتھ اس نے کتنی بار آنسوؤں سے منہ دھویا۔

"اتنی دیر لگا دی۔" می اس کے سرخ روئے ہوئے چہرے کا جائزہ لے کر بولیں۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"وہ شاید ناشتہ کر چکی تھیں۔ ملازمہ گرم چائے لے کر آئی تو بیا نے اپنے کپ میں چائے نکالی اور پینے لگی۔

"ساتھ کچھ کھاؤ۔" می نے سختی سے کہتے ہوئے مکھن لگا سلائس اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"السلام علیکم بھابی جان!" شہاب صاحب اندر داخل ہوئے تو بیا اپنا کپ اٹھا کر لاؤنج میں آگئی۔

"ناشتہ کرو گے شہاب! ضویا، چاچو کے لیے کچھ لاؤ۔" می نے لہجے میں پرانی مروت سموتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بھابی جان! ناشتہ میں کر کے آیا ہوں۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

"چائے بناؤں؟" می نے فوراً کپ اٹھایا۔

"نہیں شکریہ۔ میں فیکٹری جانے لگا تھا۔ آپ سے پوچھنے آیا تھا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" وہ جیسے مشینی انداز میں بول رہے تھے۔

"ضرورت۔" می نے کپ واپس میز پر رکھ دیا۔ "ضرورت تو ایسی چیز ہے جس کا منہ کبھی بھرا ہی نہیں جا سکتا۔ ویسے بھائی صاحب نے رات مجھے مفصل بتا دیا تھا کہ اس قسم کی "ضرورتوں" یعنی شادی بیاہ کے معاملات کو بھی ہمیں اپنی آمدنی کے مطابق خود ہی مین ٹین کرنا ہے۔ فیکٹری میں ایسی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔" می جتا کر بولیں۔

"وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ کو معلوم تو ہے فیکٹری پہلے ہی......"

"پہلے ہی تین تین فیملیز کا بوجھ اٹھا رہی ہے، مزید یہ شادی بیاہ کے اخراجات...... خیر مجھے سمجھ آ گئی ہے، اسی لیے...... اور اس بات کی بھی کہ کل کو ماشاءاللہ سب کے وقت کھڑے ہیں سر پر، دیکھوں گی کس کس کی بچت کیسے کیسے شاندار فنکشنز کی متحمل ہوتی ہے۔"

می کا غصہ ان کے لہجے سے عیاں تھا۔

"رافع اچھا لڑکا ہے۔" چاچو نے فوراً موضوع بدلا۔

"اللہ بہتر کرنے والا ہے۔" می نے ایک سرد آہ بھر کر بیا کو دیکھا۔

''میں پھر چلتا ہوں۔ یہ چیک ہے پچاس ہزار کا بیا کے لیے کوئی گفٹ خرید گا۔'' کوٹ کی جیب سے انہوں نے چیک نکال کر عارفہ بیگم کے آگے رکھا اور اٹھ کھڑ ہوئے۔

''شہاب! یہ واپس لے لو۔'' ممی نے فوراً چیک انہیں اٹھا کر ان کی طرف بڑھ

''بیا جو کچھ اس گھر سے لے کر جا رہی ہے، وہی اس کے لیے گفٹ ہے۔''

''بھابھی! یہ میں بیا کو دے رہا ہوں، آپ کو نہیں۔ پلیز۔'' انہوں نے چیک دو رکھ دیا۔ ''سچویشن کچھ اس طرح کی ہو گئی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کون غلط ہے، درست۔ بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ میں چلتا ہوں، خدا حافظ۔'' وہ فوراً ہی باہر نکل گئے۔

''ضویا......ضویا......! تم سو گئی ہو جا کر۔'' ممی نے جھلا کر ضویا کو پکارا۔

''جی ممی......! میں تیار ہو رہی تھی۔'' ضویا بھاگی بھاگی آئی تھی۔

''یہ چیک بھی اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لو۔ اسے جمع کروانا ہے اور اب تم جلدی آ جاؤ، میں ذرا تمہاری تائی سے مل آؤں۔ انہوں چلنا تو نہیں مگر مجھے رسماً انہیں ساتھ چلنے لیے کہنا ہے شاپنگ کے لیے۔'' ممی اٹھ کھڑی ہوئیں تو بیا کا جی چاہا بھاگ کر انہیں ر لے۔

''ممی! رہنے دیں نا۔ انہوں نے بہت اچھا کیا ہے جیسے ہمارے ساتھ۔'' ضویا فوراً اس کے دل کی ترجمانی کی۔

''بچے! یہ دنیا ہے، دنیاداری نبھانی پڑتی ہے۔ وہ بہر حال اس گھر کی بڑی ہیں وہ کہتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔ تو ضویا کمرے کی طرف مڑ گئی۔

بیا کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے ٹھنڈی چائے کے گھونٹ حلق میں اتارے اور کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

کپ رکھتے ہوئے اس کی نظر ان ادھورے سرخ بیل بوٹوں پر پڑی۔

''تو آج میری شادی ہے، ایسی ہوتی ہیں شادیاں۔'' اس نے صوفے کی سے سر ٹکا دیا۔

''زریاب، کم از کم تم تو میرا یقین کرتے، تم تو مجھے جانتے تھے، مجھے چاہتے اچھے دنوں کے چاہتوں کا کچھ تو بھرم رکھتے۔ بھلے مجھ سے ناراض ہو جاتے مگر اس طرح ا

اجنبیت بھرے انداز میں تعلق نہ توڑتے، تم نے تو یوں کیا جیسے یہ صرف بڑوں کا معاملہ تھا۔ ہمارے درمیان کبھی کچھ نہیں رہا۔ تمہاری محبت، تمہارے دعوے، تمہاری قسمیں اتنی کچی ہوں گی، یہ تو میں نے کبھی ایک پل کو بھی نہ سوچا تھا۔'' اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

''ضویا! آ جاؤ بیٹا! دیر ہو رہی ہے۔'' ممی کی تھکی تھکی سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''ارے آپ اتنی جلدی آ گئیں؟'' ضویا بال باندھ چکی تھی۔ کندھے پر دوپٹا اور شولڈر بیگ ڈالے تیار کھڑی تھی۔

''ہاں۔'' ممی نے مختصراً کہا۔

''کیا کہا تائی جی نے؟'' ضویا کریدے بغیر نہ رہ سکی۔

''وہی خفگی، وہی غصہ کہ ہماری وجہ سے ان کی بچی کا رشتہ خراب ہوا ہے۔ دونوں میاں بیوی ابھی اسلام آباد جا رہے ہیں۔ ربیعہ کے ساس سسر کو منانے۔''

''کیوں، ہم نے کیا کیا ہے۔ ان کا رشتہ تو صحیح سلامت ہے۔ آفت تو ہم پر ٹوٹی ہے۔ ان لوگوں کے ہنگامے کی وجہ سے۔'' ضویا تنک کر بولی۔

''اچھا تم اب اپنی چونچ بند رکھو۔ ہنگامہ انہوں نے کیا کرنا تھا، لڑکی کی آبرو تو کانچ سے بھی نازک ہوتی ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اس کانچ میں کیسے دراڑ ڈالتی ہے۔ دیکھ تو لیا ہے تم نے۔ چلو اب دیر ہو رہی ہے۔ بیا کہاں ہے؟'' ممی نے عجلت سے اپنا دوپٹہ درست کیا۔

''وہ بیٹھی ہے۔'' ضویا آہستگی سے بولی۔

''بیا! تم بھی آ جاؤ ہمارے ساتھ۔ کچھ خرید لینا اپنی پسند سے۔ کم از کم شادی کا جوڑا لے لینا۔'' ممی اس کی طرف بڑھیں۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس نے سختی سے کہا۔

''ضد اچھی نہیں ہوتی بیا! ادھر کیا کرو گی سارا دن ہمیں شاپنگ میں کافی ٹائم لگ جائے گا۔''

''میں نے کہا نا۔''

''اچھا کلر تو بتا دو۔'' کون سا لائیں؟'' ضویا فوراً بولی۔

''سیاہ لے آنا، میرے نصیبوں جیسا۔'' وہ جل کر بولی۔

''بیا!'' عارفہ بیگم نے اسے گھورا تو وہ لاپروائی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔ تم نے ناشتہ نہیں کیا۔ دوپہر میں ضرور کچھ لینا۔ ہم لوگ تین بجے تک آ جائیں گے۔ کھانے کا آرڈر ولید نے کر دیا ہے۔ تم دوپہر تھوڑا ریسٹ کر لینا۔'' ممی اس کے کندھے تھام کر محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''بیا! میں نے پارلر والی کو فون کر دیا ہے، وہ ساڑھے تین بجے تک آ جائے گی اس سے.....''

''جائیں آپ لوگ اب۔'' وہ اچانک بے قابو سی ہو کر چلائی تو دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھ کر رہ گئیں اور خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

''یہ جو روپ دکھ کی سیاہی کی صورت میرے چہرے پر اترا ہے، اسے پارلر والی چینج کرے گی۔ ہونہہ۔'' وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

''شادی کا جوڑا۔'' یادیں پھر کرچیاں بن کر آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔

''بیا! بھئی صاف بات ہے۔ شادی اور ولیمہ کا جوڑا ہم دونوں خود ہی خرید جائیں گے۔ اس میں، میں کسی کی شمولیت پسند نہیں کروں گا۔ اگلے ماہ میں آؤں گا تو اس سے پہلے ہم یہ شاپنگ کریں گے، باقی کی شاپنگ سب اپنی پسند سے کرتے رہیں۔ آخر خاص موقع ہماری زندگی میں بار بار تو نہیں آئے گا۔ ٹھیک ہے نا۔'' اس نے ہاتھ سے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''ریڈ کلر تو بالکل نہیں اور میرون بھی نہیں۔ ٹی پنک بھی بہت کامن ہو چکا ہے بتاؤ پھر کون سا کلر ہونا چاہیے۔''

اس کا دماغ شل ہونے لگا۔

''میری زندگی سے نکل گئے ہو تو دل و دماغ سے بھی نکل جاؤ۔ زریاب! مجھے دو پلیز۔ مجھے ان یادوں، ان آوازوں سے آزاد کر دو۔'' اس نے بے بسی سے صوفے پر بیٹھ اپنے ہاتھوں میں منہ کو چھپا کر رونا شروع کر دیا۔

''رافع اچھا لڑکا ہے۔'' چند منٹ پہلے چاچو کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''روشی! تمہارا بھائی کس قدر ان رومانٹک ہے۔ بالکل میتھس میں جیومیٹری کی طرح'' اس رات رافع کمرے سے نکل کر گیا تو اس نے روشی سے کہا تھا۔

''ہائے، نہیں میرے بھائی تو بہت اچھے ہیں۔ بہت نرم دل، خیال رکھنے والے، محبت کرنے والے۔''

''محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے تو زریاب جیسے ہوتے ہیں، اپنی محبت کے حصار میں مقابل کو جکڑ لینے والے کہ وہ کہیں بھاگنا بھی چاہے تو بھاگ نہ سکے جیسے میں۔''

وہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اسی لیے یوں جھٹک کر خود سے کاٹ پھینکا ہے تمہارے محبوب نے تمہیں؟'' یہ کون ہنسا تھا اس کے اندر۔ وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا، وہ تھک کر پھر صوفے پر گر گئی۔

☆☆☆

دوپہر کب سہ پہر میں ڈھلی، اسے کچھ پتا نہ چلا۔ صرف گیارہ بجے بھوک نے نڈھال کیا تو بشیراں کو آواز دے کر ایک کپ کافی اور دو بسکٹ لے کر پھر اوندھے منہ بستر پر گر گئی تھی۔ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ فریال آئی تھی۔

''بیا! سو رہی ہو؟'' وہ دروازے میں کھڑے کھڑے پوچھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں اور سختی سے بند کر لیں۔ اس وقت اسے کسی کا سامنا نہیں کرنا تھا، وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر واپس پلٹ گئی۔

فریال سے شروع سے اس کی اچھی دوستی تھی۔ ربیعہ نک چڑھی تھی، وہ کم ہی کسی سے فرینک ہوتی تھی۔ فریال اور وہ ایک ہی کلاس، ایک ہی اسکول میں پڑھتے رہے تھے پھر کالج میں بھی اکٹھے ایڈمیشن لیا تھا۔ صرف فورتھ ائیر میں آ کر اس نے ایک سبجیکٹ بدل لیا تھا اور وہ فزکس سے چٹی رہی تھی جس کے پریکٹیکل نے آج اسے یہ دن دکھایا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر کروٹ بدلی۔ اے سی کی کولنگ سے اچھی خاصی خنکی ہو رہی تھی جو دو دن پہلے ہونے والی اس بارش کا نتیجہ تھا۔

''اور رات کو مجھے اس گھر میں سونا پڑے گا جہاں روم کولر تک نہیں۔ چھوٹا سا تنگ کمروں والا گھر جہاں میں نے بحالت مجبوری ایک رات رو رو کر گزاری تھی۔ اور اب تمام زندگی!'' اسے ایک دم بجلی کے کوندے کی طرح لپکتی اس سوچ نے جھٹکا سا دیا تھا۔

"ان کے گھر میں کس قدر مچھر تھے۔ اگر آنکھ لگ بھی جاتی تھی تو مچھر کانوں می[ں]
آ کر گنگنانے لگتے تھے۔ اوہ میرے خدایا، ممی، یہ آپ کیا کرنے جا رہی ہیں میرے ساتھ۔" وہ ہراساں ہونے لگی۔ "اور پھوپھا جان!" ایک اور جان لیوا خیال۔ "انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا۔ اس کے بعد بھی دن رات ایسے کمین فطرت گھٹیا شخص کا سامنا کرنا امپاسبل۔" ایک ایک کر کے اسے ساری تکلیف دہ باتیں یاد آتی جا رہی تھیں۔

"ممی نے صرف ضویا اور حارث کی زندگی کو آرام دہ بنانے کے لیے مجھے قربان ک[ر] دیا ورنہ جو کچھ تایا جان ہمیں دے رہے تھے۔ اس میں کم از کم ہم پھپھو سے کئی درجہ سہی کچھ بہت[ر] گھر لے سکتے تھے۔ مگر ممی نے صرف اپنی سہولت، اپنی آسائش کی خاطر اس گھر سے ہاتھ دھو[نا] گوارا نہ کیا پھر بھی آپ مجھ سے توقع کر رہی ہیں کہ میں ہنسی خوشی تنگ دستی و غربت کی ا[س] صلیب پر چڑھ جاؤں۔"

کمرے میں گھٹن بڑھ گئی تھی۔

"اوہ خدایا! تم ابھی تک بستر میں گھسی ہوئی ہو۔ ٹائم دیکھا ہے، چار بجنے کو ہیں او[ر] وہ پارلر والی بیچاری گھنٹہ بھر سے ڈرائنگ روم میں سوکھ رہی ہے۔ کم از کم فیشل وغیرہ تو کروا لی[ا] تھا۔ ہم پاگلوں کی طرح بھاگم بھاگ آئے ہیں اور تم اسی طرح پڑی ہو۔ اٹھو اب جلدی کرو۔" ضویا خاصی عجلت میں اندر داخل ہوئی تھی اور حسب عادت نان اسٹاپ بولتے ہوئے اس[ے] اٹھانے لگی۔

"ضویا! مجھے کسی فیشل ویشل کی ضرورت نہیں۔ تم پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" کوشش کے باوجود اپنا لہجہ سخت نہ کر سکی۔

"سسٹر! تمہیں صبح سے جتنی سوچ بچار کرنی تھی، کر چکی اب کچھ بھی سوچنے کا ٹا[ئم] نہیں۔ اٹھو جلدی سے، سات بجے تو ان لوگوں نے آ جانا ہے، بمشکل تین گھنٹے ہیں، اب ٹا[ئم] نہیں ہے، ورنہ میں تمہیں شاپنگ دکھاتی بہر حال میں سمیرا کو یہیں بھیجتی ہوں۔ مجھے کافی کچھ پیک کرنا ہے، پلیز اب مزید نہ ستانا جو کہہ رہی ہوں وہ کر لینا، ممی کی طبیعت بھی مجھے اچھی نہیں لگ رہی۔ صبح سے بھوکی ہیں وہ بھی۔ تم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ظالم مارے بھی اور رونے بھی نہ دے۔"

اس کے دل سے آہ سی نکلی پھر اس کے بعد کسی نے بھی اس کی ایک نہ سنی۔ سمیرا۔

اپنے ہاتھ کی صفائی ان دو گھنٹوں میں جتنا دکھا سکتی تھی دکھائی، اور پھر اس نے بھی کچھ نہ بولنے کی جیسے قسم کھا لی۔ جب قربان ہی ہونا ٹھہرا تو پھر خاموشی سے کیوں نہیں۔

"ماشاء اللہ چشم بدور...... اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری جان، میری بیٹی کس قدر پیاری لگ رہی ہو۔" جیسے ہی سمیرا نے اسے آخری پچ دے کر زیورات پہنائے ممی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی بلائیں لیتے ہوئے انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا۔ اسے پہلی بار ان کی محبت بھرے لمس میں خود غرضی اور منافقت کی بو آئی تھی۔

"سمیرا! تم اسے یہ چادر اوڑھا دو۔ وہ نکاح کے لیے آ رہے ہیں۔" ممی کے کہنے پر سمیرا نے اسے چادر اوڑھا دی۔ اسی وقت ولید، شہاب صاحب، حارث اور نکاح خواں اندر آئے۔ اس نے ایجاب و قبول کا مرحلہ بہت آسانی سے اور جلدی طے کر لیا، پیپرز پر سائن بھی فوراً کر دیئے۔ سب عارفہ بیگم کو مبارک باد دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"سمیرا پلیز کھانا لگ گیا ہے، تم بھی باہر آ کر پہلے کچھ کھا لو پھر آ کر بیا کو دیکھ لینا۔" ضویا عجلت میں اندر آئی اور سمیرا کو ساتھ لے کر چل دی۔

"بیا! بہت خوبصورت لگ رہی ہو، میں بس ابھی آئی۔" وہ جاتے جاتے کہہ گئی۔

"بیا! اس قدر چپ کیوں ہو؟ کچھ بولو نا!" عارفہ بیگم اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ اس نے ایک زخمی نگاہ ان پر ڈال کر جھکا لی۔

"یہ چیک بک ہے تمہاری۔ تمہارے اکاؤنٹ میں، میں نے تین لاکھ روپے جمع کروا دیے ہیں اس کے علاوہ زیورات میں یہ چار سیٹ اور بارہ چوڑیاں، کنگن ابھی جیولر کے پاس ہیں۔ تھوڑی دیر میں لے کر آ جائے گا۔ روشی اور سعدیہ کو ایک ایک سیٹ پہنایا ہے۔ وہ میں نے ان کے حوالے کر دیا ہے۔ تمہارے کپڑوں کے دو سوٹ کیس ہیں، براؤن کلر کے۔ سعدیہ، روشی اور آفتاب بھائی کے کپڑوں کا سوٹ کیس علیحدہ تیار کروا دیا ہے میں نے اور بلیک کلر کا چھوٹا سا سوٹ کیس رافع کا ہے۔ باقی کراکری اور تھوڑی سی مشینری میں نے خرید رکھی تھی، وہ ولید کل پہنچا آئے گا۔ فرنیچر اور دوسرے لوازمات کے لیے فی الحال یہ تین لاکھ روپے......" وہ اسے ایک ایک تفصیل بتا رہی تھیں۔

"ممی! آپ مجھے صرف ایک بات بتائیں؟" اس نے اپنی گھمبیر خاموشی توڑی۔

"شادی کے بعد یعنی آج کے بعد مجھے اس گھر میں آنے کی اجازت ہو گی
نہیں؟" اس نے پلک جھپکے بغیر ان پر نظریں جما کر پوچھا تھا۔ عارفہ بیگم کا رنگ بدلا تھا۔ ا
کے ہونٹ ذرا سے پھڑپھڑائے۔ مگر وہ کچھ بول نہ سکیں۔

"ابھی ان باتوں کا وقت......"

"ممی پلیز! مجھے صاف بتائیں۔ میں آج کے بعد اس گھر میں آ سکوں گی یا نہیں؟

"میں بھائی صاحب سے بات کروں گی۔ ابھی تو وہ دونوں اسلام آباد گئے ہیں
جیسے ہی ان کا موڈ بہتر ہوا...... تم تو جانتی ہو ان کی مرضی کے بغیر اس گھر میں کچھ بھی نہیں ہو
لیکن اس کے باوجود میں تم سے ملنے......"

"یعنی مجھے اجازت نہیں اس گھر میں آنے کی؟" وہ تیزی سے بولی۔

"یہ میں نے کب کہا؟"

"ممی! آپ نے یہی کہا ہے۔ تایا جی سے پوچھنے کا مطلب ہے انکار۔" اس
سرد نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "ٹھیک ہے، مجھے آپ سے یہی پوچھنا تھا۔ آپ جا کر ان
کہیں گی رخصتی کا یا میں خود اٹھ کر چلی جاؤں؟"

وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی، بیڈ کے قریب ہی اسکے گولڈن شوز پڑے تھے ا
نے جھک کر دونوں جوتے پیروں میں ڈالے۔

"بیا! میری بچی! میں......"

"میں آپ کی بچی نہیں ہوں بلکہ کچھ بھی نہیں ہوں۔ آپ آج کے بعد یہ سمجھ
آپ کے صرف دو بچے ہیں۔ ضویا اور حارث۔ بیا نام کی آپ کی کوئی اولاد تھی بھی تو وہ مر
اور ممی آئی پرامس۔ آئندہ زندگی میں، میں آپ کو کبھی زحمت نہیں دوں گی۔ آپ نے جو
میرے لیے کیا۔ وہ بھی کسی احسان سے کم نہیں۔"

پتھرائی آنکھوں اور چہرے کے ساتھ کہے جا رہی تھی۔

"بیا! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔" ممی نے اٹھ کر اس کا دوپٹہ درست کرنا چاہا مگر
نے ہاتھ جھٹک دیے۔

"نہیں ممی! ابھی تو آپ کو صحیح سمجھی ہوں۔ آپ نے اپنی پرآسائش زندگی کو م
ذات، میری خوشیوں، میرے وجود پر ترجیح دی۔ اپنے دونوں بچوں کے مستقبل کو میرے تار

سائے سے بچا کر محفوظ کر لیا۔ ممی! یہ بڑی فتح ہے کہ آدمی تین چار افراد کی زندگیوں میں سے تین کو بچا لے۔ ایک کو قربان بھی کر دیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ممی مبارک ہو، آپ نے بہت درست فیصلہ کیا۔ یوں بھی یہ عالیشان گھر، یہ شاندار زندگی، یہ شاہانہ رہن سہن چھوڑ کر کون دیوانوں کی طرح کسی کے کردہ ناکردہ گناہ کے ہرجانے بھرتا ہے۔ آپ نے بالکل درست فیصلہ کیا۔ تھینک یو...... چلیں اب......" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

"بیا! تم کچھ کھا تو لو صبح سے بھوکی ہو اور یہ کدھر جا رہی ہو۔ ابھی تو رخصتی میں ٹائم ہے۔" ضویا ہاتھ میں کھانے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں کھانا، اور دوبارہ مجھ سے مت کہنا۔" وہ غصے میں کہہ کر دروازے کے پاس پڑی کرسی پر گر سی گئی۔

"اسے کیا ہوا ہے ممی! اور وہ سعدیہ پھپھو نے بھی کھانا نہیں کھایا زبردستی کولڈ ڈرنک دے کر آئی تھی، وہ بھی ایسے ہی پڑی ہے۔ آپ ٹھیک ہیں نا ممی؟" وہ ماں کے ذرا پتھرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر گھبرا گئی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ چلو، میں دیکھتی ہوں تم اسے کچھ کھلا دو۔" وہ کہہ کر آہستگی سے اس کے پاس سے گزر گئیں، اسے دیکھے بغیر۔

پھر ضویا کا اصرار بھی اسے کچھ کھانے کے لئے مجبور نہ کر سکا۔

"اوہو بھئی، باہر تو گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو چکا ہے۔ ان سیاہ بادلوں نے تو رات کو بھی گہنا دیا ہے۔ جلدی کریں اس سے پہلے کہ طوفانی بارش شروع ہو جائے۔" ابھی اسے ڈرائنگ روم میں لا کر بٹھایا ہی گیا تھا کہ کسی نے اندر داخل ہو کر کہا تو پھپھو فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بھابھی جان! ہمیں اجازت دیں۔ رستہ بھی دور کا ہے اور موسم بھی اچھا نہیں۔" عارفہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا تو چھوٹی سی بارات جو تین گاڑیوں میں آئی تھی۔ بہت عجلت میں باہر کی طرف چل پڑی۔

عارفہ بیگم، شہاب صاحب، ولید، ماموں، حارث اور ضویا اس کے ساتھ پورٹیکو تک آئے تھے۔ چاچی اور فریال تھوڑی دیر کو آئی تھیں پھر اندر چلی گئیں۔

"سعدیہ! میری بچی خدا کے بعد تمہارے حوالے۔" وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو عارفہ بیگم نے روتے ہوئے ان کا بازو تھام کر کہا۔ بیا ان سے ملے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"سب کا نگہبان اللہ ہے۔ بھابھی جان! اس کے حوالے کریں۔ میں گنہگار کسی کی کیا حفاظت کروں گی۔" سعدیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

چوبیس سال پہلے انہوں نے جس گھر کو چھوڑا تھا وہ آج بھی ان کے معاملے میں اسی طرح پتھر تھا، بڑے بھائی اور بھابھی تو ملے نہیں تھے۔ دوسرے نے مروتاً سلام دعا کی تھی۔ اس کی بیوی نے دیکھ کر بھی جیسے نہ دیکھا تھا۔ سعدیہ کا دل سو بار ٹکڑے ٹکڑے ہوا تھا۔ پھر کچھ بھی ان کے حلق سے نیچے نہ اتر سکا۔

"آج اگر عارفہ بھابھی کو بیٹی کی مجبوری نہ ہوتی تو وہ بھی ان ہی غیروں کی صف میں شانہ بشانہ کھڑی ہوتیں۔" وہ یہی سوچ سوچ کر بھیگتی آنکھوں کو چپکے چپکے صاف کرتی رہیں۔

بارش کا پہلا قطرہ پڑا اور گاڑیاں آگے پیچھے گیٹ سے نکل گئیں۔ پہلی دو گاڑیوں میں رافع کے دوست احباب تھے وہ دونوں گاڑیاں کچھ آگے جا کر ہی مختلف رستوں پر مڑ گئیں۔ اب صرف یہی ایک گاڑی گھر کی طرف جا رہی تھی۔ رافع ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا سعدیہ اور روشی اس کے ساتھ۔

"موسم کے تیور دیکھے ہیں۔ اللہ خیر کرے، بیٹا گاڑی دھیان سے چلانا۔" بارش ہو چکی تھی۔ سعدیہ تھوڑی دیر بعد اسی طرح کا کوئی جملہ بول کر ماحول پر چھائی ہوئی خاموشی توڑ دیتیں۔ بادل گرج رہے تھے دور کہیں کہیں بجلی بھی چمک رہی تھی۔

"بیا! تم ٹھیک سے بیٹھی ہونا؟" روشی نے دوبارہ اس سے پوچھا تھا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

گھر سے ذرا دور بادل زوردار آواز کے ساتھ گرجے بجلی چمکی اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

"یا اللہ خیر، رحم میرے مولا!" پھپھو نے دہل کر آسمان کی طرف دیکھا۔

"بس امی! گھر آ گیا۔" دو منٹ بعد ہی گاڑی ان کی گلی میں مڑ گئی۔ بارش میں تیزی آ گئی تھی۔ ونڈ اسکرین پر تیزی سے حرکت کرنے والے وائپرز جیسے ناکام ہو رہے تھے جیسے ونڈ اسکرین سے آگے دھندلا اندھیرا اور پانی کی چادر سی تنی تھی۔ گاڑی گھر کے دروازے کے آگے جا کر رک گئی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ صحن میں جلتی ٹیوب لائٹ کی روشنی باہر گلی تک آ رہی

تھی، گلی میں بالکل سناٹا تھا، اور باہر برستی بارش کا شور۔

"بیا بیٹا! دھیان سے اترنا۔ آگے پانی ہے۔" پھپھو اتر کر اس کے پاس چلی آئیں اس نے روشی کا ہاتھ پکڑے گاڑی سے گھر کے دروازے تک کا درمیانی رستہ عبور کیا اور چھوٹی سی ڈیوڑھی میں قدم رکھے۔

"ٹھہرو روشی! جاؤ بھاگ کر اندر سے تیل کی بوتل لے آؤ۔" پھپھو نے اس کا بازو تھام لیا۔

"افوہ امی! کیا جاہلوں والی رسمیں ہیں۔ پہلے ہی...... چلیں بس اندر۔" رافع نے جھنجلا کر کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ پھپھو نے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔

"امی! تیل نہیں مل رہا۔" روشی اندر سے پکاری۔

"چلو بیٹا اندر بسم اللہ پڑھ کر۔"

پھپھو کے ساتھ اس نے دو قدم ہی بڑھائے تھے کہ سامنے کھڑے لمبے چوڑے وجود نے ان دونوں کو وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ صحن اور ڈیوڑھی کے بیچوں بیچ پھوپھا جان تن کر کھڑے تھے۔ اور خونخوار نظروں سے ان دونوں کو گھور رہے تھے۔

"ٹھہر جاؤ سعدیہ بیگم!" وہ تیز آواز میں گرجے۔ "کیا تم نے اس گھر کو یتیم خانہ سمجھ رکھا ہے۔ جو فٹ پاتھ پر پڑی امیروں کی اس رلتی عزت کی کٹی پھٹی گٹھری کو اٹھا کر گھر لے آئی ہو۔ میں اس وقت تک اسے اندر نہیں آنے دوں گا جب تک بتاؤ گی نہیں کہ یہ کیا لائی ہے۔ خالی ہاتھ آئی ہے تمہاری طرح تو اسے اس دروازے سے باہر لے جا کر کسی مسکین خانے میں چھوڑ آؤ۔ یا انہیں اپنی اونچی ناک والے بھائیوں کے در پر پھینک آؤ۔ اندر ایک قدم نہ بڑھانا۔"

آفتاب زبیری کی آواز میں زہر ہی زہر تھا۔ اس کا جسم کانپنے لگا۔ باہر گرجتا برستا موسم اور اندر بے رحم انسان۔

بجلی زور سے کڑکی، اتنے زور سے کہ لگا ابھی صحن میں آ گرے گی۔ اس کی دبی دبی سی چیخ نکل گئی۔ شاید وہ گر ہی جاتی اگر سعدیہ اسے تھام نہ لیتیں۔

"اندر آنے دیں ہمیں۔ یہ وقت ان باتوں کا ہے، پھر بیٹھ کر بات......" انہوں نے لجاجت سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ یہیں سارا حساب دو گی تو پھر آگے کا رستہ ملے گا۔ نہ تمہارے پیچھے دروازہ کھلا ہے اسے گندگی کی پوٹ کو جدھر سے اٹھا کر لائی ہو وہیں واپس جاؤ۔"

وہ بے رحمی سے چلائے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔

"سعدیہ اسے خود سے چمٹائے ذرا سا آگے بڑھیں۔

"سنا نہیں تم نے بدبخت عورت کیا کہہ رہا ہوں میں؟ دفعہ ہو جاؤ ان فتنوں کی ا کو لے کر ورنہ ابھی......"

"پھپھو......!" بیا کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

آفتاب زبیری نے دونوں کو پیچھے کی طرف ایک زوردار دھکا دیا تھا۔ وہ گرتی گئیں۔ اس کا دماغ اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو وہ رافع کے کمرے میں تھی اس کے بیڈ اور کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس کے جسم پر عروسی لباس اسی طرح تھا۔ بھاری کامدانی دوپٹہ پنوں کے ساتھ اسی طرح سر سے ٹکا ہوا تھا۔ ماتھے کا ٹیکہ ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ اس نے جلتی آنکھیں بند کر لیں اور پھر فوراً ہی کھول لیں۔

شور......شور...... اسی شور کی وجہ سے شاید اس کی آنکھ کھلی تھی۔ رافع کے کمرے کی کھڑکی اس روز کی طرح زور زور سے دوسرے بند پٹ سے ٹکریں مار رہی تھی۔ باہر ہوا شاں شاں کر رہی تھی۔ بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔ ہوا کا تیز جھونکا تھوڑی تھوڑی دیر بعد بوندوں کی ایک بوچھاڑ سی اس کھلے پٹ سے اندر کی طرف اچھال دیتا۔ بیڈ کی دائیں سائیڈ اس بوچھاڑ سے کافی بھیگ چکی تھی۔ اس نے ذرا سا خود کو بائیں طرف کھسکا لیا۔ ہوا رکی، کھڑکی کا پٹ ساکن ہو گیا تو مدھم ہوتی بارش کی کن من سنائی دینے لگی۔

"یہ بارش کس قدر منحوس ہے۔ اس نے میری زندگی کا کینوس سارے رنگوں سے خالی کر دیا۔ اس کے پانی کے ریلے میں میری خوبصورت زندگی کے سب رنگ بہہ گئے اور بچا کیا ہے؟ یہ بدصورت منظر۔"

اس نے نظر اٹھا کر اس مختصر سے کمرے کی طرف دیکھا اس کی دیواروں پر شاید چار پانچ سال پہلے قلعی کروائی گئی تھی اور اب وہ جگہ جگہ سے بدرنگ، پھیکی، گہری سیلن زدہ ہو کر اکھڑ چکی تھی۔ چپس والا گدلا گدلا سا ٹوٹا پھوٹا فرش جس کے درمیان میں ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے ذرا ہٹ کے رائٹنگ ٹیبل اور چیئر، سامنے دروازے کے ساتھ دیوار میں ایک لکڑی کی دو پٹ والی الماری۔ دروازے کے دوسری طرف کونے میں پتھر کے اسٹینڈ پر ایک آرائشی گملا رکھ دیا گیا تھا جس میں مصنوعی پھول لگے تھے۔ ان پھولوں کے شوخ رنگ کمرے کے اختصار اور غربت کا جیسے مذاق اڑا رہے تھے۔ ہاں بیڈ اس دن کمرے میں نہیں تھا۔ سنگل چارپائی پر میٹرس پڑا تھا۔

یہ شاید ابھی خریدا گیا تھا۔

نہ کوئی سیج سجی تھی، نہ ریشمی چادر تھی بیڈ پر، نہ پھولوں کی لڑیاں، نہ کوئی خوشبو گلدستہ۔ سیدھا سپاٹ کمرہ جیسے اس کے منہ پر کوئی طمانچہ مارا گیا ہو۔ کیا ضرورت تھی ا[س] شادی کی۔ محض تایا جی کی ہٹ دھرمی اور جھوٹی انا کی تسکین کے لیے۔

"آخر تایا جی نے ایسا کیوں کیا؟" ایک بار پھر اس کا ذہن سوالوں کے پنڈولم کے ساتھ جھولنے لگا۔

"آخر ربیعہ ان کی اپنی بیٹی بھی تو اپنی خالہ کے گھر کئی دن راتیں گزار کر آتی تھی (اکثر وہاں جا کر رات کو رکنے کی اطلاع کرتی) اور اس کی خالہ نے بھی تو لو میرج کی تھی۔ تایا جی کے عتاب کا نشانہ بنیں، سعدیہ پھپھو اور میں۔"

اس نے سر زور سے جھٹکا۔ اندر کی جنگ سب سے نڈھال کر دینے والی ہوتی ہے اس نے آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں میں بھی جیسے کسی نے جلتے ہوئے انگارے رکھ دیے تھے بارش ایک بار پھر تیز ہوگئی تھی۔

یہ بارش کبھی اس کی کمزوری تھی اور جب بارش برسے کافی دن ہو جاتے تو اس کے برسنے کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ بارش اسے قدرت کی طرف سے اپنی لگژری لائف میں ایک بونس کی طرح لگتی تھی جو بن مانگے ہی اکثر مل جایا کرتا تھا جس دن قدرت بارش کا یہ بونس اسے عطا کرتی، اس کی خوشی دیدنی ہوتی۔ اس پورے گھر سے پانچ گنا بڑا تو ان کا لان تھا جس میں ملکی اور غیر ملکی خوش رنگ پھولوں کی کیاریاں لگی تھیں۔ آلوچے، انار، آم اور لیموں کے پیڑ اور ایسے سہانے موسم میں ان پیڑوں سے آتی مسحور کن خوشبو کسی کو بھی دیوانہ بنانے کے لیے کافی ہوتی۔ ضویا اور فریال کو بارش میں نہانا پسند تھا۔ دونوں گھنٹوں لان میں ٹیرس پر ٹہل ٹہل کر نہایا کرتی تھیں اور لیہا ایسے دیوانے موسم کو کسی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر یا برستی بارش میں گلابی ہتھیلیاں پھیلا پھیلا کر...... انجوائے کرتی اور قاتل موسم کی یہ کیسی قاتل ادا تھی جس نے اس کی زندگی کی ساری خوشیوں کا دن دیہاڑے قتل عام کیا تھا اور سوائے بے بسی سے رونے کے اور کچھ نہیں کر سکی تھی، ہاتھ پاؤں توڑ کر ادھر آ پڑی تھی۔ حقیقت کی تلخی پھر اسے خوشگوار ماضی کے مناظر سے کھینچ کر اس گھٹن زدہ کمرے میں لے آئی تھی۔

"یہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔" ایک دم سے اپنی تنہائی کا احساس ہوا۔ اس نے

اٹھنے کی کوشش کی مگر ایک زوردار چکر آیا اور وہ دوبارہ تکیے پر گر سی گئی۔

اسی وقت واش روم میں ٹونٹی سے پانی گرنے کی آواز آئی۔

"کوئی ادھر موجود ہے۔" اس نے ذرا سا گردن گھما کر اپنے بائیں طرف بنے واش روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔

"پھپھو...... پھپھو کہاں چلی گئیں۔"

اس نے دکھتے سر کو اپنی انگلیوں سے دبایا۔ پھوپھا جان کس قدر خوفناک لگ رہے تھے اور شدید غصے میں۔ پتا نہیں انہوں نے مجھے اندر کیسے آنے دیا۔ اسے بے ہوش ہونے سے پہلے کا منظر یاد آنے لگا۔

"کمبخت، تو نے ساری زندگی میرے ساتھ دھوکا کیا۔ پہلے محبت کا ڈھونگ رچا کر مجھے اس شادی کے منحوس بندھن میں جکڑا، خالی ہاتھ، سر جھاڑ، منہ پہاڑ، یہ منحوس شکل لے کر میری زندگی میں نحوست بکھیرنے آ گئی۔ ساری زندگی میں تیری وجہ سے پیسے پیسے کو ترستا رہا۔ سوچا تھا خدا نے بیٹا دیا ہے، وقت آنے پر اس کو کیش کرا لوں گا۔ چند دن فقط چند دن تو میں بھی خوشی، سکون اور آسائش کے دیکھ سکوں گا۔ تو نے تو نے...... کتیا میرے اس خواب کو بھی چکنا چور کر ڈالا۔" ایک دل دوز چیخ سنائی دی تو اس کا دل جیسے سینہ پھاڑ کر باہر آنے لگا۔ وہ چیخ یقیناً پھپھو کی تھی۔

"ایک اور منحوس اپنے جیسی یتیم ویسیر نصیبوں جلی اٹھا کر لے آئی۔ تو دشمن ہے میری، میری خوشیوں کی، میری زندگی، میرے خوابوں کی۔ میں تجھے آج زندہ نہیں چھوڑوں گا یا تو اس بدبخت کو چھوڑ کر آ جس گند سے اٹھا کر لائی ہے یا آج آخری کلمہ پڑھ لے، میں آج تیری......"

دوسری گھٹی گھٹی چیخ پر اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

'یا اللہ! میں کیا کروں۔' وہ اپنے لرزتے کانپتے برف ہاتھوں کو ایک دوسرے میں جکڑ کر کانپ رہی تھی۔ اسی وقت واش روم کا دروازہ کھلا۔ رافع بادامی کلر کا شلوار کرتا پہنے باہر نکلا تھا۔ تولیے سے گیلے بال رگڑتا ہوا۔ اس کی پہلی نظر فق چہرے کے ساتھ ہراساں سی لیہا پر پڑی تھی۔

"اٹھ گئیں۔ تم ٹھیک ہو اب؟"

نظر سے بھی سرسری لہجہ جیسے وہ روز ایسے سوتی جاگتی رہی ہو۔رافع نے کہتے ہو۔
تولیہ رائٹنگ ٹیبل کی چیئر پر ڈالا، اسی ٹیبل کی دراز میں سے ہیئر برش نکالا اور ٹیبل کے سا
دیوار پر لگے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے بال سنوارنے لگا۔وہ آواز
آنا بھی بند ہو گئی تھی۔وہ ابھی بھی ہراساں نظروں سے رافع کو تکے جا رہی تھی۔اس وقت ا
رافع سے کوئی جھجک، گریز کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"تم اٹھ کر چینج کر لو۔" اس نے برش دوبارہ دراز میں ڈالا اور مڑ کر اس کی طرف آیا۔وہ ذرا سمٹ کر بیٹھ گئی۔اسے خود اس بھاری لباس میں الجھن ہو رہی تھی۔کھڑکی کا پ زور سے ٹکرایا۔

"مجھے معلوم ہے، تمہارے لیے یہ سب غیر متوقع ہے۔"

اس نے رائٹنگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹی اور ذرا آگے کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بالکل اسی طرح جس طرح میرے لیے۔" وہ رکا۔

"سنانے بیٹھوں گا تو یہ ایک بہت روایتی سا افسانہ، کہانی ہو جائے گی۔مجھے ا ننھیال سے، اپنے ماموؤں سے سخت نفرت تھی، جنھوں نے میری ماں کی زندگی کو راہ میں آ ذرا سے پتھر سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ایک ٹھوکر ماری اور سنگ دل زمانے کے سپرد کر دیا۔می ان کے لیے اپنے دل میں رتی برابر نرمی نہیں پاتا تھا۔ان کے لیے سخت دل تھا اور ہوں گ میری ماں آج بھی اپنے پتھر دل بھائیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہیں۔اسی نرم گوشے کا نتی ہے کہ تم آج ادھر بیٹھی ہو۔میرے سامنے، میری بیوی کی حیثیت سے۔" وہ ایک پل کو رکا اس کے چہرے پر بے تاثر سی نظر ڈالی۔

"شاید آسمان سے فرشتے بھی آ جاتے تو بھی میں کبھی اس رشتے کے لیے راضی ہوتا کیونکہ میں بہر حال اپنی ماں کی طرح اعلاظرف نہیں، نہ مجھے ایسی بے فیض نیکیاں کرنے شوق ہے جو پتھروں کے ساتھ اس امید پر کی جائیں کہ کبھی تو وہ پگھلیں گے مگر کیا کرتا، مجھ مجبور کرنے والا کوئی فرشتہ نہیں، میری ماں تھی۔وہ ماں جس کی ذرا سی خوشی کے لیے کچھ بھی سکتا ہوں۔اس نے پرسوں شام میرے پیروں میں اپنا دوپٹہ رکھ دیا تو میرا جی چاہا، میں اُ وقت زمین کے اندر سما جاؤں کہ میں نے اپنی ماں کو اتنا مجبور کیوں کیا کہ انہیں اپنا دوپٹہ میرے قدموں میں رکھنا پڑا۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے پل بھر کو ٹھہرا۔

"بہر حال میرے خیال میں یہ ایک مجبوری کا بندھن ہے، ضرورت کا رشتہ جس میں دلی جذبات کا ذرا بھی عمل دخل نہیں۔یہ تو تھی میری کہانی۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"تمہاری کہانی بہر حال مجھ سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ اس سارے حادثاتی عمل کا براہ راست نشانہ تمہاری ذات بنی۔تم جو ایک ملینیئر مین کی بیوی بننے جا رہی تھیں، آج تقدیر کے بے رحم فیصلے کے نتیجے میں مجھ جیسے ٹٹ پونجیے کی بیوی بنی بیٹھی ہو۔ارمان تو تمہارے بھی چکنا چور ہوئے ہیں، خواب تمہارے بھی ٹوٹے ہیں اور اس سب میں میرا کچھ ہاتھ نہیں۔تمہیں معلوم ہے۔"

پتا نہیں وہ کیا کہنے جا رہا تھا، اسے رافع کی ہمدردی ذرا بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"لیہا! میں منافق نہیں ہوں، اس کے باوجود کہ میں نے سدا اپنے ننھیال سے نفرت کی ہے۔تم میری مرضی کے خلاف میری زندگی میں آئی ہو، اس کے باوجود مجھے معلوم ہے، میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر تمہیں اپنے نکاح میں لیا ہے اور میں اس عہد کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کرنا چاہتا۔میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔کم از کم پانچ سال یا جب تک میں اپنے پیروں پر مضبوطی سے کھڑا نہ ہو جاتا لیکن سب کچھ تو ایسے نہیں ہوتا جیسے ہم سوچتے ہیں۔"

اس نے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔"اور عموماً ایسا ہوتا ہے جس کا ہمیں گمان تو کہیں لاشعور میں بھی نہیں ہوتا۔میں بھی ابھی خود کو ذہنی طور پر اس نئے تعلق کو قبول کرنے پر خود کو تیار نہیں پاتا لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں تمہارے وجود سے خدانخواستہ انکاری ہوں......تم......" وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم مجھے کچھ وقت دو، کچھ پانچ سال نہیں، سال چھ مہینے تک تاکہ میں تمہارے لیے دنیا کی ہر آسائش نہ سہی مگر ایک باعزت زندگی کے اسباب پیدا کر سکوں۔سردست میرے امتحان سر پر ہیں، اس کے بعد روزگار کا حصول اور ایک اچھا سا گھر......تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔اس دوران میرا دل......"

"بے غیرت! میں تجھے آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔بول تو نے کیوں میرے ساتھ یہ داؤ کیا؟ کیوں میری زندگی کی ہر خوشی کو چھیننے میں، تباہ کرنے میں تجھے مسرت ملتی ہے۔تو مر کیوں نہیں جاتی۔میرے گلے سے اپنے منحوس وجود کا پھندا اتار کیوں نہیں دیتی۔چل، میں

آج تجھ پر یہ مہربانی کر دیتا ہوں۔ تجھے موت نہیں آتی اور خود بخود تو تُو مرنے والی بھی نہیں ڈھیٹ، بے حیا......"

وہی خوفناک بھیانک آواز، اس کے ساتھ ہی پھپھو کی ایک گھٹی گھٹی سی دردنا چیخ۔ ایہا نے بے ساختہ ڈر کر اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔ اس کی کلائیوں میں پڑ چوڑیاں کھنکھنا اٹھیں۔ رافع کی ماتھے پر شکنوں کا جال سا تن گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا

"آج تم یہیں رہ جاؤ، کل سے روشی کا کمرہ شیئر کر لینا۔ میں اوپر اسٹور میں سو ج ہوں۔" وہ عجلت میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔ کیوں جیتے جی ہمیں روز مارتے ہیں۔ ایک بار ہم سب کو زہر دے کر مار کیوں نہ دیا آپ نے۔"

اسی فاصلے سے رافع کی آواز آئی، جدھر سے پھوپھا جان کی خوف ناک دھاڑ ا پھپھو کی سسکیاں آ رہی تھیں۔ پھر آوازوں کا والیوم بالکل بند ہو گیا اور چند منٹوں بعد مکم خاموشی چھا گئی۔

بارش شاید تھم گئی تھی۔ کھڑکی کا پٹ بہت ہولے ہولے چوں چوں کی آواز ـ ساتھ دوسرے پٹ کے ساتھ ٹکرانے کی کوشش کرتا اور آدھے رستے ہی سے پلٹ آتا۔ پنکھے گھرر گھرر پر اس نے ابھی غور کیا تھا، اس کی آواز تو کھڑکی کے پٹ سے بھی زیادہ تکلیف تھی۔

واش روم سے ہوئی ٹونٹی کے ٹپکنے اور پانی کے قطروں کے گرنے کی آواز، تینوا آوازیں آپس میں مدغم ہو کر اس کے سر کی تکلیف کو اور بڑھا رہی تھیں۔ اس نے سر پیچھے طرف ٹکا کر خود کو تکیے پر گرا لیا۔ رافع کی کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھپھو ـ ساتھ کیا ہو رہا ہے، پھوپھا جان کا اسرار وہی تھا جس سے وہ خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی۔

"آگے کیا ہوگا۔ اس گھٹن زدہ ماحول میں، میں کیسے رہ سکوں گی۔" اس کی کنپٹیوا میں جیسے پٹاخے سے چھوٹنے لگے۔

"وہ، اٹھ گئیں تم ایہا اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" روشی چوکھٹ سے ذرا آ ـ ہو کر پوچھ رہی تھی۔ اس نے جواب دینے کی کوشش کی مگر خشک حلق سے ایک بھی لفظ نہ نکل سکا۔

"اب ٹھیک ہو تم؟" وہ اس کے پاس آئی تو اس نے ذرا سا سر ہلا دیا۔

"شکر ہے، تمہیں ہوش آ گیا۔ کھانا لے آؤں تمہارے لیے۔" اس نے گھر کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اڑے اڑے سے بال، ملگجا لباس، روئی روئی سی آنکھیں وہ ایہا سے نظریں چرائے کہہ رہی تھی۔

"نہیں۔" اس نے بمشکل کہا۔

"تو پھر دودھ لے آؤں۔ اب کچھ تو کھا لو، اس طرح تو اور ویک نیس ہو جائے گی تمہیں۔ میں دودھ لے کر آتی ہوں۔" وہ جانے کو مڑی۔

"روشی!" اس نے نقاہت زدہ آواز میں اسے پکارا تو وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"اس کھڑکی کا دوسرا پٹ بھی کھول دو۔" اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ پنکھا چلنے کے باوجود کمرے میں گھٹن بہت زیادہ ہو رہی تھی۔

"بیا اٹھی کہ نہیں؟"

اسی وقت پھپھو اندر آئیں۔ اس نے اپنی پوری توانائی مجتمع کر کے انہیں دیکھا۔ ان کا سارا چہرہ سوجا ہوا تھا جیسے بھڑوں کے چھتے سے ہو کر آئی ہوں۔ آنکھیں نظر ہی نہیں آ رہی تھیں۔ ماتھے تک آسمانی دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ ماتھے کے قریب پڑا بڑا سا نیلا گومڑ جس میں سے خون رس رہا تھا۔ دوپٹے کی بکل میں نہیں آ سکا تھا۔

"روشی! بیا کو کچھ کھانے کو لا دو۔" انہوں نے اس سے نظریں ملائے بغیر روشی سے کہا۔

"جی امی! میں دودھ لینے جا رہی تھی۔ آپ کے لیے بھی گرم کر کے لے آؤں۔" روشی سر جھکا کر بولی۔ وہ پھپھو کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہی تھی۔

"نہیں، میں اب سوؤں گی۔ تم بیا کو کچھ دو۔ رافع کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ اوپر اسٹور میں سونے چلا گیا ہے۔ تم فارغ ہو کر بیا کے پاس ہی آ کر لیٹ جانا اور اسے کپڑے بھی دو، یہ چینج کر لے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر روشی سے مخاطب تھیں۔

"پھپھو!" اس نے انہیں پکارا تو انہوں نے ذرا کی ذرا اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں ہزاروں سوال تھے۔

"بیٹے! میرے سر میں بہت درد ہے، تمہاری بھی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم بھی آرام

کرو، میں بھی سونے جارہی ہوں۔ صبح بات کریں گے۔ جس چیز کی ضرورت ہو، روشی سے دینا۔ اللہ حافظ۔"

انہوں نے ذرا سا اس کے سر کو چھوا اور واپس مڑ گئیں۔ ان کی چال بھی غیر متو تھی۔ لڑکھڑاتے ہوئے وہ کمرے سے نکلیں۔

"بیا! میں تمہارے کپڑے لا دیتی ہوں۔ پہلے تم چینج کر لو، نہانا ہے تو نہا لو پھر کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔"

روشی کسی معمول کی طرح اسے بتا کر باہر نکل گئی اور وہ ماؤف ہوتے دماغ ساتھ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اگلی صبح کس قدر بے زار کن تھی۔ اسے رات بھر نیند بھی نہیں آئی تھی۔ ایک نئ بے آرام ماحول اتنے بڑے "حادثے" کی جزئیات ساری رات وقفے وقفے سے اسے رہیں۔

"یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟" تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک ہی سوال کا تکرار۔

"میرے اپنوں نے میرے ساتھ کیا کیا؟" سب سے دکھ دینے والی سوچ۔

"میں کیا اب ساری زندگی اس ہولناک ماحول اور ڈربے میں گزاروں گی۔ زندگی بس ایک خواب لگا کرے گی۔ میں کیا کروں، کیسے اس زندگی میں لوٹ آؤں۔" چینی سے وہ کروٹیں ہی لیتی رہی۔

"اور کیا سہاگ رات ایسی ہوتی ہے بغیر شوہر کے۔ اس کی ایک بھی ستائشی نظ بغیر۔" حقیقت حال میں پاس سوئی روشی کو دیکھ کر ایک دکھ دینے والا توہین آمیز احساس اٹھتا۔

"میں نے اور زریاب نے کیا کیا نہ سوچا تھا اس رات کے بارے میں۔" یہی سوچ تھی جس سے وہ بہت بچنے کی کوشش کرتی رہی اور یہی سوچ اس کے پریشان خیالوں بار ڈنگ مارتی رہی۔

رات بیت گئی، اس کی سوچیں تمام ہوئیں۔ مؤذن نے بڑی لگن سے اذا تھی۔ صبح اندھیرے کا پرفسوں وقت اور اس کی آنکھوں میں جلتی رات جو ابھی بھی پلکوا

دہلیز پر بیٹھی مزید رات جگا منانے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ بڑے ذوق و شوق سے مؤذن کی پکار پر لبیک کہتے نمازی مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ کھلی کھڑکی سے لوگوں کے قدموں کی چاپ، کھنکھارنے کی آوازیں، گلا صاف کرنے اور کسی شناسا کو دیکھ کر سلام کرنے کی آوازیں اب اس کی پریشان خیالی میں روزن بنانے لگیں۔ بالآخر اس نے تھک کر پلکیں موند لیں۔ کھڑکی کی طرف کروٹ لے لی۔ آخری آواز جو سونے سے پہلے اس کی سماعتوں نے سنی، وہ ایک چڑیا کی چوں چوں تھی جو کھڑکی میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہیں رہا۔

"رافع بیٹا! کہاں جا رہے ہو۔ آج تو گھر رہو۔"

پھپھو کی تیز آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ سر کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا اور آنکھوں پر جیسے کسی نے بھاری پتھر رکھ دیے تھے۔ اس نے دکھتے بدن کے ساتھ آہستگی سے کروٹ لی۔ وال کلاک پر صبح کے نو بج رہے تھے۔ گویا وہ تین گھنٹے سوئی تھی۔

"امی! مجھے یونیورسٹی ضروری جانا ہے۔ ایک دوست سے ضروری نوٹس لینے ہیں۔ لائبریری سے دو کتابیں ایشو کروانی ہیں۔ جاتے جاتے مجھے ویسے ہی دس بج جانے ہیں۔ ادھر ہی سے جاب پر نکل جاؤں گا۔"

رافع کی سپاٹ آواز پر اس کی نیم خوابیدہ سی سماعتوں نے انگڑائی سی لی۔

"بیٹا! کم از کم آج کا دن تو رک جاؤ گھر پر۔" پھپھو ملتجی لہجے میں بولیں۔ "شام کو ولیمہ کی تقریب ہے تمہاری، چاہے دس پندرہ لوگ ہوں گے مگر تمہارا ہونا تو ضروری ہے۔"

"امی! میں شام سے پہلے آ جاؤں گا۔ مجھے گھر پر رہ کر کیا کرنا ہے۔ کھانے کا آرڈر ہوٹل میں دے رکھا ہے۔ بیس بائیس کرسیاں ہی لگوانی ہیں صحن میں، آ کر لگا لوں گا۔ اب آپ مجھے جانے دیں۔" اس کا لہجہ بہت بے زار کن تھا۔ "کیا مجھ سے بھی زیادہ؟" اس نے جلتی آنکھیں بند کیں۔

"اچھا چلو، بیا کے ساتھ ناشتہ تو کر لو۔ رات بھی تم طبیعت کی خرابی کا کہہ کر چلے گئے، وہ کیا سوچتی ہو گی۔"

"امی! وہ کچھ نہیں سوچتی ہو گی۔ اب اس کے سوچنے کے لیے میں اپنی ساری زندگی کی محنت داؤ پر لگا دوں۔ ایک تو آپ نے اس قدر عجلت میں یہ سب کچھ میرے سر پر ٹھونس دیا، ایک دم سے میرا ذہن ماؤف ہو گیا ہے۔ اب پلیز، مجھے مزید پریشان مت کریں۔ مجھے سکون

سے ایگزام دینے دیں۔'' رافع نے شاید ماں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''اچھا۔ میں تمہیں اب مزید تنگ نہیں کروں گی۔ بس تم ناشتہ بیا کے ساتھ کر جاؤ پھر بھلے چلے جانا۔ ناشتہ تیار ہے، صرف دس منٹ لگیں گے۔ روشی...... روشی......'' انہوں نے روشی کا پکارنا شروع کر دیا۔

''جی امی!''

''روشی! بیا کو اٹھاؤ جلدی سے۔ وہ فریش ہو لے تو بھائی بھاوج کا ناشتہ کمرے میں لگا دو۔'' وہ جلدی جلدی اسے ہدایات دے رہی تھیں۔

''امی...... امی...... مجھے دیر ہو جائے گی۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ میں نے ساری زندگی اب بیا کے ساتھ ہی ناشتے کرنے ہیں۔ آج مجھے بخش دیں۔'' رافع کچھ غصے سے بولا۔

روشی اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''بیا گڈ مارننگ! اچھا ہوا اٹھ گئیں تم۔ میں نے تمہارے کپڑے نکال دیے ہیں، استری کر کے واش روم میں لٹکا دیے ہیں تم اٹھ کر فریش ہو جاؤ اور ناشتہ کر لو۔ کل سے خالی پیٹ ہو۔'' اس نے لبیبا کو ہدایت دیتے ہوئے واش روم کا دروازہ کھولا اور سرسری نظر سے اندر کا جائزہ لیا۔

''سب کچھ ہے، میں ٹاول دوسرا لا دیتی ہوں۔'' کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

اس کا اٹھنے کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ ابھی کم از کم دو تین گھنٹے اور سونا چاہتی تھی، اسی لیے لیٹی رہی۔

''ایں...... تم اٹھیں نہیں۔ اٹھو نا بابا! جلدی کرو۔ ادھر بھائی نے جلدی مچا رکھی ہے اور امی کی ضد کہ آج تم دونوں کو ناشتہ اکٹھے ہی کروائیں گی۔ پلیز اب اٹھ جاؤ نا۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

''روشی! میرے سر میں درد ہے۔ میں ابھی ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔'' کوشش کے باوجود وہ اپنا لہجہ سخت نہیں کر سکی تھی۔

''ناشتے کے بعد بے شک تم سارا دن ریسٹ کرنا، تمہیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ اب اٹھ جاؤ پلیز۔''

اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے کمرے کی چیزیں سمیٹنا شروع کیں اس کی

درخواست پر کان دھرے بغیر۔ مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔

نہانے سے واقعی اس کی طبیعت فریش ہو گئی تھی۔ سر کا درد بھی کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔ وہ ابھی بال برش ہی کر رہی تھی کہ روشی نے رائٹنگ ٹیبل سے کتابیں اور دوسری اسٹیشنری کی چیزیں اٹھا کر دسترخوان بچھا دیا۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو، فیروزی کلر بہت اٹھ رہا ہے تمہاری رنگت پر۔ یہ سوٹ میں نے اپنی پسند سے خریدا تھا۔ اچھا ہے نا؟'' وہ ذرا کی ذرا اس کے پاس رکی تھی۔ ستائش بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں، اچھا ہے۔'' اس کے احساس دلانے پر ہی اس نے سرسری نظر سے پہنے گئے لباس کو دیکھا۔ آر کی کڑھائی کی ہوئی تھی بیچ بیچ میں تلے کا کام تھا۔ سادگی اور پرکاری کا اچھا کمبی نیشن تھا۔ واقعی روشی کی چوائس اچھی ہے۔ اس نے دل میں داد دی اور پھر بال سلجھانے لگی۔

اس نے منٹوں میں ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا۔ باہر سے ایک اور کرسی گھسیٹ کر لے آئی اور ٹیبل کے آگے رکھ دی۔ کمرے میں ناشتے کی گرما گرم خوشبو پھیل گئی۔

''بیا! تھوڑا سا میک اپ تو کر لو۔'' وہ ٹھٹکی۔

''نہیں، ایسے ہی ٹھیک ہے۔'' اس نے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر اوڑھا۔

''اونہوں، ذرا بھی ٹھیک نہیں۔ صرف لپ اسٹک اور تھوڑا سا پرفیوم۔'' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر میک اپ کٹ سے میرون کلر کی لپ اسٹک نکال کر اس کی طرف بڑھائی اور پرفیوم کی بوتل بھی۔ اسے مجبوراً دونوں کام کرنے پڑے۔

''ضوبیا! بیا کا ناشتہ ہم دونوں لے کر جائیں گے تائی جان کی طرف اور تائی جان سے زبردست قسم کے سوٹ لیں گے۔'' فریال کی آواز اچانک اس کے کانوں میں گونجی۔ پرفیوم اسپرے کرتے اس کا ہاتھ تھم سا گیا۔

''اور میں بھی جاؤں گا۔'' حارث فوراً بولا تھا۔ حارث اور ضوبیا میں بہت دوستی تھی۔

''ہاں، دم چھلے! تم تو ضرور جاؤ گے۔ ضوبیا کے بغیر تو تم شاید اپنا ہنی مون منانے بھی نہیں جاؤ گے۔'' فریال نے فوراً کہا۔

''جی نہیں۔'' حارث منہ بنا کر بولا۔

"دیکھا ضویا! اس کی ساری محبت تم سے منہ دیکھے کی ہے۔ ہنی مون کے لیے فوراً جھنڈی دکھادی۔" فریال نے ضویا کو اکسایا۔

"ہاں تو بھائیوں کی کیٹگری یہی کچھ تو کرتی ہے۔ اب زریاب بھائی کو دیکھو، ابھی تو مجھے بہن بنا رکھا ہے، شادی ہوتے ہی آنکھیں پھیر لیں گے بلکہ ولیمہ کی صبح ہی۔" ضویا نے فوراً زریاب کو لپیٹا جو وہیں بیٹھا تھا۔

چھ ماہ، فقط چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ شادی کی ساری پلاننگ زریاب کے اس وزٹ پر بنی تھی۔

اور آج ولیمہ کی صبح؟ کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ ضویا، نہ حارث، نہ زریاب، نہ ممی کے ہاتھوں سے تیار ہوا ناشتہ، نہ تائی جی کی بلائیں، نہ تایا جی کی محبت بھری نظریں۔ یہ گھٹا گھٹا سا ماحول، ڈائننگ ٹیبل پر بچھے کپڑے کے دسترخوان پر چنا گھر کا ناشتہ۔ رافع کرسی پر آ کر بیٹھ چکا تھا۔

"بیا! آجاؤ اب۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

روشی ٹھنڈے دودھ کا جگ اندر رکھنے آئی تھی۔ اسے یوں کھوئے کھوئے کھڑا دیکھ کر فوراً بولی۔ اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی پرفیوم کی بوتل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"ابھی تو بیا کو یقین آنے میں بہت دن لگیں گے کہ وہ کہاں ہے۔"

رافع کی سرگوشی اتنی دھیمی نہ تھی کہ وہ سن نہ سکتی۔

"کیا یہ میرے دل میں، میری سوچوں میں جھانک سکتا ہے؟" ست قدموں سے ناشتہ کی ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔

"سب کچھ تو میں نے چہرے پر سجا رکھا ہے۔ کسی کا پڑھ لینا کیا مشکل ہے بھلا۔" اس کے دل نے فوراً جواب دیا۔

حلوہ پوری، نان چنے، آملیٹ، فرائی انڈے، مکھن، سلائس، جیم کی بوتل اور دودھ کا جگ ٹیبل خوب بھری ہوئی تھی۔ ناشتے کی خوشبو سونگھتے ہی اس کی سوئی ہوئی بھوک جاگ اٹھی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا، اسی وقت ٹوٹ پڑے مگر جیسے جی بھر سا گیا تھا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم۔" رافع نے بہت جتا کر اونچی آواز میں کہا تو اس نے ایک نظر اس

فریش چہرے پر ڈالی اور نظریں جھکا لیں۔

"اچھی لگ رہی ہو رات کی نسبت۔" بہت آہستگی سے بولا گیا جملہ اس کی سماعتوں بہت اچانک لگا تھا۔ اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہونے لگے۔

"میرا خیال ہے، یہ سب چیزیں کھانے کے لیے ہیں۔ دیکھنے کے لیے نہیں۔"

جب چند منٹ تک اس کی پوزیشن میں فرق نہ آیا تو رافع نے کہا۔ وہ بہت جلدی ی ناشتہ کر رہا تھا۔ ایک پوری کھانے کے بعد اب وہ نان کے بڑے بڑے نوالے لے رہا تھا۔

"مجھے جانا ہے جلدی، اس لیے......" اس نے بڑا سا نوالہ نگلا۔ "ورنہ عام طور پر ں اتنے آدم خور طریقے سے نہیں کھاتا۔ تم پریشان تو نہیں ہو رہیں۔ کھاؤ نا۔" وہ بمشکل وقفہ ے کر بولا تھا۔

"اچھا، بھوک نہیں ہے۔" وہ خود ہی سر ہلا کر بولا تو اس کا جی جل گیا پھر اس نے شے کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

"امی! میں جا رہا ہوں، یہ آپ کی بھتیجی نے ناشتہ نہیں کیا۔ آپ آ کر انہیں اپنے وں سے لقمے کھلا دیں۔ میرے پاس ان چونچلوں کا وقت نہیں ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ جلدی جلدی کہتے ہوئے باہر نکل گیا تھا پھر پھپھو اور روشی نے ہی اندر آ کر ردستی اسے ناشتہ کروایا۔ پھپھو کے ماتھے کا گومڑ ٹھیک ہو چکا تھا اور زخم پر سنی پلاسٹ لگا رکھا ۔ محبت بھرے اصرار کے دوران بھی وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھیں۔

"روشی بچے! چائے لے آؤ۔" ان کے کہنے پر روشی پانچ منٹ میں چائے لے ئی تھی۔

"یہ کتنا کام کرتی ہے، میں نے تو کبھی کوئی کام نہیں کیا اور کچھ دنوں بعد یہ سارے م مجھے بھی کرنے پڑیں گے۔" روشی کی پھرتی دیکھ کر اسے نئی پریشانی لاحق ہوئی۔

"اپنے ابو کو اٹھانا تھا۔ اٹھ کر ناشتہ تو کر لیتے۔" پھپھو نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اٹھایا تھا۔ وہ گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔ ابھی پھر اٹھاتی ہوں جا کر۔" روشی نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

"بیٹا! شام کو ولیمہ کی تقریب ہے، دل تو تھا کہ خوب دھوم دھام سے کرتے مگر ایک یہ سارا کام ہی اس قدر عجلت میں ہوا۔ میں ڈھنگ سے کسی کو انوائٹ بھی نہ کر سکی اور

دوسرے رافع کے ایگزام۔ بہر حال سنت رسول اللہ ﷺ تو پوری کرنی ہے۔ پندرہ بیر ہوں گے۔ شام کی تقریب ہے۔تم اب ریسٹ کرو، شام تک فریش ہو جاؤ گی۔'' پھپھو جانے سے پہلے اسے بتایا۔

''میرا خیال ہے، تمہیں بھابھی جان کی یاد آ رہی ہے۔فون لگا ہوتا تو با لیتیں۔ ویسے فون تو دو تین دن میں لگ جائے گا پھر میں تمہاری بات کرا دوں گی۔'' وہ جاتے رک کر بولیں۔

''مجھے کسی سے کچھ بات نہیں کرنی۔'' اس نے دل میں جواب دیا۔

پھر شام تک اس نے خوب ریسٹ کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے جسم نے ریسٹ کیا اور دماغ نے دکھ بھری لمبی مسافت طے کی۔ ایک تکلیف دہ سوچ سے د دردناک سوچ تک۔

شام کو اسے روشی اور اس کی ایک سہیلی نے گولڈن اور کافی کلر کا راجستھانی پاجامہ پہنایا تھا اور بقول ان دونوں کے اس پر خوب اٹھ رہا تھا۔

''روشی...... ماشاء اللہ۔'' پھپھو اندر کچھ کہنے آئی تھیں۔ اسے دیکھ کر بے اختیا کا ماتھا چوم کر بولیں۔ ''اللہ نظر بد سے بچائے۔ روشی! بیا کو سارا زیور نہ ڈالنا۔'' وہ بہت آ سے روشی سے بولیں پھر بھی اس نے سن لیا۔

''جی اچھا۔'' روشی اس کا دوپٹہ پن اپ کرنے لگی تھی رک گئی۔

''بیا! زیور کہاں ہے؟'' روشی اس سے پوچھنے لگی۔

''سامنے دراز میں۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔

''اس میں تو نہیں ہے۔'' روشی نے پہلے دراز کے بعد دونوں ٹیبلو کی دراز کھول دیکھیں۔

''میں نے تو اسی میں رکھے تھے۔'' اس نے کچھ پریشانی سے جواب دیا۔ روشی پریشان سی ہو گئی۔

''زیور میرے پاس ہے روشی! یہ تم بیا کو پہنا دو۔'' اسی وقت پھپھو ایک ہلکا سا گ سیٹ لاکٹ سیٹ اور چھ چوڑیاں لے کر آ گئیں۔ اسے بہت عجیب سا لگا کہ پھپھو نے ز کیوں لیے ادھر سے۔ کیا مجھ پر اعتبار نہیں تھا پھر یہ زیور سارے تو میرے ہیں۔ انہیں ا

پاس رکھنے کا انہیں کیا حق ہے۔

اسے غصہ آنے لگا۔ پھپھو اس کے تاثرات سے بے خبر زیور دے کر جا چکی تھیں۔

روشی نے اسے زیور پہنا کر دوپٹہ اوڑھا دیا۔ اسی وقت پھوپھا جان اندر آ گئے۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔ رات کے بعد اس نے اب انہیں دیکھا تھا۔

''ماشاء اللہ روشی! تمہاری بھابھی جان تو خوب چمک رہی ہیں۔'' وہ اس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس نے سوکھے حلق سے سلام کیا۔ انہوں نے دھیان نہیں دیا۔

''دیکھوں تو......'' کہتے کہتے عجیب سے انداز سے انہوں نے اس کی ٹھوڑی کو دو انگلیوں سے اونچا کیا اور اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ کانوں کو دونوں سائیڈوں سے باری باری دوپٹہ کھسکا کر کچھ دیکھا پھر ٹھوڑی چھوڑ کر کانوں کے جھمکوں کو چھوا۔ ان کی گرم انگلیاں اس کے کانوں کی لوؤں پر پل بھر کو رکیں۔ بیا کے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس کا جی چاہا اٹھ کر بھاگ جائے، پھر ان کا ہاتھ کانوں سے سفر کرتا ہوا اس کی گردن پر آ کر ٹھہر گیا۔

''کافی ہلکا سیٹ ہے۔ بس یہی زیور دیا ہے اس کی ماں نے؟'' انہوں نے نہایت عامیانہ پن سے روشی سے پوچھا۔

''ابو جی!'' روشی جیسے غصہ ضبط کر کے بولی۔

''چوڑیاں بس چھ۔'' انہوں نے اس کی کلائی چھوئی۔

''انگوٹھیاں تو آٹھ ہیں۔'' ان کی نظریں اس کی حنائی انگلیوں پر آ کر رکیں۔

''ابو! پلیز۔ جائیں آپ ادھر سے۔'' روشی نے انہیں کندھے سے پکڑ کر ذرا سا ہٹایا۔

''جا رہا ہوں۔ آخر میری بہو ہے، دیکھنے کا حق نہیں رکھتا میں۔''

ان کی نظروں میں وہی پراسراریت سائی تھی جس سے بیا کو خوف آتا تھا۔

''ٹھیک ہے مگر میری امیدوں سے بہت کم۔ بنگلے میں کنگلے نکلے تمہارے ننھیالی تو۔'' کمرے سے جاتے جاتے انہوں نے ایک کٹیلی ناقدانہ نظر اس کے پورے سراپے پر ڈالی تھی۔ بیا کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے جلدی سے دوپٹے کا کنارہ گلے پر رکھ لیا تو پھوپھا جان نے اس کی اس اضطراری حرکت کو نظر بھر کر دیکھا اور ایک استہزائیہ ہنسی ہنس کر باہر چلے گئے۔

اسے صحن میں بٹھایا گیا تھا۔ صحن میں بیس کے قریب کرسیاں جوڑ جوڑ کر بچھائی تھیں۔ مرد حضرات کو شاید بیٹھک میں بٹھایا گیا تھا۔ صرف محلے کی چند خواتین تھیں۔ سب سو سو روپے سلامی دی۔ سو سو کے سرخ نوٹ جیسے ہنس ہنس کر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے گلے ہوئے جا رہے تھے۔

"بھئی، میں تو اپنی بہو کو سلامی میں پچاس ہزار دوں گی۔" تائی جی نے ایک بڑے پیار سے اسے چوم کر کہا تھا۔ "اتنی پیاری، اتنی خوبصورت بہو ہے میری۔ پھر ایک ایک بیٹا۔ سوچوں تو پچاس ہزار بھی کم ہے۔" وہ بہت لاڈ سے بولیں۔

"بڑی خوبصورت دلہن ہے۔ سعدیہ نے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔ سنا ہے بھتیجی۔ کبھی بھائیوں بھابھیوں کو تو آتے جاتے دیکھا نہیں پھر اچانک بھتیجی کہاں سے اگ آئی" خواتین میں سے کوئی سرگوشی کے سے انداز میں بولی تھی۔

"اور ایسی اچانک شادی راتوں رات، یہ بھی تو دیکھو۔" دوسری نے لقمہ دیا۔

"کہہ تو رہی ہیں سعدیہ بیگم، کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ باقی اللہ جانے۔ سچ جھوٹ کیا۔"

"ارے کیا دلہن کے گھر والے نہ آئیں گے، کھانا ان کے انتظار کے بغیر ہی کھول دیا۔" تھوڑی دیر بعد ایک اور حیرت بھری آواز اس نے سنی۔

اس کا جھکا ہوا سر جیسے من بھر کا ہو گیا۔ اپنے حسن کی ایسی سستی نمائش کا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

اس نے زیور گویا نوچ نوچ کر اتارے تھے۔ وہ لباس تبدیل کرنے جا رہی تھی جب روشی اس کا گولڈن پرس کھول کر رقم گننے لگی۔

"نو سو روپے ہیں بیا! یہ تم دھیان سے رکھ لو۔" اس کی ہدایت پر بیا کا جی چاہا، اس کے سامنے ان نوٹوں کو پرزہ پرزہ کر ڈالے۔

"کیسا نقدیر نے اس کے ساتھ مذاق کیا تھا۔" وہ جواب دیے بغیر کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گئی۔

کس کے لیے چار من کا جوڑا لادے پھرتی، کون مرا جا رہا تھا اس کی دید کی تڑپ میں۔

رافع کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے آیا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ اس نے رافع کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

وہ کپڑے بدل کر آئی تو روشی بیڈ کی چادر جھاڑ چکی تھی۔

"رہنے دیتیں کپڑے، بھائی تو دیکھ لیتے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اونہہ۔" اس کے منہ سے یہی نکلا۔

"امی! روشی کے ہاتھ میرے لیے چائے اوپر بھجوا دیجئے گا اور کل سے میرا کمرہ بھی صاف کروا دیجئے گا۔ میری اسٹڈیز کا حرج ہو رہا ہے۔" رافع کی بلند آواز اس سمیت پورے گھر نے سنی۔ انسلٹ کے گہرے احساس سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اس گھر میں میں کس حیثیت سے لائی گئی ہوں۔" رخ پھیر کر وہ بال سلجھانے لگی اور آنکھوں میں اترتے پانی کو اندر اتارنے لگی۔

"رافع! حد کرتے ہو، کم از کم آج کی رات تو نیچے بیا کے پاس...... بیٹا! بچی کیا سوچے گی۔ تمہارا یہ سلوک، اور یہی کچھ کرنا تھا تو مجھے اسی وقت جواب دے دینا تھا۔ میں گنہگار تو نہ ہوتی۔" پھپھو نے دھیمی آواز میں گھرکا۔

"امی! میں جو کر رہا ہوں، اسے کافی سمجھیں۔ بیا اب یہیں ہے، اس گھر میں اور میں بھی۔ مجھے ابھی صرف اور صرف ایگزام دینا ہے۔ میں نے آپ کی بات ماننے کے ساتھ یہ شرط رکھی تھی کہ بعد میں مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ شب بخیر۔"

وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں پھلانگ گیا بیا کے ہاتھ سے ہیر برش نیچے گر گیا۔ سارا جسم سن ہو گیا تھا۔ وہ بیڈ کے کنارے ٹک کر بیٹھ گئی روشی چپکے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"جا نکل جا یہاں سے۔ دفع دور ہو بدذات! آستین کا سانپ ہے تو۔ میں نے تجھے دودھ نہیں پلایا کسی ناگن کو پلایا تھا۔ یہی سمجھوں گی جا بخش اب مجھے۔ میں تیری صورت پر، تیرے اس خوب صورت جھوٹے بدن پر تھوکتی ہوں۔ مردار، چلی جا یہاں سے جا۔"

وہ ادھیڑ عمر عورت شدید طیش اور غضب کے عالم میں اسے بازو سے پکڑ کر زور زور سے دھکے دیتے ہوئے اس بوسیدہ سے گھر کے دروازے سے باہر دھکیل رہی تھی اور وہ ڈھیلوں کی طرح وہاں جم کر کھڑی تھی۔

''جا۔ جا دور ہو جا۔ چلی جا۔ کیوں آئی ہے ادھر۔ مر گئے ہیں ہم سب
لیے۔ اس دن کی لعنت تجھ پر جس دن تو پیدا ہوئی میرے گھر۔ نکل یہاں سے۔''

منہ سے کف اڑاتے ہوئے اس گہرے سانولے رنگ کی بھدی سی عور
اب کے پوری قوت سے زور لگا کر اسے دھکا دیا تھا اور اسے دروازے سے باہر دھکیل
کامیاب ہو گئی تھی اور فوراً ہی اس نے لکڑی کے سال خوردہ دروازے کو بند کر کے کنڈ
لی تھی اور اب ملگجے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ارد گرد کی جگہ کو پہچاننے کی کوشش
تھی۔ دماغ پر بے تحاشا زور دینے کے باوجود اسے وہ جگہ بالکل سمجھ میں نہیں آ رہی تھی
لگا اس کا سر زور زور سے چکر کھا رہا ہے۔ وہ ابھی گر پڑے گی اس نے گرنے سے بچ
لیے سہارے کی خاطر ادھر ادھر اندھیرے میں ہاتھ مارے مگر قریب اسے کوئی سہارا نہ مل
سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ بہت زور سے گری تھی۔ وہ بھی ایسے کہ فرش پر گرنے کے بجائے
بہت بلندی سے نیچے ہی نیچے گرتی جا رہی تھی۔ تیز تیز ہاتھ پاؤں چلانے کے باوجود کوئی
کوئی آسرا اسے نہ مل سکا۔ وہ اب پورا حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھی مگر اس کے گلے سے کوئ
نہیں نکل رہی تھی۔ یہ کیسی بے بسی تھی کیسا بیچارہ پن۔

وہ نیچے ہی نیچے گر رہی تھی۔

ایک دم سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

آج اس خواب کو متواتر دیکھتے ہوئے اسے تیسرا دن تھا۔ تو کیا کوئی میرا منتظر
کسی کو ابھی بھی میرا انتظار ہے؟ وہ دونوں ہاتھوں پر سر گرائے سوچنے لگی۔

''نہیں!'' اسی وقت اس نے نفی میں سر ہلایا ''اگر کسی کو میرا انتظار ہوتا تو یوں
دھکے نہ ملتے اور میں یوں آسمان سے پاتال میں نہ جا گرتی۔ اف کس قدر وحشت ناک
ہے اور مسلسل تین دن سے۔''

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریشمی گاؤن کی ڈوریاں کستے ہوئے اس نے خوا
کے مہین پردے ہٹائے۔ کمرے میں ائیر کنڈیشنز کی خوشبو دار ٹھنڈک تھی مگر اس کا پورا جسم
سے بھیگا ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کر باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول دی۔

رات کے تین بجے تھے۔ باہر پول لائٹس کے باوجود غبار آلود اندھیرا ہر
موجود تھا۔

وہ کھڑکی سے سر باہر نکال کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''مجھے اس خواب کا کھوج لگانا چاہیے۔ آخر اماں کیوں مجھے تین دن سے مسلسل نظر
ی ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ مجھے ایک بار بھی کبھی نظر نہیں آئیں اور ایسی ناراضگی کا عالم
یری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔''

''اماں اب کہاں۔'' اس نے فضا میں ایک اور گہرا سانس لیا ''اب تو اس کی ہڈیاں
ل سڑ گئی ہوں گی۔ مجھے یقین ہے۔''

''ہوسکتا ہے اماں زندہ ہو اور مجھے یاد کر رہی ہو۔'' کہیں دور امید کا جگنو جھلملایا تھا
سکتا ہے، ہوسکتا ہے یہ میرا وہم ہو...... مگر مسلسل خواب میں نظر آنا شاید وہ بھی میری اس
ی کو محسوس کر رہی ہو۔ مجھے اس کی تلاش میں نکلنا چاہیے ورنہ اس حسین محل میں، میں یونہی
ے گھٹ کر مر جاؤں گی تنہائی سے لڑ لڑ کر۔'' اس پر ڈراؤنے خواب نے جیسے اس کو رستہ
ا۔ تنہائی کے اس آکٹوپس سے جان چھڑانے کا۔

''ہاں۔ میں کل جاؤں گی ضرور پتا کرنے۔ ہوسکتا ہے اماں زندہ ہو۔ بھائی وہیں
۔ میں جھوٹ موٹ کچھ بھی کہہ کر ان سے معذرت کر لوں گی پھر میرا یہ اسٹیٹس۔ شاید مجھے
ے کچھ بھی نہ کہنا پڑے۔ ایسے رشتے دار بے شک دولت کے دشمن ہوتے ہیں مگر اس تنہائی
و اچھے ہوں گے۔ میں کل ہی نکلتی ہوں ان کی تلاش میں۔ مجھے اس بات کا خیال پہلے
ی نہیں آیا۔ حیرت ہے۔''

بستر کی طرف واپس پلٹتے ہوئے شائستہ خود سے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس کی آنکھ کمرے میں ہونے والی کھڑ پٹر کی آوازوں سے کھلی، رات بھر
س کی بے کلی نے اسے جگائے رکھا تھا۔ کروٹیں بدل بدل کر پہلو دکھ گئے تھے مگر نیند دور
ی مسکراتی رہی تھی۔ ایک بار تو روشی بھی اٹھ گئی شاید اس کے مسلسل کروٹیں لینے سے۔

''کیا ہے بیا! نیند نہیں آ رہی؟'' نیند سے بوجھل آنکھیں اس نے بمشکل کھولی
ا

''نہیں۔ ٹھیک ہوں۔'' اس نے خوامخواہ آنکھیں بند کر لیں۔

''گھر یاد آ رہا ہے۔ ممانی جان، ضویا وغیرہ۔'' وہ چند لمحوں بعد خود ہی قیاس کر کے

بولی۔

"مجھے کوئی یاد نہیں آ رہا۔ میں سو رہی ہوں۔ تم بھی سو جاؤ۔" اس نے ، سے جواب دیا۔ وہ چند لمحے اس کی شکل دیکھتی رہی پھر کروٹ بدل کر سو گئی۔

اور اسے نیند وہی چار بجے کے بعد آئی تھی اور اب اس کھٹر پھٹر نے..... جھنجلا کر گردن گھمائی، جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ رافع اپنی رائٹنگ ٹیبل کے سر تھا۔ اس کی درازیں کھول کھول کر خدا جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ روشی جا چکی تھی۔ اس کلاک کی طرف دیکھا پونے نو بج رہے تھے۔

"روشی! روشی! کیا مصیبت ہے۔ میری بلیو نوٹ بک ادھر پڑی تھی۔ کد ڈالی تم نے؟" رافع کی تیز دھاڑ پر روشی بھاگی آئی۔

"کک۔ کون سی نوٹ بک؟ آپ کی کسی چیز کو میں نے ہاتھ نہیں لگایا۔" سے کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"ادھر دراز میں رکھی تھی میں نے۔" رافع نے ایک جھٹکے سے بند دراز کھولی

"یہ...... یہ تو پڑی ہے۔ یہی ہے نا!" روشی نے ایک نوٹ بک دراز سے اس کے آگے کی۔

"ہاں یہی ہے۔" وہ جیسے ٹھنڈا ہو کر بولا۔

"بھائی! ناشتہ ادھر ہی لے آؤں؟" وہ جانے سے پہلے ڈرتے ڈرتے بولی

"نہیں۔ میں کچن میں ہی کر لوں گا۔"

اس نے سختی سے کہا دو تین کتابیں اور اٹھائیں۔ ہیر برش الٹا سیدھا با گھمایا۔ شیشے میں اپنا جائزہ لیا۔ باہر جاتے جاتے اس نے ایک بے اختیاری نظر س ابیہا پر ڈالی تھی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں میچ لیں۔ پتا نہیں کیوں اسے رافع کی طر بالکل اچھا نہیں لگتا تھا نہ اس کا ابیہا کو دیکھنا۔

اس کے بعد باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آئی۔

دس بجے کے قریب وہ نہا کر فریش ہو چکی تھی اور بال بنا رہی تھی جب رو کی ٹرے اٹھائے اندر چلی آئی۔

"گڈ مارننگ بیا! کیسی ہو؟" اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا

"فائن!" اس نے بال دوسری طرف جھٹکے۔ روشی نے ناشتہ رائٹنگ ٹیبل پر لگانا شروع کیا۔

"پھپھو کہاں ہیں؟ وہ ناشتہ نہیں کریں گی۔" وہ دوپٹہ کندھے پر ڈال کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"امی ناشتہ کر چکی ہیں اور اب چائے بنا رہی ہیں، ابھی لے کر آتی ہیں آ جاؤ تم۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

اس کے کہنے پر وہ اٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔ کل کے لوازمات میں سے حلوہ پوری غائب تھا، باقی وہی ناشتہ تھا۔

"روشی! اتنا کچھ نہ بنایا کرو۔ میں صرف چائے کے ساتھ ایک سلائس لیتی ہوں۔"

روشی نے اصرار سے آملیٹ اس کے آگے کیا تو وہ بولی۔

"ابھی تو امی کہہ رہی تھیں۔ سوجی کا حلوہ بنالو یا انڈوں کا۔ میں نے کہا امی! پتا نہیں بیا کو پسند ہے یا نہیں ویسے تمہاری اسمارٹنس کا یہی راز لگتا ہے۔ اتنا مختصر ناشتہ۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

"اور تمہاری اسمارٹنس کا؟" وہ جواباً بولی۔

"گھر کے کام۔ ابھی دیکھنا جب سارا کام منٹوں میں سمیٹوں گی۔ کھاتی البتہ میں خوب ہوں۔ کام کے بعد بھوک ہی اتنی زیادہ لگتی ہے۔"

وہ بھولا سا منہ بنا کر بولی تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے ایسا تجربہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ ڈیڈی کی وفات کے باوجود گھر میں ہر کام کے لیے ملازم موجود تھے۔

"تم خوش تو ہو نا بیا؟" اسے شاید بیا کی مسکراہٹ سے شبہ ملی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟"

اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"تم خوش نہیں ہو۔"

"شاید۔ پتا نہیں۔" جس کے اتنے سارے خواب ایک دم سے ٹوٹے ہوں اسے کیا پتا چلے گا کہ وہ خوش ہے یا نہیں۔ اس کی طبیعت ایک دم سے سیر ہو گئی۔ اس نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"کھاؤ نا اور۔" روشی نے فوراً اسے ٹوکا۔

"بس۔ بہت کھا لیا۔" وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت پھپھو چائے کی ٹرے
کر اندر چلی آئیں۔

"السلام علیکم پھپھو!" اس نے آہستگی سے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو، خوش رہو۔ آباد رہو۔ سدا اسی طرح مسکراؤ۔" انہوں
ٹرے میز پر رکھ کر اسے پیار کیا۔

"رات نیند آ گئی تھی۔" انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"جی!"

روشی نے اٹھ کر چائے کا ایک کپ اسے تھمایا اور ایک پھپھو کو اور خود ناشتے کے بر
کچن میں رکھنے چلی گئی۔

"روشی بیٹا! دیکھنا اپنے ابو کو، اٹھ گئے ہوں تو ناشتے کا پوچھ لو۔" انہوں نے پیچ
سے آواز لگائی۔

دونوں خاموشی سے چائے پینے لگیں۔

"ابو تو نہا کر تیار ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں انہیں ناشتہ دینے جا رہی ہوں۔" اس وقت
روشی اندر آ کر اپنا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"ہیں! ابھی تو میں دیکھ کر آئی تھی تو سو رہے تھے۔" پھپھو خود ہی بڑبڑائیں۔

"اداس ہو بیا؟" چند منٹوں بعد کمرے کی خاموشی محسوس کر کے وہ بولیں۔

"نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"یہ دو تین بارشوں سے موسم اچھا ہو گیا ہے۔ رات بھی اچھی خاصی خنکی ہو گئی تھی
بس اب راتیں ٹھنڈی ہونا شروع ہو جائیں گی۔ دن کی گرمی تو خیر ابھی رہے گی۔" وہ یونہی
بات کرنے کو بولیں۔ وہ چپ رہی۔

"ابھی روشی فارغ ہو جاتی ہے تو کمرے کی صفائی کر دیتی ہے۔" چند لمحوں بع
انہوں نے ایک اور غیر اہم سی بات کی۔ وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔

"آج دوپہر کو کھانے میں کیا پکائیں؟" ڈیڑھ منٹ کے طویل وقفے کے بعد انہیں
ایک اور بات سوجھی جس میں اس کا بولنا لازمی تھا۔

"کچھ بھی پکا لیں مگر میں نہیں کھاؤں گی۔ ابھی تو ناشتہ کیا ہے، دوپہر کو مجھے بھوک
نہیں لگے گی۔"

"لو تم نے تو ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا سب کچھ روشی یونہی اٹھا کر لے گئی ہے۔
بچے! جس چیز کو دل کرتا ہے جو ناشتہ، کھانے میں پسند کرتی ہو بتا دیا کرو۔ میں بنا لیا کروں گی
یوں آدھا پیٹ خالی چھوڑ کر اٹھنا تو اچھی بات نہیں۔" اسے ان کی لگاوٹ سے عجیب سی
گھبراہٹ ہونے لگی۔ جی چاہا، اس ڈربے سے کہیں دور نکل جائے۔

"تمہیں محسوس تو ہو رہا ہوگا بہت؟" چند لمحوں بعد وہ پھر بولیں۔

"جی!" اس نے چونک کر انہیں دیکھا، کیا؟"

"ماحول کا فرق۔ اپنے گھر کا اور یہاں کا۔" وہ پست آواز میں بولیں۔

"لو بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" وہ دل میں کڑھی۔

"شاید تقدیر اسی کو کہتے ہیں جو راہ چلتے تمہارے گلے آ پڑی۔" وہ خود ہی جیسے اس
کی سوچوں کا اندازہ لگا رہی تھیں۔

"رافع کے امتحان ہیں۔ سولہ سال کی محنت ہے اس کی، پھر یہ اچانک شادی۔ بہت
چڑچڑا ہو رہا ہے آج کل، ورنہ عام حالات میں تو اسے بہت کم غصہ آتا ہے۔" چائے کا خالی
کپ انہوں نے ٹرے میں رکھ دیا۔

"ویسے بھی ذہنی طور پر وہ بالکل تیار نہیں تھا تمہاری طرح۔ ہو جائے گا ٹھیک آہستہ
آہستہ۔"

وہ یوں کہہ رہی تھیں جیسے اسے کوئی مرض لگا ہو۔ آہستہ آہستہ صحت یاب ہو جائے
گا۔ بھلا کسی کی سہاگ رات بھی دوبارہ لوٹ سکتی ہے۔ گیا وقت بھی پلٹ سکتا ہے اور جیسا
سلوک اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اس کے عمر بھر کا پیار بھی اس کے نقوش مٹا سکے گا۔ اسے
سوچ کر ہی غصہ آنے لگا۔ وہ کپ ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سر اٹھا کر اس کی شکل
دیکھنے لگیں۔ لیہا نے اسی ٹرے میں کپ رکھا اور ٹرے اٹھا لی۔

"میں یہ برتن کچن میں رکھ آؤں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں۔

"روشی اٹھا لے جائے گی۔ تم رہنے دو۔" اس نے ان کی پکار کی ذرا بھی پرواہ نہ
کی۔ روشی بیٹھک میں شاید پھوپھا جان کا ناشتہ دے کر نکلی تھی، اسے ٹرے اٹھائے دیکھ کر کچھ

حیران سی ہوئی۔

"ارے بیا! رہنے دیتیں۔ میں اٹھالاتی۔" اس نے چند قدم آگے بڑھ کر
کے ہاتھ سے لے لی باہر صحن دھوپ سے بھرا ہوا تھا۔ کل کے فنکشن کے آثار، صحن کے
کے ساتھ کچرا پڑا تھا۔ بچوں کے کھائے ہوئے چپس، ببلو، سویٹس اور آئس کریم
چکن کی ہڈیاں قلفیوں کے تنکے اور فروٹ کے چھلکے اوپر جاتی سیڑھیوں کی دیوار کے
گملے پڑے تھے۔ ایک گملے میں گلاب کی قلمیں تھیں، ایک میں موتیا کے پھول اور دو
تھوڑی سی کمزور ٹہنیاں جھول رہی تھیں۔

"ابھی صفائی کرتی ہوں تو سارا گند صاف ہو جائے گا۔" روشی نے اس کی
کے تعاقب میں دیکھ کر قدرے شرمندگی سے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ کام کراؤں۔" اس نے خاموشی اور بے کاری سے
آفر کی۔

"نہ بابا! تم نے کیا مجھے امی سے مار پڑوانی ہے۔ تم اندر چل کر بیٹھو دل چا
سے باتیں کر لو ورنہ میں تمہیں دو چار میگزین اور ڈائجسٹ وغیرہ لا دیتی ہوں، وہ پڑ
کہتے ہوئے اس نے سیڑھیوں کے نیچے بنی چھوٹی سی جگہ سے جھاڑو اٹھالی۔

"کیا منظر ہے روشی بیٹا! اس کو کہتے ہیں تقدیر کی ہیرا پھیری، عرش سے فرش
سفر محض چند گھنٹوں میں۔ واہ میرے مولا تیرے رنگ نرالے۔ تو نے آفتاب زبیری جیـ
پہ ترس نہ کھایا۔ شکل دی شہزادوں جیسی اور تقدیر لکھی فقیروں سی۔ اچھا مذاق کیا تھا تو نے
ساتھ۔ چلو میرے ساتھ تو مذاق کیا تھا۔ یہ ایہا انصاری کے ساتھ تو تو نے ہاتھ کر دکھایا۔
دکھا کر بابایاں جڑ دیا۔ اچھی بھلی محلوں میں رہتی بستی کو اٹھا کر جھونپڑی میں لا پٹخا۔ لو اس
جھونپڑی کے مقدر جاگ اٹھیں گے۔ کوئی جاگے برسوں سے، یہ پارس پتھر برسوں سے
ہے۔ کوئی کرشمہ نہ ہوا تیری قدرت کا نہ کوئی معجزہ۔ وہیں کے وہیں کھڑے ہیں ہم جیسے
بھی اور یہ سچا موتی بھی تیری سنگ تراشی کے عجوبے بن کر رہ گئے ہیں۔"

پھوپھا جان بیٹھک کی سیڑھی پر کھڑے مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"روشی! تم نے وہ پلے تو پڑھا ہوگا Princess on the road ہماری
ساتھ بھی وہی کچھ ہوا ہے۔ شہزادی جاگی تو کٹیا کی باسی چیچ چیچ۔"

وہ سر ہلا کر افسوس کیے جا رہے تھے بیا ایک جھٹکے سے اندر کی طرف مڑ گئی۔

"میں جا رہا ہوں۔ شام کو دیر سے آؤں گا۔ روشی! دروازہ بند کر لو۔"

اس نے پیچھے سے ان کی آواز سنی۔ ظاہر ہے سارا غبار تو نکال گئے تھے۔

یہ شاید پھپھو کا کمرہ تھا۔ کمرے کی دائیں بائیں دیواروں کے ساتھ دو الگ الگ بستر لگے تھے۔ سنگل بیڈ پر سامنے کی دیوار کے ساتھ دو کرسیاں پڑی تھیں دائیں دیوار کے ساتھ کپڑوں کی الماری تھی۔ فرش کے درمیان میں چٹائی بچھی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں پرانا سا پیڈسٹل فین پڑا تھا۔ کمرے میں یہی چیزیں تھیں وہ بے زار ہو کر باہر نکل آئی روشی اب زور وشور سے پائپ لگا کر صحن دھو رہی تھی۔

"تم کیوں باہر آ گئیں۔ میں تمہیں کچھ پڑھنے کو دوں۔" وہ ذرا رک کر بولی۔

"نہیں۔ میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔"

وہ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ پھپھو کچن میں پیڑھی پر بیٹھی آلو چھیل رہی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسے دیکھ لیتیں۔ ایک بار شاید آواز بھی دی۔ اس نے دھیان نہیں دیا۔ روشی نے دس منٹوں میں ہی صحن چمکا دیا اور اب وائپر لگا رہی تھی اس کی گندمی رنگت دھوپ کی تمازت اور گرمی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھی۔ پسینہ اس کے سر کے بالوں سے نکل نکل کر پورے چہرے اور گردن پر پھسل رہا تھا مگر وہ بڑے مزے سے صفائی میں مگن تھی۔

"بیا! اندر چلی جاؤ بیٹا! باہر گرمی ہے۔" پھپھو باسکٹ میں چھلکے پھینکنے آئیں تو اس سے بولیں۔

"اچھا!" وہ کہہ کر کمرے میں آ گئی۔ باہر واقعی گرمی تھی۔ صحن سے جیسے بھاپ اٹھ رہی تھی، وہ پنکھا چلا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ یونہی ٹیبل پر پڑی کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔

"اب کیا زندگی اس طرح گزرے گی۔" بغیر لفظوں کو دیکھے وہ ورق الٹے جا رہی تھی "ساری زندگی اسی قفس میں۔"

افسردگی اس کے چاروں اور چھانے لگی۔ اس گھر میں اس کی دلچسپی کا کچھ بھی سامان نہیں تھا۔ "رافع کس قدر خشک مزاج اور اکھڑ شخص ہے جسے یہ تک پتا نہیں کہ اس کی شادی ہوئی ہے جس نے شادی کی رات اسٹور میں سو کر گزاری ہو، وہ مجھ سے کیا محبت کرے گا؟ یہ تو گلے پڑا ڈھول ہوگا جسے مجھے تا عمر بجانا پڑے گا۔ کیا میں بجا پاؤں گی۔ میں نے تو خود

پر اتنا جبر، اتنا صبر کرنا سیکھا ہی نہیں'' سوالوں کے بھنور اس کے اردگرد منڈلانے لگے۔ آج ر
یوں شلوار ٹانگے صحن دھو رہی ہے کل میری باری ہوگی۔ کیا یہی میری زندگی کا مقصد تھا اور ر
کے امتحان! اس نے گہرا سانس لیا امتحان دے کر ایک ہزار جوتے چٹخانے کے بعد کون
اسے کسی مجسٹریٹ کی نوکری مل جائے گی، وہی پانچ سات ہزار کی نوکری۔ اور پانچ سات ہ
میں گزارہ کیسے؟'' اس کا سر چکرانے لگا۔

''ممی! آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ ذرا بھی۔'' اس کی آنکھیں جھلملا
لگیں۔ ''اور زریاب! تم اتنے بے وفا، وعدے کے کچے نکلو گے۔ میں نے سوچا نہیں تم
پھوپھا جان صحیح کہتے ہیں، اس کو تقدیر کی ہیرا پھیری کہتے ہیں۔''

وہ بس رو دینے کو تھی جب روشی جھاڑو ڈسٹر اٹھائے اندر چلی آئی۔

''تم بور ہو رہی ہو۔ ٹیپ ریکارڈر لگا لیتیں، یہ پڑا ہے۔'' اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبا
پر پڑے ایک اسپیکر والے ٹیپ ریکارڈر کی طرف اشارہ کیا جس کی طرف اس کا بالکل دھیا
نہیں گیا تھا۔

''تھینکس!'' روشی تندہی سے ڈسٹنگ کرنے لگی۔

''ٹی وی لگا لیتیں مگر اس پر بھی انٹینا ہی لگا ہے۔ کیبل امی لگوانے نہیں دیتیں۔''
ڈسٹنگ کے دوران کہے جا رہی تھی۔

''مجھے ان چیزوں کا شوق نہیں۔'' کہتے ہوئے اس نے چپکے سے اپنی آنکھیں
صاف کیں۔

''فون انشاء اللہ کل نہیں تو پرسوں لازمی لگ جائے گا۔'' اس نے جیسے خوشی خبر
سنائی۔ اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔

''تم اپنے کپڑے سیٹ کر لو الماری میں بلکہ میں فارغ ہو جاتی ہوں تو دونوں مل کر
کر لیتے ہیں۔'' اسے ایک اور آئیڈیا سوجھا۔

''ہوں۔'' وہ پھر سے بے دلی سے کتاب کے ورق الٹنے لگی۔

پھر شام تک اسی طرح کی بوریت میں وقت گزرا۔ دوپہر کو پھپھو کے اصرار پر اس
نے دو تین لقمے لیے تھے۔ سونے کے لیے لیٹی نیند نہیں آئی۔ اٹھ کر باہر چلی آئی۔ صحن میں بھی
خوب تپش ہو رہی تھی پھر مڑ کر اندر چلی آئی۔

رات کا کھانا بھی یہ لوگ جلدی کھا لیتے تھے۔ پھوپھا جان تو سات بجے ہی آ گئے۔
رافع نو بجے تک بھی نہیں آیا تھا۔ روشی نے تینوں کا کھانا لگایا اسے لگا اس گھر میں ایک ہی
ایکٹیویٹی ہے کھانا بنا لو اور کھا لو۔ برتن دھو لو، صفائی کر لو اور گھر میں بیٹھے بیٹھے اسے بھلا کتنی
بھوک لگ سکتی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ چپکے سے اٹھ کر روشی کے کمرے میں آ گئی۔

''ارے! تم ادھر آ گئیں؟'' روشی چند منٹوں بعد بوتل کے جن کی طرح موجود تھی۔

''میں ادھر ہی سوؤں گی۔ تم میرا بستر ادھر ہی لگا دو۔'' اس نے قطعیت سے کہا۔ وہ
چند لمحے کھڑی رہی اور پھر باہر نکل گئی۔

پھر اس نے لیہا کا بستر اپنے کمرے میں لگا دیا۔ اس کے دونوں سوٹ کیس گھسیٹ
کر ادھر لے آئی۔ اپنی الماری کا ایک حصہ اس نے خالی کر دیا۔

''میں صبح کپڑے رکھ لوں گی۔'' اس نے بستر پر لیٹے ہوئے کہا۔

''اچھا!'' وہ چپ کر کے اپنے بستر پر آ بیٹھی اور تکیے کے نیچے سے کتاب نکال کر
پڑھنے لگی۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' اس نے چند منٹوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

''پرسوں پریکٹیکل ہے نا فزکس کا۔'' اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''اوہ!'' وہ اٹھ کر بیٹھی۔ ''پریکٹیکل تو میرا بھی ہے۔'' اسے یاد آیا اس کی تھوڑی سی
کتابیں اور ضروری کاغذات ضویا نے چھوٹے سوٹ کیس میں رکھے تھے۔

''تم پریکٹیکل تو دو گی نا۔'' روشی نے اس سے پوچھا تو نہ چاہتے ہوئے اس نے
اثبات میں سر ہلا دیا۔ روشی نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے آگے کر دی اور خود
پریکٹیکل نوٹ بک اٹھا کر پڑھنے لگی۔

☆☆☆

تیسرے دن ان کا پریکٹیکل تھا۔ ان دو دنوں میں اس کی رافع سے ملاقات ہوئی ہی
نہیں تھی۔ وہ آٹھ بجے نکل جاتا اور رات کو گیارہ بجے کے بعد لوٹتا پھپھو اس کا سرد رویہ اور
خاموشی کو دیکھ کر چپ سی ہو گئی تھیں۔

پھوپھا جان کی اپنی دنیا تھی۔ دس گیارہ بجے گھر سے نکلتے۔ کبھی دوپہر میں اور کبھی
رات گئے لوٹتے ان کا اٹھنا بیٹھنا بیٹھک ہی میں تھا۔ وہ یوں بھی ان کی موجودگی میں کمرے

سے کم ہی نکلتی تھی۔

پریکٹیکل کے لیے ان دونوں کو جلدی گھر سے نکلنا تھا مگر روشی کے کام ہی تمام
رہے تھے۔

"روشی! چلو بھی، اب دیر ہو رہی ہے۔" آخر پندرہ منٹ کے صبر آزما انتظار کے
وہ کچن میں چلی آئی۔

کچن میں رافع بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کی پکار پر نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ وہ شر
سی ہو کر پلٹنے لگی۔

"میرا خیال ہے، سلام دعا کا رشتہ تو ہمارے درمیان ہونا چاہیے، وہ بھی جبکہ
سامنا تین تین دن بعد ہو" وہ منہ نیچا کیے دھیرے سے اس سے بولا۔

"ہمارے درمیان جو رشتہ ہے فی الحال اس کو قبول کرنے کے بارے میں غور
جائے تو مناسب ہوگا۔" وہ جواب دے کر پلٹ گئی۔ روشی اس کے پیچھے کھڑی تھی۔

"چلو!" اس نے دوپٹہ اچھی طرح اوڑھا اور روشی کے پیچھے نکل آئی۔

آج پھر دھوپ تیز تھی۔ ہوا نہ ہونے کے برابر، تیکھا سورج خوب ہی آگ بر
تھا مگر اب اسے موسم سے کوئی سروکار نہ رہا تھا۔

تیز تیز چلنے سے وہ چھ منٹ میں کالج پہنچ گئیں۔

"روشی! ایک منٹ!" کالج کے گیٹ کے آگے اس نے روشی کو روکا۔ "کالج
اپنی دوستوں وغیرہ کو میرے اس نئے رشتے کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں
اس نے چہرے پر آیا پسینہ ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے صاف کیا۔

"کیوں؟" وہ کچھ حیرت سے بولی۔

"یونہی۔ تم کسی سے ذکر نہیں کرو گی۔" اب کے اس نے کچھ سختی سے کہا۔

"او کے۔ جیسے تم کہو، اب چلیں۔" کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

کالج اس کے لیے نیا تھا نہ کالج کا ماحول مگر آج اسے لگ رہا تھا، وہ پہلی بار کا
آئی ہے۔ ہر شناسا چہرے اور منظر سے نظریں چراتے ہوئے وہ لیب میں گھس گئی۔ روشی کی
فائدہ دے گئی تھی۔ اس کے لیب میں داخل ہونے کے دو منٹ بعد ہی پیپر شروع ہو گیا
کلاس فیلوز اور خاص طور پر اپنے گروپ کی دوستوں سے ملنے سے جان چھوٹ گئی تھی۔

اسی چیز سے بچنے کے لیے اس نے تھیوری اور پریکٹیکل دونوں جلدی جلدی مکمل کیے اور فوراً لیب سے نکل آئی۔ کاریڈور سے گزرتے ہوئے بے اختیار اس کی نظر کاریڈور کے آخری سرے پر بنی کلاس روم کی طرف اٹھی۔ ادھر ضویا کی لٹریچر کی کلاس ہوتی تھی۔ فورتھ ائیر کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں دوسرے پل اس نے گردن موڑی اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی سائنس بلاک سے نکل آئی۔

"اب یہ روشی صاحبہ معلوم نہیں کب آئیں گی۔" گراؤنڈ عبور کر کے وہ ماربل کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"بیا! ایک بے حد شناسا سی سرگوشی اس کے بائیں پہلو میں ابھری تو اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا، اسے لگا ابھی سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا کوشش کے باوجود وہ فوری طور پر گردن موڑ کر نہ دیکھ سکی۔

☆☆☆

"کیسی ہو بیا؟" اس نے اپنے بائیں جانب سے سرگوشی سنی۔

"کبھی کوئی، مُردوں سے بھی پوچھتا ہے کہ کیسے ہو؟" اس نے مڑ کر دیکھ رکھائی سے جواب دیا۔

"اللہ نہ کرے، کیا کہہ رہی ہو تم؟" ضویا نے تڑپ کر کہا اور بیا کا ہاتھ تھامنا چ

"شٹ اپ!" وہ غصے سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ضویا حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پیچھے تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آگے جانے لگی۔

"بیا! پلیز رکو تو، میری بات سنو۔" ضویا اس کے پیچھے لپکی تو اس نے اپنی ر کر لی۔ اگر اسے گھر کے رستے کا علم ہوتا تو شاید وہ دوڑتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل جاتی۔

"بیا! ایسے نہ کرو پلیز، رکو تو سہی۔" وہ دوڑتی ہوئی اس کے برابر آ گئی۔

"بیا، ہم سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں۔ تم سے ملنے آنا چاہتے ہیں۔" ا اس کے برابر چل رہی تھی۔

"کہاں؟ قبرستان میں؟"

"بیا، بیا کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا ان لوگوں کا سلوک تمہارے ساتھ اچھا نہیں آؤں گی ولید کے ساتھ مگر مجھے کچھ تو بتاؤ۔" اس نے روہانسی ہو کر اس کی کلائی تھامنا چاہی

"چھوڑو، چھوڑ دو مجھے۔ کوئی رشتہ نہیں میرا تم سے، تمہارے گھر سے۔ آئند مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تم لوگوں کے لیے مر چکی ہوں۔" اس نے ایک نفرت غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"بیا! اتنی انتہا پر مت جاؤ۔ ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ بہت بیمار ہیں وہ۔ بہت مس کر رہی ہیں تمہیں۔" اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"تم لوگوں کو کیا کمی ہے۔ کسی ٹاپ کلاس اسپیشلسٹ کو دکھا دو ٹھیک ہو جائیں۔ ویسے بھی تم لوگوں کی کلاس میں بیماری ایک فیشن بھی تو ہے، فراغت اکثر اس فیشن کو اپنا

بھی اکسا دیتی ہے۔" اس نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"وہ ماں ہیں تمہاری۔" ضویا کی آنکھ سے آنسو چھلکا۔

"اچھا!" بیا نے فضا میں ہنسی اچھالی۔ "نئی اطلاع ہے میرے لیے، میری ماں نے ہی تو مجھے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔ میرے جنازے کو خود دروازے تک چھوڑ کر آئیں کہ کہیں اس منحوس مردے کی نحوست کا سایہ ان کے دو معصوم بچوں کی زندگی اور ان کے شان دار گھر پر نہ پڑ جائے۔ جلد از جلد اس متعفن لاش سے نجات حاصل کی جائے۔ بولو ایسی ہوتی ہے ماں؟" وہ اردگرد کی پروا کیے بغیر چلائی تھی۔

"بیا! یہ سب حالات کا تقاضا تھا۔ ممی نے جان بوجھ کر......"

"بس کرو وکالت اپنی ماں کی، اور مت سمجھاؤ مجھے حالات کی سنگینی کا رٹا رٹایا سبق۔ اب تو یہ حالات ٹل گئے، اب وہ کیوں خوش نہیں؟ وہ خوش رہ بھی نہیں سکتیں۔ انہوں نے ایک جیتے جاگتے انسان کو زندہ وجود کے ساتھ قبر میں اتارا ہے۔ سانس لیتا ہوا جیتا جاگتا وجود۔ اس کے بعد بھی کوئی خوشی کی تمنا کرے تو مجھے بتاؤ خدا نہیں ہے کیا؟ وہ اتنے ظلم کے بعد ظالم کو بے سکون بھی نہ کرے گا۔ آئندہ کبھی میرے رستے میں آئیں یا مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارے منہ پر تھوک کر چلی جاؤں گی، سنا تم نے۔"

اس نے غراتے ہوئے ایک آخری نفرت بھری نظر اس کے سرخ آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔ اس نے پیچھے سے روشی کو آتے دیکھ لیا تھا۔

"روشی پلیز! اس کو سمجھاؤ۔ ممی کی طبیعت واقعی اچھی نہیں۔" ضویا رندھے ہوئے لہجے میں روشی سے کہہ رہی تھی۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکتی ضویا! سوائے ممانی جان کی صحت یابی کی دعا کے۔ بیا ابھی کچھ نہیں سمجھے گی۔ ابھی اس کا زخم بھی تازہ ہے اور درد بھی زیادہ۔ تم اسے ابھی مت چھیڑو۔ خدا حافظ۔"

اس کے کانوں نے کچھ سنا کچھ نہیں سنا کیونکہ وہ روشی کے آنے تک گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

اسے اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا تھا۔ اپنے عہد کو دل میں دہراتی وہ سارا راستہ روشی سے ایک قدم آگے ہی چلتی رہی کہ وہ کہیں کوئی ذکر نہ چھیڑ دے۔

☆☆☆

روشی کی خوشی دیدنی تھی۔ فون لگ گیا تھا اس کی بجنے والی پہلی بیل کی آواز پر کے چہرے پر خوشی کے جو رنگ تھے، بیا نے بہت دنوں بعد کسی کے چہرے پر د تھے۔ بالکل اچانک غیر متوقع خوشی کے ملنے پر بے اختیار چہرے کو لو دیتے رنگ۔ اس نے سے آج تک اپنی دوستوں کو کئی فون کر ڈالے تھے۔

"ویسے تم لوگوں کے رونے تمام نہیں ہوتے فاقوں کے، روٹی کے، اور اب چونچلے۔" آفتاب زبیری نے بلند آواز میں تبصرہ کیا۔

"ویسے روشی بیٹا! یہ ون ٹو تھری فور گھمانے کا کچھ بل وغیرہ بھی آئے گا یا حکو نے فی سبیل اللہ تم پر ترس کھا کر اس گھر کو مفت فون الاٹ کر دیا ہے۔"

ایک ہی دن میں روشی کی تیسری کال پر انہوں نے بڑے سرسری انداز میں ا جتایا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

"سوری ابو! ابھی نیا نیا لگا ہے نا تو اس لیے......" وہ شرمندہ سی انگلیاں چٹخاتی کھڑی ہوئی۔

"کیا اس گھر میں کوئی بھی کسی کی مکمل خوشی سے خوش نہیں ہوتا۔" بیا کو روشی کا ہوا چہرہ دکھی کر گیا۔

"ارے بیٹا جی! کرو اور جی بھر کر کرو۔ میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ مجھے ک سا......" انہوں نے فوراً ہی اپنا لہجہ بدل لیا تھا مگر روشی کے چہرے کی بشاشت نہ لوٹ سکی تھی

اس نے اتنے دنوں میں ایک بار بھی انہیں پھوپھو سے مخاطب ہوتے یا بات کر نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں کیوں دونوں ایک دوسرے سے انجان بنے گویا چھپتے پھرتے تھے۔

"ابو جی! آپ کو چائے بنا دوں؟" روشی نے کچن میں جانے سے پہلے پوچھا۔

"نہیں، مجھے پانی کا ایک گلاس لا دو۔ مجھے دوا کھانی ہے۔"

اور پھر انہوں نے سرخ سفید نیلی پیلی ڈھیر ساری گولیاں ایک ہی بار پانی کے سا حلق میں انڈیل لیں۔

اتنی ساری گولیاں پہلی بار بیا نے کسی کو ایک ساتھ کھاتے دیکھا تھا۔

"کیا پھپھا جان بیمار ہیں؟" اس نے غور سے ان کا جائزہ لیا۔ ان کی خوب صور

نیلگوں آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے پڑے ہوئے تھے، چہرہ بھی کچھ کمزور سا لگ رہا تھا۔

"شاید بیمار ہوں۔" اس نے جائزہ لینا ترک کر دیا کیونکہ اب وہ براہ راست اسی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ فوراً ہاتھ میں پکڑے میگزین کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"بیا! تم بھی فون کر لو اپنے سابقہ محل میں یا وہ لوگ تم سے بھی ہر طرح کا واسطہ رابطہ توڑ بیٹھے ہیں، تمہاری پھپھو حضور کی طرح۔ ایک بار دھکا دے دیا سو دے دیا پھر پلٹ کر نہیں دیکھنا۔ دنیا میں پہلا ایسا گھرانہ دیکھا ہے جو بیٹیوں کو اس انداز میں رخصت کرتا ہے۔ واقعی بھئی بڑے لوگوں کی سب باتیں بڑی بڑی ہی ہوتی ہیں۔" وہ جانے سے پہلے حسب عادت چوٹ کرنا نہ بھولے تھے۔ اس نے اپنا چہرہ مکمل طور پر میگزین کے پیچھے چھپا لیا۔

روشی نے فون لگنے کی خوشی میں سارے محلے میں کھیر پکوا کر بھجوائی۔

"امی! کسی خوشی کے ملنے پر اس طرح میٹھا بانٹنا نیک عمل ہوتا ہے نا؟" وہ ماں سے جیسے تصدیق چاہ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا! بہت اچھی بات ہے۔ کوئی اچھا کام ہونے یا خوشی ملنے پر میٹھا بانٹنا۔ پر محلے والے کہیں یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے بیا کو کام سے لگوا دیا ہے، اسی لیے کھیر بانٹی ہے۔" سعدیہ بیگم نے مسکرا کر کہا اور ان کا خدشہ درست ہی نکلا۔ شام تک تین ہمسائیاں خراماں خراماں مبارک باد دینے چلی آئیں۔

"سعدیہ بہن! بہو کو کام سے لگا دیا جو کھیر پکوائی ہے؟"

"ارے نہیں، ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ اتنی جلدی میں کیوں کھیر پکوانے لگی۔" وہ ہنس ہنس کر سب کو ایک ہی جواب دیتی رہیں۔

"کاش، پھپھو مجھ سے کھیر ہی پکوالیں۔"

فارغ بیٹھے بیٹھے وہ تنگ آ چکی تھی۔ گھر کا کوئی کام اسے روشی نہ کرنے دیتی اور کوئی ایکٹویٹی ادھر تھی نہیں۔ نہ کہیں باہر جانا نہ کسی سے ملنا ملانا اور سب سے بڑھ کر شاپنگ جیسی کسی بھی عیاشی کا تصور ان پورے بائیس پچیس دنوں میں اس نے نہیں دیکھا تھا۔ فارغ بیٹھے بیٹھے اس پر یادیں حملہ آور ہوتیں تو اس پر وحشت سوار ہونے لگتی۔ یہ گھر اور اس کے مکین بالکل اجنبی لگنے لگتے تو سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جانے کو جی چاہتا۔

وہ نہانے کے لیے اپنے کپڑے استری کر رہی تھی جب سعدیہ بیگم نے اسے

آواز دی۔

"جی پھپھو! وہ استری کا سوئچ آف کر کے باہر آئی۔

"بیٹا! تمہارا فون ہے۔" انہوں نے ایک طرف رکھے ریسیور کی طرف ا
اور خود اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ اس نے حیران نظروں سے فون کو دیکھا۔

"میرا فون؟ مجھے بھلا کون فون کرے گا؟" فون کے ساتھ ہی زریاب
آ گیا تھا۔

"ہیلو!" اس نے ریسیور اٹھا کر آہستگی سے کہا۔

"بیا! بیا میری بچی! میری جان! کیسی ہو ٹھیک ہو نا؟" ماں کی یاد نہیں آئی؟"
بے قراری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو ایک لمحے کو لگا کان سے لگے اس آلے
اس کے وجود کا ہر حصہ بے جان ہو گیا ہے۔

"آپ...... آپ نے یہاں فون کیوں کیا؟" اس کی نظریں سامنے اس
سے صحن کی طرف اٹھیں۔ جس کا لکڑی کا بے رنگ دروازہ اور اینٹوں کی بھدی د
دن رات اس کے خوابوں کا مذاق اڑاتی تھیں۔ اور اب ایک بار پھر وہ اسے خود
محسوس ہوئیں۔

"بیا! کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میں ماں ہوں تمہاری۔ تمہیں کیا معلوم اس د
ایک پل کو سکون نہیں ملا مجھے۔ اتنی بیمار رہی ہوں کہ......"

"چین سکون اب تو آپ کو مل جانا چاہیے تھا۔ آپ نے اپنا، اپنے دونوں
مستقبل جو محفوظ کر لیا۔ میرے اٹھائے گئے غلط قدم اور نحوست کا سایہ آپ کے گھر سے
پھر کیوں چین سکون نہیں ملا آپ کو؟" وہ آہستہ آواز میں چبا چبا کر بول رہی تھی، جسم
خون جیسے چہرے اور آنکھوں میں چھلکنے لگا تھا۔

"بیا، اتنی بدگمان مت ہو کوئی ماں اپنی خوشی سے اس طرح......"

"آپ شاید "کسی" ماں کا ذکر کر رہی ہیں اپنا نہیں۔" اس نے تیزی سے ا
بات کاٹی۔ "آپ ماں ہیں تو صرف ضویا اور حارث کی۔ میں آپ کے لیے مر چکی۔ ا
جب آپ نے میری جنگ لڑے بغیر ہتھیار ڈالتے ہوئے مجھے زبردستی کا عروسی کفن پ
میرے جذبات کی پروا کیے بغیر اپنے محل سے دھکا دیا تھا۔ ممی! میں اس روز زندہ درگور

تھی، اپنے جذبات کے ایسے بہیمانہ قتل پہ خود بھی مر گئی تھی۔ اب یوں فون کر کے یا مجھے یاد کر کے اپنی کون سی ممتا کی تسکین کرنا چاہ رہی ہیں شاید خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے۔ ہے نا۔" اسے پتا نہیں تھا مگر اس کی آواز اب خاصی اونچی ہو چکی تھی۔

"میں آپ سب کے لیے مر چکی ہوں۔ آئندہ مجھے فون مت کیجئے گا۔ سنا آپ نے۔" اور کانپتے ہاتھوں سے پھسلتے ریسیور کو کریڈل پر رکھنا چاہا۔

"بیا! بیا! میری بات سنو بیٹا! اس طرح مجھے اپنی نظروں میں اور مت گراؤ۔ میں نے جو کچھ کیا۔ وہ تمہاری بھلائی کے لیے......"

"مت جھوٹ بولیں۔ آپ نے یہ سب اپنی بھلائی، اپنے فائدے کے لیے کیا کیونکہ آپ آسائش بھری لگژری لائف سے دستبردار نہیں ہو سکتی تھیں۔ ضویا کا رشتہ ٹوٹ جاتا ولید سے۔ حارث کے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر فیکٹری میں حصے دار بننے کا چانس صفر ہو جاتا۔ آپ کو سنگ مرمر کے محل سے اٹھ کر کسی جھونپڑے میں آنا پڑتا۔ ایک کانٹوں بھری زندگی۔ اس لیے تو آپ نے فیصلہ کیا کہ یہ کانٹوں بھری زندگی کیوں نہ چار کی بجائے ایک کا مقدر بنا دی جائے۔ یوں بھی ایک سزا سب کو دینا کہاں کا انصاف ہے۔ اس وقت آپ کی ممتا نہیں تڑپی، اس وقت تو آپ بیمار نہیں پڑیں۔ آپ کو ایک پل کو بھی محسوس نہیں ہوا کہ آپ مجھے کس دوزخ میں جھونک رہی ہیں، اب جبکہ میں اس دوزخ سے سمجھوتہ کرنے جا رہی ہوں۔ دن رات اس سلگتی بھڑکتی آگ کے تھپیڑوں سے خود کو جلا رہی ہوں تو کیوں مجھے فون کر کے کچوکے لگا رہی ہیں؟ مجھے بار بار میرا ماضی یاد دلا کر اس دوزخ کو میرے لیے اور بھی ناقابل برداشت بنا رہی ہیں۔ مرنے کے بعد تو مجھے چین لینے دیں۔ مر گئی آپ کی بیا اور مُردوں کو کوئی فون نہیں کرتا اور اگر آپ کے جیٹھ جی نے سن لیا یوں مجھے فون کرتے تو کہیں وہ آپ کے بارے میں بھی کوئی اٹل فیصلہ نہ فرما دیں جن کے خوف اور خوشنودی کے حصول کے لیے آپ نے مجھے جیتے جی مار ڈالا۔ ممی! آپ نے مجھے مار ڈالا۔ مت فون کریں مجھے۔"

غصے اور رنج سے اس کا جسم کانپ رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے۔ اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور جانے کے لیے مڑی پھر یک دم ٹھٹک گئی۔ اس کے پیچھے رافع کھڑا تھا اور اس کا بے حد سنجیدہ چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس کی ساری جذباتی گفتگو سن چکا ہے۔

"آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ اس سے کترا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

یہ ان ہی دنوں کی ایک حبس زدہ رات تھی۔ پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھ
جسم کو ذرا نہ لگ رہی تھی۔ کھلی کھڑکیاں ساکت تھیں۔ رات جوں جوں گہری ہو رہی تھ
گھٹن میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پسینہ اس کے سارے جسم پر بہہ رہا تھا۔ بستر پر بچھ
بیڈ شیٹ بھی جسم کو چبھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سر میں پسینہ یوں چلتا جیسے کچھ ر
ہو، اس کی گردن اور کمر پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔ بستر پر جسم کے جو حصے تھے ادھر وہا
آگ سی لگ رہی تھی۔ کمرے میں اتنی گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی کہ جیسے ابھی سانس رُک
گا۔ ایسی تکلیف دہ حالت میں نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے گردن
رشک بھری نظروں سے روشی کو دیکھا جو مزے سے سو رہی تھی۔ وہ سارا دن کام کرتی
دوپہر میں بھی بالکل آرام نہیں کرتی تھی۔ اسی لیے رات کو خوب مزے سے سوتی۔ سعد
نے اس سے کھیر تو پکوالی تھی مگر کام ابھی بھی کچھ خاص نہ کرنے دیتی تھیں۔ کچھ تساہل
عادت اسے بھی تھی۔ تھوڑا بہت کام کر کے ہی تھک جاتی تو جان چھڑا کر ادھر سے کھسک

"اف! گرمی، کیا کروں۔" اسے بے اختیار اپنے کمرے کا اے سی یاد آ گیا
سال ہی تو تایا جی نے نیا لگوایا تھا۔ لو اسپیڈ پر بھی خوب کولنگ کرتا تھا۔ کمرے کی کھڑ
اور دروازے پر بھاری ویلوٹ کے براؤن پردے تھے جو اس کولنگ کو تادیر قائم رکھتے
حبس زدہ راتوں میں بھی وہ ہلکا کمبل لے کر سوتی تھی اور اسے تو پتا ہی نہیں تھا کہ جولائی
میں ایسی بھی راتیں آتی ہیں جب محض گرمی اور حبس کی وجہ سے نیند تو دور کی بات کھل کر
لینا بھی محال ہونے لگتا ہے۔ اور اب اس کمرے کا خیال آیا تو ساتھ ہی بہت سی یادوں
اسے بے کل کر گیا۔ اب تو نیند ناممکنات میں سے تھی۔ وہ بے چین سی ہو کر اٹھی۔

"باہر جا کر دیکھوں، شاید ہوا ہو۔ کم از کم سانس تو سہولت سے آئے۔" وہ ا
باہر صحن میں آ گئی مگر کچھ خاص فرق محسوس نہ ہوا۔ باہر صحن چاند کی روشنی سے بھرا ہوا تھا
نے سر اٹھا کر چاند کو دیکھا۔

"آج تو چودھویں کا چاند لگتا ہے۔ بھلا چودھویں کا چاند ایسی تپش پھیلاتا ۔
اسے کوفت سی ہونے لگی۔ دو چار منٹ صحن میں ٹہلنے کے بعد وہ بیزاری سے برآمدے کی
پر بیٹھ گئی۔ رافع کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ اس کے ایگزام ہو رہے تھے اور وہ

رات بھر پڑھتا تھا۔

"بڑا اسٹمنا ہے جو اس گرمی اور گندے موسم میں یوں رات بھر جاگ کر پڑھتا ہے۔"

اس نے دوپٹہ جھلاتے ہوئے خود کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ اندر کمرے کی نسبت باہر پھر بھی کچھ سکون تھا۔

"اوہ کون؟" ایک دم قدموں کی آہٹ پر وہ چونک کر مڑی اس کے پیچھے رافع کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے، نیند نہیں آ رہی۔"

"نہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"یہ روشی کی بچی رات پھر بھول گئی میری چائے کا تھرماس بنا کر رکھنا۔" وہ بڑبڑایا۔

"اب مجھے نیند آئے جا رہی ہے۔"

"میں بنا دوں چائے۔" اچانک اس کے جی میں آیا تو آفر کر بیٹھی۔

"نہیں تھینکس...... اس وقت تو میں کافی بنانے جا رہا ہوں۔ کافی کا ایک مگ مجھے صبح تک بڑی آسانی سے جگا سکتا ہے۔" کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف بڑھا تو وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئی۔

"تم پیو گی کافی؟" اس نے کچن کی لائٹ آن کر کے کچن کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"توبہ اتنی شدید گرمی میں۔ بالکل نہیں۔" اس نے اپنا چہرہ دوپٹے کے پلو سے رگڑا۔

"ویسے میں کافی اچھی بنا لیتی ہوں۔" اس نے جانے کیوں ایک بار پھر آفر کی۔

"او کے، تم بنا دو۔ میرا ٹائم بہت قیمتی ہے۔" وہ فوراً پلٹنے لگا۔

"کافی کدھر ہو گی۔" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ کونے والے کیبنٹ میں۔" کہہ کر فوراً باہر نکل گیا۔ اور وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کیبنٹ کی طرف بڑھی۔ چھوٹا سا کچن تھا جس میں صرف چار کیبنٹس تھے۔ وہ بھی روشی کہتی تھی کہ اس نے اپنی پاکٹ منی جوڑ کر سیکنڈ ہینڈ خریدی تھیں۔

کافی بناتے بناتے دوسرے مگ میں اس نے اپنے لیے بھی تھوڑی سی کافی بنا لی۔

"سیانے کہتے ہیں لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ آج گرمی کو گرمی سے کاٹ کر دیکھتے ہیں۔"

وہ دونوں مگ لے کر رافع کے کمرے میں آ گئی۔ وہ سرخ آنکھیں لیے کتاب میں گم تھا۔

"کافی!" اس نے مگ میز پر رکھ دیا۔ آج بہت دنوں بعد وہ اس کمرے میں داخل

ہوئی تھی۔ اس کمرے میں جہاں اس نے پہلی رات گزاری تھی، دلہن کے روپ میں رافع بغیر۔ ایک تلخ سوچ اس کے دماغ میں ابھری تھی۔

''تم نے اپنے لیے بھی بنالی۔'' رافع نے اس کا مگ دیکھ کر کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا کیونکہ کمرے میں کرسی تو ایک ہی تھی جس پر وہ خود بیٹھا تھا۔

وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''ہوں، زبردست بہت اچھی کافی ہے۔ شکریہ۔'' اس نے پہلا گھونٹ بھ ہوئے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا تمہیں چائے بھی شاید ہی بنانی آتی ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' اس نے برا مانے بغیر کہا پھر دنوں خاموشی سے کافی پینے لگے

''تمہارا رزلٹ کب آرہا ہے۔''

''شاید اگلے ماہ۔'' اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

''آگے کیا ارادے ہیں؟'' وہ شاید کافی ختم ہونے تک اس کو کمپنی دینا تھا یا......''

''کچھ خاص نہیں۔''

''آگے ایڈمیشن نہیں لوگی؟''

''نہیں۔'' اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' اس نے بہت گہری سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کوئی خاص وجہ نہیں'' اس نے لاپروائی سے مگ کے کنارے کو تکتے ہوئے جو دیا۔ کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ ان دونوں نے ایک ساتھ کافی ختم کی تھی، وہ دونوں اٹھا کر باہر جانے لگی تو وہ پھر بولا۔

''تھینک یو، کافی کے لیے...... اور پلیز ذرا بیٹھو پانچ منٹ اور......'' وہ مگ ہاتھ پکڑے بیڈ کے کنارے پھر ٹک گئی۔

''میں کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھنا چاہتا۔ بس کچھ باتیں ہیں جو تم سے کرنا رہا تھا۔'' اس نے اپنے آگے پڑی کتاب الٹ کر رکھ دی۔ جس کے اوراق ہوا سے پھڑ رہے تھے۔ ''وہ رشتہ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔'' وہ جیسے لفظوں کو تول کر بولا۔ '' جس لمحے سے ہے، اس پل سے لے کر آج تک میں تم سے تمہارے وجود سے ایک پل.

لیے بھی غافل نہیں ہوا ہوں۔ تم اس گھر میں مجھے چاہے نظر آؤ چاہے نہ آؤ مگر تمہارے ہونے کا احساس مجھے رہتا ہے اور یہی کیفیت میری گھر سے باہر بھی ہوتی ہے۔ میں تمہارے ہونے کے احساس کو ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ تم نے میرے ساتھ اور میں نے تمہارے ساتھ ایک طویل رفاقت طے کرنی ہے۔ اللہ نے چاہا تو اتنے لمبے سفر کے رفیق کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔ میں تمہیں اگر نظر انداز کر رہا ہوں تو صرف ایگزام اور اس کے بعد جاب تک۔ یہ میری مجبوری ہے اور اس وجہ سے اگر تمہارا دل میری طرف سے دکھا ہے تو آئی ایم سوری۔

بیا! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں منافق نہیں ہوں۔ مجھے اپنے ننھیال سے کتنی ہی نفرت سہی مگر تم اب میری شریک حیات ہو۔ جس سے میں چاہوں بھی تو نفرت نہیں کر سکتا۔ میں مانتا ہوں میں زریاب کا کسی بھی طور پر متبادل نہیں ہوں۔ وہ اگر آسمان تھا تو میں زمین پر رہنے والا ایک عام سا انسان اور تمہارے جیسی خوبصورت بیوی یقیناً زریاب جیسے لوگوں کا حق ہوتی ہے۔ اور اگر ہم جیسوں کو کسی حادثے کی صورت میں مل جائے تو کسی بھی کی ہوئی نیکی کا اجر لگتا ہے۔ تمہارے کیا محسوسات ہیں، میں اس بارے میں جانتا ہوں۔ اس روز فون پر ممانی جان سے تمہاری گفتگو سے میں جان چکا ہوں۔''

ایک لمحے کو بیا کا سانس رک گیا۔

''بیا! میرا گھر بہت معمولی ہے۔ اور میں شاید تمہارے نزدیک اس گھر سے بھی معمولی تر، مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔ اب تو یہ ہو چکا ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ''بہر حال کہنا مجھے تم سے یہی تھا کہ میرے ایگزام اور اس کے بعد جاب، کم از کم اتنی اچھی جاب کہ تمہیں اس دوزخ کی تپش کم سے کم محسوس ہو۔ میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ زندگی کسی عذاب سے کم نہیں اور یہ چھوٹا سا گھر کسی دوزخ کا حصہ جس میں سہولیات اور آسائشات ہیں ہی نہیں اور زریاب جیسے منگیتر سے دستبرداری بھی۔ تم جتنا فرسٹریٹڈ ہو کم ہے۔ جب بھی اس فرسٹریشن سے نکلو تو تمہیں یہ گھر اور میں ایک اٹل حقیقت کی طرح سامنے کھڑے نظر آئیں گے، تو اس لمحے بس ایک بات یاد رکھنا کہ اس دوزخ کی تپش جتنی بھی جھلسا دینے والی کیوں نہ ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے بالکل دائیں جانب جو تم نظر اٹھا کر دیکھو تو میں اس دوزخ میں تمہیں اکیلا جلنے کے لیے نہیں چھوڑوں گا۔ جب بھی تمہارے دل میں اس آگ میں تنہا جلنے کا خیال آئے تو اتنا سوچ لینا کہ میں ہوں...... ہاں میں تمہارے ساتھ ہوں اور کوشش

کروں گا کہ آئندہ زندگی میں تمہارے لیے اس دوزخ کی آگ کو ٹھنڈک میں نہ بھی با
تو بھی اس کی جلن تمہیں جلا نہیں سکے گی۔ آئی پرامس یو۔''

اپنی بات ختم کر کے رافع نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا وہ
جھکائے بیٹھی تھی۔

''تم ان باتوں پر اگر دل چاہے تو غور کرو اور ایک بات اور......'' وہ اٹھ کر کھ
چکی تھی۔

''بیا! زندگی زبردستی کا نام نہیں ہے، میرے ساتھ یا میرے بغیر۔ تمہارے
دونوں راستے ہیں، جس کا بھی تم انتخاب کرو میں تمہارا ساتھ دوں گا، کیونکہ دوزخ تو بہ
دوزخ ہی ہوتی ہے نا اس کی تمازت کم ہو یا زیادہ جلاتی تو ہے نا۔'' تم سوچ لینا۔''

وہ اس پر نظریں جما کر بولا۔ بیا کو اس کی نظروں کا ارتکاز اپنے چہرے پر
شدت سے محسوس ہوا۔

''اب...... اب یہ سب کہہ رہے ہیں۔'' اس نے ایک شکایت بھری نظر ار
چہرے پر ڈالی اور دونوں مگ اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔ باہر ہلکی ہلکی ٹھنڈک ہو چکی تھی
اسے ایسا لگا۔ اس نے مگ سنک میں رکھے اور کچن کی لائٹ آف کر کے کمرے میں آ
روشی اسی طرح بے خبر سو رہی تھی وہ چپ چاپ بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

''دونوں راستے ہونہہ۔'' اسے غصہ آنے لگا ''اب یاد آیا ہے دونوں راستے
میرے پاس چوائس ہے ہی کب؟'' اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہوئے۔

''اس آگ میں تنہا جلنے کا خیال آئے تو سوچ لینا، میں ہوں نا؟''

اسے یوں لگا پنکھے کے تیز تیز پنکھ اے سی کی سی کولنگ کرنے لگے ہیں اور زو
سے ایک ہی بات کہے جا رہے ہیں۔ ''میں ہوں نا، میں ہوں نا'' ایک بے ساختہ سی مسکر
اس کے لبوں کو چھو گئی۔ کمرے کا ٹمپریچر پہلے جتنا تھا، حبس بھی ویسا ہی تھا مگر اب اسے کچھ
نہیں ہو رہا تھا، میں ہوں نا'' کی خوشگوار لوری نے چند منٹوں میں اسے میٹھی نیند سلا دیا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح اسے اپنے اندر ایک تبدیلی کا احساس ہوا۔ اس کی طبیعت پر چھایا کئی م
کا غبار جیسے جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ بجھی بجھی طبیعت اور مرجھایا ہوا دل خود بخود کھ

پھلکا سا محسوس ہونے لگا۔ ارد گرد کا ماحول ناپسندیدہ ہونے کے باوجود اس روز اسے نامانوس نہیں لگ رہا تھا حالانکہ دھوپ اس روز بھی بہت تپش لیے ہوئے نکلی تھی اور حبس تو شاید کل سے بھی زیادہ تھا مگر آج یہ دونوں چیزیں اتنی ناقابل برداشت نہیں لگ رہی تھیں، جتنی کل۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب تو نہیں مل سکا مگر دوپہر کے کھانے کے لیے سبزی بنا کر وہ کچن میں نکل آئی تھی کیونکہ کھانا پھپھو یا روشی ہی پکاتی تھیں۔ اس وقت سعدیہ بیگم تو کسی ہمسائے کے گھر گئی تھیں اور روشی اپنے معمول کے کام نپٹانے میں مصروف تھی۔ وہ چپکے سے رافع کے کمرے میں آ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو روشی صفائی کر کے گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسے بیڈ شیٹ پر دو شکنیں نظر آ ہی گئیں۔ اس نے بیڈ شیٹ از سر نو بچھائی۔ ڈسٹر لے کر صاف ستھری فرنیچر کی دوبارہ ڈسٹنگ کی۔ روشی اگر دیکھ لیتی تو شاید اسے بیا کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگتا۔ پھر اس نے رائٹنگ ٹیبل پر ساری کتابیں ترتیب سے رکھیں، نوٹس کی فائل دراز میں رکھی۔

''مزید کوئی کام تو وہاں نہ تھا مگر اس کا دل وہاں سے جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے کپڑے کی الماری کھولی۔ بڑی ترتیب سے چار پانچ ہینگرز میں رافع کی پینٹ شرٹس لٹکی ہوئی تھیں اس کے پاس شاید چار یا پانچ شرٹس تھیں۔ زریاب اور ولید بہت اعلا ڈریسنگ کرتے تھے دونوں کے پاس کوئی بھی شرٹ دو ڈھائی ہزار سے کم کی نہیں ہوتی تھی۔ زریاب تو اپنی ساری شاپنگ لندن سے یا فرینکفرٹ ہی سے کرتا تھا، ولید البتہ یہیں سے شاپنگ کرتا تھا مگر اس کے کپڑے بھی بے حد قیمتی ہوتے۔ رافع کی شرٹس تو بہت ہلکی تھیں۔

''میں اب کوئی موقع دیکھ کر رافع کو دو بہت زبردست سوٹ گفٹ کروں گی۔''

اس نے ہینگرز والی سائیڈ بند کرتے ہوئے دل میں مصمم ارادہ کیا۔ شو ریک میں صرف دو جوتوں کے جوڑے تھے۔ بلیک اور براؤن۔ دونوں ہی کچھ خاص نہیں تھے۔ اس نے جھک کر ان کے اندر پڑے موزے نکالے۔

''اونہوں......'' روشی کا ذرا خیال نہیں کہ بھائی کی جرابیں کس قدر گندی ہو رہی ہیں۔''

اس نے دل میں سوچا اور موزے لے کر واش روم میں آ گئی۔ باتھ روم کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا۔ ''صاف ہی ہے۔'' وہ بیسن میں موزے دھونے لگی۔

''میں لیہا انصاری جس نے اپنے گھر میں اپنے موزے تو کیا ایک دوپٹہ بھی نہیں

دھویا تھا اور اب کسی کے بدبودار موزے دھو رہی ہوں۔'' اسے ہنسی بھی آئی مگر جرابیں د
اس کے دل کو عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ جرابیں دھوپ میں ڈال کر اس نے کمر
ایک آخری تنقیدی نظر ڈالی اور باہر آ گئی۔

اس کے بعد اس کا یہ روز کا معمول بن گیا۔ وہ آدھ گھنٹہ رافع کے کمرے
گزارتی۔ صفائی یا کسی چیز کی دھلائی کی ضرورت ہوتی تو ضرور کرتی اور ایک تبدیلی اور آئی تھ
اس رات جب روشی برتن دھو کر کچن سمیٹتے ہوئے رافع کے لیے چائے کا پانی ر
لگی تو بیا نے بے اختیار اسے ٹوک دیا۔

''روشی! تم رہنے دو۔ چائے میں بنا لیتی ہوں۔'' روشی نے کچھ حیرت سے ا
دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر ''او کے'' کہتے ہوئے کچن سے باہر نکل گئی۔

اس نے بہت توجہ سے چائے بنا کر تھرماس میں ڈالی اور تھرماس لے کر رافع
کمرے میں آ گئی۔ وہ واش روم میں تھا۔ رات کو پڑھنے سے پہلے وہ ضرور نہاتا تھا۔ اس
تھرماس اور مگ ٹیبل پر رکھی اور چپکے سے باہر آ گئی۔

اب اسے رات کو نیند بھی آرام سے آ جاتی تھی۔ گرمی اور حبس کے باوجود۔
اور پھر آہستہ آہستہ یہ حبس زدہ دن بھی رخصت ہو گئے۔ دن میں تو خیر اب
گرمی ہوتی تھی مگر رات کافی بہتر ہونے لگی تھی۔

اس روز رافع کا آخری پیپر تھا۔ وہ چائے کا تھرماس رکھ کر باہر جانے لگی اسی وق
رافع واش روم سے نکل آیا۔

''تھینک یو بیا! ویسے کل سے تمہاری اس ڈیوٹی سے چھٹی ہو جائے گی۔ کل
آخری پیپر ہے نا؟'' گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ اس کے سامنے فریش موڈ
کھڑا تھا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ چائے میں بناتی ہوں؟'' اس نے کچھ جھینپ کر پوچھا۔
''بھئی میرے اندر اتنی سینس ضرور ہے کہ میں تمہاری اور روشی کی چائے کے ٹیسٹ
میں فرق کر سکوں۔ ویسے کافی اور چائے تم دونوں ہی زبردست بناتی ہو۔ کل جب میں پ
دے کر آؤں تو شام کو مجھے اس رات جیسی کافی پلاؤ گی نا؟'' وہ اس کے بہت قریب، بہ
مشتاق لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''بنا دوں گی۔'' اس کی آواز خواہ مخواہ لرزی، پلکیں جھک گئی تھیں۔
''اور کل وہ براؤن سوٹ بھی پہننا جو اس رات پہن رکھا تھا تم پر بہت اچھا لگ رہا
تھا۔'' اس نے یک دم ہی اس کے ہاتھوں کو ذرا سا چھوا تھا۔ اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔
''کل آپ کا پیپر ہے۔ آپ یہ اچھی تیاری کر رہے ہیں۔'' کہتے ہوئے وہ تیزی
سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

اور اگلی شام اس نے وہی سوٹ پہنا تھا۔

''باقی کے کپڑے پریس ہونے کے لیے رکھے ہیں۔ ورنہ کوئی اور پہن لیتی۔ میں
کوئی رافع کے کہنے پر تھوڑی پہن رہی ہوں۔'' ہلکی سی لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس نے اپنے
دل کو دلیل پیش کی جو ذومعنی انداز میں اس کو یوں سنورتے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

رافع کو آنے میں کچھ دیر ہو گئی تھی مگر اس کا کافی کا موڈ نہیں بدلا تھا۔ کمرے میں
جانے سے پہلے وہ اسے آہستگی سے کہہ گیا تھا۔ وہ برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھی میگزین دیکھ
رہی تھی۔

بیا نے کافی کے لیے روشی سے پوچھا تو اس نے بھی ہامی بھر لی پھر اس شام ان
تینوں نے مل کر کافی پی اور بہت دنوں بعد اسے یہ سب کچھ اچھا لگا۔

☆☆☆

پچھلی تلخ یادوں کا آکٹوپس جیسے اب اس کی جان چھوڑ دینے کو تیار تھا، آتے جاتے
رافع اس سے کسی نہ کسی بہانے مخاطب ہونے لگا مگر اس کے باوجود اسے لگتا کہ رافع اس سے
گریزاں سا ہے۔ وہ سعدیہ بیگم کا بستر درست کر رہی تھی جب اس نے انہیں رافع سے کہتے سنا۔

''رافع بیٹا! اب یہ اچھا نہیں لگتا پہلے تو تمہارے ایگزام کا مسئلہ تھا اب بیا کو
تمہارے کمرے میں سونا چاہیے۔ میں بچی سے نگاہیں نہیں ملا سکتی۔'' پھپھو کی آواز کم تھی مگر
اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔

''امی پلیز! آپ سے زیادہ مجھے اس بات کا احساس ہے لیکن ابھی نہیں ابھی
میں......'' وہ پھر ٹال رہا تھا۔

''ابھی کیا ہے...... اور کون سے دن آئیں گے بھلا۔ تم خواہ مخواہ وقت کو دھکا دے
رہے ہو۔'' وہ ناراضی سے بولیں۔

"امی پلیز! میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ جیسے الجھ کر بولا۔

"کیا مطلب؟ اب کیسی پریشانی، پیپرز تو اچھے ہوئے ہیں ناتمہارے۔"

"بہت اچھے ہوئے ہیں مگر......" وہ رک گیا۔

"مگر کیا؟"

"جہاں میں پارٹ ٹائم جاب کرتا تھا، ایگزام کی وجہ سے وہاں میں نے ایک چھٹی کے لیے کہا تھا اپنے باس کو۔ وہ مان نہیں رہے تھے۔ میں پیپرز سے دودن پہلے اپلیک ان کے پی اے کو دے کر آ گیا تھا۔ کل میں گیا ہوں تو پتا چلا انہوں نے میری درخواس نامنظور کر دیا تھا اور مجھے پچھلے ماہ سے فارغ کر دیا گیا ہے۔"

"کیا؟" سعدیہ کو زبردست شاک لگا تھا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"جب تک میرا رزلٹ نہیں آ جاتا۔ کوئی باقاعدہ جاب نہیں مل جاتی۔ یہ میرے لیے بہت ضروری تھی۔"

"تو کیا اس مہینے۔" وہ رکیں۔ "تو ظاہر ہے تنخواہ بھی نہیں ملے گی۔"

"ظاہر ہے۔" رافع کی آواز بے حد مدھم تھی۔

"راشن تو مہینے کا تمام ہو چکا۔" اب کے ان کی آواز بھی ڈوبی ہوئی تھی۔

"میں کوشش تو کر رہا ہوں، مجھے جلد از جلد کوئی بھی جاب مل جائے۔"

"چلو تم فکر مت کرو۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ مل ہی جائے گی، میں اس مہینے نہ کسی طرح خرچ چلا ہی لوں گی۔ کچھ پیسے ہیں میرے پاس۔" انہوں نے زبردستی لہجے بشاشت پیدا کی تھی۔

☆☆☆

اگلے ہفتے ہی بیا اور روشی کا رزلٹ آ گیا تھا۔

دونوں کا اے گریڈ آیا تھا۔ مارکس البتہ روشی کے کچھ زیادہ تھے۔

"بھائی! آپ مجھے کیا گفٹ کریں گے؟" اس شام رافع کو چائے دیتے ہو روشی بڑے جوش سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارا گفٹ۔" چائے کا کپ لیتے ہوئے رافع سوچ میں پڑ گیا۔

"روشی! بھائی کو تنگ نہیں کرتے۔" سعدیہ بیگم نے روشی کو ڈانٹا۔

"امی! میرے چودہ سالوں کی محنت کا رزلٹ ہے، اور حالات تو ہمارے لگتا ہے کبھی بھی اس قابل نہیں ہوں گے کہ میں کسی بھی گفٹ کا مطالبہ کر سکوں۔" روشی مدھم آواز میں بڑبڑائی۔

"اچھا، جو تم کہو۔" رافع نے کچھ سوچ کر کہا۔

"پرامس، جو میں کہوں؟" روشی کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔

"بالکل پرامس......"

"مجھے ایم ایس سی میں ایڈمیشن لینا ہے۔ یونیورسٹی میں، بس یہی گفٹ چاہیے؟"

"یہ تو کوئی گفٹ نہ ہوا۔ ایڈمیشن تو میں تمہارا ویسے بھی کروادوں گا۔"

"نہیں بھائی! میرے لیے یہی گفٹ بہت بڑا ہے۔ ان سخت حالات میں۔ تھینک یو اور بھائی بیا کا گفٹ؟" روشی کو ہڑک اٹھی۔ اس کے گھورنے کے باوجود۔

"بیا کا گفٹ...... میں جو ہوں۔" رافع نے شوخی سے مدھم آواز میں کہا۔ سعدیہ بیگم سن کر بھی انجان سی بن گئیں۔

"ہاں بھائی! آپ تو گفٹ ہیں بیا کے لیے، وہ بھی سرپرائزنگ۔" روشی خواہ مخواہ ہنسی لیکن اسے معلوم نہیں کیوں غصہ آ گیا۔ وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

دن سست روی سے گزرنے لگے۔ ایک بار پھر اس کی طبیعت پر غبار سا چھانے لگا۔ اپنی ذات اپنا وجود بے مقصد سا لگنے لگا۔ رافع صبح کا نکلا اکثر شام ڈھلے گھر آتا تو اس کے چہرے پر تھکاوٹ ہی تھکاوٹ تحریر ہوتی۔ ماں کے پاس گم صم بیٹھا رہتا یا کم آواز میں ٹی وی لگا کر اسکرین کو تکے جاتا۔ اسے جاب نہیں مل رہی تھی۔ گھر کے حالات بہت دگرگوں ہوتے جا رہے تھے۔ آفتاب زبیری ان تمام حالات سے لاتعلق نظر آتے تھے۔ انہیں صرف اپنے تین ٹائم کے کھانے سے غرض تھی۔

اسے لگتا وہ اس گھر میں یونہی پڑی رہی تو اسے بھی زنگ لگ جائے گا۔ اس گھر میں اس کے لیے پہلے دن سے کوئی کشش نہیں تھی۔ اور اب تو اسے یہ سب اپنے ناکردہ گناہوں کی کوئی سزا محسوس ہونے لگا تھا جس کی پاداش میں اسے عمر قید کی سزا ملی تھی۔

روشی کا یونیورسٹی میں داخلہ ہو چکا تھا۔ دو چار دنوں میں اس کی کلاسیں شروع ہ
والی تھیں۔ روشی کے ایک دو دفعہ اور کہنے پر بھی رافع نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ''بھائی!
گفٹ؟'' اور وہ ان سنی کر دیتا۔ اپنی ذات کی ایسی بے قدری اس کا دل اور بھی بجھنے
سارے قدردان تو جیسے پچھلے جنم کیساتھ تھے۔ اس جنم میں تو کوئی بھی دل کا محرم نظر نہ آتا
اسے بار بار یاد آتا کہ اس کے ایف ایس سی کے رزلٹ کے بعد زریاب نے اسے بے حا
سوٹ، میچنگ جیولری، سینڈل اور پرفیوم کے ساتھ گفٹ کیا تھا اور سن فورٹ میں ڈنر علیح
اس کے اداس دل کے آنگن میں ایک بار پھر پچھلی یادوں کی گونج بازگشت بننے لگی تھی۔

روشی کی کلاسز شروع ہوگئیں تو اس کے معمولات میں بھی کافی فرق آ گیا۔ خود
گھر کے کافی کاموں کی ذمہ داری اس پر آ پڑی حالانکہ سعدیہ بیگم اور روشی کوشش کرتی تھیر
وہ زیادہ کام نہ کرے مگر اب وہ خود فراغت سے جان چھڑا کر کام میں مصروف رہنے کی کوَ
کرتی۔ صبح کی صفائی تو روشی کافی حد تک کر جاتی تھی۔ ناشتے کے برتن اور دوپہر کا کھانا
کے ذمے تھا یا کپڑے استری کرنا۔ مشین ابھی بھی روشی لگاتی تھی۔ اس کے باوجود گھر میں
کام ہوتے تھے۔ اسے پہلے اس کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ ابھی سوئی ہوئی تھی کہ روشی نے اس کا ماتھا چوم کر
محبت سے کہا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ آج یکم اکتوبر تھی اور اسے حیرت
اپنا برتھ ڈے بھول جانے پر۔ وہ ''تھینک یو'' کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ روشی نے ہاتھ میں
سرخ گلاب اس کی طرف بڑھایا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔ ایسا گفٹ اسے پہلی بار ملا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ آج میری برتھ ڈے ہے؟'' گلاب کی مسحور کن خوشبو ا
اندر اتارتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''لو یہ کون سی بڑی بات ہے۔ مجھے معلوم تھا۔'' وہ جلدی جلدی کمرے کی چیز
سمیٹنے لگی۔

''ویسے بیا! کتنے سالوں کی ہوگئی ہو؟'' وہ مڑ کر شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی
''جتنے کی تم۔'' وہ اطمینان سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پھر سارا دن اس کا دل جیسے منتظر ہی رہا کہ رافع کی طرف سے کچھ ہو اور کچھ نہیر

زبانی وش ہی سہی مگر وہ اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق اٹھا نہا دھو کر خاموشی سے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر باہر نکل گیا۔ حالانکہ سعدیہ بیگم نے اس کے سامنے بیا کو گلے سے لگا کر پیار کیا اور سالگرہ کی مبارک باد دی مگر وہ انجان بنا ناشتہ کرتا رہا۔

''کیا میں اس کے لیے اس قدر غیر اہم ہوں۔ رزلٹ پر بھی اس کا رویہ یہی تھا اور آج بھی۔'' اس کا دل دکھ سا گیا۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''آخر کوئی ایک شخص کوئی ایک شخص تو دنیا میں ایسا ہوتا ہے جس کے لیے ہم بہت اہم ہوتے ہیں۔ میرے لیے تو شاید وہ بھی نہیں۔'' اس کا دل آج جیسے نئے سرے سے پرانے زخموں کو اڈھیر کر ماتم بپا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ سارا دن کونے کھدروں میں گویا خود سے بھی چھپتی رہی۔

شام کو ضویا کا فون آ گیا۔

''بیا! ہیپی برتھ ڈے۔'' اس نے فون ڈس کنیکٹ کر دیا۔ ماضی کی یہ آوازیں تو اسے بار بار ڈستی تھیں اور وہ ان سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ بہت دور۔

رات کا کھانا بھی اس نے بہت بے دلی سے کھایا۔ روشی ہی چہکتی پھر رہی تھی۔

''کتنی مطمئن لڑکی ہے، کوئی غم یا فکر نہیں۔'' وہ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر خود پر اور بھی ترس کھاتی رہی۔

رات گیارہ بجے کے قریب رافع آیا تھا۔ وہ کچن سمیٹ کر باہر نکل رہی تھی۔ رافع کو دیکھ کر اس کی طبیعت اور بھی بے مزہ ہوگئی۔ وہ نظریں چرا کر کمرے میں جانے لگی۔

''بیا ایک منٹ۔ ذرا میرے ساتھ چلو گی۔'' اس نے بے حد اچانک اس کا ہاتھ پکڑا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

''تم آؤ تو...... امی! ہم ابھی آتے ہیں۔'' اس نے منہ اندر کر کے آواز لگائی اور اس کا ہاتھ تقریباً کھینچتے ہوئے باہر لے آیا۔ دروازے کے سامنے بائیک کھڑی تھی۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے بائیک اسٹارٹ کی۔

''کیوں؟ کیوں بیٹھوں؟'' اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔

''اُفوہ! بیٹھو گی تو بتاؤں گا، اب آ بھی جاؤ۔''

"ہرگز نہیں۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ غصے میں کہہ کر مڑنے لگی رافع نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچا۔

"پلیز آ جاؤ۔ اتنا غصہ آتا ہے تمہیں۔"

"مجھے نہیں جانا۔ کہہ جو دیا۔" وہ ضدی پن سے بولی۔

"صرف تھوڑی دیر کے لیے پلیز، دیکھو اگر کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا انہیں لڑ… لیے گلی ہی ملی ہے۔" سامنے سے آتے کسی شخص کو دیکھ کر رافع نے سرگوشی کی تو وہ غ… کھولتے ہوئے بیٹھ گئی۔ رافع نے جلدی سے بائیک اسٹارٹ کر دی۔ بائیک جھٹکے… بڑھی تو سنبھلنے کے لیے اسے رافع کے کندھے کو بے اختیار تھامنا پڑا۔

"یہ کیا حماقت ہے؟" وہ غصے سے بڑبڑائی۔

"یہ محبت ہے۔" رافع نے اس کا کندھے پر رکھا ہاتھ دبایا۔

"پلیز رافع! مجھے اس قسم کی حرکتیں پسند نہیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"معلوم ہے مجھے۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "تم پہلے کبھی بائیک پر بیٹھی ہو۔"

وہ چپ رہی۔ ٹھنڈی سبک رفتار ہوا چل رہی تھی۔

"بتاؤ نا!" اس کی چپ پر رافع نے اصرار کیا۔

"کیا؟" وہ جیسے اس کا سوال بھول گئی تھی۔

"یہی کہ تم پہلے کبھی بائیک پر بیٹھی ہو؟"

"ہاں، ایک بار جب زریاب نے نئی نئی......" اپنی بات کا احساس ہوتے… چپ ہو گئی تو وہ بھی چپ ہو گیا۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے نا۔" چند لمحوں بعد رافع بولا تو بیا نے کوئی جواب…

"تم نے آج ذرا اچھے کپڑے نہیں پہنے، ماسی لگ رہی ہو پوری۔" اس نے… ایک آئس کریم پارلر کے آگے روک دی اور اترنے سے پہلے کہا تو اسے بھی احساس… گھر کے عام سے کپڑوں میں ہی تھی۔

"کیوں، آج کیا خاص بات تھی جو میں اچھے کپڑے پہنتی؟" وہ تنک… ہوئے اس کے پیچھے پارلر میں داخل ہوئی۔ وہ کونے میں لگی ایک خالی ٹیبل کی کرسی تھ… بیٹھ گیا۔ پارلر میں زیادہ رش نہیں تھا۔

"خاص بات تو ہے، تمہیں معلوم ہے۔" وہ بیا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"سوری بیا! میں صبح سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں کیسے وش کروں خالی ہاتھ۔ پہلی بار تمہاری سالگرہ آئی ہے سسرال میں اور تمہارا شوہر ایسا مفلوک الحال کہ چند پھول بھی خرید کر نہیں لا سکتا۔ پتا ہے ایک چھوٹا سا بکے بھی تین چار سو سے کم نہیں۔" وہ جتا کر بولا تو اسے اور غصہ آ گیا۔ "اسی سوچ میں سارا دن ڈھل گیا پھر میں نے سوچا۔ شاید میرے صرف وش کرنے سے ہی تمہیں خوشی ہو۔ اس لیے ادھر لے آیا ہوں، ہیپی برتھ ڈے بیا! مائی لولی وائف۔" اس نے بہت مدھم آواز میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ یک بارگی حدت دینے لگا۔

"اس کی ضرورت نہیں تھی۔" وہ آہستہ سے نظریں جھکا کر بولی۔

"ضرورت تو تھی۔ تم خفا بھی تھیں مجھ سے۔ مگر میں نے تمہیں اپنی مجبوری بتا دی ہے مگر خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ ایک معمولی سا گفٹ تو میں نے تمہارے لیے خرید ہی لیا تھا۔" کہتے ہوئے اس نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی مخملیں ڈبیا باہر نکالی۔

"پلیز۔" رافع نے اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہے۔" وہ ارد گرد دیکھ کر جھینپ سی گئی پھر اس کے اصرار پر اپنا بایاں ہاتھ آگے کر دیا۔ گولڈ کی رنگ تو اسے نہیں کہا جا سکتا تھا ایک بالکل ہلکا سا چھلا تھا۔ بمشکل چھ سات سو کا ہو گا، بیا کی نظروں نے اس رنگ کی قیمت کا فوراً اندازہ لگایا، مگر اس چھلے سے وابستہ رافع کی محبت اسے بہت طاقت ور لگی تھی۔ اس نے آہستگی سے چھلا اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنا دیا۔

"بہت قیمتی نہیں اور شاید بہت اچھا بھی نہیں مگر میرے دل کی تمام تر محبت اور چاہت اس سے جڑی ہے اگر تم محسوس کرو تو۔"

"تھینک یو......" اس نے آہستگی سے کہا۔

"اور تمہارے پاس ہونے کا گفٹ بھی ڈیو تھا۔ آخر میں خود پر تمہارا کتنا قرض چڑھاؤں۔" اس کے ہاتھ میں گرے کلر کا خوبصورت سا پین تھا۔

"پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے تم کبھی مجھے اس پین سے کچھ لکھ کر مخاطب کرو گی۔" اس

نے پین میز پر اس کے قریب رکھ دیا۔

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' بیا نے آہستگی سے کہا۔

''ضرورت تو کسی بھی چیز کی نہیں ہوتی بیا! مگر دیکھا جائے تو یہ سب زندگی بھرنے کے بہانے ہوتے ہیں اور بہت ضروری ہوتے ہیں، تم آئس کریم میں کون گی؟'' ویٹر کو پاس آتے دیکھ کر رافع نے پوچھا۔

''چاکلیٹ......'' اس نے ہولے سے کہا۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا۔

''میں گاڑی بھی لا سکتا تھا مگر میں نے سوچا۔ گھر میں تو تم ویسے ہی دو ہو۔ کچھ دیر کو بائیک پر ہی قریب ہو جاؤ۔ بہت قریب۔'' واپسی پر بائیک پر بیٹھتے نے کچھ شرارت سے کہا تو بیا نے اس کی کمر کے گرد رکھا ہاتھ فوراً کھینچ لیا۔

''ہا! دیکھتے ہیں۔ قسمت کب تک ہم پر ظلم روا رکھتی ہے۔'' اس نے ایک کر کہا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بہت دنوں بعد ایک بے ساختہ بیا کو یک موسم بے حد خوبصورت لگنے لگا تھا نہ جانے کیوں؟

☆☆☆

اس کے بعد اس کے اندر کا موسم تو کچھ خوشگوار رہنے لگا تھا مگر گھر میں کیوں بے حد خاموشی رہنے لگی تھی۔ ایک جامد سی چپ، سعدیہ بیگم بھی سارا وقت چپ تو مصلے پر بیٹھی رہتیں، تسبیح کرتی رہیں یا بستر پر لیٹی چھت کو گھورتی رہتیں۔ وہ ان کے بیٹھی تو وہ ذرا کی ذرا مسکرا دیتیں اور پھر سے کسی گہری سوچ میں گم ہو جاتیں۔

''روشی! کیا بات ہے۔ پھپھو اس قدر چپ کیوں رہنے لگی ہیں۔ اور تم! روز جھجکتے ہوئے اس نے روشی سے پوچھ ہی لیا۔

''نہیں تو، تمہیں وہم ہوا ہے۔'' اس نے فوراً بیا کے مشاہدے کو جھٹلایا۔

''یہ میرا وہم نہیں۔'' اس نے دھیرے سے کہا تو اس نے دوبارہ تردید نہ چاپ بیٹھی اپنی کوئی اسائنمنٹ تیار کرتی رہی۔

''میں رافع سے پوچھوں گی رات کو۔'' اس نے دل میں سوچا۔

پھر اس روز رافع سر شام ہی گھر آ گیا۔

''روشی......روشی کہاں ہے؟'' اس نے کمرے میں جھانک کر پوچھا۔

''وہ پھپھو کے ساتھ شاید اپنی کسی دوست کی طرف گئی ہے۔''

''اچھا۔'' وہ جیسے کچھ سوچنے لگا۔ ''اچھا تم پلیز دو کپ چائے تو بنا دو۔ ڈرائنگ روم میں لے آنا۔'' وہ کہہ کر فوراً چلا گیا تو وہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''کمال ہے رات کے لیے پھپھو یا روشی کچھ بھی پکا کر نہیں گئیں اور مجھے بھی نہیں کہا، ورنہ میں پکا لیتی۔'' چائے بنانے کے دوران اس نے خالی چولہے کو دیکھ کر سوچا۔ ورنہ اس وقت تک رات کا کھانا تیار ہو چکا ہوتا تھا۔ دوپہر کو بھی کچھ نہیں پکایا تھا۔ کل کی دال کے ساتھ روشی نے تنور سے تین روٹیاں منگوالی تھیں۔

اس نے چائے کے دونوں کپ ٹرے میں رکھے، اور ڈرائنگ روم کے دروازے کے پاس آ کر ادھ کھلا دروازہ ہولے سے بجایا۔

''بیا! اندر لے آؤ۔'' اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ رافع نے اس سے کہا تو وہ ہچکچاتے ہوئے اندر آ گئی۔

سامنے ولید بیٹھا تھا۔ اس کا عم زاد۔ کبھی جو اس کا سب سے غمگسار بہترین دوست تھا۔ آج کئی مہینوں بعد بیا نے اسے دیکھا تھا۔

''آؤ بیا! کیسی ہو؟'' وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ٹرے میز پر تقریباً پٹخی اور تیزی سے واپس مڑ گئی۔

''بیا! بیا! بات تو سنو۔'' رافع اور ولید کی آوازیں اس کے تعاقب میں آئیں، مگر اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا۔

''کیوں یہ لوگ میرا امتحان لینے چلے آتے ہیں۔ دیکھنے آتے ہیں کہ میں جی رہی ہوں یا مر چکی ہوں۔'' آنسو بہت دنوں بعد کسی سیلابی ریلے کی طرح بند توڑ کر بہہ رہے تھے۔

''رافع نے میرے ساتھ ایسا مذاق کیوں کیا۔ کیا وہ بھی میرا تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔''

اس کا دل رنج سے بھر گیا۔ وہ دل ہی دل میں اس سے سخت خفا ہو گئی، پھر وہ کمرے سے باہر نکلی ہی نہیں، رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ روشی کے اصرار اور پھپھو کی آوازوں پر بھی نہیں اٹھی۔

''میرے سر میں درد ہے۔ پلیز مجھے ریسٹ کرنے دو۔'' اس نے روشی سے بڑی ترشی سے کہا تھا۔ رافع بھی شاید آیا تھا لیکن پھر اسے سوتا سمجھ کر چلا گیا تھا۔

"ربیعہ کی پرسوں شادی ہے اور اس کے تین دن بعد زریاب کی۔" اس کے کانوں میں رافع کی آواز پڑی، وہ شاید سعدیہ بیگم سے باتیں کر رہا تھا۔

"زریاب آ گیا واپس؟"

"شادی کے لیے آیا ہے۔ شادی کے پندرہ بیس دن بعد بیوی کو لے کر جائے گا۔"

"کس کے ساتھ ہو رہی ہے اس کی شادی۔"

"فریال سے۔" اس کے آس پاس کہیں کوئی بم پھٹا تھا۔

"اسی لیے ولید آیا تھا، مجھے اپنی طرف سے انوائیٹ کرنے، بلکہ بیا کو بھی کہہ گیا"

"تو اسی لیے چھوٹے چاچو اور چاچی کی طرف داری کا سارا زور تایا جی کا تھا۔ بیٹی جو دینی تھی انہوں نے زریاب کو۔" نفرت بھری سوچ نے اس کے اندر تک بھر دیا۔

"ولید اچھا لڑکا ہے، بہت سمجھدار ہے۔" وہ بولیں۔

"ہاں، بہت نائس ہے۔"

"ولید کی شادی نہیں ہو رہی؟" اس کے کان تو جیسے اب کچھ بھی نہیں سن رہے تھے۔

"کہہ رہا تھا شاید ایک آدھ ماہ بعد ہو جائے، پہلے فریال کی شادی ہے پھر باہر جانے کا مسئلہ۔ یا ہو سکتا ہے فریال کے جانے سے پہلے ہی وہ ولید اور ضویا کی کر دیں۔ ویسے ابھی کنفرم نہیں۔"

"تمہاری جاب کا کچھ نہیں بنا؟" چند لمحوں بعد انہوں نے پوچھا۔

"نہیں۔" رافع کی آواز خاموش فضا میں لرزی۔

"کچھ اور......" سعدیہ بیگم نے گہرا سانس لیا۔

"کوشش تو کر رہا ہوں، ابھی تو رزلٹ میں بھی ٹائم ہے۔"

"کل کے لیے تو کچھ بھی نہیں۔ نہ آٹا، نہ چینی، گھی، دال......" وہ بہت آہستہ کہہ رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی نہ سن پائی یوں بھی اسے لگا اس کے کان بند سے ہو گئے ہیں۔ تکیے پر سر پٹخا۔

"تم بینک سے روشی کے اکاؤنٹ میں جو رقم ہے اس میں سے کچھ نکلوا......

"نہیں امی! ایسا سوچیے گا بھی مت، میں نے یہ تھوڑی سی رقم بڑی محنت اور محبت سے جمع کی ہے۔ میری بہن بہت سادہ ہے۔ اس نے اس گھر میں بہت دکھ دیکھے ہیں۔ میں نہیں چاہتا وہ یہاں سے جائے تو ساتھ دکھوں کی گٹھری لے کر جائے۔ میں اسے خالی ہاتھ رخصت نہیں کروں گا۔ دنیا کی باتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔ آپ آئندہ ایسا سوچیے گا بھی نہیں۔ میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا، لگا ہوا ہوں دن رات۔ جاب بھی مل ہی جائے گی۔"

وہ کہہ کر اٹھ گیا کیونکہ اس کے قدموں کی آواز اس کے کمرے تک جاتی سنائی دی تھی۔

"تو یہ تھا پھپھو کی جامد چپ کا راز۔" اس نے تھک کر سوچا۔ روشی دوسری طرف اپنے بستر پر آ کر سو چکی تھی۔ کمرے کی لائٹ آف تھی۔ تھوڑی دیر بعد باہر کی لائٹس بھی آف ہو گئیں۔

"تو زریاب کی شادی ہے فریال کے ساتھ۔" اس نے کروٹ بدلی۔ کھلی کھڑکی سے بارہ تاریخ کا چاند چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے لگا وہ اس پر ہنس رہا ہے۔

"کیا میں ہی منحوس تھی اس گھر کے لیے کہ میرے نکلتے ہی ادھر شادیانے بج اٹھے۔ کل ربیعہ کی مہندی ہوگی، پرسوں بارات "انصاری ہاؤس" میں کیا کیا نہ روشنیاں اور رنگ بکھرے ہوں گے اور میں ادھر کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گزار رہی ہوں۔ اس تین مرلے کے سیلن زدہ ڈربے میں جہاں دال روٹی کے بھی لالے پڑے ہیں۔

"ممی! آپ نے یہ سب کچھ کیوں نہ سوچا۔ اگر سوچا تھا تو کیا ایک بار بھی آپ کا دل نہ کانپا کہ آپ کے دونوں بچے تو دن رات عیش وعشرت کے مزے لوٹیں گے اور ایک بیٹی کی پیٹھ پر دن رات فاقوں اور کسمپرسی کے کوڑے برسیں گے۔

زریاب کی شادی ہے فریال سے۔" اندھیرے میں کوڑیالے سانپ نے پھن پھیلا کر سرخ چمکتی زبان نکالی۔ اس کے منہ سے درد بھری سسکاری نکلی۔

"بس یہ تھی تمہاری محبت۔" اسی لیے مجھے خوبصورت سپنے دکھائے تھے، میری آنکھوں میں ان سپنوں کی کرچیاں آج بھی چبھتی ہیں تو لہو نکلنے لگتا ہے۔ زریاب مجھے بھول گئے۔ کیا تمہیں اپنی بیا کی ایک بار بھی یاد نہ آئی جس سے بات کیے بغیر تمہیں رات کو نیند نہیں آتی تھی جس کو صبح گڈ مارننگ کہے بغیر تم بستر سے نہیں نکلتے تھے۔

یہ تھی محبت ...... اتنی بودی، اتنی کچی۔ تم نے پلٹ کر میری خبر تک نہ لی۔ ایک با میرے لیے آواز نہ اٹھائی، اور اب مزے سے فریال کی سیج سجانے چل پڑے ہو۔ ہرج بے وفا، ظالم۔' اس کا تکیہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا۔

وہ رات اس پر عذاب بن کر اتری تھی۔ اس کے بستر پر جیسے کسی نے انگارے دیے تھے اور انگاروں پر بھلا کون سو سکتا ہے۔

''ممی! آپ تایا جی کے پاؤں پکڑ لیتیں۔ ان کی ہر بات مان لیتیں مگر مجھے کالے پانی کی سزا نہ سناتیں۔ کیا مل گیا ہے مجھے ادھر دیکھیں آ کر، آپ کی لاڈلی خالی خالی دامن، خالی دل نہ سہاگنوں میں نہ بیراگنوں میں، نہ زندوں میں نہ مُردوں میں۔

پتا نہیں کب روتے روتے خود سے لڑتے بالآخر اسے نیند آ ہی گئی اور صبح بہت سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ فریش ہو کر باہر چلی آئی۔ پیٹ چوہے دوڑ رہے تھے۔ رات بھر کی گریہ وزاری سے سر الگ دکھ رہا تھا۔ اس وقت اسے نا اور چائے کے کم از کم دو کپ کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

شاید غم بھی انسان کسی چیز کا ایک حد تک مٹا سکتا ہے، بہت رونے دھونے منانے کے بعد معدہ بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہوتا اور اپنے ہونے کا با آواز بلند اعلان ہے۔ کچھ ایسا ہی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے کمرے سے باہر آ کر دیکھا۔ سعدیہ بیگم چاپ تخت پر بیٹھی گلاب کی ادھ کھلی کلیوں کو گھور رہی تھیں۔

''پھپھو! آپ کے لیے ناشتہ بناؤں۔'' اس نے انہیں سلام کرنے کے بعد پو

انہوں نے کچھ چونک کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''شاید پھپھو مجھ سے خفا ہیں۔'' اس نے ان کے رویے سے خود سے قیاس کیا۔

''چائے تو پئیں گی نا!'' اس نے جاتے جاتے رک کر پوچھا۔ ''ٹیلی فون کا برآمدے سے بیٹھک کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے پہلے غور نہیں کیا۔ تب ہی آفتاب زبیر بے حد مدھم آواز سنائی دی تھی۔ وہ شاید بیٹھک میں فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔

''نہیں!'' انہوں نے پھر نفی میں جواب دیتے ہوئے سر جھکا لیا۔

وہ کچھ دیر کھڑی ان کی طرف دیکھتی رہی۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''ان سے ناراضی کی وجہ پوچھوں؟'' اس کے دل نے سوال کیا۔

''ناشتے کے بعد۔'' فوراً جواب آیا تو وہ کچن کی طرف مڑ گئی۔

انڈے اور ڈبل روٹی لینے کے لیے فریج کھولا مگر فریج اس طرح صاف تھی گویا اس کو کبھی استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ صرف پانی کی دو بوتلیں پڑی تھیں اور بس۔ وہ گھبرا کر مڑی۔ دونوں چولہے بالکل خالی تھے۔ دودھ کی دیگچی ندارد۔

''اب کیا کروں؟'' اس کی بھوک اور چمک اٹھی۔

''آٹا گوندھ کر روٹی پکا لیتی ہوں۔ اچار کا مسالا پڑا ہے اس کے ساتھ کھا لوں گی۔'' بھوکے پیٹ نے ترکیب بھائی۔ وہ آٹے کا کنستر کھول کر جھکی۔ اس کے کونے کھدروں میں آٹے کے ذرات تھے جس کا مطلب تھا یہاں کبھی آٹا رکھا جاتا تھا پھر چاول کا ڈبہ، دال کے ڈبے، سبزی کی ٹوکری اس نے سب کچھ دیکھ لیا کہیں بھی کچھ نہ تھا۔ ایک دانہ تک نہیں۔

''کیا مصیبت ہے۔'' وہ جھنجھلا کر ٹھنڈے پانی کے دو گھونٹ پی کر باہر آ گئی۔

سعدیہ بیگم اسی پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کچھ بھی کھانے پینے پر آمادہ کیوں نہیں تھیں۔ وہ خاموشی سے جا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر ایک نظر اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی آہ بھر کر مراقبے میں چلی گئی۔

''میرا ناشتہ ادھر ہی بھجوا دو۔'' آفتاب زبیری نے بیٹھک کے دروازے سے ذرا سا جھانک کر کہا اور واپس کمرے میں غائب ہو گئے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کچھ بھی نہ بول سکیں۔ چند منٹ اور اسی چپ کی نذر ہو گئے۔

''روشی کہاں ہے؟'' آفتاب زبیری پھر دروازے پر نمودار ہوئے۔

''یونیورسٹی گئی ہے۔'' پھپھو نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

''اچھا!'' وہ جیسے سوچ میں پڑ گئے۔ ''آج اسے نہیں جانے دینا تھا۔'' وہ جیسے خود سے بولے۔

''کیوں آج کیا خاص بات ہو گئی؟'' سعدیہ بیگم تنک کر بولیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، کچھ لمحے کھڑے سوچتے رہے۔

''اچھا میرا ناشتہ ابھی رہنے دو۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں، آ کر کرتا ہوں آدھے گھنٹے تک۔'' کہہ کر وہ جھپاک سے کمرے میں چلے گئے۔

''آ کر کرتا ہوں۔'' سعدیہ بیگم نے ان کی نقل اتاری۔ ''بے شرم انسان! جیسے گھر

میں من وسلویٰ اترتا ہے۔ تین ٹائم پیٹ کے دوزخ کہاں سے بھرے جاتے ہیں۔ اسے
نہیں اور خبر رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بے حس انسان۔ میرا بچہ بے چارہ کیا کیا کر
جب سے آنکھ کھولی ہے، تب سے اس گھر کا مزدور بنا ہوا ہے۔ مزدوری کرنے میں لگا ہے
پیسے لے آتا ہے تو سب کو دو دو نوالے مل جاتے ہیں۔ نہیں تو خدا جانے کب کے فاقوں
ہاتھوں مرکھپ گئے ہوتے۔'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

''اور اب بھی کیا کسر ہے۔ پہلے نہیں مرے تو اب مر جائیں گے۔ گھر میں ا
دانہ نہیں اور جیب میں دھیلا نہیں۔ کل سے سب کا فاقہ ہے۔ رافع بے چارہ کیا کرے۔''

وہ شاید اس ''عظیم سانحے'' پر اس سے ہمدردی کے دو بول چاہ رہی تھیں۔
دل چاہنے لگا اور شاید چند لمحوں میں وہ رو بھی دیتی کہ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئیں۔

''میں ذرا باہر جا رہی ہوں، تم دروازہ اچھی طرح بند کر لو۔ کوئی آئے تو ب
کھولنا۔'' وہ اپنے کمرے سے چادر اوڑھ کر نکلتے ہوئے اس سے بولیں بیرونی درواز
پاس جا کر رکیں پھر مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ بادل نخواستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے با
ہی اس نے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور خود اس خالی آنگن میں آ بیٹھی۔

''یہ...... یہ حال ہونا تھا میرا۔ میں نے تو کبھی ایک ٹائم کا فاقہ نہیں جھیلا اپ
سے ڈائٹنگ کے نام پر ہزاروں نعمتوں کو ٹھوکر ماری تھی۔ مگر ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ
مجھے کھانے کو ہی کچھ نہیں ملے گا۔ میں یوں بھوک کے ہاتھوں لاچار ہوں گی۔'' وہ
ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''ممی! آپ جشن منائیں، اپنے دونوں بچوں کے ساتھ۔ آپ کو کیا خبر آپ
فاقے سے مر رہی ہے۔ کیسی صلیب چنی ہے آپ نے میرے لیے۔ ایک شرمناک ذلت
زندگی۔'' اس کی آنکھوں سے گرم گرم پانی بہنے لگا۔

رہ رہ کر اسے ''انصاری ہاؤس'' کی رونقیں۔ وہاں کے پکوان اور خوش باش اہ
یاد آ رہے تھے جن کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنی کسمپرسی کا احساس دو چند ہوا جا رہا تھا

''پھپھو کو گئے آدھا گھنٹہ ہو گیا۔'' وہ بے چینی سے صحن میں ٹہلنے لگی۔

آفتاب زبیری بھی اب تک نہ لوٹے تھے۔ ٹہل ٹہل کر اس کا خالی پیٹ اور
کھانے لگا تو وہ تخت پر آ کر ڈھے گئی سعدیہ بیگم کو گئے گھنٹہ سے اوپر ہو گیا تھا جب باہر

اس نے رکشہ آنے کی آواز سنی۔

''مر جاؤں گی تو کوئی آئے گا۔'' بے چارگی کے احساس سے آنسو پھر بہنے لگے۔

رکشے کی پھٹ پھٹی آواز کافی دیر تک آتی رہی پھر یک دم اطلاعی گھنٹی بجی تو جیسے اس کے مردہ بدن میں جان آ گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی۔

''اگر پھوپھا جان ہوئے تو؟'' اس نے ایک دم سے ٹھٹھک کر اپنا دوپٹہ درست کیا پھر کنڈی کھولنے سے پہلے احتیاطاً پوچھ لیا۔ ''کون؟''

''کھولو بیا! میں ہوں۔'' سعدیہ بیگم کی بشاش آواز سنائی دی تو اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ وہ بڑے بڑے شاپرز کے ساتھ لدی پھندی کھڑی تھیں۔

''یہ بیٹا، ذرا میرے ساتھ مل کر اندر لے چلو۔'' انہوں نے اپنے قدموں کے پاس رکھے شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جلدی سے ان کے ساتھ مل کر سامان اندر رکھوایا۔

چند لمحوں میں کچن بھر گیا۔

''آٹا، چاول، چینی، دودھ پتی، دالیں، نمک، مرچ، ڈبل روٹی، انڈے، تھوڑا گوشت، سبزی سب ہی کچھ تھا۔ ایک دم سے نیم اجڑا گھر پھر سے آباد ہو گیا۔

''بیا! جلدی سے ناشتہ بناؤ۔ بھوک سے برا حال ہے۔'' وہ اپنی چادر تہہ کرتے ہوئے بولیں تو وہ جلدی جلدی ناشتہ بنانے لگی۔ اسی وقت آفتاب زبیری بھی آ گئے۔

''پہلے ان کو بنا کر پہنچا دو۔'' انہوں نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ اس نے ناشتہ تیار کیا تو وہ پہلے اندر دے آئیں پھر وہ دونوں بیٹھ کا ناشتہ کرنے لگیں۔

بھاپ اڑاتی گرم گرم چائے کا پہلا گھونٹ بھرتے ہی اس کے اندر جیسے گہرا سکون اتر گیا۔

''پھپھو! آپ......'' وہ کہتے کہتے رک گئی اس کی نظر بے اختیار ان کے کانوں پر پڑی تھی۔ ان کے کانوں میں جو وہ شروع دن سے سونے کی بالیاں دیکھتی آ رہی تھی۔ اس وقت غائب تھیں۔ وہ دوسرا گھونٹ بھرنا بھول گئی۔

''ہاں، کیا بیا؟'' وہ اس کی طرف متوجہ تھیں۔

''آپ کی بالیاں؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

''وہ...... وہ ٹانکا لگانے کو دے آئی ہوں؟'' نظریں چراتا لہجہ ان کے جھوٹ کی

چغلی کھا گیا تو پتا نہیں کیوں اسے شرمندگی سی ہوئی۔

اس کے اکاؤنٹ میں تین لاکھ روپے موجود تھے اور پھر ڈھیر سارا زیور۔ ا
ایک بار بھی اس گھر کی مشکلات دور نہ سہی کم کرنے کے لیے اپنی سیونگ پیش کرنے کا
نہیں آیا تھا۔ اور آتا بھی کیسے وہ کون سا خود کو ابھی تک اس گھر کا فرد تسلیم کر رہی تھی۔

"سنو! روشی کتنے بجے آئے گی۔" پتا نہیں آفتاب زبیری کب ان کے
آ کھڑے ہوئے تھے۔

"ایک ڈیڑھ بجے تک۔" سعدیہ بیگم چونک کر بولیں۔

"پھر تو ٹھیک ہے۔" وہ سر ہلا کر بولے۔

"کیا مطلب؟" سعدیہ بیگم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"چار بجے کے قریب دو تین عورتیں آئیں گی روشی کو دیکھنے۔ رشتہ تو میں نے
کر دیا ہے۔ یہ تو وہ رسماً آئیں گی کوئی شگن کرنے۔ پندرہ دن بعد نکاح ہے اور اگلے
رخصتی۔ تم نے جو انتظام کرنا ہو کر لینا۔ میں تو بھی سادگی کا قائل ہوں، تمہاری صحبت ک
ہے۔ آخر تم بھی تو بیٹا اس طرح بیاہ کر لائی ہو، سن رہی ہو کہ نہیں۔" بولتے بولتے انہوں
ساکت بیٹھی سعدیہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ نچایا۔ "یا شادی مرگ ہو گیا تمہیں یہ خوش خ
سن کر۔"

سعدیہ بیگم کا ہاتھ بڑی زور سے لرزا اور چائے ان کے کپڑوں پر گر گئی۔ وہ بے ب
کے عالم میں شوہر کو تکے جا رہی تھیں۔

"یہ لو دو سو روپے اور شام کو فرسٹ کلاس چائے ناشتے کا انتظام کرنا اور ان
سامنے بھی اپنے رونے نہ رونے بیٹھ جانا، آٹے دال کے، سنا۔ دروازہ بند کر لو، میں ایک گ
تک آؤں گا۔" وہ جس طرح آئے تھے۔ اسی طرح چلے گئے۔ سعدیہ بیگم پھٹی پھٹی آنکھو
سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت ایہا کی بھی تھی۔ اسے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ پھپھو
کیسے مخاطب کرے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے کپ لے کر رکھ دیا تھا وہ ایک دم اس ک
شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

☆☆☆

"میڈم! میں نے ارد گرد ہر جگہ پتا کر لیا ہے۔ سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس نا

کی عورت اور اس کا بیٹا بیٹی مدت ہوئی یہ گھر یہ علاقہ چھوڑ کر جا چکے ہیں بلکہ ایک دو نے بتایا ہے کہ عورت تو شاید وفات پا چکی ہے اس کا بیٹا یا بیٹی کدھر گئے کسی کو معلوم نہیں۔"

شائستہ سیاہ پراڈو کی ادھ کھلی کھڑکی سے اس پسماندہ علاقے کا بڑی دلچسپی سے جائزہ لے رہی تھی جب ڈرائیور نے مؤدب لہجے میں آ کر اسے رپورٹ دی تو اس نے ایک گہرا سانس لے کر سامنے ننگ دھڑنگ کھیلتے بچوں سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"تو کچھ بھی پتا نہیں چلا۔" اس کے اندر گہرا سکون اتر آیا تھا۔ شاید وہ دل سے یہی چاہتی تھی کہ ان کا پتا نہ چلے۔

"چلو پھر......" اس نے ڈرائیور سے کہا تو وہ سر ہلا کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

"گاڑی آہستہ چلانا۔ یہ گنوار بچے...... کہیں کوئی اچھلتا ہوا گاڑی کے آگے نہ آ جائے۔ ان لوگوں کو تو پیسے بٹورنے کا ایسا موقع چاہیے ہوتا ہے۔" وہ مغرور سے انداز میں کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"ارے اوہ...... روکو گاڑی روکو۔"

سامنے سے جاتے شخص کو جس کی ان کی گاڑی کی طرف پشت تھی۔ شائستہ کو پرانی شناسائی کا احساس ہوا۔ ایک شعلہ سا اس کی رگوں میں لپکا تھا۔

ڈرائیور نے یک دم بریک لگائے۔

شائستہ نے بے صبری سے آٹومیٹک شیشہ نیچے کیا۔

"سنو! یہ تم ہو نا۔" وہ کوشش کے باوجود بے قابو ہو کر بولی تھی۔

جیسے ہی گاڑی کے ٹائر چرچرائے وہ شخص اچھل کر مڑا تھا۔

☆☆☆

"تو یہ تم ہو۔" وہ شائستہ کی طرف دیکھ کر ایک لمحے کی اجنبیت کے بعد بڑی گہری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولا۔

"آف کورس! یہ میں ہوں۔ ہونا پہلے کی طرح شاندار حسین اور......"

"اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بے باک، ہے نا؟" اس نے جملہ پورا کر دیا تو شائستہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"چلو میرے ساتھ۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں بولی۔

"کہاں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھا، بے اختیار نگاہیں شائستہ کی بلیک پراڈو پر پھسلتی چلی گئی تھیں۔

"جہاں میں لے چلوں۔" وہ اک شان سے گردن اٹھا کر بولی۔

"کتنی دیر کے لیے؟" اس نے دانستہ کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا۔

"عمر بھر کے لیے۔" وہ ذرا سا اس کی طرف جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"جو بچی ہے، وہ تم لے لو بخوشی۔" وہ برضا و رغبت مرعوب لہجے میں بولا تو شائستہ کو لگا، اس کی راج ہنس کی مانند اٹھی گردن کچھ اور تن گئی ہے۔ اس نے اک ادا سے اپنی طرف کا دروازہ اس کے لیے وا کر دیا۔

چند لمحوں کی قربت نے برسوں کی دوری مٹا دی تھی۔

وہ اسے جن والہانہ، وارفتہ نظروں سے تک رہا تھا۔ وہ نظریں شائستہ کے دل میں اس کی خوابیدہ بچھڑی محبت کو بڑی تیزی سے بیدار کر رہی تھیں۔ ڈرائیور کی موجودگی کا احساس نہ ہوتا تو شاید وہ اس بے قرار و بے اختیار جذبے کا اظہار عملاً بھی کر گزرتی۔

"لگتا ہے بہت مزے میں رہیں۔" کیفے کی ٹیبل کے گرد پڑی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے بڑی دیر کا رکا ہوا سوال پوچھ ڈالا جسے سنتے ہی شائستہ پھر سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اپنی

گزشتہ مزے کی زندگی کے اظہار کے لیے یا اس کے اشتیاق سے محظوظ ہونے کے لیے۔

"جو تمہیں لگے سمجھو، ویسے رہی۔" وہ اپنی مخروطی انگلیاں ٹیبل پر اس کے سامنے گویا سجاتے ہوئے مبہم سے انداز میں بولی۔

"تم تو شروع ہی سے لکی رہی ہو۔" اس کے لہجے میں عمر بھر کی حسرتیں کھنکنا اٹھی تھیں۔

"کوئی لکی نہیں ہوتا سوائے اس کے جو زمانے کے ہاتھوں سے اپنی لک کو جھپٹ لے، میری طرح۔" وہ بڑی بے نیازی سے بولی اور اشارے سے پرے کھڑے ویٹر کو بلاتے ہوئے پوچھنے لگی "کیا لو گے؟"

"جو تم پسند کرو۔" شائستہ کافی اور اسنیکس کا آرڈر دینے لگی۔

"تم کیسے رہے؟" ویٹر کے جانے کے بعد وہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" یہ گویا بے بسی کا کھلا اظہار تھا۔

"کوئی اپنی محبت کو پا کر بھی یوں شکستہ حال ہوتا ہے۔" شائستہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔

"محبت ہونہہ!" اس نے تنفر سے ہنکارا بھرا "میں تو اب تک اس چار حرفی لفظ کی حقیقت کو نہیں جان سکا تو۔ اس سے وابستہ خوشی یا شکست کو کیا سمجھوں گا۔" وہ گہرا سانس لے کر پژمردگی سے بولا۔

"واقعی؟" ایک بے اختیار سی کھلکھلاتی مسکراہٹ شائستہ کے ہونٹوں اور آنکھوں کے کناروں سے چھلکی تھی۔

"محبت کی خاطر ہر چیز سے بے پروا ہونے والا آج اس کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہونے کا اظہار کر رہا ہے، امیزنگ۔"

"کیا میں اسے تمہارا مذاق سمجھوں۔" وہ برا مان کر بولا۔

"یہی سوال اگر میں تم سے کروں کہ تم یہ سب مجھ سے مذاق میں کہہ رہے ہو تو؟"

"مذاق تو زندگی نے قسمت نے، وقت نے، زمانے نے سب نے مل کر میرے ساتھ کیا ہے میں تو خود ایک مذاق بن گیا ہوں۔ کسی سے کیا مذاق کروں گا۔" وہ دکھ بھرے مایوس لہجے میں بولا۔

"چہ چہ" ویری سیڈ تم ایسے تو نہ تھے۔" شائستہ کو اس کی حالت پر افسوس ہوا تھا یا

نہیں اظہار اس نے خوب جی سے کیا تھا کہ سامنے والے کے جی میں اتر گیا۔

"نہیں تھا بن گیا ہوں۔" وہ ایک ٹوٹی پھوٹی زردی مسکراہٹ بہ دقت چہرے :
کر بولا۔

"ویسے مجھے سو میں سے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ تم یہاں مجھے ملو گے،
تو۔" وہ کہتے کہتے رک گئی کہ وہ ادھر کیوں گئی تھی، اس نے بھی شاید دھیان نہیں دیا۔

"اور اب جبکہ میری زندگی میں کوئی امید ہی نہیں رہی اور تم سے ملنے کا تو کبھی گما
بھی نہیں رہا اور تم مل گئیں۔"

اس نے یک لخت خود کو اس خوش بختی کا یقین دلانا چاہا جو ابھی ابھی تقدیر نے ا
کے حصے میں لکھی تھی۔ اسے لگا اس کے کندھے پر دھرے ڈھیر سارے غموں اور محرومیوں
پتھر ایک ایک کر کے لڑھکتے ہوئے اس کی کرسی کی پشت پر جا گرے ہیں اور وہ وہیں بیٹھے بیٹھے
اپنے وجود کو کسی پھول کی مانند ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔

اسی وقت ویٹر ٹیبل سجانے لگا۔

"یہ میرا کارڈ رکھو، کل شام کو آنا ڈنر اکٹھے کریں گے کچھ اپنی کہیں گے کچھ تمہاری
سنیں گے۔ سب ضروری غیر ضروری کاموں سے فارغ ہو کر آنا۔ خوب گپ شپ کریں گے۔
او کے! تمہیں ڈراپ کروں جہاں تمہیں جانا ہے۔"

الوداعی لمحوں میں شائستہ نے اپنا خوب صورت وزیٹنگ کارڈ اس کے ہاتھ میں
تھماتے ہوئے اسے ہلکا سا دبایا تھا اور وہی معنی خیز لمس ایک پل کو اس کے پھول سے ہلکے
کندھے کو بھی مس کر گیا تھا۔

"تو تھینکس میں چلا جاؤں گا۔" وہ سرشار سے لہجے میں اس پھول کی لطافت اور
کارڈ کی خوب صورتی کو مبہوت نظروں سے تکتے ہوئے بولا تو شائستہ مسکراتے ہوئے
ریسٹورنٹ کا گلاس ڈور دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اور اسے لگا، صدیوں کی مسافت کے بعد کوئی شجر سایہ دار نظر آیا ہے۔

☆☆☆

دونوں عورتوں میں سے جو وسیع و عریض حدود اربعے کی مالک تھی بیرونی دروازے
کی چوکھٹ پر رک کر بے حد تنقیدی نظروں سے کاجل کے دریا میں ہلکورے لیتی چھوٹی چھوٹی

آنکھوں سے جائزہ لیا روزانہ کی نسبت خنک اور قدرے گہری شام میں اس کا تیز گلابی رنگ کا
ویلوٹ کا سوٹ اچھا خاصا نگاہوں کو چبھ رہا تھا۔ اس نے زور سے بایاں بازو اپنی چوڑی چکلی
کمر سے جھٹک کر سامنے کیا تو گہری سانولی موٹی کلائی میں پھنسے موٹے موٹے سونے کے
کڑے بہ دقت کھنک اٹھے۔

"مجھے پہلے امید تھی۔ یہ ظفر اسی طرح کا کوئی جھونپڑا پسند کرے گا۔ اب لڑکی بھی
کہیں گھر کی طرح ماشاء اللہ نہ ہو۔" وہ گلابی تیز لپ اسٹک سے لتھڑے لبوں میں اتنے زور
سے بڑبڑائی تھی کہ پھپھو نے اپنے کمرے کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے بھی سن لیا۔
دروازہ لیبہا نے کھولا تھا۔ دوسری عورت اس پہلوان ٹائپ تھانے دارنی کے پیچھے تقریباً چھپی
ہوئی تھی۔

"جی فرمایئے!" بیا نے بے زاری اور کوفت بھرے لہجے میں ان کی آمد کا مقصد
جانتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

"فرمانا کیا ہے۔ لڑکی دیکھنے آئے ہیں۔ تم ہو خیر سے آفتاب کی بیٹی؟" وہ اپنے
سابقہ انداز میں کمر پر ہاتھ جما کر لٹھ مار انداز میں بولی۔ بیا نے غصے اور الجھن بھرے انداز میں
سامنے کھڑی پھپھو کو دیکھا۔

"یہ بہو ہے میری، آپ اندر تشریف لے آئیں۔" صبح سے بے تحاشا رونے کے
باعث ان کی آواز بھی اچھی خاصی بیٹھی ہوئی تھی، مگر لہجہ بالکل ہموار تھا وہ چھوٹے سے ڈرائنگ
روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

"بہو تو بڑی سوہنی ہے۔ بیٹی ماں پر نہ پڑی ہو۔" وہ وہیں ٹھٹھک کر لیبہا کو نظروں
میں تولتے ہوئے اپنی بھاری آواز میں بڑبڑائی۔

"اندر تو چلو آپا! کیا کھڑے کھڑے سب کچھ طے کر لیں گے۔" پیچھے کھڑی دھان
پان سی گہرے سانولے رنگ اور اونچے دانتوں والی عورت پہلی کی طرح خاصی بھاری آواز
میں بیزاری سے بولی تو اس نے بادل نخواستہ قدم آگے بڑھائے۔

"گھر تو چھوٹا ہے آپ کا، اے سی وے سی نہیں ہے؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس
نے احمقانہ پن سے پوچھا تو دروازے کے پاس کھڑی بیا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ نومبر کے مہینے
میں ویلوٹ کا سوٹ پہن کر وہ اے سی کی عدم موجودگی سے ہلکان ہو رہی تھی۔

"آپ نے تعارف نہیں کرایا اپنا۔" پھپھو متحمل انداز میں اس کا سوال نظر ا
کرتے ہوئے بولیں۔

"ہم ظفرے کی بہنیں ہیں۔" جیسے ظفرا کوئی فخرِ لاہور ٹائپ مشہور ہستی ہے۔ '
کے لیے تو آپ کی بیٹی دیکھنے آئے ہیں۔ دیکھنا دکھانا کیا ہے۔ یہ تو رسم ہے ورنہ سارا معا
مردوں میں طے ہو ہی چکا اور صاف بات ہے جی ہم ان بہنوں میں سے نہیں جو اپنے بھا
شہزادہ گلفام سمجھتے ہوئے شہر بھر کی لڑکیاں تاڑ تاڑ کر ٹھوکریں مارتے جائیں۔ خاندانی شر
لوگ ہیں ہم تو لڑکی دیکھے بغیر سمجھیں شگن ڈالنے آئے ہیں نکاح و رخصتی کی تاریخ بھی۔"

وہ ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی تو دروازے کے پاس کھڑی بیا کو لگا۔ پھپھو
اگر کرسی کے ہتھے کو مضبوطی سے تھام نہ لیا ہوتا تو وہ یقیناً گر چکی ہوتیں۔

"ہم دونوں تو جی اپنے گھر بار والی ہیں۔ سالوں مہینوں بعد گھر سے کہیں نکلنا
ہے۔ یہ بے چاری کلانچی (کراچی) میں پھنسی ہے تو میں ملتان میں۔
اب بھی پورے ڈیڑھ سال بعد اکٹھی آئی ہیں، بھائی کا اصرار تھا رسماً آ کر
دیکھ لو ورنہ تو بات چیت ہو چکی تھی آپ کو تو پتا ہی ہوگا۔ آج کل تو یوں بھی لوگ لڑکے
والوں سے زیادہ لڑکے کو پھانسنے کے چکر میں رہتے ہیں بالا ہی بالا سب کچھ طے ہو چکا
تو بے چارے گھر والوں کو خبر ہوتی ہے۔ پر ظفرے کی یہ بات بڑی اچھی ہے بہنوں
مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ بھلے ہم نے دس بار فون کر کے کہا۔ بھئی تم تاریخ ر
ہم ٹائم کے ٹائم آ جائیں گے یہ نہیں مانا، پھر سوچا ایک ایک بھائی ہے باپ بن کر اس
دونوں کو بیاہا۔ اب ہم اس کی خوشی میں غیروں کی طرح ٹائم پر آتی کیا اچھی لگیں گی، لڑ
تو بلائیں۔"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا تو بمشکل بریک لگاتے ہوئے بولی۔

"پھپھو حیران ساکت۔ پتا نہیں اس کی باتیں غور سے سن بھی رہی تھیں یا نہیں
فوری طور پر کچھ نہیں بولیں۔

"کوئی پانی وانی تو منگوائیں گلا سوکھ گیا۔ حرام خور ٹیکسی والا گلی کے باہر ہی اتا
گرمی بھی جان نہیں چھوڑ رہی۔" وہ اپنی ویلوٹ کی قمیض کا دامن جھلاتے ہوئے بیزاری
پھپھو کو گم صم بیٹھے دیکھ کر بولی تو وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر اٹھ کر باہر آ گئیں۔

روشی پھپھو کے کمرے میں بیٹھی روئے جا رہی تھی۔

"دیکھو میرا بچہ، یوں رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوگا تو کیوں خود کو ہلکان کر رہی
ہے۔ ابھی تیری ماں زندہ ہے۔ تجھے یوں سولی نہیں چڑھاؤں گی ابھی تمہارا باپ آ گیا تو خواہ
مخواہ غیر عورتوں کے سامنے تماشا لگا دے گا اٹھو یہ بوتلیں ان کے آگے رکھ آؤ تو میں ان کو چلتا
کرتی ہوں۔ اٹھ میری بیٹی۔" وہ پیپسی کی بوتلیں اور گلاس ٹرے میں رکھے روشی کی منتیں کر رہی
تھیں۔ وہ سر جھکائے روئے جا رہی تھی۔

"روشی! میں کیا کہہ رہی ہوں۔" جب اس کا رونا بند نہ ہوا تو چند منٹ کے انتظار
کے بعد وہ ترشی سے بولیں۔

"میں نہیں جاؤں گی سنا آپ نے۔" لیہا نے پہلی بار روشی کو پھپھو سے اس طرح
بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ لال بھبھوکا چہرہ اور سوجی آنکھیں لیے روئے جا رہی تھی۔

"روشی! میری بیٹی! میری بات نہیں مانو گی میری خاطر۔" وہ نرم لہجے میں پیار سے
بولیں اور اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کرنے لگیں۔

"امی پلیز میں......" وہ گھگھیائی۔

"اس وقت میری مجبوری سمجھو۔ ان کے سامنے جائے بغیر چارہ نہیں میں تجھ سے
وعدہ کرتی ہوں تیری مرضی اور خوشی کے خلاف میں تیری زندگی داؤ پر نہیں لگنے دوں گی۔ روشی!
میری جان! ماں کے لفظوں کا اعتبار کر۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں تو روشی بے بسی سے
انہیں دیکھنے لگی۔

پھر جس بیزار انداز اور غصے میں اس نے ان دونوں خواتین کو کولڈ ڈرنکس پیش کیں۔
اس سے انہیں اس کی ناراضی کا صاف پتا چل گیا۔

"بیٹھو ہمارے پاس۔ کیا طبیعت ٹھیک نہیں تمہاری۔" وہ زبردستی اسے پاس بلاتے
ہوئے بولی تو روشی نے کاٹ کھانے والے انداز میں ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بے بسی سے
ہونٹ کاٹتی دروازے کے پاس پڑی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"پڑھتی ہو؟" وہ کولڈ ڈرنک تین سانسوں میں غٹا غٹ چڑھا چکی تھی اب ڈکار پہ
ڈکار لیتے ہوئے پوچھنے لگی۔

روشی نے سرخ ڈوروں والی نگاہیں اٹھائیں اور جھکا لیں۔

"کیا بات ہے بہن جی! آپ کی بیٹی ناراض ہے کسی بات پر یا....." وہ د
لمحے جتانے والے انداز میں بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں اس کی طبیعت اچھی نہیں جاؤ روشی! تم آرام کرو ج
پھپھو نے روشی کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ فوراً سے پیشتر اٹھ کر باہر نکل گئی۔ اسی وقت آ
زبیری سیٹی کی دھن پر کوئی گانا گنگناتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔
روتے ہوئے بیٹھک سے نکلتے دیکھ کر ان کی سیٹی وہیں تھم گئی۔ چند لمحے وہاں کھڑ
سوچتے رہے اور پھر بیٹھک کے کھلے دروازے سے اندر کی طرف جھانکنے لگے۔ "آہا
آپا آئی ہیں، کیا حال ہے جناب۔" وہ کھلے کھلے لہجے میں بے تکلفی سے کہتے اندر داخل
تو موٹی عورت کے چہرے کے کھنچے نقوش بھی جیسے اپنی جگہ پر آ گئے۔

نہ جانے ان کی کب کی شناسائی تھی۔ پھپھو نے تینوں کو بے تکلفی سے باتیں
دیکھ کر سوچا اور چپکے سے باہر نکل گئیں۔

آدھا گھنٹہ پھوپھا جان ان سے خوش گپیاں کرتے رہے چائے بنوا کر لوازمات
ساتھ ان کے سامنے پیش کروائی۔ روشی تو اوپر اسٹور میں جا کر چھپ گئی تھی۔ پھپھو کے
لیہا کو ہی مدد کرانی پڑی۔ پھپھو سپاٹ چہرے کے ساتھ سب کچھ کر رہی تھیں۔ وہ ان کی
تواضع کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئے۔ وہ جاتے ہوئے رسماً بھی پھپھو کے
نہیں رکی تھیں۔

اسے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا۔

ان عورتوں کو دیکھ کر اتنے عرصے میں پہلی بار اسے تقدیر کا مسلط کردہ یہ فیصلہ بہ
نہ سہی مگر اتنا برا بھی نہیں لگ رہا تھا جتنا پہلے لگا کرتا تھا۔ ان دونوں عورتوں کو دیکھ کر لڑکے
بارے میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"اور ہوتا وہی ہے جو پھوپھا جان طے کر لیں۔" اس نے اتنے عرصے میں یہ
لیا تھا۔ جیسے انہوں نے اس کی بربادی کا فیصلہ کیا اور وہ برباد ہو گئی۔

"کیا میں واقعی برباد ہوں؟" اس کے دل نے اس سے پوچھا تھا اور وہ خود کو
جواب نہ دے پائی۔ نظروں کے سامنے روشی کا رویا رویا چہرہ اور اسکی قسمت کا ہونے والا ف
لیہا کو بہت بے چین کر رہا تھا۔

پھپھو نے ان کے جاتے ہی وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر روشی کے لیے وہ کچھ
کرنے لگیں، جس کا انہوں نے اس سے وعدہ کیا تھا یا جو کچھ وہ اس کے لیے کر سکتی تھیں۔

گھر کے در و دیوار پر چھائی وحشت اس کے وجود کو جکڑنے لگی تھی اور آنے والے
لمحوں کی دھمک اسے اپنے بے قرار دل کو بہت قریب سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

"آپ نے ان عورتوں کو اندر ہی کیوں آنے دیا۔ دروازے سے ہی دھکا دے دینا
تھا، میری زندگی میں میری بہن کو یا آپ کو مزید کوئی دکھ ملا تو خدا کی قسم امی! میں خود سمیت اس
گھر کو، اس دنیا کو آگ لگا دوں گا ابو نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ انہیں میری یا روشی کے بارے
میں کچھ بھی سوچنے کا حق نہیں۔ وہ آ جائیں۔ میں انہیں آج بتا دوں گا۔ وہ سب کچھ جو ہمارے
دلوں میں ان کے لیے ہے۔"

رافع مٹھیاں بھینچے دہکتے ہوئے آتش فشاں کی طرح چنگاریاں اڑاتا کھولتا جھلتا
ماں کے کمرے میں ادھر سے ادھر پاگلوں کی طرح چکرا رہا تھا۔ وہ اتنے غصے میں تھا کہ اسے
خود بھی نہیں پتا چل رہا تھا کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

وہ رات گئے حسب معمول گھر لوٹا تھا اور اسے کھانا روشی کے بجائے لیہا نے دیا تو وہ
جیسے چونک پڑا۔ وہ آگے پڑے کھانے کو ایک نظر دیکھے بغیر اٹھ کر ماں کے کمرے میں چلا آیا۔

"امی! روشی کہاں ہے؟" پھپھو ابھی تک مصلے پر بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔

"ادھر ہی ہے۔ تم کھانا تو کھاؤ جا کر۔" انہوں نے تسبیح گود میں رکھی۔

"بتائیں روشی کہاں ہے؟" وہ ضدی لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اس کی طبیعت کچھ اچھی نہیں سو رہی ہے۔"

"کیا ہوا اسے؟" وہ اور بھی بے چین ہو گیا۔

"سر میں درد ہے۔ معمولی سا ٹمپریچر بھی، موسم جو بدل رہا ہے، بیا! رافع کا کھانا
یہیں لے آؤ۔" ان کی آواز پر لیہا کھانا اٹھا کر پھپھو کے کمرے میں رکھ کر باہر نکل آئی۔

کھانے کے بعد شاید پھپھو نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔ اس وقت سے وہ اس
طرح تھوڑی تھوڑی دیر بعد غصے میں چلا رہا تھا۔

لیہا اندھیرے کمرے میں اسٹریٹ لائٹ کی مدھم روشنی میں کبھی ایک نظر کمبل میں

منہ سر لپیٹے پڑی روشی کو دیکھ لیتی اور کبھی باہر کی طرف، تھوڑی تھوڑی دیر بعد روشی کی ک
آواز اسے متوجہ کر جاتی ورنہ وہ عجیب بے خبری کے عالم میں بیٹھی تھی۔

''اب معلوم نہیں کیا تماشا لگے گا۔''

پھوپھا جان کی آمد کے انتظار میں اس کے اعصاب بھی جیسے اینٹھے جار۔
رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ نیند تو اسے یوں بھی کم ہی آتی تھی اور آج تو لگتا تھا ا
آئے گی۔ روشی کی سسکیاں اسے سونے نہ دیتیں۔ وہ کوشش کے باوجود ایک بار بھی
دلاسا یا تسلی نہ دے سکی تھی۔ کیا کہتی ''روشی نہ رووَ۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا، جبکہ وہ خود اذ
ناک لمحوں کی صلیب چڑھ چکی تھی اور جانتی تھی۔ روشی کے ساتھ بھی ایسا ہو کر ر۔
جھوٹی تسلی دینے کا کیا فائدہ؟

ٹانگیں لٹکائے لٹکائے وہ تھک سی گئی تو ٹانگیں اوپر کر کے نیم دراز سی ہو گئی۔
اب قدرے سکون ہو گیا تھا اور خاموشی بھی، اسے اسی طرح، پڑے پڑے نہ جانے
آ گئی۔

''کیا سمجھا ہے آپ نے فالتو ہے راہ میں پڑی ہے وہ جیسے، آپ جب ج
کر مالِ غنیمت کی طرح کسی راہ چلتے لفنگے جوارئیے کو تھما دیں گے۔ میں اس کا بھائی ا
ہوں۔ جیتے جی کوئی میری بہن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے، یہ میں برداشت نہیں کروا
رافع کی چیختی ہوئی آواز اس کے کان میں پڑی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی بیٹھی۔ و
آیا تھا روشی کمرے میں موجود نہیں تھی۔ پونے نو بج رہے تھے تو گویا معرکہ شروع ہو
لپیٹتے ہوئے اس نے دوپٹہ اوڑھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اچھا کیا کرو گے تم؟ ہاں بولو!'' پھوپھا جان کی تمسخر بھری آواز ابھری۔

''یہ آپ کو وقت بتائے گا۔ آئندہ آپ کی گھٹیا کمپنی سے تعلق رکھنے والا ا
دار یہ دہلیز پار نہ کرے ورنہ نتائج اچھے نہ ہوں گے۔'' رافع اسی شعلہ بار لہجے میں پھ
میں وہ رات کو گرج رہا تھا۔

''میری کمپنی گھٹیا تو تم لوگ گھٹیا تر جو مجھ ہی سے ہو شاید بھول گئے اپنی اوقا
یاد کرا دوں کسی قماش عورت کی اولاد......''

''ابو جان!'' رافع اتنی زور سے چیخا تھا کہ ایا اپنی جگہ پر بیٹھی بیٹھی اچھل پڑ

''مت چیخو۔ تمہاری بد بخت ماں نے تمہارا سودا کیا۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ میرا تم پر
کوئی حق نہیں تھا۔ اب روشی کی شادی میری مرضی سے ہوگی جہاں میں چاہوں گا۔'' وہ ہٹیلے
پن سے بولے۔

''کیا...... کیا حق ادا کیا ہے آپ نے؟ آج تک ہمارا، کیا حق دیا ہے آپ نے
ہمیں، آج تک محض ولدیت کے خانے میں اپنا نام جو بجائے خود ہمارے لیے ایک شرمندگی
ہے ایک دھبہ رسوائی سنا آپ نے۔'' وہ کسی شرارے کی طرح دہکا تھا۔

''یہ زہر بھرا ہے اس گھٹیا عورت نے تم دونوں کے کانوں میں، اپنی اوقات بتانا
بھول گئی۔ کہو تو آج سر بازار بتا دوں یہ ''کیا'' ہے ''کیا'' تھی......''

''ابو جان......!'' وہ چیل کی طرح ان پر جھپٹا۔

''رافع...... رافع! میرے بچے خدا کے لیے...... پھپھو شاید اسے کھینچ رہی تھی، ایا
اٹھ کر دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

''بھائی! بھائی......!'' روشی شاید اندر سے لپکی تھی۔

''زیادہ تماشا کھڑا کرنے کی ضرورت نہیں، میں نے بھلا سوچا ہے اس لڑکی کا۔
ترس ترس کر ماں کی طرح زندگی نہیں گزارے گی۔ عیش کرے گی۔ اپنا گھر، نہ کوئی ساس نند
ظفرے کی اپنی دکانیں۔'' وہ اپنا گریبان چھڑا کر قدرے نرم لہجے میں کہنے لگے۔

''وہ بڈھا جھڑوس چالیس پچاس سال کا وہی رہ گیا میری معصوم بہن کے لیے، کیا
گناہ کیا ہے اس نے کہ آپ جیسا بد بخت شخص ہمارا باپ ہے یہی ہے ہمارا گناہ خدا کی قسم! اگر
آپ کو اپنی زندگی کے کچھ دن اور چاہئیں تو دوبارہ اس گھٹیا شخص کا نام میری بہن کے لیے اپنی
زبان پر نہ لائیے گا، ورنہ میری غیرت کسی رشتے کا لحاظ نہیں کرے گی۔''

رافع کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر آفتاب زبیری کا انداز
کچھ کترانے والا تھا۔

''تو لائنیں لگی ہیں رشتوں کی تمہاری معصوم بہن کے لیے یا اس جیل میں فاقے کروا
کروا کے مارو گے اسے؟'' وہ روشی کی ہمدردی سمیٹنے کو شاید پینترا بدل کر بولے تھے۔

''نہ لگیں لائنیں مگر آپ کو یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' رافع کاٹ کھانے
والے انداز میں بولا۔

''ضرورت ہے مجھے، بیٹی ہے میری۔' وہ قدرے گڑبڑا کر بولے۔

''کیا...... کیا ضرورت ہے آپ کو؟ کھل کر بتائیں۔'' رافع تڑپ کر ان کے آ آ کھڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''تم ہی لوگوں کے لیے اس گھر کا چولہا جلانے کے لیے...... قرض'

وہ رافع کے انداز پر نظریں چرا کر جز بز ہوتے ہوئے کہنے لگے۔

''جھوٹ مت بولیں اس گھر کا چولہا مدت ہوئی کس طرح جل رہا ہے آپ کو معلوم ہے، ایک جواری اپنا نہیں بن سکتا وہ کسی کا کیا بنے گا۔''

''مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں، میرا تو بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے ڈ لاکھ ظفر سے......''

''کیا......'' رافع کے ساتھ سعدیہ بیگم نے بھی دل پہ ہاتھ رکھا تھا۔ ایک پل سارے میں سناٹا سا چھا گیا۔

''تو آپ نے مجھے بیچ ڈالا مجھے...... اپنی بیٹی کو، بازی میں ہار دیا۔ آپ نے ڈیڑھ لاکھ کے عوض......'' اس سناٹے کو روشی کی چیختی ہوئی آواز نے توڑا تھا۔ وہ وحشت چہرہ لیے باپ کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں، نہیں یہ بات......'' آفتاب زبیری کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے

''کتنا بڑا میڈل ملا ہے آج مجھے میرے باپ نے مجھے بیچ دیا۔ جوئے میں دیا امی! سنا آپ نے بھائی میں بک گئی میں۔'' روشی ہذیانی انداز میں چیخی اور دوسرے پل ا۔ قدموں پر لڑکھڑاتی ہوئی وہیں ڈھے گئی۔ رافع اسے بانہوں میں لینے کو لپکا، اس وقت تک فرش پر گر چکی تھی۔

''کل شام کو نکاح ہے اس کا سنا تم لوگوں نے، ورنہ میں کس حد تک جا سکتا ہوں تمہیں خبر ہے، سنا تم نے سعدیہ بیگم! کل شام چار بجے نکاح ہو گا جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکے گی یاد رکھنا۔'' وہ روشی کے بے ہوش وجود پر ایک سرسری سی نظر ڈالتے ہوئے گھ سے باہر نکل گئے۔

''میری بچی! میری بیٹی! میں قربان میرے اللہ وہ وقت دکھانے سے پہلے مجھے اٹھ لیتا۔ مجھے اور سکت نہیں بڑے بڑے صدمے جھیلنے کی۔ تیرے سوا آج تک کسی سے دل

احوال نہیں کہا۔ تو جانتا ہے میری پھول سی بیٹی کو غم کے دریا سے نہ گزارنا۔ رحم مالک رحم۔ یہ گناہ گار باندی ہاتھ جوڑے بیٹھی ہے، رحم تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ میرے بچوں سے ہے تجھے ہم سے محبت نہ ہوتی تو کیسے ہمیں خود سے آشنا کراتا کیسے ہمیں تیری بے کنار رحمت کا یقین ہوتا۔ ہمارے یقین کو مضبوطی عطا فرما۔ ثابت قدمی عطا فرما۔''

پھپھو کسی مجذوب کی طرح اردگرد سے بے خبر روشی کے پاس دوزانو بیٹھی دامن پھیلائے کہہ رہی تھیں۔

رافع کے اشارہ کرنے پر لیبا نے نیم بے ہوش روشی کو سہارا دے کر اٹھایا اور تخت پر لٹا دیا۔

سعدیہ بیگم صحن کے بیچوں بیچ دوزانو بیٹھی اپنے رب سے راز و نیاز کرنے میں اس طرح مگن تھیں کہ انہیں کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ رافع نے دو ایک بار انہیں آواز دی۔ روشی کے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول دینے پر پھپھو کو جا کر ہلایا مگر وہ تو بالکل بے سدھ سی تھیں۔ لیبا کو ان کی حالت پر عجیب خوف سا محسوس ہوا۔

''کہیں پھپھو اپنے ہوش تو نہیں کھو بیٹھیں...... مائی گاڈ۔'' وہ کن اکھیوں سے انہیں تکتے ہوئے دل ہی دل میں لرز اٹھی تھی۔

پھپھو وہیں بیٹھے بیٹھے قبلہ رو سجدے میں گر گئیں۔ ان کا گٹھری بنا وجود ہچکیوں سے ہل رہا تھا۔

''رافع! پھپھو کو اٹھائیں نا۔'' وہ اب بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھی۔ روشی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور اب گھٹنوں پر سر رکھے بے حس پڑی تھی۔

''نہیں، اس وقت ایک ماں اپنی اولاد کا مقدمہ لیے اس دربار تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کر رہی ہے، جہاں سے سب انسانوں کی تقدیر ان کے افعال کا حکم ہوتا ہے۔ انہیں سعی کر لینے دو۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں کہتا ہوا اٹھا اور اندر چلا گیا۔

پھپھو بہت دیر بعد اٹھی تھیں۔ کسی بھی طرف دیکھے بغیر بے نیازی حالت میں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

کیا ایک طبقے سے دوسرے طبقے کے انسانوں کے عمل اور ردعمل میں اتنا فرق ہو سکتا ہے۔ اس کی ممی تو اپنی بیٹی کا مقدمہ لے کر اس دربار میں نہیں گئیں۔ وہ تو ایک بار بھی اس

طرح ہوش وخرد سے بیگانہ ہو کر سجدہ ریز نہیں ہوئیں۔ کیا پھپھو کی یہ دیوانگی روشی کو بچا لے
وہ بیٹھے بیٹھے ان کے رویے اور حالت پہ الجھتی رہی، اسے تو یہ سب لا حاصل ہی لگ رہا تھا
اسے دعا اور دیوانگی کا فرق معلوم نہیں تھا یا وہ تقدیر کے اٹل ہونے کا یقین ر
رکھتی تھی۔ اسے واقعی پھپھو کا یہ گڑگڑانا بے بسی کے اظہار کے سوا کچھ نہیں لگا تھا۔

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی حالانکہ دروازہ کھلا ہی تھا۔

وہ اپنے خیالوں سے چونک اٹھی روشی اسی طرح پتھر کی طرح جامد بیٹھی تھی۔
دروازہ کھولنے کے لیے جا چکا تھا۔

"روشی اٹھو نا چلو اندر چل کر لیٹ جاؤ یا پھپھو کے پاس چلی جاؤ مجھے ان کی حا
بھی اچھی نہیں لگ رہی پلیز!" بہ دقت اس نے خود کو یہ جملے بولنے کے لیے آمادہ کیا تھا، و
اس کا دل چاہ رہا تھا اس وحشت ناک ماحول سے کہیں دور کسی گوشے میں جا کر چھپ جا
روشی کے وجود میں ذرا سی جنبش نہ ہوئی تو وہ ایک بار پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں پھپھو اندر کیا کر رہی ہوں گی میں......" ابھی اس کی سوچ یہیں تک
تھی کہ دروازے پر رافع کے زور سے دھاڑنے کی آواز آئی۔ وہ گالیاں بک رہا تھا ایسا دَ
سے رہ گئی ایک مہذب سلجھا ہوا کم گو سا انسان فراٹے اور روانی سے گالیاں دے رہا تھا۔

"کتے یہاں سے دفع ہو جا۔ یہ سامان اٹھا کر آج شام تک ورنہ یہاں دو لاش
اٹھ جائیں گی میرے ہاتھ سے۔ دفع ہو جا اور اپنے اس حرام زادے باپ کو جا کر بتا اگر
ہمت ہے تو خود آ کر اپنی موت کا سامان کر لے میں تم ساروں کی بوٹیاں نوچ لوں گا۔ دفع
جا یہاں سے......"

وہ ہذیان بکتے ہوئے کف اڑا رہا تھا۔ درازے کے دوسری طرف کون تھا یہ
جان سکی کہ وہ اسے پیٹ رہا تھا بڑے بڑے دو شاپرز دہلیز پر گرے تھے۔

پھپھو اندر سے دوڑتی ہوئی ننگے پاؤں آئی تھیں، روشی کا پتھر وجود اپنی جگہ۔
اچھلا، اس نے ایک بے حد خوف زدہ نظر دروازے کی طرف ڈالی اور تیزی سے اٹھ کر ر
کے پاس چلی گئی۔

"نہ تماشا بنواؤ خود کو ہمیں، رافع میرے بیٹے! ہوش کرو وہ بدی پر اترا ہے تو تو ا
عقل ٹھکانے پر رکھ، اس طرح مسائل حل نہیں ہوتے میری ساری عمر کی محنت پر یوں پانی

پھیر میں جیتے جی مر جاؤں گی رافع۔ پھپھو اسے کھینچتے ہوئے اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگیں۔

"امی! آپ بیچ میں نہ آئیں آج میں اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دوں گا۔
آج یہ شخص کم از کم یہ شخص آفتاب زبیری میرے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچے گا میں مار ڈالوں گا
اس حرا......"

پھپھو نے ایک زوردار تھپڑ رافع کے منہ پر جڑا کہ وہ ایک پل کو حیران و ششدر
انہیں دیکھتا رہ گیا۔

"کیوں اس کے سارے الزامات کو سچ کرنے کو تلے ہو۔ یہ تربیت کی ہے میں نے
تمہاری۔ یہ سبق دیا ساری زندگی تمہیں۔ چھوٹی چھوٹی سی بات پر آپے سے باہر ہو جاؤ۔ تمہاری
منہ میں یہ گندی زبان آئی کہاں سے رافع! مجھے میری نظروں میں اور نہ گراؤ میں شرم سے ہی
کہیں ڈوب مروں کہ میری تربیت ایسی ناقص ایسی گھٹیا تھی۔ ایک ملمع، ایک بناوٹ، جو ذرا سی
مشکل آنے پر تمہارے وجود سے کسی چھاپ کی طرح اتر گئی اور تم اندر سے کیا نکلے۔ اپنے باپ
جیسی بدکلامی کرنے والا، معاملے کو بہ زور بازو زمانے بھر میں شور مچا کر حل کرنے والا۔ رافع!
یہ ظلم نہ کر مجھ پر میں مر جاؤں گی میری ساری ریاضت برباد ہو جائے گی۔ کچھ خیال کر......" وہ
اب روتے روتے بے جان سی ہو کر رافع کے بازو سے لٹک گئی تھیں۔

"امی! کیا کروں سب کچھ اپنی نظروں سے تباہ ہوتے دیکھتا رہوں اسے، اسے خود
اپنی آنکھوں کے سامنے دوزخ میں جھونک دوں، بتائیں کہاں سے اتنا حوصلہ لاؤں امی، مجھ
سے یہ سب نہیں ہو گا۔" وہ ان ہی کے کندھے پر چہرہ رکھ کر سسکنے لگا۔

"اللہ پر بھروسہ کر، وہ بہتر کرے گا بہترین کرے گا مجھے اس سے......"

"امی! فار گاڈ سیک!" اس نے جھٹکے سے اپنا چہرہ سیدھا کیا۔ "کتنا بھروسہ کروں
اللہ پر، بچپن سے یہی ایک ورد یہی ایک کلمہ آپ کے منہ سے سنتا آ رہا ہوں کیا کیا اللہ نے
بہترین ہمارے حق میں؟" وہ اس وقت مایوسی، بدگمانی اور بے یقینی کی انتہا پر تھا۔

"رافع! جب تک مسلمان جیتا رہتا ہے اللہ پر بھروسے کا خاتمہ نہیں کر سکتا۔ یہ تو
سمجھو تمہاری زندگی کی پہلی کٹھن مشکل ہے اگر پہلے ہی مرحلے پر تم یوں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر اپنے
باپ جیسے رویوں کا اظہار کرو گے تو بتاؤ تم میں اور اس میں کیا فرق رہ گیا، میرے لیے تو دونوں

برابر ہوئے میری تو ساری زندگی اکارت گئی کیا ابھی مجھے یہ غم دیکھنا باقی ہے۔" وہ اب خو سنبھال رہی تھیں، روشی اسی طرح اجڑی صورت لیے ان سے چار قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھ

"تو کیا کروں امی! بتائیں مجھے کیا کروں۔" وہ اب جیسے رو دینے کو تھا۔

"روشی کی قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا تمہاری چیخ و پکار غصہ غضب ا روک نہیں سکے گا، بہتر ہے تحمل اور برداشت کے ساتھ اس کا کوئی اور حل سوچو، یوں غصہ کر خود کو چھوٹا نہ کرو اور ہماری رُسوائی کا سامان بھی۔ آؤ اندر اللہ مسبب الاسباب ہے ضرور......"

"امی! اس بدبخت نے نکاح کا سامان بھیجا تھا اور آپ کو پتا ہے۔ یہ شخص ٹلنے و نہیں۔ یہ سامان بھیجنے کا مطلب ہے۔ کل سے بھی پہلے میں قیامت اٹھا دوں گا۔" وہ ایک پھر آپے سے باہر ہونے لگا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے جب تک خود پر قابو نہیں پاؤ گے۔ تم سے کچھ بھی نہیں گا۔ چلو اندر کچھ کھا پی لو پھر سوچتے ہیں رافع! میں اپنی بیٹی کو وہ زندگی نہیں جینے دوں گی جو ۓ نے بتائی ہے اور مجھے اپنے اللہ کے گھر سے پوری امید ہے وہ میرے یقین کو پارہ پارہ نہیں کرے گا۔ روشی بیٹا! خود کو سنبھالو سب کے لیے ناشتہ بناؤ۔ تمہارے باپ کے یہ گھٹیا الفا نئے ہیں نہ اس کی ایسی حرکت، پھر اس طرح بکھر جانا سب کے حوصلے تو میں پہاڑ جیسے دیکا چاہتی ہوں اپنے حوصلے اور تحمل سے تم زندگی کی ہر مشکل کو مشکل سے دوچار کر سکتے ہو۔ سمج رہے ہو نا؟" وہ اب دونوں کو دائیں بائیں اپنے ساتھ لگائے بچوں کی طرح سمجھا رہی تھیں یا کو اس ساری سچویشن میں اپنا آپ بہت مس فٹ محسوس ہو رہا تھا۔

پھپھو دونوں کو اپنے ساتھ لگائے اسی طرح اندر کمرے میں لے گئیں تو وہ باہر ہونؤ ںی اس عجیب و غریب صورت حال پر نہ چاہتے ہوئے بھی سوچے جا رہی تھی۔

"پتا نہیں اب کیا ہوگا اگر پھوپھا جان اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو۔ پھپھو کے سارے سبق، تحمل، برداشت دھرے رہ جائیں گے رافع انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے تیور بتا رہے ہیں وہ جوش اور غصے میں کیا کچھ کر سکتا ہے تو پھر، پھر کیا ہوگا اگر رافع یہ سب کر گزار تو میں......"

اس نے اپنی سوچوں سے گھبرا کر سر اٹھایا اور صحن میں پھیلتی دھوپ کو دیکھنے لگی۔

"میں، مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" سوچ کسی لہر کی طرح اس کے دماغ میں ابھری تھی۔

"کہاں، کہاں جاؤں۔" وہ بے بسی سے سوچنے لگی۔

"یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے وہ بھی میں نہیں دیکھ پاؤں گی رافع جو کچھ کرنے والا ہے۔ جس کو جہنم میں جھونکنے کا خیال اس کے لیے کتنا تکلیف دہ ہے اور میں میری تکلیف میرا اسے کچھ خیال نہیں، اس سارے جھگڑے کے دوران اسے ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا۔ وہ ماں بہن کے لیے مرا جا رہا ہے اور میں کون ہوں اس کی...... میرے اللہ میرے اور کتنے امتحان باقی ہیں اور کتنی ذلت کہیں بھی میری کوئی جگہ نہیں، نہ کسی کے دل میں نہ کسی کے گھر میں۔ جب اپنے گھر میں جگہ نہ مل سکی تو پرائے گھروں میں مجھے کون قبول کرے گا مجھے تو یہ سب ڈرامہ لگتا ہے۔ یہ لوگ کس قدر عجیب ہیں۔ عجیب و غریب سے، میری ذہنی جذباتی سطح سے بہت الگ۔ آج نہیں تو کل مجھے ان کے درمیان سے نکلنا ہی ہوگا تو پھر ابھی کیوں نہیں۔ خدا کی زمین بہت بڑی ہے رہنا ہی ہے تا کسی ہوسٹل میں، کہیں بھی رہ سکتی ہوں۔ چھوٹی موٹی جاب کر کے اپنا بخوبی گزارا کر سکتی ہوں پھر میں یہاں احمقوں کی طرح کیوں پڑی ہوں۔ ایک رافع صاحب کی توجہ بھری نظر کی منتظر، کہ کب ان کا دھیان میری طرف ہو، کب انہیں اپنے اور میرے درمیان قائم اس رشتے کا احساس ہو پھر وہ مجھے اپنی بیوی کی سی اہمیت دیں۔ بھیک میں لی گئی ایسی توجہ محبت کیا مجھے اپنی نظروں میں اٹھنے دے گی۔ کبھی نہیں، مجھے اب کوئی اہم اور دوٹوک فیصلہ کر لینا چاہیے آج ہی۔" ایک انوکھی سی اچھوتی سوچ نے اس کے اندر جیسے نئی توانائی بھر دی تھی۔ وہ اب اس لائن پر سوچے جا رہی تھی۔

"بینک میں میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ چھ مہینے، سال جب تک مجھے کوئی جاب نہیں مل جاتی میرا آرام سے گزارا ہو سکتا ہے پھر میں یہاں کیوں کسی بھکارن کی طرح پڑی فقط دو ٹائم کی روٹی مانگ کر کھا رہی ہوں اس کے علاوہ میری کیا اہمیت ہے یہاں۔ ان چار پانچ مہینوں میں ایک بار بھی کسی نے مجھے وہ اہمیت نہیں دی جو میرا حق تھا رافع بھی زبردستی، جبراً شاید مجھے برداشت کر رہا ہے پھر ان کے گھر کے یہ عجیب سے حالات یہ لوگ عادی ہوں گے۔ میرے اعصاب اتنے مضبوط نہیں کہ یہ سب آرام سے جھیل جاؤں۔ پھر ابھی رافع کیسے ری ایکٹ کر رہا تھا۔ گالیاں، اف اس کے منہ سے کتنا عجیب لگ رہا تھا۔ کل کو یہ کسی

بات پہ غصے میں آ جائے تو اسی طرح میرے ساتھ ری ایکٹ کرے گا۔ گالی تو میں نے اپنی زندگی میں کسی سے نہیں سنی یہ لوگ میری ذہنی سطح سے بالکل میچ نہیں کرتے مجھے کوئی نہ کوئی قدم اٹھا لینا چاہیے۔"

فون کی بیل بجے جا رہی تھی۔ پتا نہیں وہ تینوں اندر بیٹھے کون سے مذاکرات کر رہے تھے جو انہیں فون کی مسلسل بجتی بیل بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بیا کو اپنی سوچوں کا سلسلہ توڑنا پڑا۔ آنگن میں جامد سناٹا تھا اور اس سناٹے میں فون کی بیل پورے جوش سے بجے جا رہی تھی۔

وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"پتا نہیں کس کا فون ہوگا مجھے ریسیو بھی کرنا چاہیے یا نہیں۔"

ریسیور ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ سوچنے لگی اس لیے اس نے ریسیور کان سے لگا کر ہیلو نہیں کہا دوسری طرف بھی کوئی جلدی میں تھا۔

"ہیلو ہیلو رافع یار! حد ہو گئی رات بھر میں تمہارا انتظار کرتا رہا۔ مہندی کے فنکشن میں اور تم نواب صاحب آئے نہیں۔ تم میری طرف سے مدعو تھے۔ ڈیڈی نے بھی تمہیں فون کر کے انوائٹ کیا تھا۔ پھپھو کو بھی ساتھ لانے کو کہا تھا اور تم۔ میں اب کیا کہوں اب شام کو آئی مین رات کو بارات ہے آؤ گے نا۔"

اسے لگا اس کی پیاسی سماعتوں نے ایک صدیوں بعد بارش کے قطروں کی آواز سنی ہے، ولید کی آواز نے جیسے اس کی سماعتوں میں رس گھولتی سیدھا دل میں اتر رہی تھی نامعلوم سی کسی خوشی کا احساس تھا کہ اس کی آنکھوں سے بے اختیار ہی آنسو بہنے لگے۔ اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا جان لیوا احساس یا اپنوں سے دور یہاں یوں رائیگاں جانے کا احساس۔

"ولید کے پاس ہے میری مشکل کا حل۔ وہ یقیناً میری بات سمجھ لے گا۔ میں اسے صاف صاف بتا دیتی ہوں کہ مجھے یہاں نہیں رہنا وہ مجھے اس جیل سے آ کر لے جائے۔ میں یہاں کچھ وقت اور رہی تو شاید ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاؤں گی۔ بکھر جاؤں گی۔ اپنی ذات کے تنہا گنبد میں بھٹکتی کہیں گم ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے یہاں سے نکال سکتا ہے واپس لے جا سکتا ہے۔ ہاں مجھ سے اب مزید یہ سب برداشت نہیں ہوتا میں کب تک یہ اَن چاہی زندگی جیوں گی بس بہت ہو گئی۔"

"ولید...... میں......" آنسوؤں کے پھندے اس کے گلے میں پھنس رہے تھے۔

"کون بیا...... بیا ہو نا بولو!" وہ بے تابی سے بولا تھا۔

"ولید میں تم سے، سنو بیا مر رہی ہے۔" اس نے حلق سے نکلتی چیخ کو لب بھینچ کر روکا۔

اسی وقت کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور کھینچ لیا۔

"ولید سوری، میں آ نہیں سکا شام کو کوشش کروں گا، بیا اداس ہو رہی ہے اگر آیا تو اسے بھی لے آؤں گا اوکے۔ اللہ حافظ۔" رافع کا لہجہ اس قدر سرد اور سپاٹ تھا کہ بیا کے آنسو جیسے پلکوں پر ہی جم گئے وہ ہونٹ کاٹتی پرے ہٹ گئی۔

رافع نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"بہت شوق ہے تمہیں ہر وقت خود کو مظلوم ثابت کرنے کا۔" وہ بے حد دھیمی آواز میں غرایا۔ بیا لرز کر ایک قدم اور پرے ہو گئی "تم یہاں جس بھی مشکل میں گرفتار ہو، جلد ہی تمہیں اس مشکل سے نجات مل جائے گی۔" وہ اس کے بے حد قریب آ کر چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ "اور تمہیں صرف اپنی مشکل اپنی تکلیف کا احساس ہے۔ صرف اپنی تکلیف ہے نا بولو میں تمہیں صحیح سمجھا ہوں نا۔"

وہ بڑے سخت انداز میں اس کی ٹھوڑی کو اپنی انگلی سے اٹھاتے ہوئے درشتی سے بولا تو وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف ایک نظر سے زیادہ دیکھ بھی نہ پائی۔

"تم جیسے لوگوں کی مشکلات کبھی تمام نہیں ہوتیں جو محض اپنی ذات کے گنبد کی دیواروں میں بند رہ کر صرف اپنی بازگشت سنتے رہتے ہیں، ولید کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ کہو تو میں ابھی تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اس کی ٹھوڑی سے انگلی ہٹائی ایک قہر بھری نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

وہ بیڈ پر گر کر بری طرح سسکنے لگی۔

رافع سے متعلق اس کا ہر گمان سچ ثابت ہو رہا تھا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی کسی صورت نہیں۔" وہ روتے ہوئے خود کو یقین دلانے لگی۔

☆☆☆

میرے چارہ گر!
میرے درد کی تجھے کیا خبر
تو میرے سفر کا شریک ہے
نہیں ہم سفر؟
میرے چارہ گر، میرے چارہ گر
میرے ہاتھ سے تیرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا
نہیں جس پہ کوئی نشان پا
میرے سامنے ہی وہ رہ گزر
میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر

اسے لگ رہا تھا وہ آج پھر اس مقام پر کھڑی ہے ان ہی درد کے مرحلوں سے گز رہی ہے جو آج سے چار پانچ ماہ پہلے اس پر گزرے تھے یا اس کی آزمائش کبھی ختم ہی نہیں ہو تھی، صرف درد کا احساس کم ہوا تھا زخم تو اسی طرح ہرے بھرے تھے چرکے لگاتے ہوئے ا کے دل کے بیچوں بیچ درد کی لہریں اٹھاتے۔

آج زریاب کی بارات ہے وہ کس طرح کس منہ سے لٹی پٹی اپنی یہ اجاڑ صورت لے کر اس خوشیوں بھرے گھر میں واپس چلی جائے، جس کے پتھر دل مکینوں نے ایک بار بھ اس کے لوٹ آنے کی پلٹ، آنے کی تمنا خواہش کا اظہار نہیں کیا وہ خود سے چلی جائے۔ اپ لیے خود اپنے ہاتھوں سے ایک اور ذلت کا اہتمام کرے۔ ہرگز نہیں ذلت سے تو وہ گزر رہی تھ مگر یہاں کوئی اس کا تمسخر تو نہیں اڑا رہا تھا۔ وہاں جا کر سب کے بیچ وہ ایک بار پھر تماشا بن جائے یہ تو اسے مر کر بھی گوارا نہیں ہوگا ولید اسے وہیں لے کر جائے گا اور رافع تو کہہ گیا ہے وہ اسے "انصاری ہاؤس" چھوڑ آتا ہے۔

آہ رافع...... کیا کیا خوش فہمیاں۔ اس کے معصوم دل نے پچھلے دنوں اس ظالم انسان کے بارے میں نہ پال لی تھیں۔ آج کیسے ٹھوکروں میں اس نے ان خوش فہمیوں کو پامال کیا تھا، جیسے وہ خود حالات کی ٹھوکروں میں پڑی ہے' آخر میں کب تک صبر کروں برداشت کروں پھپھو کو تو دعویٰ ہے اپنی اولاد کو صبر اور برداشت کی تربیت دینے کا، میری تو ایسی کوئی تربیت بھی نہیں کی پھر کیسے یہ سب سہے جاؤں۔

زریاب اور فریال کی شادی...... ایک اور روح تک کو چھلنی کر دینے والا تکلیف دہ خیال، روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

"بیا بیٹا! کیا بات ہے کیوں ایسے صبح سے کمرے میں پڑی ہو۔ چلو اٹھو کچھ کھا پی لو۔ صبح سے بھوکی ہو۔"

پھپھو اندر آ کر بولیں تو اس نے ایک دم سے آنسو روک لیے سانس روکے سوتی بن گئی۔

"سو رہی ہو۔ یہ کون سا ٹائم ہے۔ سونے کا چلو اٹھو میرا بیٹا، کچھ کھا پی لو پھر بے شک سو جانا۔" پھپھو اس کے قریب آ کر اس کے بال ماتھے سے ہٹاتے ہوئے پیار سے بولیں تو اسے کوفت سی ہونے لگی۔

"رو رہی ہو تم، روئی ہو بیٹا!" انہیں جیسے شاک سا لگا۔

"اس گھر میں رونے کے سوا اور کوئی کر ہی کیا سکتا ہے۔' اس کا جی چاہا سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر کہہ ڈالے۔

"انسان کیا کچھ سوچتا ہے اور کیا کچھ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ اچھی سوچ اچھا خیال بھی نہیں۔ میں تم سے صرف یہی کہہ سکتی ہوں تھوڑا اور صبر کر لو انشاء اللہ یہ دن بھی ٹل جائیں گے بہت اچھے دن بہت اچھا وقت آنے والا ہے تم......"

"امی! اس سارے میں اس بے چاری کا کیا قصور جو یہ مفت میں سزا بھگت رہی ہے اور آپ فار گاڈ سیک! اسے صبر اور برداشت کا لالی پاپ چوسنے کو نہ دیں کہ جس کا نتیجہ بہت جلد اچھے سنہرے دن آنے والے ہیں، ہو سکتا ہے وہ دن آنے والے ہوں مگر اس جلد کا امکانی وقت بھی پندرہ بیس سال سے کم نہیں اس لیے بہتر ہے کہ اس بے چاری کو اپنی بھلائی کے لیے کچھ اور سوچنے دیں۔ انسان کو ایک ہی زندگی ملتی ہے اسے بھی اچھے دنوں کی آس میں

گھل گھل کر گزار دے جبکہ اس کے پاس سیکنڈ آپشن بھی موجود ہو فوری اور اچھی زند
گزارنے کا، امی آپ بیا کے رستے کی رکاوٹ نہ بنیں۔ اسے اپنے بارے میں اچھا سوچنے
حق ہے اسے یہ حق استعمال کرنے کی اجازت دیں اسے اپنی خالی خولی محبت کے پنجرے میں ا
کرنے کی کوشش نہ کریں پلیز......"

رافع بالکل سامنے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا وہ ا
اٹھ کر بیٹھ چکی تھی اور رافع کی باتوں کا مطلب بھی خوب سمجھ رہی تھی۔

"کیا مطلب کون سا حق چھینا ہے ہم نے اس سے، اور بیٹا محبت قید کب ہوتی۔
یہ تو زندگی کو سہل کرتی ہے اور......" پھپھو کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"پلیز امی! آپ کا یہ فلسفۂ محبت اس کے کسی کام کا نہیں بیا! تم کچھ کھا لو تو پھر ج
کہو۔ میں آج فارغ ہوں اور گھر پر ہی ہوں۔"

وہ بہت جتانے والے انداز میں بولا تو بیا کا غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔" پھپھو قدرے حیرانی سے دونوں کی شکلیں دیکھنے لگیں

"امی! آپ یہ سب......" اسی وقت ڈور بیل بجنے لگی تو وہ ایک دم سے چپ ہو
لب بھینچ لیے۔

"تم رہنے دو میں دیکھتی ہوں۔" پھپھو کسی متوقع خطرے کے پیش نظر فوراً اٹھ
ہوئے بولیں۔ "آپ بیٹھیں میں دیکھتا ہوں" وہ تیزی سے کہہ کر باہر نکل گیا تو وہ بھی گھبرا
اٹھ کھڑی ہوئیں "یہ لڑکا تو آج جیسے میرے قابو میں نہیں۔ خدا خیر کرے اٹھو بیٹا! آؤ
میرے ساتھ۔" وہ زبردستی اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولیں تو وہ بادل نخواستہ اٹھ کھڑی ہوئی
دونوں ایک ساتھ کمرے سے نکلی تھیں۔

ویل ڈریسڈ چہرے مہرے سے کھاتے پیتے گھر سے تعلق رکھنے والا ادھیڑ عمر عور
اور مرد دروازے سے رافع کے ساتھ اندر آ رہے تھے وہ کچھ متذبذب تھا۔

"امی! یہ کہہ رہے ہیں آپ سے ملنا ہے۔" وہ ماں کو دیکھتے ہی بولا تو پھپھو انہ
دیکھ کر وہیں ٹھٹک کر رک گئیں۔

"آپ......" وہ شاید انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"مکرم بھائی ہیں نا آپ؟" وہ دبے دبے جوش بھرے لہجے میں بولیں۔

"آف کورس، دیکھا عالیہ بیگم! بھابی جان نے کیسا پہچانا مجھے۔" وہ آدمی خوش ہو کر آگے بڑھا۔

"اتنے عرصے بعد ہماری یاد کیسے آ گئی آپ کو۔" وہ شکایتی انداز میں بولیں جس سے محبت کا عنصر نمایاں تھا۔

"آپ مجھے بھولے ہی کب تھے جو یاد آتے۔" اس کی بیوی ان سے گلے مل رہی تھی۔

"آئیے اندر چل کر بیٹھیں۔" پھپھو انہیں لیے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں تو رافع نے ایک سرسری نظر اس کے ملگجے حلیے پر ڈالی۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جب میری مرضی ہو گی۔ میں خود چلی جاؤں گی۔ آپ کو زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں۔" وہ جھلس کر بولی اور پلٹ کر اندر جانے لگی۔

"او کے جیسی تمہاری مرضی لیکن اب پلیز تھوڑا سا فیور اس بے چارے گھر کے ساتھ، مہمان آئے ہیں چائے بنا دو۔ روشی تو شاید سو رہی ہے اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو۔"

وہ تیزی سے بولا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا ایک ثانیے کچھ سوچنے کے بعد وہ کچن کی طرف مڑ گئی تو رافع ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"بھابی جان میں داد دیتا ہوں آپ کی ہمت کو۔ جو آپ اس شخص کے ساتھ ابھی تک نبھا رہی ہیں۔ مجھے یہ سب کچھ کہنا تو نہیں چاہیے کہ اس گھر کے مجھ پر بڑے احسان ہیں، والدین کی ایک حادثے میں موت کے بعد جب سب رشتہ داروں نے مجھے لاوارث سمجھ کر منہ پھیر لیا تو آپ کی ساس بہشتن خالہ جان نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح سینے سے لگا لیا...... انہوں نے واقعی کسی ماں کی طرح میرا خیال رکھا میری ادھوری تعلیم مکمل کرائی ہر معاملے میں مجھے آفتاب کے برابر رکھا پتا نہیں یہ احساسِ ممنونیت تھا یا ان کے احسانوں کا بار کہ میں بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا، اور آفتاب اچھی صورت کے زعم نے اسے محنت کی راہ سے بھٹکا دیا، اس کے دماغ میں شروع ہی سے یہ کیڑا تھا کہ اللہ نے اسے اچھی صورت دی ہے تو اچھی قسمت بھی اس کا حق ہے۔ اس نظریے پر یقین کے تحت تو اس نے آپ سے شادی کی اور دیکھیں ایسی ہیرا سی نیک صفت بیوی پانے کے بعد بھی اس کی ذہنیت نہیں بدلی۔

تین بار میں نے اسے کاروبار کے لیے کینیڈا سے رقم بھیجی اس وقت میرا مقصد اپنے

احسان کو جتانا نہیں، بلکہ اس کی فطرت کے اس رخ کو دکھانا ہے جو اس کی قسمت بناتا رہا۔ فطرت ہی تو انسان کی قسمت بناتی ہے۔ جیسی اس کی فطرت ہوتی ہے ویسی اس کی قسمت ہے میرا تو اس پر ایمان ہے پھر جو جو گھٹیا الزامات اس نے آپ پر لگائے ہیں آپ کی ہمت صبر کی تعریف کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں، یہ کون ہے؟

جب وہ چائے لے کر اندر داخل ہوئی تو وہ شخص بڑے مگن انداز میں پھپھو سے کر رہا تھا اس کی بیوی اور رافع خاموش بیٹھے سن رہے تھے جیسے ہی بیا نے چائے ان کے آ رکھی تو وہ چونکے۔

''میری بہو ہے۔ میری بھتیجی ہے وہاب بھائی کی بیٹی۔'' پھپھو نے بڑے فخر اس کا تعارف کرایا تو اس شخص کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ آ گئی۔

''ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے تو گویا آپ کا اپنے بھائیوں سے ملاپ ویری گڈ۔'' لگتا تھا وہ سب کو جانتا ہے۔

''نہیں بس۔'' وہ پھر شرمساری ہو گئیں'' کچھ صورت ایسی بن گئی کہ یہ شادی پڑی آپ چائے لیں نا ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''بیٹا ادھر آ کر بیٹھو اپنی آنٹی کے پاس، شاید اس نے پھپھو کی بات سنی نہیں سن کر ان سنی کر دی تھی۔

''بہت عرصے بعد اس بار آپ کا چکر لگا ہے۔'' وہ پھپھو کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''جی بالکل، اصل میں بچے بڑے ہو جائیں تو ذمہ داریاں بھی بڑی ہو جاتی ہیں تو ماشاء اللہ ڈاکٹر بن کر ہاؤس جاب کر رہا ہے اور چھوٹا ابھی ایم بی اے کے فرسٹ ایئر ہے عالیہ کے بھانجے کی شادی تھی اس پر آئے تھے اصل میں پاکستان تو تب آئیں، جب اپنے قریبی عزیز ہوں، عالیہ کی صرف یہی بہن ہے اور میرا تو آپ لوگوں کے سوا کو نہیں، اس بار البتہ دو مقاصد تھے ہمارے ادھر آنے کے ایک تو شادی میں شرکت او مقصد عالیہ ہی آپ کو بتائے گی۔ میری چائے واقعی ٹھنڈی نہ ہو جائے۔'' وہ مسکراتے کپ اٹھا کر بولے تو ان کی بیوی بھی مسکرانے لگی۔

''بھابی جان! انہیں سسپنس پیدا کرنے کا ویسے ہی بڑا شوق ہے ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''جب ہم آخری دفعہ آئے تھے تو رافع فرسٹ ایئر میں تھا اور اب ماشاء اللہ شادی شدہ، آپ نے ہمیں اس کی شادی میں بھی انوائیٹ نہیں کیا بڑے افسوس کی بات ہے۔''

مکرم صاحب شاید زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکتے تھے چائے کا گھونٹ بھر کر بولے۔

''یہ کی نا آپ نے کام کی بات، یہ میں بھی کہنے والی تھی۔'' ان کی بیگم فوراً بولیں تو پھپھو نے ایک چوری نظر پاس بیٹھی بیا پر ڈالی۔

''بس سب کچھ اچانک ہی طے ہوا سادگی سے نکاح کرنا پڑا رافع کے ایگزام کی وجہ سے کچھ......'' وہ دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے چپ کر گئیں۔

''روشی کہاں ہے اب تو وہ بھی بڑی ہو گئی ہو گی کون سی کلاس میں ہے؟'' مکرم صاحب کو جیسے کچھ یاد آیا۔

''جی پریویس میں۔'' رافع نے آہستگی سے جواب دیا۔

''ماشاء اللہ وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولے۔

''رافع......'' پھپھو کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ ''بیا تم جا کر روشی کو تو لے آؤ۔'' وہ اس سے بولیں تو وہ اٹھ کر باہر جانے لگی۔

''بھابی جان ہم آئے بھی اصل میں اسی لیے ہیں۔ محتشم کو تو آپ نے دیکھ رکھا ہے اب خیر سے ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ اس کے سلسلے میں ہم پاکستان آئے تھے اور سچی بات ہے ہم دونوں گھر سے آپ کی بیٹی کے رشتے کے لیے نیت بنا کر چلے تھے صرف شادی کے ہنگامے سرد پڑنے کا انتظار کر رہے تھے، معیز کا رشتہ تو عالیہ کی چھوٹی بھانجی کے ساتھ طے ہے محتشم کے لیے ہم آپ کے آگے دامن پھیلانے آئے ہیں۔''

مکرم صاحب کی بات تھی یا کوئی بجلی کا کوندا ایک پل کو دونوں ماں بیٹا حق دق انہیں دیکھتے رہ گئے، بیا کے قدم بھی جیسے دروازے کی چوکھٹ میں گڑ گئے۔

''میرا تو صرف ایک نظریہ ہے بیٹوں کی شادی کے سلسلے میں لڑکی پسند کرتے وقت لڑکی کو نہ دیکھو۔ اس کی زمین یعنی اس کی ماں کو دیکھو اور آپ کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں یقین ہے روشی بھی یقیناً آپ کا عکس ہو گی اور تربیت کرنے والے آپ کے ہاتھ۔ ایسے محتشم بھی ہمارے ساتھ آیا ہے۔ ہم اسے بھی لانا چاہ رہے تھے پھر سوچا پہلے خود بات کر آئیں ہو سکتا ہے آپ نے کہیں معاملہ طے نہ کر دیا ہو۔''

عالیہ بیگم کہہ رہی تھیں اور سعدیہ بیگم کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ روئیں یا ہ
رافع کی طرف دیکھا وہ بھی ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ چپ ہیں بھابی جان! کہیں ہم نے دیر تو نہیں کر دی یہ میری خواہش تھی
میرے بیٹوں کا رشتہ اس زمین سے قائم رہے۔'' مکرم صاحب قدرے بے چین ہو کر بولے۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کہوں، پہلے آپ روشی کو تو دیکھ لیں ہو سکتا ہے

''بڑے افسوس کی بات ہے بھابی جان! اگر ایسی بات ہوتی تو ہم لڑکی دیکھے
پہلے بات ہرگز نہ کرتے اور خدانخواستہ کوئی باپ اپنی بیٹی کو پسند یا ناپسند کرنے کی نظر سے
دیکھتا ہے بھلا آپ اپنی کہیں۔''

''میں کیا کہوں میں کس قابل ہوں کہ کچھ بھی کہہ سکوں ساری زندگی کسی چیونٹی
طرح زمین سے لگے لگے گزار دی۔ اس کے باوجود آفتاب نے مجھے کبھی سر اٹھا کر جینے
بات کرنے کی اجازت نہ دی اور اب بیٹی کے معاملے میں۔'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ
رونے لگیں۔

''کیا کیا ہوا بھابی جان! کہیں آفتاب نے روشی کی بات کہیں طے تو نہیں کر دی
مکرم فوراً بولے تو انہوں نے روتے ہوئے سر ہلا دیا اور پھر آہستہ آہستہ ساری بات بتانے لگیں۔

''اوہ میرے خدا کہتے ہیں وقت کے ساتھ بڑے بڑے طرم خان بدل جاتے ہ
اور بیٹی کا باپ بن کر تو چٹان جیسا آدمی بھی بھربھری ریت بن جاتا ہے اور اس میں ذرا سی
تبدیلی نہیں آئی، میں نے یہ چھ سات سال اسی لیے لاتعلقی اختیار کیے رکھی کہ اسے میرا خیا
آئے گا۔ مگر اسے میرا جب بھی خیال آیا ادھار اور پیسوں کے لیے ہی آیا۔ آخری بار میں
انکار کر دیا تو اس نے فون پر ہی ہر تعلق توڑ دیا۔ میرا اپنا تو کوئی ہے نہیں، اسی کو سب کچھ سمجھتا
اللہ بخشے خالہ جان سارا وقت یہی کہتی رہتی تھیں میرے دو بیٹے ہیں مکرم! آفتاب بڑا بے وقو
ہے نادان اور ضدی، تو عقل مند ہے۔ سیانا اور سمجھدار اس کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا ورنہ یہ نادا
میں کوئی بڑا نقصان کر بیٹھے گا اور اپنی موت سے پہلے تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا
آفتاب سے اب مجھے کوئی امید نہیں رہی تو سعدیہ اور اس کے بچوں کا خیال رکھنا ان پر کبھی
کٹھنائی اس کی وجہ سے آئے تو ان کی مدد کو پہنچنے میں دیر نہ کرنا۔ اگرچہ بھابی جان! آپ۔
مجھے مدد کے لیے پکارا نہیں کبھی بھی کسی مشکل میں اس کے باوجود میں۔ ہمیشہ خود کو خالہ جا

سے کیے وعدے کا پابند سمجھتا رہا ہوں اور اب اس موقع پر اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے وقت پر
بھیج دیا ہے آپ کیا کہتی ہیں؟'' وہ کہتے کہتے رک کر پوچھنے لگے۔

''باپ کی اجازت کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔'' عالیہ آہستگی سے بولیں۔

''ایسے شخص کو باپ کہنا بھی اس رتبے کی توہین ہے۔ جو بیٹی کو جوئے میں ہار دے
اس لت نے اس کی پوری زندگی تباہ کر دی، اب یہ اپنے بچوں کو بھی تباہ کرنا چاہتا ہے اور ہم
چپ چاپ تماشا دیکھتے رہیں۔'' مکرم صاحب جوش میں بولے۔

''میری بچی آدھی نہیں رہی، پہلے تو بے جوڑ رشتے کا غم اور جب اسے پتا چلا کہ
باپ نے پیسوں کے عوض اپنا قرض معاف کروانے کے عوض میں اس کا یہ رشتہ طے کیا ہے وہ
تو جیسے قبر میں اتر گئی ہے۔ کسی مردے کی طرح پڑی ہے۔ میں ماں ہو کر کچھ نہیں کر سکتی۔ کچھ
بھی نہیں۔'' وہ ایک بار پھر رونے لگیں۔

''اب ایسا نہیں ہوگا'' میں آ گیا ہوں فکر نہ کریں آپ۔''

''تم کون ہوتے ہو میری اولاد کے بارے میں فیصلے کرنے والے، میں اپنی بیٹی کی
زندگی کا فیصلہ خود کروں گا تم کیا لگتے ہو جو مامے بن کر آ گئے ہو اور کون ہے وہ (گالی) جس
نے نکاح کی چیزیں واپس کی ہیں میں آج سب کو دیکھ لوں گا نکاح ہوگا اور آج ہی ہوگا۔''

آفتاب زبیری اندر داخل ہوئے غصے میں کف اڑاتے چنگھاڑتے ہوئے کہ سب
ایک پل کو ساکت رہ گئے۔

''میں نے، میں نے کیا تھا سامان واپس، کیا کر لیں گے بولیں۔'' رافع جوش میں
بھر کر اٹھا اور باپ کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''تو تیری تو...... گالی۔'' انہوں نے اسے تھپڑ مارتے ہوئے جیسے ہی اس کا گریبان
کھینچا رافع نے انہیں زور سے دھکا دیا۔

''رافع! رافع......!'' پھپھو اسے پکڑنے کو اٹھیں اور تیورا کر رستے ہی میں گر گئیں
دونوں باپ بیٹا ان کے گرتے وجود سے بے نیاز گتھم گتھا ہو چکے تھے۔

☆☆☆

ہر طرف ایک گھمبیر سناٹا تھا۔

ایک جامد چپ...... گھر کے در و دیوار سے لے کر گھر کے مکینوں تک پر چھائی ہوئی۔

ایسی چپ جو گونگی نہیں ہوتی۔ بہت سارے طوفان اس میں سانس لے رہے ہوتے ہیں۔ اس چپ سے ایسی گھٹن ہو رہی تھی کہ کھل کر سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔ ایسی بھید بھری ایک چپ اس پر آ کر گزر چکی تھی اور وہ جانتی تھی، یہ سائیں سائیں کرتی چپ روشی کی، اسکی اور اس گھر کے باقی مکینوں کی زندگی میں کوئی زلزلہ لانے والی ہے۔

مگر کمال بات یہ تھی کہ لیہا کو اس چپ سے خوف نہیں آ رہا تھا نہ اس کا دل غمگین تھا نہ پریشان نہ ہراساں۔

بس اسے وحشت ہو رہی تھی۔ کوفت اور کسی حد تک بیزاری بھی۔

اس کی زندگی میں جتنا بڑا تلاطم آ چکا تھا، جتنی بڑی تباہی آنی تھی آ چکی تھی۔ اب گرد و پیش میں آنے والا کوئی بھی طوفان اسے اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتا تھا اور یوں بھی نہ جانے کیوں اس گھر کے افراد کو گنتے ہوئے وہ اس گنتی میں تو آتی تھی مگر وہ شعوری لاشعوری طور پر خود کو ان سے منسلک نہیں کر پاتی تھی، شاید اسی لیے ان کی تکلیف اور دکھ اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتے تھے۔ روشی نے اس کا اتنے دن بہت خیال رکھا تھا۔ اس سے بے حد چاہت والفت کا اظہار کرتی مگر! لیہا کے دل میں اس کے لیے کوئی بھی خاص نرم گوشہ پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ اس کٹھن وقت میں روشی کی جذباتی زندگی میں کیسا طوفان آ رہا تھا۔ اسے اس کی تکلیف کا رتی برابر احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے سامنے ٹی وی پر کوئی ٹریجک اسٹوری چل رہی ہے اور روشی اس کا ایک کردار ہے جس سے ایک ناظر کی حیثیت سے اسے کچھ خاص ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ الٹا وہ اس سے چھپتی پھر رہی تھی، دیکھے جانے پر نظریں چرا لیتی کہ اسے کسی کو تسلی دینا نہیں آتی تھی یا شاید، شاید روشی میں اسے اپنا گزرا ہوا کل پھوڑے کی طرح دکھتا رہتا، چبھتا دکھائی پڑتا تھا اور وہ نظر بھر اپنے اس تکلیف

وہ "کل کو" نہیں دیکھنا چاہتی تھی، وہ کل جس نے اسے کسی ناسور کی طرح خود سے الگ کر کے اس کانٹوں بھری زندگی میں پھینک دیا تھا۔

ہر دن، ہر پل ایک کانٹا اس ناسور میں چبھتا اور اس کی تکلیف کو کئی گنا بڑھا دیتا یہی کانٹے تو اسے اپنا وہ منحوس "کل" بھولنے نہیں دیتے تھے۔

پھپھو! ہاں پھپھو کی حالت سے اس کے دل کو کچھ کچھ دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی خود کو اس گھر سے منسلک سمجھتی تو پھپھو کے حوالے سے۔ اس کٹھور، ظالم اور بے حس رافع سے اپنے ٹھوس رشتے کا خیال تو اسے بہت کم آتا بلکہ وہ تو اسے اس گھر میں اپنا کوئی پرانا دشمن ہی دکھتا تھا جسے دیکھتے ہی اس کے دل میں دکھ کے جوار بھاٹے اٹھنے لگتے اور اپنی تضحیک اور بے وقعتی کا احساس دوچند ہو جاتا۔ رافع پر نظر پڑتے ہی اسے زریاب کو کھو دینے کا احساس اور بھی شدت سے ہونے لگتا اور اس کے ساتھ ہی اپنی بدقسمتی کا بھی۔

اور آج ابھی کچھ دیر پہلے تک جو کچھ ہوا، اس کے بعد تو اسے رافع سے گھن آنے لگی تھی۔ ایک لوئر مڈل کلاس کا گالیاں بکتا، بھڑکتا جذباتی گنوار شخص اور وہ ساری زندگی اس کے ساتھ گزارے گی؟ نیور۔

"جتنا تقدیر نے میرے ساتھ کھیلنا تھا کھیل لیا۔ اب میں مزید خود کو بے قیمت نہیں ہونے دوں گی۔ وہ بھی محض اس شخص کے ساتھ کے لیے جس کی ذہنیت اس قدر سطحی اور گھٹیا ہے۔ اسے اپنے شخصی وقار اور گرتے رویے کا ذرا بھی خیال نہیں تو وہ میرے جذبات کا کیا خیال کرے گا۔

یہ روشی والا معاملہ کسی کروٹ بیٹھے جو یقیناً آج یا کل میں ہو جائے گا تو مجھے اپنے بارے میں حتمی فیصلہ کر لینا ہے۔ آر پار یا بلکہ پار ہی پار کہ مجھے ادھر رہنا ہی نہیں۔ اگر انصاری ہاؤس میں میری جگہ نہیں تو بھی یہ دنیا ختم تو نہیں ہو گئی۔"

اسے یوں ہی خود سے الجھتے سوچوں کا تانا بانا بنتے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

ان دونوں باپ بیٹے کی لڑائی کو ان بے چارے مہمانوں نے بصد منت ختم کیا تھا۔

"آفتاب زبیری تو اپنی فطرت کے عین مطابق کر رہے تھے اور یہ رافع...... اسے تو اتنے مینرز آنا چاہیے تھے کہ مہمانوں کی موجودگی میں کیسے خود پر کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ بے چارے نیکی کرنے آئے تھے۔ اب تو اس "شان دار" خیال کو دل میں بھی نہیں لائیں گے کہ

ایسے نیچ لوگوں کی بیٹی کو اپنی بہو بنائیں۔ یہ تو میرے گھر والوں کا پاگل پن تھا۔ ان کی خودغر(ضی) اور بے حسی کی انتہا جو انہوں نے مجھے اس گڑھے میں دھکیل دیا ورنہ یہاں تو کوئی سمجھ دار انسا(ن) آنا بھی گوارا نہ کرے۔ ایک لحاظ سے تو تایا جی نے ساری زندگی ان لوگوں کے ساتھ جو سلو(ک) کیا، وہ بالکل صحیح تھا۔ یہ ہیں ہی اس قابل۔

''ممی! آپ کچھ تو سوچ لیتیں۔ تایا جی کے فیصلے کے سامنے ذرا ہمت دکھا کر د(یکھ) جاتیں تو وہ کیا کر لیتے۔ زبردستی تو مجھے اس گنوار کے پلے نہیں باندھ سکتے تھے۔ چار دن نارا(ض) رہتے پھر خود ہی من جاتے۔ نہ بھی مانتے، کم از کم میں تو بے وقعت ہونے سے بچ جاتی۔ د(نیا) میں ایک آخری شخص یہ رافع ہی تو نہیں بچا تھا۔''

اس کی ہر سوچ کا آخری سرا رافع پر آ کر رک جاتا اور اس کے دل میں غصے ا(ور) نفرت کے ابال سے اٹھنے لگتے۔

اس نے ایک بار، ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا کہ اگر وہ رافع کی جگہ ہوتی ایسی سچویشن میں کیسے ری ایکٹ کرتی؟ اصل میں تو اسے روشی کی بربادی اور موقع کی نزاک(ت) کا احساس ہی نہیں تھا تو وہ کیا خود کو رافع کی جگہ رکھ کر سوچتی۔

ڈاکٹر پھپھو کو چیک کر کے اور سکون کا کوئی انجکشن لگا کر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بع(د) مہمان بھی رخصت ہوئے اس کے بعد سے یہ خوفناک سناٹا سارے گھر پر طاری ہوا تھا۔ ... نہیں باقی بھی نیند کے انجکشن لگوا کر سو گئے تھے کہ کہیں کوئی آواز یا آہٹ نہ تھی۔ آفتاب زبیری تو اسی وقت پھٹے ہونٹ سے رستے خون کو صاف کرتے۔ دھمکیاں دیتے بکتے جھکتے باہ(ر) چلے گئے تھے۔ وہ جاتے جاتے ایک بار پھر کہہ گئے تھے کہ نکاح چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ہو گا اور وہ کر کے رہیں گے۔

''اچھا ہے ہو جائے۔ اس میلو ڈراما سے تو جان چھٹے۔''

وہ اکتا کر سوچتے ہوئے لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر میں شاید اس کی آنکھ لگ گئی تھی کہ زوردار کھڑاک سے وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ بستر پر سکڑی سمٹی لیٹی تھی۔ اچھی خاصی ٹھنڈک بھی ہو چکی تھی۔ نیالے سے اندھیرے میں اسے ٹائم بھی ٹھیک سے نظر نہیں آیا۔

''پتا نہیں، یہ آواز کیسی تھی؟'' کچھ سوچتے ہوئے وہ آہستگی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

صحن میں شام اتر آئی تھی۔ شاید مغرب کی اذانیں ہو چکی تھی یا ہونے والی تھیں، اسے ٹھیک سے پتا نہیں چلا۔ صحن اور برآمدے کی کسی نے لائٹ نہیں جلائی تھی۔ اس نے دونوں لائٹیں آن کیں۔

''پھپھو کو دیکھوں۔'' وہ آہستگی سے آگے بڑھی کہ کچن کے سامنے وہ ٹھٹک گئی۔

رافع چولہے کے آگے کھڑا ساس پین میں چمچ چلا رہا تھا۔

وہ اب سوچ میں پڑ گئی کہ آگے جائے یا کچن کا رخ کرے۔ ویسے تو وہ اپنے لیے چائے بنانے ہی نکلی تھی۔

''تمہیں کچھ احساس ہے کسی کا؟'' وہ شاید آگے ہی بڑھ جاتی اگر رافع کی تیز چبھتی ہوئی آواز اس کے قدم نہ جکڑ لیتی۔ ایک دم اسے صبح والا چنگھاڑتا تمتماتا ہوا رافع نظر آیا۔ اس کا غصہ عود کر آ گیا۔

''کیوں؟ کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ اس سے بھی زیادہ کٹیلی آواز میں کہتے ہوئے دو قدم اندر بڑھ آئی۔ وہ ساس پین میں کسٹرڈ بنا رہا تھا۔

''نہیں۔ کچھ نہیں کیا تم نے۔ غلطی ہو گئی مجھ سے۔''

وہ ایک دم لہجہ بدل کر پست آواز میں بولا تو لیہا کا جی چاہا اسے یہیں کھڑے کھڑے خوب کھری کھری سنا ڈالے۔ اندر ابلتا سارا لاوا اس پر اگل دے مگر وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکی، فقط ایک نفرت بھری پھنکارتی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹنے لگی کہ وہ چمچ چھوڑ کر پلٹا اور اس کے کاندھے تھام کر اپنی جانب موڑتے ہوئے گھورنے لگا۔

''کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ وہ اپنے ہاتھ کی سخت انگلیاں اس کے کندھے میں کھبوتے ہوئے نظریں اس پر گاڑ کر بھینچی ہوئی آواز میں غرایا۔ ''ہو کیا تم؟''

''شٹ اپ! ڈونٹ ٹچ می۔'' اس نے زور سے خود کو جھٹکا دیا اور اپنا آپ اس کی آہنی گرفت سے چھڑانا چاہا رافع کا دوسرا ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔

''تمہارے خیال میں تمہارے اس پھیکے حُسن کو چھونے کے لیے میں مرا جا رہا ہوں تو اپنے بھیجے سے یہ خوش فہمی نکال دو۔ تم اس خوب صورت بدن اور حسین چہرے کے اندر چھپی اصل میں کیا ہو۔ یہ میں ابھی تو جانتا ہوں اور تمہیں جان لینے کے بعد شاید ہی کوئی عقل مند تمہیں پا لینے کی تمنا کرے۔ کم از کم میں تو ہرگز نہیں۔'' وہ تمسخر بھرے لہجے میں بولا اور ایک

جھٹکے سے اسے پرے دھکیل دیا۔

"تم......تم خود کیا ہو۔ فرصت ملے تو جا کر ذرا آئینہ دیکھ لینا۔ اس میں تمہارے شدہ چہرے ہوئے خدو خال یقیناً تمہیں تمہاری اوقات یاد دلائیں گے تو تمہیں پتا چلے گا جیسا دو کوڑی کا گھٹیا انسان میری تمنا کرنے کا حق رکھتا بھی نہیں۔ سنا تم نے۔"

"تم۔" اس سے پہلے کہ وہ جھپٹ کر اسے دو چار تھپڑ جڑ دیتا، وہ وہاں سے تق بھاگتے ہوئے نکلی اور کمرے میں آتے ہی اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا د اس کی سانسوں کا زیر و بم اس کے کنٹرول میں نہیں تھا وہ دروازے کے پاس زمین پر بیٹھ بے اختیار رونے لگی۔

☆☆☆

"کہاں جا رہی ہو تم؟" آفتاب زبیری کی گرجدار آواز میں اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پتا نہیں وہ کس پر گرج رہے تھے۔ شاید پھپھو...... وہ تیزی سے بیڈ سے اتر اور دروازہ کھول کر باہر کی طرف بڑھی۔

روشی کندھے پر بیگ لٹکائے کتابیں ہاتھ میں لیے شاید یونیورسٹی جانے کے تیار کھڑی تھی اور آفتاب زبیری شکنوں بھری شلوار قمیص میں آستین چڑھائے اس کے سر کھڑے تھے۔

"یونیورسٹی!" روشی اطمینان سے بے خوف لہجے میں بولی۔

"تمہیں پتا ہے نا آج......" وہ کہتے کہتے شاید جھجک کر رک گئے تھے۔ "بیٹھو اند چل کر۔ کوئی ضرورت نہیں ان پڑھائیوں وڑھائیوں کی۔"

وہ اسے بازو سے ذرا اندر کی طرف کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولے۔

"یہ فیصلہ کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں کہ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے اور کس کی نہیں اور آپ کو تو آج تک پتا ہی نہیں چلا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے بھی کہ نہیں۔ آپ کو تو صرف اپنی ضرورتوں کی خبر ہوتی ہے اور بس۔"

روشی باپ پر نگاہیں جمائے چبا چبا کر بولی کہ ایک پل کو آفتاب زبیری تو کی دروازے میں کھڑی لیہا بھی حیران رہ گئی۔

"بہت زیادہ زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔ گدی سے کھینچ لوں گا۔ قابو میں کرو اسے۔"

وہ غصے میں چلائے۔

"آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو میرا سودا کر ہی چکے ہیں نا۔ اب یہ آپ کا سر درد نہیں۔ آپ صرف اپنے نوٹ کھرے کریں۔"

"روشی! میں تیری زبان کھینچ لوں گا۔ یہ تربیت کی ہے۔ اس گھٹیا، بے شرم، بے غیرت نے تیری۔" وہ غصے میں زور زور سے چیخنے لگے۔

"اب تو کسی بھی بات پر افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس افسوس کی بات تو صرف ایک ہے کہ آپ مجھے بیچنے کے بعد مجھ سے مزید کوئی نفع نہیں کما سکیں گے۔ اس گھر میں میرے بعد بکنے کے لیے اور کچھ بھی نہیں، یا ہے؟" وہ ان کے چلانے کو ان سنی کرتے ہوئے پانیوں سے بھری اپنی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں ان پر جما کر سرد لہجے میں بولی۔

"تو اندر دفع ہو ورنہ تجھے یہیں کھڑے کھڑے ختم کر دوں گا۔ نامراد، زبان دراز، بدبخت عورت کی بدبخت منحوس بیٹی۔" انہیں کوئی جواب نہیں سوجھا تو صلواتوں پر اتر آئے۔

"بدبخت تو وہ عورت ہے جو آپ جیسے جواری کے ساتھ زندگی بتاتی رہی۔ وہ بدبخت ہے تو اس کی اولاد کون سا خوش بخت ہو گی پھر جب اس پر آپ جیسے جہنمی پیڑ کا سایہ ہو، وہ زمین کبھی ہری ہو ہی نہیں سکتی۔ کتنے اچھے ہوتے تھے۔ وہ ماں باپ پہلے زمانے کے جو اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین کا پیوند بنا دیا کرتے تھے۔ کاش میں اس زمانے میں پیدا ہوئی ہوتی تو آج یوں اپنے باپ کے ہاتھوں نہ بکتی یوں سر بازار میری بولی تو نہ لگتی اور بیچنے والا کون؟ میرا باپ۔ میرا باپ، سنا لوگو! میرے باپ نے بیچ ڈالا، مجھے۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی اور دوسرے پل بالکل چپ ہو گئی۔ چادر کے کونے سے اپنا چہرہ رگڑا، نفرت بھری نظر آفتاب زبیری پر ڈالی اور تیزی سے مڑ کر باہر نکل گئی۔

"اے رکو روشی! میں تجھے ختم کر دوں گا۔ یہ ڈرامے میرے ساتھ کیے تو...... میں کہیں نہیں جانے دوں گا تجھے۔" وہ بدحواس سے چلاتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے۔

"یقیناً آپ کی تو کوئی عزت نہیں اور ہماری تو ہے ہی نہیں اگر آپ کو اپنی لٹی پٹی عزت کا ذرا بھی خیال ہے تو یہیں سے پلٹ جائیں ورنہ گلی میں چلا چلا کر سارے زمانے کو بتا دوں گی کہ میرا بیوپاری کون ہے۔"

روشی کی سرد دھیمی آواز ان کے پیچھے آتی لیہا نے بھی سنی اور پھر آفتاب زبیری کو

تھکے تھکے قدموں سے پلٹ کر اندر آتے دیکھ کر وہ چپکے سے پھپھو کے کمرے کی طرف مڑ گ
وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے گالیاں بک رہے تھے۔

"اس نے کیا اولاد کی تربیت کی ہے۔ میرے خلاف لشکری تیار کیے ہیں، پر
نام بھی آفتاب زبیری ہے۔ سب کی مستیاں نکال دوں گا...... وہ ڈرائنگ روم کے درواز
کے پاس چوکھٹ پر بیٹھ گئے۔

"اندر پھپھو دونوں ہاتھوں میں سر دیے بیٹھی تھیں۔

"اندر جاؤں کہ واپس مڑ جاؤں۔" وہ یوں بھی بے آواز قدموں سے اندر آ گئی تھ
مگر باہر بھی تو وہ جن بیٹھے تھے جن سے لیہا کی پہلے دن سے جان نکلتی تھی۔

"آ جاؤ بیٹا! تمہاری طبیعت تو اچھی ہے نا۔" وہ جو تذبذب میں کھڑی تھی، پھپھو
آواز سن کر سست قدموں سے آگے بڑھی۔ وہ شاید اسے جتا رہی تھیں جو الٹا اس سے طبیعت
پوچھ رہی تھیں، اسے واقعی شرمندگی سی ہوئی۔

"پھپھو! آپ نے روشی کو کیوں جانے دیا۔ پھوپھا جان خفا ہو رہے تھے۔" وہ کہ
کچھ اور چاہ رہی تھی کہہ کچھ اور بیٹھی۔ وہ بھی پھپھو کی ناراضی کا سامان۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو۔ کسی کی بات ہی نہیں سن رہی، نہ سمجھ رہی ہے او
اپنے پھوپھا جان کی اصل صورت تو تم بھی دیکھ چکی ہو۔ ابھی بھی...... خیر کچھ تو میرے اللہ نے
بھی طے کر رکھا ہوگا۔ ہمیں تو ہر گھڑی خیر مانگنے کا حکم ہے کہ مایوسی کی انتہا پر بھی اپنے لیے برائ
مانگو۔ موت کے آخری لمحوں میں نزع کی تکلیف ناقابل برداشت ہو تو بھی موت مانگنے سے منع
کیا گیا ہے۔ ہم تو پھر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ عافیت میں ہیں، مصیبت میں مبتلا ہیں گناہ میں
نہیں۔ میرے مولا تیرا بڑا شکر ہے۔ بڑا کرم ہے ہم پر۔ غم سے قریب ہیں تو گویا تیری رحمت
کے نزدیک تر ہیں تجھے بھولے ہوئے ہیں۔ تو ہمیں نہ بھولنا ہمارے الٹے کام سیدھے کر دینا۔
گمراہ دلوں کو راہ ہدایت دینا۔ شیطان کا آلہ کار بننے سے محفوظ رکھنا۔ اس مصیبت کی گھڑی
میں بھی برا سوچنے، برا کرنے کے ارادے سے خیال سے، گمان سے محفوظ رکھنا۔ جس کو تو نے
تھام لیا۔ اسے بڑے سے بڑا دھچکا لرزا نہیں سکتا۔ سب کو سہارا دینے والے ہمارا سہارا بن جا،
ہماری تسلی بن جا، ہمارا دلاسا بن جا، دکھ سے بے چین بے سکون دلوں کو ٹھہراؤ دے۔ ہدایت کا
رستہ سوچنے کی ہدایت دے اور یہ گنہگار تجھ سے کیا طلب کر سکتی ہے، صرف دعا کا حق ہے میرا

تجھ پر اور اس حق کے لیے میں ضرور تجھ سے سوال کروں گی۔ ہر گھڑی ہر پل ہر ساعت دعا کی
توفیق دے مجھے۔ کبھی کسی گھڑی مانگنے سے بے پروا نہ کرنا۔ اس ہنر سے کبھی ناآشنا نہ
کرنا......"

پھپھو خود سے، اردگرد سے بے خبر سامنے دیوار کو تکتے ہوئے پلکیں جھکائے بغیر
دھیمی سی آواز میں اللہ سے سرگوشیوں میں گم ہو چکی تھیں۔ وہ کمرے کے وسط میں حیران
پریشان، الجھن زدہ سی کھڑی انگلیاں مسلتی انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ کئی بار دل میں خیال آیا۔
چپکے سے وہاں سے نکل آئے۔ ایک بار بھی اس کے دل میں ان لفظوں کو، ان جملوں کو سمجھنے یا
غور کرنے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی اور انسان کو سب کچھ تو خواہش یا ارادہ کرنے سے ہی ملتا
ہے نہ بھی ملے، کم از کم خواہش انسان کے دل میں کسک کو تو جنم دے سکتی ہے اور اس کے دل
میں اس سارے پریشان دورانیے میں...... ایک بار بھی تقدیر لکھنے والے کی طرف دھیان کرنے
کا خیال نہیں آیا تھا۔ آتا تھا خیال تو صرف اپنی محرومیوں کا۔ اپنے ساتھ ہونے والی نا
انصافیوں کا اور اپنی بیچارگی و بے بسی کا۔

سو اس گھڑی بھی وہ سعدیہ بیگم کی کیفیت، ان کے جذبات سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس
گھڑی بھی یہی سوچ رہی تھی کہ پھپھو کے دماغ پر پے در پے صدمات نے گہرا اثر کر ڈالا ہے۔
اسے یہ بے بسی کی انتہائی حالت لگ رہی تھی۔ پھپھو ابھی بھی لبوں میں بڑبڑا رہی تھیں مگر ان کی
آواز اب بہت مدھم ہو چکی تھی۔ کمرے کے سناٹے میں ان کی بڑبڑاہٹ مکھیوں کی بھن بھن
کی طرح لگ رہی تھی۔

"امی! روشی کہاں گئی؟" رافع نہ جانے کس وقت گھر آیا تھا یا شاید وہ گھر میں موجود
ہی تھا لیکن نہیں اگر وہ موجود ہوتا تو آفتاب زبیری کے چیخنے اور روشی کے جواب دینے پر ضرور
باہر نکلتا لیہا اپنی جگہ سمٹ سی گئی۔

"ہوں!" پھپھو جیسے ہوش میں آ گئی تھیں "میرے منع کرنے کے باوجود یونیورسٹی
چلی گئی ہے۔ باپ نے بھی روکا مگر نہ جانے کیا کچھ اس کے دل و دماغ پر گزر رہی ہے جو کسی
کی سنتی ہی نہیں۔ تمہارے ابو کہاں ہیں۔" وہ اب بالکل نارمل انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔

"معلوم نہیں۔ گھر میں البتہ نہیں ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" وہ دو قدم پر کھڑی
لیہا کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ماں سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا، اپنے قدموں

کے نیچے گڑھا کھود کر گم ہو جائے۔

''ہوں...... ہاں۔'' پھپھو نے گہرا سانس لیا، وہ بھی جیسے سامنے نظر آتی لیہا سے انجان تھیں۔

''چلیں پھر...... آپ تیار ہو جائیں۔'' وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔ لیہا کو لگا ابھی اگلے قدم پر اس کے بے حد قریب کھڑا ہو گا وہ اس کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہی تھی مگر اسے لگ رہا تھا۔ وہ اس کی زاویہ نظر کے کہیں آس پاس ہی ہے۔

''تم بھی تیار ہو جاتے۔'' نہ جانے دونوں ماں بیٹا گھر میں ایسی ٹینشن کی موجودگی میں کہاں جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ بس دس منٹ لگائیں چینج کرنے میں۔ میں جوتے پہنتا ہوں۔''

وہ کہتے ہوئے مڑا تو اس کی قمیص کی آستین لیہا کی کلائی کو مس کر گئی۔ وہ فوراً پرے سرک گئی ''اور ہاں آپ نے کچھ کھایا نہیں؟'' وہ جاتے جاتے ان ہی قدموں پر رک گیا اور ایک چبھتی ہوئی نظر لیہا پر ڈالی اس نے فوراً نظریں دوسری طرف کر لیں۔

''ذرا بھوک نہیں۔ تم چلو، بس میں ابھی آئی۔''

''امی! پھر آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔ کچھ نہ کچھ تو کھا لیں۔ دودھ یا چائے کے ساتھ ''رس'' لے لیں یا بازار سے کچھ لے آؤں۔''

''نہیں بیٹا! کچھ نہیں۔ تم نے بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔'' وہ فکرمندی سے بولیں تو لیہا کا جی چاہا، اپنا سر سامنے دیوار سے دے مارے وہ یہاں کیوں کھڑی تھی۔

''لیہا بیٹا! ایسے کرو۔ تین کپ چائے بنا لو۔ ساتھ میں سلائس سینک لو۔ تینوں مل کر ناشتہ کر لیتے ہیں۔ تم نے بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔'' پھپھو اسی فکرمندی سے بولیں جیسا وہ رافع کے لیے کہہ رہی تھیں مگر اسے صاف بناوٹ لگی۔

وہ کوئی بھی جواب دیے بنا پلٹنے لگی۔

''ان کا پیٹ بھرا ہوا ہے امی! اپنا غم کھا رہی ہیں یہ آج کل۔'' رافع اس کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔ وہ غصے میں پلٹی اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہ بالکل اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے مونچھوں تلے بھرے بھرے لب شاید مسکرا رہے تھے یا اسے ایسا لگا۔

''آپ......''

''آپ اپنی حد میں رہیں...... ہے نا؟'' وہ فوراً اس کے لہجے میں انگلی اٹھا کر اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے بولا۔ تو اس کا جی چاہا، سامنے دیوار سے لگا گملا اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارے۔ وہ آنکھوں میں آتے پانی کو پیتی تیزی سے کچن میں چلی گئی۔ وہ چند لمحے صحن میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے بڑی بے دلی سے چائے بنا کر سلائس سینکے۔ پھپھو اور رافع کا ناشتا ان کے کمرے میں دے آئی۔ پھپھو اب نفیس سا پنک کلر کا ہم رنگ کڑھائی والا سوٹ پہنے بال بنائے تیار تھیں۔

''تم اپنا ناشتہ نہیں لائیں۔'' وہ ٹرے میں دو کپ دیکھ کر بولیں۔

''میں کچن میں ہی پی لوں گی۔ دودھ ابال رہی ہوں ساتھ۔'' اس نے مڑے بغیر جواب دیا اور باہر نکل آئی۔ دل غم کی گھٹا سے بوجھل ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا، ڈھیر سارا روئے۔ اسے کل سے رافع سے بہت گھن آ رہی تھی۔ نفرت اور غصہ بھی مگر وہ اس طرح اس پر طنز کرے گا۔ اس انداز میں پیش آئے گا، اسے زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔

سچی بات تھی۔ اسے آج بھوک بھی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ اس کی چائے ایسے ہی پڑی تھی اور سلائس تو اس نے سینکا ہی نہیں تھا۔ وہ یونہی بیٹھی چولہے میں جلتی آگ کو تکے جا رہی تھی۔

''اونہوں!'' رافع نے کھنکارتے ہوئے ٹرے کاؤنٹر پر رکھی۔

''ہم جا رہے ہیں۔ دروازہ اچھی طرح بند کر لو اور پھر جی بھر کر، کھل کر جتنا تمہارا جی چاہے رو لو۔ کم از کم آدمی کی کوئی خواہش تو پوری ہونا چاہیے۔ ہے نا۔'' وہ اس کے بے حد قریب کھڑا اس کے سرخ ہوتے چہرے کو تکتے ہوئے شاید طنز کر رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کیسے اس کا چہرہ پڑھ لیتا تھا۔

''کیا یہ بہتر نہیں، کسی بھی آخری فیصلے تک پہنچنے سے پہلے ہم دونوں ایک دوسرے سے فضول گوئی نہ کریں۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر آگ کی لپٹوں پر نظریں جما کر بے رخی سے بولی تو وہ جیسے چپ سا ہو گیا۔

''ساتھ رہتے ہوئے تو یہ ممکن نہیں۔'' وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد بولا۔

"کیا آپ کو یقین ہے۔ ہم ساتھ رہتے ہیں۔؟" وہ ایک کیتلی نگاہ اس پر ڈال ایک قدم پیچھے ہو کر بولی۔

"یقین....." اس نے گہرا سانس لیا "یہی تو نہیں ہے آج کل میرے پاس۔ تمہیں کیا دلاؤں گا...... ویسے تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ اس نے سوا نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہی آخری فیصلے پر پہنچنے کا...... اچھی بات ہے، بہت اچھی بات۔ میں نے تو پ ہی تم سے کہا تھا۔ ہر انسان کو اپنے بارے میں اچھا برا فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ اوکے آئی وِش بیسٹ آف لک۔" پتا نہیں وہ اداس ہوا تھا یا اس کے دل سے کوئی بوجھ اترا تھا۔ وہ ان قدموں پر واپس مڑ گیا اور وہ نہ چاہنے کے باوجود اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"بیا بیٹا! ہم لوگ جا رہے ہیں۔ گھنٹے تک آ جائیں گے۔ تم دروازہ بند کر لو اور ا تمہارے پھوپھا جان آ جائیں تو ان سے ناشتے کا پوچھ لینا۔ دوپہر کے لیے کچھ نہ پکانا۔ آتے ہوئے لے آئیں گے۔" پھپھو جاتے جاتے کچن کے دروازے میں رک کر بولیں۔

"تم نے ناشتا کر لیا؟" وہ اس کا کپ کاؤنٹر پر پڑا دیکھ کر بولی۔

"کرنے لگی ہوں۔" وہ نظریں جھکا کر بولیں۔

"کیا بات ہے بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ اس کے قریب آ کر اسی محبت بھر انداز میں بولیں۔

"ٹھیک ہوں پھپھو بالکل۔" وہ جبراً مسکرائی مگر اس سے مسکرایا بھی نہ گیا۔

"میں اپنی شرمندگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی کہ میں تمہیں اس گھر میں کوئی آسائش کیا سکون تک نہ دے سکی۔ ہو سکے تو مجھے مجبور سمجھ کر معاف کر دینا۔ بس دعا کرو، ہم جس نیک مقصد سے جا رہے ہیں۔ وہ میرے اللہ کے گھر مقبول ہو جائے اور ہماری مشکلوں کی گرہ کھل جائے تو دلوں میں پڑی گرہ بھی یقیناً ڈھیلی ہو جائے گی۔ دل کی بے سکونی کا باعث تو یہ بیرونی مصیبتیں ہی ہوتی ہیں۔ دعا کرو، یہ ٹل جائیں۔ باقی اللہ بہتر کرے گا۔ دروازہ بند کر لو اللہ حافظ۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ اسے پھپھو کی یہ والی باتیں کم ہی سمجھ میں آتی تھیں۔

ان کے جاتے ہی اس نے بیرونی دروازہ بند کر لیا۔

"اللہ کرے پھپھا جان نہ آئیں" اس نے پلٹتے ہوئے دعا کی۔

کچن میں آ کر چائے گرم کی۔ اپنے لیے ایک سلائس سینکا اور وہیں کرسی پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

وہ جو تھوڑی دیر قبل اس کے بے اختیار رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ بوجھ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اس کا ذہن بالکل خالی ہو چکا تھا۔ سارا دھیان صرف چائے کی طرف تھا جس کے گرم گرم گھونٹ اس کے دماغ کو عجیب سا سکون دے رہے تھے۔

"یہ دونوں ماں بیٹا کدھر گئے ہیں؟ لگتا ہے، آج اس ٹینشن کا ڈراپ سین ہو جائے گا اور یہ روشی کیسی پاگل ہے۔ خواہ مخواہ اٹھ کر یونیورسٹی چل دی۔ کہاں تو کل سے مُردوں کی طرح پڑی تھی اور آج یونیورسٹی چل دی اور صفائی بھی نہیں کر کے گئی۔ کل سے گھر گندا پڑا ہے۔ پڑا رہے۔ اس گھر میں پہلے کون سی ترتیب یا صفائی ہے جو میں اس کی فکر کروں۔" وہ اب پھر جل کڑھ رہی تھی۔

چائے پی کر بالکل غیر ارادی طور پر اس نے اِدھر اُدھر سے چیزیں سمیٹ کر صفائی شروع کر دی۔

☆☆☆

"وہ کیوں نہیں آیا۔ اس نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ ضرور آئے گا مگر اب تو رات بہت گہری ہو گئی اور کھانا...... کھانا تو جیسے برف ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔"

شائستہ نے پژمردگی و بیزاری سے سامنے سجی جہازی سائز ڈائننگ ٹیبل پر نظر ڈالتے ہوئے گھڑی دیکھی ساڑھے گیارہ بجنے کو تھے۔

"وہ اب نہیں آئے گا اور مجھ سے کیسی بے وقوفی سرزد ہوئی کہ اس کا کانٹیکٹ نمبر کوئی ایڈریس کچھ بھی نہیں لیا۔ اب کم از کم اتنی دیر ہو جانے کی صورت میں، میں فون تو کر لیتی۔ شام سے میں نے اس کے آنے کی اتنی تیاری کی تھی۔ سب بے کار گیا۔"

اس نے بے زاری اور کوفت سے اپنے تیار حلیے پر نظر کی۔ ایک مدت بعد وہ اتنا دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ ڈارک میرون کلر کی خوب صورت ساڑھی پر کہیں کہیں تارہ جھلملا رہا تھا۔ ساڑھی سے میچنگ شعاعیں بکھیرتے نازک ڈائمنڈ اس کے لونیک گلے کے اوپر دودھیا

گردن پر گویا خون چھلکاتی شعاعیں بکھیر رہے تھے۔ کلائی میں پڑا نازک بریسلیٹ اور دوسری کلائی میں کھنکتے خوب صورت کنگن اس کے دل میں انوکھی سی خواہش کو جنم دے رہے تھے۔

''ابھی تو مجھے اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں اور میں نے کیا کچھ سوچ لیا اور کتنی دور تک۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر وہی رگ جاں کو کاٹتی چیرتی جان لیوا تنہائی...... نہیں نہیں۔'' اس نے وحشت بھرے انداز میں سر جھٹکا۔

''میڈم! ڈاکٹر زبیر آئے ہیں۔'' ملازم نہ جانے کس وقت اندر آیا تھا اور اس کی سوچوں کا سلسلہ ختم کیا۔

''اس وقت۔'' وہ اچنبھے سے بولی۔ ساڑھے گیارہ سے زیادہ ٹائم ہو رہا تھا۔

''جی، کہہ دوں کہ آپ سو رہی ہیں۔'' اس کی خاموشی پر ملازم بولا۔

''ہوں۔ نہیں بھیج دو اندر۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر کرسی سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کے پاس ہی ٹہلنے لگی۔

''ہیلو شائستہ جی، ہاؤ آر یو۔'' ڈارک گرین کلر کے سوٹ میں ڈاکٹر زبیر کی پرسنالٹی بہت زبردست لگ رہی تھی اور وہ اچھے خاصے تیار بھی لگ رہے تھے یا شائستہ کو ایسا محسوس ہوا۔

''فائن۔ آپ سنائیں، آج ادھر کا رستہ کیسے بھول پڑے'' وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے بالمقابل سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ادھر کا رستہ تو ایک پل کے لیے دھیان سے اوجھل نہیں ہوتا۔ آپ اگر اجازت دیں تو خاکسار، صبح و شام سلام کر جایا کرے یا ہمیشہ کے لیے......'' وہ قدرے شوخ سے انداز میں مسکراتے ہوئے اپنا مدعا دل بیان کر گئے۔

''کم آن ڈاکٹر صاحب! اب ایسی بھی تمنا نہیں کہ صبح و شام ہی ایک ڈاکٹر سے ملاقات کی جائے۔'' وہ بھی مذاق کے انداز میں بولی ان کے اظہار تمنا کو نظر انداز کرتے ہوئے۔

''یہ تو مشکل ہے بیگم صاحبہ! وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے۔'' وہ گہرا سانس لے کر ایک جبری مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

''بھئی۔ میں تو یہ پوچھ رہی تھی۔ اتنی رات گئے بھی کیا آپ مسیحائی کرتے رہے ہیں۔''

''آف کورس مسیحا کا اور کام کیا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو حاجت مسیحائی ہو، یہ ادھر آ

کی لین میں ساتواں بنگلہ ہے کلینک سے اٹھتے اٹھتے مختار صاحب کا فون آ گیا کہ ان کا دل گڑبڑ کر رہا ہے۔ جاتے ہوئے ذرا اسی کی خبر لے لوں تو بس انہیں دیکھ کر آپ کے دولت کدے کے آگے سے ایسے ہی گزرنا ہمیں معیوب سا لگا تو بے اختیار گھنٹی بجا دی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولے۔

''آپ کہیں سے آ رہی ہیں، میرا مطلب ہے کسی پارٹی وارٹی سے۔ یا کسی نے آنا تھا۔'' وہ ایک اچٹتی سی نظر بھری ڈائننگ ٹیبل پر ڈال کر بولے تو شائستہ کو بھی اخلاق نبھانا پڑا۔

''یوں سمجھ لیں آپ ہی کا انتظار تھا۔'' وہ بات بنا کر بولی۔

''ریئلی۔ نہیں نہیں۔ یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ......'' انہوں نے جان کر مصرعہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اصل میں ایک خاص مہمان کا انتظار تھا۔ وہ نہیں آیا تو......'' وہ کچھ جتاتے جتاتے رہ گئی۔

پھر تو رہنے دیں۔ مجھے کسی کی جگہ لینا کبھی بھی پسند نہیں رہا۔ کجا کسی کی جگہ کھانا کھانا۔'' وہ قدرے ناگواری سے بولے۔

''کم آن ڈاکٹر صاحب! آپ اس قدر فارمل کب سے ہو گئے۔ یاد ہیں پال۔'' وہ رکی۔ ''آپ تو ہمیشہ سے خاص مہمان رہے ہیں۔ کہتے کہتے وہ ملازم کو پکارنے لگی۔

''لیکن اس کے باوجود میں بیٹھوں گا نہیں۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔'' وہ اٹھنے لگے۔

''جی میڈم۔''

''کھانا گرم کروا کے سرو کرو مگر ذرا جلدی۔''

''میں تو یونہی ملنے آ گیا تھا۔ کچھ آپ کی خیریت دریافت کرنے، اجازت۔ چلتا ہوں۔'' وہ واقعی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا میرا ساتھ نہیں دیں گے۔'' وہ شکایتی انداز میں ایک خاص زاویہ نظر سے دیکھ کر بولی۔ تو ڈاکٹر زبیر کے حوصلے پست ہو گئے۔

''آپ کا ساتھ تو میں زندگی کی آخری سانس تک نبھانے کو تیار ہوں مگر واقعی مجھے دیر ہو چکی ہے۔''

''آپ کے بچے اب یقیناً بڑے ہو چکے ہیں اور آپ کی مصروف روٹین کے عادی

بھی ہوں گے۔ گھر جانے کی اتنی فکر تو تب ہوتی ہے جب بیوی نام کی چیز آپ کی خبر لے جاگ رہی ہو۔" وہ یونہی بولی اصل میں وہ اس کوفت زدہ کیفیت سے نکلنا چاہ رہی تھی جو ا خاص مہمان کے نہ آنے سے اس پر طاری ہوئی تھی۔

"یہی بات تو میں آپ سے عرض کرنا چاہ رہا ہوں۔ دونوں بچے اب بڑے ہو۔ ہیں۔ ایک دو سالوں میں اپنے گھر کے بھی ہو جائیں گے اور زندگی کے اس آخری پہر میں ہم سفر کی ضرورت کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے اسی لیے تو آپ کے آگے بار ہا۔"

"آیئے۔ کھانا لگ گیا ہے۔ یقیناً آپ کو خوب بھوک لگ رہی ہوگی۔ بھئی۔ آپ کا پروفیشن بہت ٹف ہے بلکہ میں تو کہوں گی ایک سزا ہے۔ بندہ نارمل زندگی تو گزار نہیں سکتا بلکہ اپنی زندگی نہیں گزار سکتا۔ دوسرے اس کی ساری زندگی چرا لیتے ہیں۔" وہ قہ بات بدلتے ہوئے انہیں ڈائننگ ٹیبل تک لے آئی۔ ڈاکٹر زبیر کو اگرچہ یوں اپنی ادھوری با، کا اچک لیا جانا خاصا ناگوار گزرا مگر انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔

"تھینک یو۔" وہ چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"مجھے اسٹوڈنٹ لائف میں ڈاکٹر بننے کا بڑا کریز تھا۔ تھینک گاڈ! میرے مار ہمیشہ سو سو آتے تھے کہ بس اگلی کلاس میں پروموٹ ہو سکوں اور میں اس مشقت بھری زند سے بچ گئی۔ آپ شروع کریں نا۔" وہ انہیں یونہی بیٹھا دیکھ کر آداب میزبانی نبھانے لگی۔

"تھینک یو۔" انہوں نے تھوڑے سے چاول پلیٹ میں نکالے اور بے دلی ۔ کھانے لگے۔ ڈاکٹر زبیر کی چپ کو شائستہ نے محسوس تو کیا مگر جتایا نہیں۔

ڈاکٹر زبیر کئی بار واضح اشاروں میں اس کے لیے اپنا پرپوزل پیش کر چکے تھے۔ ا کی بیوی دس سال پہلے فوت ہو چکی تھی۔ آئر لینڈ میں ان کی رہائش بالکل پال کے گھر ـ ساتھ تھی پھر ایک ہم وطن ہونے کے ناتے اور کچھ پسندیدگی کی وجہ سے یا پال سے دوستی کی و سے وہ شائستہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان دنوں ان کی حیثیت گھر کے فرد کی طرح تھی ا پال کی موت کے بعد بھی وہی تھے۔ اس بھری دنیا میں جنہوں نے شائستہ کو سنبھالا تھا۔ پاکستا جانے کے اس کے فیصلے کی تائید کی تھی اور یہاں اسے یہ چھوٹی سی فرم قائم کرنے، بنگلہ خرید دینے اور سیٹل ہونے میں بھرپور مدد کی تھی۔ اس دوران بھی وہ وقتاً فوقتاً اشاروں کنایوں مے اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے جسے ہر بار شائستہ یا تو ٹال جاتی یا نظر انداز

دیتی۔ پتا نہیں ہزار بار سوچنے پر بھی شائستہ کو وہ ایک ہم سفر کے طور پر قبول نہیں تھے پھر ایک مرتبہ زندگی جو وہ گزار آئی تھی۔ اگرچہ زبیر کو اس کے خیالات کا پتا تھا کہ اس نے نہ تو عیسائیت قبول کی تھی نہ کبھی چرچ گئی تھی نہ کبھی ایسا کوئی ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن شائستہ کے اپنے دل میں یہ چور تھا کہ یہاں پاکستان میں سوائے ڈاکٹر زبیر کے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک عیسائی کی بیوی رہ چکی ہے اور اس نے اپنا تعارف کسی سے بھی ایسے نہیں کرایا تھا وہ جان پال کی جگہ شائستہ خان سے کام چلا لیا کرتی تھی مگر ڈاکٹر زبیر کی بات اور تھی۔ وہ سب حقائق سے واقف تھے۔

"قہوہ چلے گا یا کافی۔" کھانے سے اٹھتے ہوئے شائستہ نے پوچھا۔

"قہوہ ٹھیک رہے گا۔" ڈاکٹر زبیر نے بھی آج دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے مطمئن انداز میں کہا۔ تھوڑی دیر میں قہوہ آ گیا۔

"شائستہ! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہ رہا ہوں۔" پہلا گھونٹ بھرتے ہی وہ بولے۔ شائستہ کے دل میں گھنٹی سی بج اٹھی۔

"جی کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔" کچھ سوچ کر اس نے بھی حتمی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں آپ کو پرپوز کرنا چاہ رہا ہوں۔" انہوں نے کوئی بھی تمہید باندھے بغیر کہہ ڈالا وہ ایک لمحے کو چپ سی رہ گئی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا۔" وہ اس کی خاموشی پر بے چینی سے بولے۔

"ڈاکٹر زبیر! میں دل سے آپ کی قدر کرتی ہوں۔ آپ ایک بے حد مہذب، شریف اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ سنجیدہ بردبار اور خیال رکھنے والے۔ آپ کی انہی خوبیوں کی بنا پر میں دل سے آپ کی قدر کرتی ہوں۔ آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ جانتے ہیں، یہاں جتنی انڈر اسٹینڈنگ میری آپ سے ہے اور کسی سے نہیں۔ پال کے بعد بھی آپ نے جس طرح میرا خیال رکھا ہے۔ بزنس جمانے میں میری مدد کی ہے۔ آئی ریئلی ایڈمائر یو۔ بٹ۔" وہ رک کر انگلیاں مروڑنے لگی۔

"لیکن۔" ڈاکٹر زبیر بے چین ہو کر رہ گئے۔

"آپ نے مجھے پرپوز کیا۔ تھینک یو۔ لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل۔ اچھا آپ ایسا کیوں نہیں کرتے، مجھے سوچنے کے لیے کچھ مہلت دیں۔" ڈاکٹر زبیر کی اتری شکل دیکھ کر

اس نے ایک دم سے کہا تو جیسے ان کے چہرے پر رونق سی آ گئی۔
"آف کورس۔ کیوں نہیں۔ یہ تو آپ کا رائٹ ہے۔ آپ جتنا چاہیں سو
لیے ٹائم لے لیں۔" وہ بشاش لہجے میں بولے۔
"چلیں ٹھیک ہے۔ میں جلد ہی آپ کو انفارم کروں گی۔" وہ جان چھوٹ جا
پرسکون سی ہو کر بولی۔
"اوکے پھر مجھے اجازت۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے "اور ایک اچھے ڈنر کا شکر
جاتے جاتے بولے۔
"یو ویلکم۔" وہ بھرپور مسکراہٹ سے بولی۔
"یوں ویلکم کریں گی تو بن بلایا مہمان بن کر روز کھانے چلا آؤں گا۔" وہ پورا
کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔
"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ اس گھر میں کبھی بھی بن بلائے نہیں
سکتے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔" شائستہ اپنائیت بھرے انداز میں بولی تو ڈاکٹر زبیر
ہو گئے۔
"تھینک یو۔ تھینک یو، سو مچ اس عزت افزائی کے لیے اوکے بائے گڈ نائٹ.
ہاتھ ہلاتے گاڑی کھلے گیٹ سے بڑھا لے گئے تو شائستہ نے ایک گہرا سانس لے کر اوپر
مائل آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا۔
"وہ کیوں نہیں آیا؟" اس کے دھیان کی سوئی پھر اس نقطے پر آ کر تھرتھرانے لگی
"میرے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں۔ کیسی بے وقوفانہ غلطی
میں نے۔ ایڈریس تک نہیں لیا۔" وہ وہیں سنگ مرمر کے ستون سے ٹیک لگائے خود کو ملا
کرنے لگی۔

☆☆☆

پورے دو گھنٹوں بعد پھپھو اور رافع آئے تھے۔ اس نے اس دوران گھر چمکا دیا تھا
خود بھی نہا دھو کر کپڑے بدل لیے تھے۔ اس ساری مصروفیت نے ان جلتی بلتی تکلیف دہ سوچ
سے اسے نکال لیا تھا، وہ اپنے گیلے بال سلجھا کر باہر آئی تھی جب وہ دونوں آئے تھے۔
زنک کلر کے ایمبرائیڈڈ سوٹ میں اس کی رنگت خوب کھلی ہوئی لگ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ کتنے دنوں بعد تمہیں یوں تازہ دم دیکھا
ہے۔ اللہ تمہیں آباد رکھے۔ یونہی ہنستا مسکراتا۔"
پھپھو نے اس کا ماتھا چوم کر گلے سے لگایا تو وہ اس دعا پر بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔
ی اللہ اسے یونہی رکھے جیسے حالات سے وہ آج کل گزر رہی تھی۔ پھپھو کے نزدیک یہ آبادی
ی۔ ہنسی خوشی۔ اس کا دل جل کر رہ گیا۔
پتا نہیں اس کی ہر کیفیت چہرے پر آ جاتی تھی جو رافع جھٹ سے پڑھ لیتا تھا۔
"امی! بے چاری کو دعا تو اچھی دیں۔ اسے اس حالت میں رہنے کی دعا دیں گی تو
اس کے لیے کسی بد دعا سے کم نہیں ہو گی۔" وہ جاتے جاتے اس کے چہرے کی طرف دیکھ
ر بولا تو اسے اور غصہ آ گیا۔ "پتا نہیں یہ کیسے مجھے پڑھ لیتا ہے۔" اس نے رخ پھیر کر چہرہ
وسری جانب کر لیا۔
"اللہ نہ کرے، میں اپنی بچی کو بد دعا دوں اور شادی شدہ عورت کے لیے سہاگ
کے سلامت رہنے سے بڑی اور کوئی دعا نہیں ہوتی۔ تم مرد کب سمجھتے ہو ان باتوں کو۔" وہ اپنی
دھن میں کہے گئیں تو رافع سر ہلا کر رہ گیا۔
"ہاں چاہے وہ سہاگ بلائے جان بن جائے۔ کیوں پیا؟" وہ جان بوجھ کر بولا تو
ہ پیر پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔
"پیا بیٹا! یہ کچھ سامان ہے چائے کے لیے۔ اندر رکھ لو۔ کچھ رافع لے آئے گا اور
م خود ذرا اندر آ کر میری بات سن لو۔ ٹائم کیا ہوا ہے؟"
"ایک بجنے والا ہے۔" وہ اندر لگے کلاک کی طرف دیکھ کر بولی۔
"ایک بجے سے پہلے عموماً روشی آ جاتی ہے۔ ابھی تک آئی کیوں نہیں۔" وہ فکر
مندی سے بولیں۔
"اکثر ایک بجے کے بعد آتی ہے۔" اس نے انہیں یاد دلایا۔
"ہاں۔ مگر آج تو اسے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ روکا بھی تھا میں نے۔ پتا نہیں کیوں
ضد پر اتر آئی۔" وہ خود سے کہتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں۔
"یہ میری شرٹ پریس کر دو گی اگر زحمت نہ ہو تو؟" وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی نہ
جانے کیا سوچ رہی تھی، چونک گئی رافع نیلے رنگ کی شرٹ ہاتھ میں لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم شروع کیوں نہیں کر دیتیں۔" اس نے شرٹ اس سے نہیں لی تھی کہ وہ پھر بول پڑا۔

"کیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"لکھنا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"بھئی۔ جتنا غور و خوض، گیان دھیان تم کرتی رہتی ہو اگر لکھنا شروع کر دو تو ا سقراط کنفیوز کیا دنیا بھر کے سارے فلسفیوں کے لکھے لکھائے پر پانی پھیر دو گی۔ اتنی ذہین تو ہو۔ مجھے پتا ہے۔"

وہ آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت لیے اسے وارفتگی سے تکتے ہوئے بولا تو اس جی چاہا، ہاتھ میں پکڑی یہی شرٹ گولہ بنا کر اس کے منہ کے آگے رکھ کر اتنا دباؤ ڈالے کہ دوبارہ بول نہ سکے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" وہ دانت پیس کر بولی۔

"جو چاہتا ہوں۔ ابھی بتا دوں تو شاید تم میرا گلا گھونٹ دو یا اسی شرٹ کو میرے حلق میں ٹھونس کر میری آواز کا گلا گھونٹ دو، ویسے اس وقت میں صرف یہ شرٹ پریس کروانا چاہ رہا ہوں۔"

بیا کو شک نہیں یقین ہو گیا، اسے یقیناً ٹیلی پیتھی کے کچھ پوائنٹس آتے ہیں ج سے وہ اس کے دماغ کی ہر سوچ کر پڑھ لیتا ہے۔ وہ کھڑی اسے گھورتی رہی۔

"کیا ارادہ بدل گیا؟" وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی

"کچا کھاؤ گی مجھے؟" وہ ہنس کر بولا۔

"شٹ اپ!" وہ اتنی زور سے چلائی یقیناً پھپھو نے بھی سنا ہو گا۔

"او کے۔ کان پکڑتا ہوں۔ آئندہ گیان دھیان میں مخل نہیں ہوں گا لیکن پل شرٹ پریس کر دو۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر معصومیت سے بولا تو بیا کو اور غصہ آ گیا۔

"کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔ کوئی کھلونا یا کوئی مذاق جب آپ کا موڈ بدلتا ہے، آ کا رویہ، آپ کا سلوک بھی بدل جاتا ہے۔ مگر اس سارے نوٹنکی سے کچھ نہیں ہو گا۔ آپ اصل صورت میرے دل پر نقش ہو چکی ہے جو آپ کی ان مسخرانہ حرکتوں سے تبدیل نہیں ہو گی سمجھے آپ۔" وہ شرٹ بیڈ پر پٹختے ہوئے غصے سے چلائی۔

"او کے نہ تبدیل کرو اور یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم نے میری اصل صورت بھی دیکھ لی۔ ویسے کیا برا تھا اگر مجھے بھی دکھا دیتیں کہ میں کیسا لگ رہا ہوں اپنی اصل صورت کے ساتھ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ڈھٹائی سے بولا تو وہ تیزی سے مڑی اور باہر جانے لگی۔

"سنو!" اس نے گزرنے سے پہلے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"کسی بھی مجرم کو سزا سے پہلے صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کی ہر عدالت کا قانون ہے۔ مجھے اتنا تو حق ملے گا نا۔" وہ اس کے سرخ پڑتے چہرے پر اپنا چہرہ جھکا کر ملائمت سے بولا تو بیا کو لگا اس کا واسطہ کسی بہروپیے سے پڑ گیا ہے۔

"چھوڑیں مجھے۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑائی اور باہر نکل گئی۔

"بیا! کہاں ہو بیٹا؟" پھپھو اسے پکار رہی تھیں۔ وہ فوراً ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی پھپھو!" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ انہوں نے کپڑے نہیں بدلے تھے۔

"روشی ابھی تک نہیں آئی؟" وہ تشویش سے بولیں۔

"آتی ہو گی۔"

"صبح کچھ کھا کر بھی نہیں گئی۔" وہ جواباً چپ رہی۔

"اچھا سنو، میں اور رافع ابھی مکرم بھائی کی طرف گئے تھے۔ انہوں نے بلایا تھا۔ اپنے بیٹے سے ملوانے کے لیے اور مزید پیش رفت کہہ لو یا بات چیت کرنے کے لیے، کل تو تمہارے پھوپھا نے جو تماشا لگایا۔ اس کے بعد مجھے امید نہیں تھی کہ وہ لوگ دوبارہ ادھر کا رخ بھی کریں گے مگر مکرم بھائی اللہ انہیں اجر خیر دے بہت نیک اور وضع دار انسان ہیں اور ان کی بیگم بھی۔ تمہارے پھوپھا نے تو بیٹی کے مقدر سے کھیلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر میرا اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ اس نے دکھی ماں کے دل کی فریاد سن لی۔ ان لوگوں کے دلوں میں رحم ڈال دیا اور روشی کی چاہت بھی۔ وہ تو روشی کو تین کپڑوں میں بھی لے جانے کو تیار ہیں مگر اس وقت گھر میں جو حالات تمہارے پھوپھا نے پیدا کر رکھے ہیں۔ ہم ابھی یہی مشورہ کر کے آئے ہیں ابھی شام چار بجے وہ لوگ بے حد سادگی سے نکاح کرنے آ رہے ہیں دو چار لوگوں کے ساتھ۔ پھر محتشم تو واپس چلا جائے گا اور روشی کے کاغذات بنوا کر بھیجے گا۔ عالیہ بھابی ابھی ادھر

ہی رہیں گی اور پیپرز بنتے ہی روشی کو ساتھ لے کر چلی جائیں گے۔ رافع نے پتا کروالیا تھا۔ اس کے کسی دوست کے ماموں ہوتے ہیں ادھران کا بیٹا محتشم کے ساتھ پڑھتا رہا ہے باقی اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ بیٹیوں کے معاملے تو ہوتے ہی جوئے کی طرح ہیں۔ ہم صرف اچھائی اور نیکی کی دعا کر سکتے ہیں اور ان دعاؤں کے باور ہونے کا انتظار۔ میرا رب ساری بیٹیوں کے نصیب میں سکھ اور نیکی لکھ دے پھر خیر ہی خیر ہے۔'' انہوں نے ساری تفصیل بتاتے ہوئے بات ختم کی تو لیہا کو نا معلوم کیوں روشی کی قسمت پر رشک آنے کے ساتھ حسد سا محسوس ہوا۔

''آخر میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا جو میری تقدیر ایسی بگڑی ہوئی لکھی گئی۔ چاہت تو دور کی بات جھوٹی محبت بھی نہ مل سکی اور سکھ ایسا کہ آنکھ کی جھڑی ایک پل کو سوکھتی ہی نہیں۔ پھر بھی نصیب کی سیاہی مٹتی نہیں۔ شاید میرے لیے پھپھو جیسی ڈوب کر دعا کرنے والی ماں نہیں، جس نے اپنی دعا کی طاقت سے تقدیر سے من چاہا فیصلہ لکھوالیا اور میں، میں کیسی بے وقعت ہو کر مقدر کی ٹھوکروں میں آ گئی۔ ممی تو مجھے دھکا دے کر پرسکون ہو گئی ہوں گی۔ وہ میرے لیے کیا دعا کریں گی۔'' اس کا دل پھر سے گیلی لکڑی کی طرح سلگنے لگا۔

''اب یہ روشی آجائے جلدی سے، اس سے بھی ابھی بات کرنی ہے پھر یہ تمہارے پھوپھا اگر بیچ میں وہ آ گئے تو سمجھو سب کیا کرایا دھرا رہ جائے گا۔ بیا! تمہارے پھوپھا آئے تو نہیں تھے؟'' ایک دم انہیں خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔

''آئے تھے پھپھو!'' وہ نظریں جھکا کر آہستگی سے بولی۔

''آئے تھے۔'' انہیں گویا جھٹکا لگا۔

''کیا کہہ رہے تھے۔'' وہ جیسے دہل کر بولیں۔

''میں صفائی کر کے بیٹھی تھی، کہنے لگا اچھا کیا۔ تم نے گھر صاف کر لیا۔ شام کو ان لوگوں نے نکاح کے لیے آنا ہے۔ روشی آتی ہے تو اسے بھی ذرا تیار کروا دینا۔ ویسے نکاح کے کپڑے وہ لوگ لے کر آئیں گے اور وہ خود گھنٹے تک آتے ہیں۔''

وہ ہولے ہولے بتا رہی تھی اور سعدیہ بیگم کا دل جیسے کسی پاتال میں اترتا جا رہا تھا۔

''تت...... تم سچ کہہ رہی ہو بیا!'' نہ جانے کیوں انہیں اس کے بیان پر جھوٹ کا گمان ہوا تھا

''پھپھو! میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔'' وہ برامان کر بولی۔

''رافع! رافع! ادھر آؤ۔'' وہ اس کی بات سنے بغیر بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور رافع کو پکارتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

''کیسے کرموں والے ہوتے ہیں لوگ کہ قسمت خود گھر چل کر بگڑے نصیب سنوارنے آتی ہے اور بعض میرے جیسے جن کی سنوری سنواری قسمت لمحوں میں بگڑ جاتی ہے تو پھر لاکھ سر پٹخو سنورنے کی کوئی صورت نہیں نکلتی اور یہ روشی گھنی، مکار جس کی وجہ سے میری خوش بختی، بدبختی میں بدل گئی نہ مجھے اس منحوس گھر میں لے کر آتی نہ مجھ سے تقدیر یوں خفا ہوتی اور اب اس کے لیے فاران کوالیفائیڈ ڈاکٹر کا رشتہ وہ بھی ایسے حالات میں، میرے اللہ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا جو میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا اور روشی کون سی نیکیوں کی دیوی ہے جو یوں اس پر انعامات کی بارش کی جا رہی ہے۔ میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا کجا کسی سے برا کرنا۔ ایک فقط اپنے نصیب کا لکھا ہی تو چاہا تھا۔ زریاب کو اپنی قسمت میں لکھا دیکھ رہی تھی۔ اسی کا انمٹ ہونا چاہا تھا اپنی چاہت کو چاہنا کوئی گناہ تو نہیں جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے، جس کا کوئی انت ہی نہیں۔''

خود سے، اپنے اللہ سے گلے شکوے کرتے اس کا جی چاہا خود کو ختم کر ڈالے۔ اس پل پل کی خود اذیتی سے تو نجات ملے۔

''رافع کو بھیجا ہے روشی کو لینے۔ اللہ کرے وہ اسے مل جائے تو مکرم بھائی کو فون کر کے جلد آنے کا کہہ دیتے ہیں۔ میرے اللہ اتنا کرم کیا ہے تو یہ بھی کر دے۔ خیر خیریت سے یہ نیک کام ہو جائے میرے دل کو تو پنکھے لگے جا رہے ہیں اس بے حس پتھر انسان سے کچھ بھی بعید نہیں۔'' وہ ہاتھ ملتے ہوئے اندر آئی تھی۔

''دو نفل پڑھ لوں حاجت کے۔ وہ میری حاجت روائی کرے۔ ہمیں ان مشکل گھڑیوں سے نکالے۔ یا اللہ خیر تیری مدد تیرا کرم...... وہ خود سے باتیں کرتے وضو کرنے غسل خانے میں چلی گئیں لیہا بیزاری سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

''یہاں کچھ نہیں بدلنے والا، کم از کم میرے لیے۔ روشی کو تو راہ نجات مل گئی اس ڈربے سے نکلنے کے لیے۔ وہ تو یہاں بھی بہت خوش تھی۔ اس جیسے کسی اور ڈربے میں بھی خوش رہ لیتی مگر میں ادھر کب خوش ہوں۔ ایک پل کی خوشی تو مجھے ادھر ملی نہیں پھر یہ سزا مستقل کیوں؟ تو میری کوئی نہیں سنتا کیا۔ میری مشکل میرا دکھ تجھے دکھ نہیں لگتا یا میں لوہے کی بنی

ہوں، پھر کی جو مجھ پر یہ تکلیفیں تجھے اثر کرتی دکھائی نہیں دے رہیں۔"

وہ تیز دھوپ میں سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔

"ہیں! یہ تم ادھر کیوں بیٹھی ہو؟" نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا، دھوپ اس کے سر پر چمک رہی تھی۔ خنکی تو تھی مگر اتنی نہیں کہ دھوپ میں بیٹھا جاتا۔ رافع گھر میں داخل ہوتے ہی اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر چونکتے ہوئے بولا۔

"یونہی۔" وہ بیزاری سے منہ میں بدبدائی، وہ آگے بڑھ گیا۔

"کمال ہے تین بجنے کو ہیں، اتنی دیر تو اس نے کبھی نہیں کی۔ تم نے اچھی طرح دیکھا۔" اس نے پھپھو کی آواز سنی۔

"امی! حد کرتی ہیں، میں نے اسے کسی گھر یا کمرے میں تو ڈھونڈنا نہیں تھا۔ یونیورسٹی پوری تو چھاننے سے رہا اس کے ڈیپارٹمنٹ گیا تھا۔ ایک ہی اس کی دوست ملی، اس نے بتایا کہ وہ آج آئی ہی نہیں۔" رافع جھلائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا...... کیا کہہ رہے ہو، آئی کیوں نہیں۔ صبح خود تو میرے پاس سے تیار ہو کر گئی ہے۔ پہنچی کیسے نہیں۔" پھپھو کی بدحواس سی آواز۔ اس کے کانوں میں پڑی تو وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"میں اب کیا بتاؤں۔ یہ اس کی دوستوں کے فون نمبرز ہیں، فون کر کے پتا کرتا ہوں۔ پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ رافع نمبر ملا رہا تھا اس نے پانچ جگہ فون کیے۔

"امی! وہ آج یونیورسٹی پہنچی ہی نہیں۔ اس کی دوستوں کا یہی کہنا ہے۔" لیہا نے رافع کی تھکی تھکی سی آواز سنی۔

"نہیں، نہیں رافع! میں مر جاؤں گی۔ وہ اور کہاں جا سکتی ہے۔" پھپھو شاید گر پڑی تھی۔

"محلے میں اس کی کوئی دوست...... امی۔" رافع کہہ رہا تھا۔

"اس محلے میں بیٹا! ہمیں کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا تمہارے باپ نے تو وہ دوستیاں کیا بناتی۔ زیادہ سے زیادہ فوزیہ کی طرف میرے ساتھ چلی جاتی تھی۔" وہ رو رہی تھی۔

"میں فوزیہ آنٹی کی طرف پتا کر کے آتا ہوں۔ آپ حوصلہ کریں۔" وہ ماں کا کندھا تھپک کر باہر نکل گیا۔

"وہ وہاں بھی نہیں گئی۔" آدھے گھنٹے بعد وہ تھکا ہارا واپس آیا تھا۔ سعدیہ کی حالت مردوں جیسی ہو گئی۔ اس وقت فون کی گھنٹی بجی رافع نے لپک کر فون اٹھایا۔

"وعلیکم السلام جی، جی جی۔ اچھا جی۔ ابھی۔" اس نے ماں کی طرف دیکھا۔

"جی ٹھیک ہے۔ جی ہاں جی۔ اللہ حافظ۔" اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"کک...... کیا ہوا، کس کا فون تھا۔ کچھ پتا چلا روشی کا؟" پھپھو بے قراری سے بولیں۔

"نہیں۔ روشی کا تو کچھ پتا نہیں، یہ تو ......" اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا" یہ انکل مکرم کے گھر سے فون تھا وہ لوگ نکل پڑے ہیں۔ تھوڑی دیر میں پہنچنے والے ہیں انکل مکرم نکلتے ہوئے تاکید کر گئے تھے کہ ہمیں ان کے روانہ ہونے کا فون کر دیا جائے، یوں بھی چار تو بجنے کو ہیں۔ انہوں نے چار بجے کا ہی تو کہا تھا۔" وہ شکستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"میرے خدایا رافع! ہم کیا کریں۔ کیا کہیں گے ان سے۔" پھپھو بدحواس سی ہو کر بولیں۔

"میں کیا بتاؤں امی! میرا تو دماغ ماؤف ہو گیا ہے، ایک مسئلہ سلجھتا نہیں کہ دوسرا سر اٹھا لیتا ہے۔ امی اللہ سے کہیں۔ ہمارے پاس اتنا حوصلہ نہیں اور نہیں امتحان دے سکتے۔ بس کرے۔ اب بس کرے" وہ نڈھال سا کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھوں میں نمی کو چھپاتے ہوئے بے بسی سے بولا۔

"روشی! میری بچی، ایسی ناسمجھ ایسی نادان تو نہیں کہ اپنی بے بس ماں اور بھائی کی عزت کو داؤ پر لگا دے۔ اتنا تو مجھے یقین ہے۔" وہ پورے اعتماد سے بولی تو لیہا نے عجب حسرت بھری نظروں سے ایک بایقین ماں کو دیکھا اور اپنی ماں کی بے یقین صورت یاد آئی۔

"ممی نے تو ایک بار بھی برملا نہیں کہا تھا کہ انہیں مجھ پر پورا یقین ہے۔" اس کے دل میں کسک سی ابھری۔

"جاؤ ایک بار پھر...... رافع اس کی کوئی دوست...... محلے میں......" ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کہیں۔

"اب میں کیا کروں جا کر کہ وہ صبح یونیورسٹی جانے کے لیے گھر سے تو نکلی تھی اور

یونیورسٹی نہیں پہنچی اور اب تک گھر بھی نہیں آئی۔ یہ بات کرنے والی ہے؟'' وہ
کر بولا۔

''تو کیا کریں۔ اسی طرح بیٹھے رہیں۔ وہ لوگ آجائیں گے رافع! تم
کے موبائل پر فون کر کے کہہ دو۔''

''کیا کہہ دوں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ
کچھ دیر اس گونگی چپ کی نذر ہوئی۔ لیہا باہر برآمدے میں ستون سے ٹیک لگائے کھڑ
''میں آتا ہوں ابھی۔'' تھوڑی دیر میں رافع کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل
''یہ اب ادھر کس کا سوگ منایا جا رہا ہے؟'' آفتاب زبیری کی بلند آواز
اچھل ہی پڑی تھی۔

''روشی ابھی تک گھر نہیں آئی صبح کی گئی۔'' پھپھو پھنسی پھنسی آواز میں بولیں
لمحے کو وہ بھی چپ سے رہ گئے۔

''تیری اولاد سے مجھے خیر کی توقع بھی نہیں اور وہ جو ساڑھے چار بجے ا
چار حرف پڑھنے آرہے ہیں، انہیں کیا کہوں میں۔''

وہ حسب عادت چلا کر بولے تو پھپھو نے انہیں ایسی نظروں سے دیکھا جیسے
کے نیچے لیٹا بکرا قصائی کو دیکھتا ہو، ان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔ ایک طرف
دوسری طرف کنواں۔

''یہ نیا تماشا شروع ہو گیا۔ اب کیا جواب دوں گا میں۔ چار بندوں میں میر
عزت ہے۔ ایسے رشتے تو قسمت سے ملا کرتے ہیں۔ ناشکری عورت! تیرا رونا پیٹنا اس
کام میں بدشگونی ڈال ہی گیا۔ مجھے پہلے ہی ڈر تھا۔ اب کیا کروں۔ ڈھنڈورا پیٹوں
سارے محلے میں کہ میری جوان، بالغ بیٹی یونیورسٹی کا بہانا کر کے گھر سے بھاگ گئ
میں نے منع کیا۔ روکا نہ جائے یہ پڑھنے، پر اسے تو بے شرم ماں اور بے لگام بھائی کی
ہوئی تھی۔ مجھے اس نے کیا سمجھنا تھا اور تم نے کبھی ان کی ایسی تربیت کی بھی نہیں کہ وہ
کچھ سمجھیں۔ میری عزت ہے کیا اس گھر میں۔ اچھا ہے، اب ساری دنیا کو پتا چلے، کیسی
دار اولاد پیدا کی ہے تم نے۔ صحیح ان کو اپنے خطوط پر چلایا ہے۔ وہ بدبخت گھر آتی ہے یا
میرے مہمان چار بجے پہنچ جائیں گے۔ اب جو جواب مجھے یاد ہے ساری دنیا کے سامنے

جواب دینا پھر پتا چلے گا۔ عزت بے عزتی کیا ہوتی ہے پر تیرے جیسے بے شرموں کو کیا فرق پڑے گا۔ جس نے ساری زندگی ڈھٹائی اور بے حیائی سے گزاری ہو۔''

وہ ہاتھ نچا نچا کر چلا رہے تھے۔

''بس کریں۔ خدا کے لیے بس کریں۔ میں اس وقت جس عذاب، جس قیامت سے گزر رہی ہوں، خدا کسی دشمن پر یہ وقت نہ لائے۔'' پھپھو روتے ہوئے گڑگڑائی تھیں۔

''بڑی خدا کی پیاری ہو۔ ہر وقت مصلے تسبیح کا ڈھونگ رچانے والی، کرا اپنے اللہ سے فریاد کہ وہ اس نامراد کو اس گھر کی دیواروں سے کہیں اگا دے یا کسی گاڑی کے نیچے کچلی ہوئی اس کی لاش مل جائے اور کسی طریقے سے یہ بچی کچھی عزت......''

''خدا کا خوف کریں۔ مت دیں میری معصوم بچی کو بددعائیں۔ اللہ تو اسے اپنی امان میں رکھنا۔ اپنی امان میں رکھنا۔ اس کی آبرو کا موتی اپنے حفظ میں رکھنا۔'' پھپھو وہیں سجدے میں گر کر زار زار رونے لگیں۔

ہونہہ! ڈھونگی عورت! نفرت ہو چکی ہے مجھے اس کے بہروپ سے۔''

وہ زمین پر پاؤں مارتے رستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر سے اڑاتے جس طرح آئے تھے اسی طرح چلے گئے۔

چار بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ پھپھو سجدے میں گری ہوئی تھیں۔ سرمئی شام صحن میں اتر رہی تھی۔ وہ برآمدے میں کھڑے کھڑے تھک گئی تو پھر سے جا کر سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔

''اگر دو باراتیں اکٹھی آگئیں تو کیا ہوگا؟'' اسے ایک دم خیال آیا تو خوف سے جھری جھری سی آگئی۔

''پتا نہیں، اب کیا ہونے والا ہے۔'' اس نے گردن پیچھے نکالی۔

''اور یہ روشی کہاں چلی گئی؟ کسی کے ساتھ جانے والی لگتی تو نہیں۔'' اس نے اپنے دل میں آنے والے خیال کی نفی کی۔

''تو یہ اعصاب تھک گئے ہیں۔ اس ٹینشن زدہ ماحول میں۔''

وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آگئی۔ چھت پر نیچے کے مقابلے میں ابھی اچھی خاصی روشنی تھی۔

اینٹوں والی دیواریں سال خوردہ تھیں۔ چھت کا فرش بھی اینٹوں کا تھا۔ کائی زدہ

سامنے کی دیوار کے ساتھ تین چار گملے پڑے تھے جن میں ٹنڈ منڈ بے پتوں کی شاخیں سید
کھڑی تھیں۔

وہ کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

اردگرد چھتوں پر خاموشی تھی۔

سیڑھیوں کے دوسری طرف اسٹور روم تھا۔

"رافع نے شادی کی رات اس کمرے میں سو کر گزاری۔" اسے بھولا بسرا، د
دینے والا خیال آیا تو قدم بے اختیار اس کمرے کی طرف اٹھ گئے۔ اس نے بند دروازہ آہستہ
سے دھکیلا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ چوکھٹ پر وہ حیران سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا، شاید دو منٹ یا شاید دو صدیاں اور وہ رات۔ قیامت
لمبی رات بارش میں بھیگتی رات جو اس کی زندگی میں قیامت برپا کر گئی۔

اس نے کچھ نہیں کیا تھا اور اس کی ساری بے داغ زندگی داغ دار ہو گئی، محض ایک
رات کی گھر سے دوری اس کے انیس سالہ کردار کو سب کی نظروں میں مشکوک کر گئی۔

بس اتنا نازک ہوتا ہے عورت کے کردار کا کانچ۔ ایک رات کی بارش اسے چٹخا گئی۔

وہ چیختی رہی چلاتی رہی۔ اپنی صفائی میں قسمیں کھاتی رہی۔ کسی نے یقین نہیں
اور سب کچھ ختم ہو گیا۔

اور اس شخص نے اس کی تباہی پر مہر ثبت کی۔ اپنی جھوٹی قسموں اور گواہی سے، آ
اس لمحے اس کی عزت، اس کی غیرت داؤ پر لگی ہے۔ وہ چاہے تو اپنی تباہی کا انتقام لے لے
سارے حساب چکا دے۔ سارے بدلے لے لے اور اس کے گلے میں کسی گناہ کی پھانس
نہیں ہوگی اگر وہ جس خامشی سے آئی ہے۔ اسی خامشی سے دروازہ بھیڑ کر چپکے سے سیڑھیا
اتر جائے۔

فقط آدھے گھنٹے کی گیم ہے، اس کا سارا حساب، چکتا ہو جائے گا۔ انتقام کی آگ
ہمیشہ کے لیے سرد ہو جائے گی اور اس کے دل میں گہرا سکون، گہرا قرار اتر جائے گا۔ اسے ا
زندگی نے کوئی خوشی نہیں دی تو وہ کیوں دوسروں کی خوشیوں کا اہتمام کرتی پھرے۔

کسی نے آج تک اسے کچھ سمجھا ہی نہیں تو وہ کیوں دوسروں کی پروا کرے۔
کیوں؟ ہرگز نہیں۔ میں ان لوگوں سے وہی سلوک کروں گی جو انہوں نے میرے ساتھ کیا۔
ادلے کا بدلہ اور مذہب میں بھی بدلہ لینا گناہ نہیں۔ میرا حق ہے۔ آخر میں اپنے کس کس حق
سے دستبردار ہوں۔ کیا جینے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے؟ ضرور ہے۔

ایک لمبی کشمکش تھی...... اور وہ چپکے سے دروازہ بھیڑ کر اسی خاموشی اور آہستگی سے
سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی نیچے ہلچل شور اور آوازوں سے لگ رہا تھا جس میلو ڈرامے کے
ڈراپ سین کا وہ بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، وہ ٹائم آ گیا ہے۔ وہ مطمئن انداز میں
سیڑھیاں اترنے لگی۔

"بسم اللہ کریں جی۔" آواز آئی۔

"جی ضرور، ضرور کیوں نہیں۔" دوسری مطمئن آواز نے جواب دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم......"

اسی وقت زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ
کر سب طرف موت کا سناٹا چھا گیا۔

☆☆☆

اندر داخل ہونے والے آفتاب زبیری تھے۔

ایک پل کو کمرے میں بیٹھے سارے افراد کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ موت کی سی ساری فضا میں چھا گئی۔

آفتاب زبیری نے آنکھیں سکیڑ کر باری باری سب کا جائزہ لیا اور جیسے صور یا موقع کی نزاکت کو بھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک نظر سکڑی سمٹی سعدیہ بیگم کو دیکھ اس وقت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، والا حساب تھا وہ نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں دوسرے میں جکڑے اپنے بدن کی کپکپاہٹ چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کیا ہو رہا تھا ادھر؟'' آفتاب زبیری کی گرج دار آواز نے کسی فولادی ہتھو مانند خاموشی کی چادر پر ضرب لگائی۔

''آؤ آؤ آفتاب! ادھر میرے پاس آ جاؤ۔ تم اچھے وقت پر آئے ہو۔ بالا پر......''

مکرم صاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہو خوش دلی سے ان کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولے۔

آفتاب زبیری نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔ رافع متوقع ردعم خیال سے اشتعال میں آ کر ایک دم اٹھا تھا۔ انہوں نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی اور بڑ تلے قدموں میں آگے بڑھ کر مکرم صاحب کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے بغیر کچھ کہے۔

سعدیہ بیگم کو لگا وہ خواب دیکھ رہی ہیں۔ انہیں اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں تھا۔ انہوں نے بے حد آہستگی سے پاس کھڑے رافع کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

''مولوی صاحب! شروع کریں۔ بچی کے والد صاحب بھی آ گئے ہیں جن انتظار میں پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔'' مکرم صاحب کی بات پر آفتاب زبیری نے طنزیہ نگاہ ان پر ڈالی اور پھر مولوی صاحب کو دیکھنے لگے جو اب بسم اللہ پڑھ رہے تھے۔

سب کچھ بخیر و عافیت ہو گیا۔

محتشم اور روشی کا نکاح آفتاب زبیری کی موجودگی میں امن و سلامتی سے ہو گیا۔

رافع اور سعدیہ بیگم دونوں ہی بے یقینی سی کیفیت میں گھرے بیٹھے تھے۔

آفتاب زبیری، مکرم صاحب اور محتشم سے گلے مل کر مبارک باد دے رہے تھے۔

سعدیہ بیگم کو لگا وہ ابھی بے ہوش ہو جائیں گی۔

کچھ ایسی کیفیت روشی اور اس کے پاس بیٹھی بیا کی بھی تھی۔

روشی تو نڈھال سی تھی نکاح نامے پر سائن کرنے کے تھوڑی دیر بعد وہیں بیٹھے بیٹھے ایک طرف لڑھک گئی۔ لیہا کتنی بھی ناراض سہی، تھی تو ایک لڑکی۔ انتقامی جذبات پر روشی اور سعدیہ پھپھو سے ہمدردی کا جذبہ غالب آ گیا تھا۔ اور اس نے روشی کو برباد ہونے سے بچا لیا تھا۔

☆☆☆

''روشی...... روشی بیٹا! روشی۔'' وہ لحاف میں منہ سر لپیٹے بہت گہری نیند سو رہی تھی جب وقفے وقفے سے اس کے کانوں میں ایک ہی آواز پڑی تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

آفتاب زبیری روشی کو پکار رہے تھے۔ لیہا نے لحاف سے سر باہر نکالا کمرے میں ان کی روشنی پھیلی ہوئی تھی دوسرے پلنگ پر روشی موجود نہیں تھی۔

''کہاں گئی؟'' لیہا بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سستی سے اٹھ بیٹھی۔

''اوہ۔'' اسے یاد آیا۔ تھوڑی دیر پہلے شاید پھپھو اسے بتا کر گئی تھیں کہ وہ روشی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہیں۔'' تو گویا وہ دونوں ابھی تک لوٹی نہیں۔''

''روشی! روشی......!'' آفتاب زبیری کی بلند آواز گھر میں ایک بار پھر گونجنے لگی تو ے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

لحاف سے نکلتے ہی اسے سردی کا احساس ہوا تو تکیے کے پاس پڑا سویٹر پہن کر دوپٹہ درست کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔

ہفتہ بھر سے سردی کی شدت میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ آج دو دن کے بعد اتنی ہلک دار دھوپ نکلی تھی۔

وہ چور قدموں سے چلتی باہر آئی۔ اسے آفتاب زبیری کا سامنا کرنا ہمیشہ ہی دشوار ا کرتا تھا۔

روشی کے نام کی تیسری پکار پر وہ دل میں اللہ کا نام لیتی آفتاب زبیری کے میں داخل ہوئی۔

وہ سامنے کرسی پر نہائے دھوئے اچھے کپڑے پہنے کہیں جانے کو تیار بیٹھے تھے
''جی!'' اس نے دہلیز پر ہی رک کر نیچی آواز میں کہا تو انہوں نے بھی چو اسے دیکھا۔

''روشی کہاں ہے؟'' ان کا لہجہ نارمل تھا۔
''وہ شاید پھپھو کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔'' وہ ابھی تک دہلیز پر کھڑی
''میں نے دوا کھائی تھی اگر ایک گلاس پانی مل جاتا۔''
وہ اتنے نرم لہجے میں بولے کہ بیا انہیں غور سے دیکھتے ہوئے سر ہلا کر مڑ گئی۔
''پھوپھا جان اتنے اچھے کب سے ہو گئے بھلا؟'' پانی کا گلاس لاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''بیا؟'' وہ گلاس ان کے سامنے پڑی میز پر رکھ کر جانے لگی کہ انہوں نے پکارا۔

''جی!'' وہ رک گئی۔ انہوں نے ہتھیلی پر رکھی ڈھیر ساری گولیاں ایک ہی میں انڈیل کر پانی کا پورا گلاس پی کر رکھ دیا۔
''اور پانی لا دوں؟'' خالی گلاس دیکھ کر اس نے پوچھا۔
''نہیں۔'' وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے وہ سر ہلا کر مڑنے لگی۔
''بیا......!'' وہ نرم لہجے میں پھر پکارے......''سنو!''
اس کے قدم ان کے لہجے پر وہیں جم کر رہ گئے۔
''ج، جی۔'' وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھیں سے لبالب بھر گئیں اور پھر چند لحوں بعد وہ کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔
''پھوپھا جان!'' وہ لبوں میں ہی کہہ سکی۔
''بیا...... بیا! میری بچی مجھے......'' ان کے ہونٹ کپکپائے اور انہوں نے اپنے مضبوط ہاتھ اسکے آگے جوڑ دیے......''میں تمہارا مجرم، خطا کار، گنہگار، مجھے معاف کر دو بیٹی! میری بچی میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور تم نے ہمارے ساتھ جواب میں کیا کیا

دل چاہ رہا ہے...... بیا! میں کہیں......ڈوب مروں......منہ چھپا کر مر جاؤں کبھی تم سے یہ گنہگار نظریں چار نہ کروں۔ مجھے معاف کر دو...... اللہ کے لیے۔'' وہ کرسی سے اٹھے اور گڑگڑاتے ہوئے ہاتھ باندھے اس کے آگے سر جھکا کر رونے لگے۔
''پھوپھا جان! پلیز ایسے نہ کریں۔'' وہ حیران پریشان دو قدم پیچھے ہٹ گئی ''پلیز۔''

''میں جانتا ہوں میں نے کیا کیا ہے۔ میرا جرم قابل معافی نہیں۔ کسی کے کردار، کسی کی زندگی سے کھیلنا، کبھی بھی قابل معافی نہیں ہو سکتا۔ اس کے باوجود میں نے تو صرف یہ سوچا تھا...... اپنی تنگ دستی سے تنگ آ کر اپنے گھر بچوں کی مخدوش حالت دیکھ کر شاید میں تمہارے گھر والوں کو بلیک میل کر کے تھوڑے سے پیسے حاصل......مگر انہوں نے تو حد ہی کر دی مگر تمہارا تو مجرم ہوں نا میں...... میں جانتا ہوں، جانتا تھا تم بے گناہ ہو۔ میری روشی کی طرح معصوم، پاک دل......'' وہ ایک قدم آگے بڑھے اور بندھے ہوئے ہاتھ اس کے آگے کر کے فریادی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔
''پلیز پھوپھا جان! اب ان باتوں کا کچھ فائدہ نہیں، کچھ حاصل نہیں...... میں......''
اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ انہیں پھٹکارے، نفرت کا اظہار کرے یا لاتعلق بن کر باہر نکل جائے۔
''تم نے مجھے معاف کر دیا......'' وہ آنسو بھرے چہرے پر خفیف سی مسکان لاتے ہوئے بولے۔
''پتا نہیں......'' وہ کوفت بھرے انداز میں آہستگی سے بولی۔
''اس وقت بے شک نہ معاف کرو مگر چند دنوں بعد......تم کیا سب ہی مجھے معاف کر دیں گے جن جن کا میں مجرم ہوں۔ گنہگار ہوں، اپنی نیک وفادار بیوی کا، اپنے مظلوم بچوں کا...... سب مجھے معاف کر دیں گے......مرنے والوں کو تو سب فراخدلی سے معاف کر دیا کرتے ہیں۔''
وہ کہتے کہتے ایک بار پھر آنکھوں میں پانی بھر لائے اور نڈھال سے ہو کر میز پر بیٹھ گئے۔
''کک...... کیا مطلب......؟'' وہ انہیں غور سے دیکھنے لگی وہ یقیناً ایکٹنگ نہیں کر رہے تھے۔
''یہ جو دوا...... ابھی میں نے کھائی......کئی دنوں ...... بلکہ مہینوں سے کھا رہا ہوں۔

"مگر کوئی افاقہ نہیں ہو رہا۔" کہتے کہتے وہ اپنا سینہ مسلنے لگے ان کے چہرے پر ایک دم سے زردی چھا گئی۔ آنکھیں جیسے ویران لگنے لگیں۔

"میں سمجھی نہیں۔ آپ کو...... میرا مطلب ہے، کیا بیماری ہے؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہمدردانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں۔ میرے دل خانہ خراب کے تینوں والوز بند ہو چکے ہیں میں جو یہ دن بتا رہا ہوں، بونس سمجھوں۔" وہ پھیکی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے تو بیا اپنی جگہ دھک سی رہ گئی۔

"اسی لیے، اسی لیے تو میں جلد سے جلد اپنی بچی کے ہاتھ پیلے کر دینا چاہتا تھا اچھی جگہ پر...... کہ اس نے اپنے قلاش باپ کے گھر غربت و افلاس کے جو سیاہ دن دیکھے ہیں وہ دوبارہ اس کی زندگی میں نہ آ سکیں۔ اس لیے تو...... ظفرا اچھا آدمی ہے اگر چہ...... عمر میں روشی سے بڑا اور پھر روشی کے مقابلے میں کم پڑھا لکھا بھی اور تیسری وجہ......"

وہ رکے اور سر جھکا کر سینہ زور زور سے مسلنے لگے انہیں شاید درد ہو رہا تھا وہ اپنے لب کاٹ رہے تھے۔ ان کی رنگت لحہ بہ لحہ زرد ہوتی جا رہی تھی۔

"آپ...... آپ ٹھیک تو ہیں نا پھوپھا جان؟" وہ کرسی سے نیچے گرے جا رہے تھے۔ بیا نے بے اختیار ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں سہارا دینا چاہا۔

"میں ٹھیک ہوں...... بس میرا خدا......!" وہ سر اٹھا کر گہرے گہرے سانس لینے لگے۔ "مجھے اپنی بچی کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کرنے کی مہلت دے اور...... پانی"

وہ کراہے تو بیا گلاس اٹھا کر پانی لینے دوڑ گئی۔

انہوں نے پانی کے دو گھونٹ پیے اور پھر جیب سے گولیوں کی شیشی نکال کر اس میں سے ایک گولی اپنی زبان کے نیچے رکھ لی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے صرف ان کے زور زور سے سانس لینے کی آواز کمرے میں چکرا رہی تھی۔

"اب ٹھیک ہیں آپ؟" وہ قدرے تشویش سے بولی۔

"آج چار بجے روشی کا ظفرے سے نکاح ہے۔" وہ آہستگی سے بولے تو بیا کو لگا ان کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔

"وہ پچیس آدمیوں کے ساتھ آئے گا...... کل میں آیا تو میں کیسے کچھ کہتا ڈاکٹر محتشم بہر حال ظفرے سے کروڑ درجے بہتر ہے......" وہ رک رک کر بول رہے تھے۔

"مگر میری مجبوری...... میں واقعی ظفرے کا مقروض ہوں۔ آج اگر چار بجے نکاح نہ ہوا تو...... وہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا اور میں جو اپنی موت سے روشی کی رخصتی تک کی مہلت مانگ رہا ہوں۔ آج شام کو ہی مر جاؤں گا۔ کیا کروں، کس سے کہوں، کون دے گا مجھے دو لاکھ روپیہ۔ کون میری بات کا یقین کرے گا۔ رافع تو پہلے ہی مجھے مارنے کو تلا پھر رہا ہے۔ پھر روشی کے سسرال والے آج شام کو انہوں نے بھی آنا ہے۔ اگر ان کے سامنے یہ تماشا...... اوہ میرے خدایا! میں ابھی کیوں نہیں مر جاتا۔ نہیں جینا مجھے ان ذلت بھرے لمحوں کا سامنا کرنے کے لیے میں نے زندگی بھر کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اپنی معصوم بیٹی کی خوشی دیکھنا چاہتا تھا...... تجھے نہیں منظور تو میری موت بھیج دے۔ میں مرنا چاہتا ہوں میرے اللہ! میں مرنا چاہتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر سینہ مسلتے ہوئے بے اختیار روتے ہوئے کہے جا رہے تھے۔

"پھوپھا جان......!" بیا نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"مجھ جیسے شخص کا مر جانا ہی بہتر ہے جو بیٹی بیچ کر اپنا قرض اتارے...... میرے اللہ، تو گواہ ہے میں نے یہ قرض کیوں لیا۔ رافع کے ایم بی اے میں داخلے کے لیے، سعدیہ کی بیماری کے لیے، اس گھر کے چولہے کے لیے...... مگر کون میری بات کا یقین کرے گا۔ ایک برے شخص کا کون یقین کرے گا۔"

وہ آنکھیں بند کیے روئے جا رہے تھے۔

"مجھے موت دے دے...... میرے اللہ! مجھے موت دے دے...... میں نے کبھی تجھ سے یوں ٹوٹ کر کچھ نہیں مانگا، میری فریاد سن......" وہ گڑگڑا رہے تھے۔

"پھوپھا جان!" تھوڑی دیر بعد بیا نے ان کا کندھا ہلا کر انہیں متوجہ کیا۔

انہوں نے لال انگارہ سی آنکھیں کھول کر کراہتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ لیں دو لاکھ کا چیک" اس نے ہاتھ میں پکڑا چیک ان کے آگے کیا تو ان کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی۔ پورا جسم یک دم ساکت ہو گیا۔ وہ چیک تھامنا بھی بھول گئے۔

"لے لیں۔ یہ پیسے اگر آپ کی ضرورت پوری کر سکیں تو......"

"بیا! میری بیٹی! میری بچی! تم عظیم ہو...... تم واقعی نیک والدین کی نیک اولاد

ہو......ان کے ماں باپ کی عظمت کو سلام جنہوں نے تم جیسا ہیرا جنم دیا۔تم نے میری کمینگی
جواب اتنا خوب صورت اتنا عظیم دیا۔ میں ساری زندگی تم سے نگاہیں نہیں ملا سکوں گا بیا...
بیا! تم کیا ہو؟ دیکھنے میں جتنی خوب صورت ہو تمہارا دل اس سے کئی ہزار گنا حسین ہے۔
قابل فخر ہو۔ میں ہمیشہ تمہارا مقروض رہوں گا۔ تمہارے اس احسان پر شکر گزار۔ مجھے سمجھ ن
نہیں آ رہا بیٹی کہ میں کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں جبکہ، جبکہ میرے اپنے گھر والے میری بیوی
میرے بچے، احباب کوئی بھی میرا یقین کرنے کو تیار نہیں اور میرا یقین بھی کیا تو کس نے جس
کی زندگی میں نے برباد کی۔ اپنی طمع اپنے لالچ کی وجہ سے بیٹی! اس بڈھے کو معاف کر دینا
معاف کر دینا۔"

وہ ایک بار پھر اس کے آگے ہاتھ باندھے دیوانہ وار سر ہلاتے آنسو بہاتے جھکے
رہے تھے۔

"پلیز پھوپھا جان!" اسے ان کی حالت دیکھ کر عجیب سا سکون ملا۔ اتنے عرصے
میں کسی نے تو اس کے دل کی پہچان کی، اس کے بے ریا جذبوں کو پہچانا ورنہ تو وہ خود اپنی پہچان
بھی بھول چکی تھی۔

"تم عظیم ہو، بلند قامت ہم جیسے پنچ لوگ تم جیسی دیوی کے قابل نہیں تھے۔
میری بقیہ زندگی کی سب دعائیں تمہارے نام۔ آج تم نے اس بڈھے کو خرید لیا ان دو لاکھ کے
عوض نہیں اپنے حساس دل کے عوض...... کبھی ہوا تو یہ رقم نہ سہی ان جذبوں کا قرض اتارنے کی
کوشش ضرور کروں گا۔ ضرور کروں گا۔"

وہ اب اپنا چہرہ پونچھ رہے تھے۔ بیا آہستگی سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

دن میں نکلنے والی دھوپ دوپہر سے پہلے ہی رخصت ہو گئی۔ اس کی جگہ ہلکے ہلکے
بادلوں نے لے لی جو شام تک خوب گہرے اور بوجھل ہو گئے۔ رات پہلے اتری تھی کہ دھند ا
کا فیصلہ کرنا مشکل تھا، دھند نے سردی میں اضافہ کر دیا۔ تھوڑی سی دیر کے لیے ہلکی ہلکی پھوار
بھی پڑی۔ صحن پورا بھیگا بھی نہیں تھا کہ پھوار تھم گئی۔

"شاید یہ رکی ہوئی بارش رات کو ہو۔" اس نے سر اٹھا کر سرمئی دھند کو دیکھتے ہوئے
سوچا "بارش! آہ۔" اسے وہ ظالم بارش یاد آ گئی۔ اس سے پہلے کہ یادیں پھر سے اس پر حملہ

آور ہوتیں۔ وہ سر جھٹک کر چولہے پر ابلتے دودھ کو دیکھنے لگی۔

"بیا! رافع کا کھانا یہیں لے آؤ۔" پھپھو کی آواز پر اس کی محویت ٹوٹی ورنہ تو شاید
دودھ بھی یونہی ابل جاتا۔ رافع ابھی کچھ دیر پہلے گھر آیا تھا۔ روشی اندر کمرے میں شاید سو چکی
تھی۔ وہ تو عجب گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی۔ آفتاب زبیری صبح سے جو گھر سے نکلے تھے تو اب تک
نہ لوٹے تھے۔ اس نے دن میں کئی بار اپنی اس جذباتی عجلت پر سوچا۔ وہ کسی کے رونے
دھونے پہ یوں کمزور پڑنے والی تو نہ تھی۔ گو پہلے تھی مگر اب تو اسے خود کو لگتا تھا کہ وہ کسی پتھر کی
مانند بے حس ہو چکی ہے اور صبح کیسے پھوپھا جان کے آنسوؤں نے اس پتھر کو توڑ پھوڑ کر رکھ
دیا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ دن بھر میں وہ اس کی ایک بھی توجیہہ نہ سوچ سکی۔

"کہیں مجھ سے جذباتی پن میں کوئی غلطی...... حماقت تو سرزد نہیں ہو گئی؟ بھلا اس
بے وجہ، بے موقع نیکی کی کیا ضرورت تھی جبکہ میری اپنی زندگی منجدھار میں پھنسی کشتی کی طرح
ٹھوکریں کھا رہی ہے اور ابھی جو میں نے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا فیصلہ کر لیا، جو ہونا
بھی ہے تو میں کیا کروں گی۔ اب بینک میں خدا جانے کتنی رقم ہو گی۔"

یہ پریشان کن خیال اسے بار بار ہراساں کرتا رہا۔ شام ہونے تک اسے اپنی
جلد بازی پر غصہ آنے لگا تھا۔

"امی! کھانا کیا کسی ہوٹل سے آئے گا؟"

رافع کچن کے پاس سے گزرتے ہوئے شاید اسے یوں یک ٹک آگ کے شعلوں
کو دیکھتے ہوئے پا کر طنز سے بولا تھا۔ ابیہا نے ایک گہرا سانس لے کر سالن گرم کرنا شروع
کیا۔ ہاٹ پاٹ سے دو روٹیاں نکال کر رومال میں لپیٹیں حالانکہ اسے پتا تھا کہ روشی، رافع کے
لیے گرم چپاتی اس کے آنے پر ہی پکاتی تھی۔ ایک بار اس نے ہاٹ پاٹ میں رکھی روٹی، رافع
کو دی تھی تو اس نے فوراً جتایا تھا۔

"اچھا اب تم پر میری دو روٹیاں بھی بھاری ہو گئیں، شام کو ہی پکا کر ٹھنڈی ٹھار
میرے منہ پر مار رہی ہو۔" مگر ابیہا کو اس کے جتانے کی کم از کم ان دنوں قطعاً پروا نہیں تھی۔

"مکرم بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ دو ایک دن میں محتشم کے ساتھ واپس چلے جائیں
گے۔ عالیہ بھابھی البتہ یہیں رہیں گی۔ روشی کے کاغذات بننے میں دو یا تین ماہ لگ سکتے
ہیں۔ تب ہی وہ شادی کی ڈیٹ فکس کریں گے اور ان کی کوشش جلد سے جلد یہ سب کرنے کی

ہو گی کیونکہ عالیہ بھابھی زیادہ دن ادھر نہیں رہ سکتیں، وہ خود کہہ رہی تھیں کہ وہ ادھر شادی تیاریوں کے لیے رکیں گی اس لیے......'' وہ کھانا لے کر اندر گئی تو پھوپھو، رافع کو بتا رہی تھیں

''معلوم ہے مجھے امی! اور میں کوشش بھی کر رہا ہوں۔ اب جاب تو پتا نہیں ملے گی۔ شادی کے لیے جو کچھ بینک میں موجود ہے اس سے ہی کام چلانا پڑے گا۔ تھوڑا کسی سے قرض لے لوں گا۔'' وہ جواب میں سر جھکا کر بولا اور پھر رومال میں لپٹی رو کھولتے ہوئے ایک تیکھی نظر پلٹی ہوئی ابیہا پر ڈالی جسے نظرانداز کرتے ہوئے باہر نکل آئی

''مکرم بھائی تو منع کر رہے ہیں کہ انہیں کچھ بھی نہیں چاہیے۔ عالیہ بھابھی بھی بار یہی بات کہہ رہی ہیں مگر بیٹا! ہمیں پھر بھی کم از کم کپڑے اور زیور...... تم جو پیسے بینک جمع ہیں، بس ان ہی سے کام چلانے کی کوشش کرنا۔ قرض لینے کی ضرورت نہیں۔ جاب جانے کب ملتی ہے خواہ مخواہ خود کو پھنسانے والی بات۔ باقی بیٹیوں کے معاملے میں اللہ خود کار ہوتا ہے۔ دیکھو اس نے کیسے بھلے لوگ ان حالات میں ملائے ہیں کہ میں ساری عمر سجدہ شکر ادا کرتی رہوں تو حق ادا نہ ہو۔ اللہ میری بچی کی آئندہ زندگی آسان کرے۔ بڑ دکھ دیکھے ہیں اس نے اس چھوٹی سی عمر میں...... تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟'' رافع نے آ روٹی کھا کر کھانا پرے کر دیا تھا۔

''امی! بھوک نہیں ہے، شام میں سموسے کھا لیے تھے۔ اس وقت بس ایک کپ چائے بنوا دیں۔ سردی بہت لگ رہی ہے، میں اب لیٹوں گا۔ روشی آج اتنی جلدی سو گئی دوا لی اس نے؟'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہاں دوا تو لی تھی۔ اسی لیے شام جلدی سو گئی۔ تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا اور چا بھلا اب کس لیے؟ نیند بھگانے کے لیے اب کون سا تمہیں پڑھنا ہوتا ہے یوں چائے پی پی کر اپنا دماغ خشک کرنے کی کیا ضرورت؟''

''امی! سارا دن نہیں پی اس لیے، آپ بھی آرام کریں۔ موسم ایک دم ٹھنڈا ہو گیا ہے، لگتا ہے رات کو بارش ہو گی۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تو سعدیہ بیگم ابیہا آوازیں دینے لگیں۔

چائے کا آرڈر سن کر اس کا خون کھول گیا۔

''نوکر سمجھ رکھا ہے لاٹ صاحب نے مجھے اور روشی صاحبہ یوں ہفتہ بھر سے پلنگ

سنبھالے پڑی ہیں۔ جیسے آج ہی رخصت ہو رہی ہیں اور میں رہ گئی ہوں ان فضول چاکریوں کے لیے۔'' اس نے کھانے کے برتن پٹخ کر چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔ جتنی دیر تک چائے کھولتی رہی وہ بھی جلتی کڑھتی رہی۔

''یہ چائے۔'' کمرے میں داخل ہو کر اس نے لٹھ مار انداز میں کہا اور میز کی طرف دیکھا جو کتابوں کے ڈھیر، کاغذوں، تولیے، برش اور نہ معلوم کن کن چیزوں سے اٹی پڑی تھی۔ دو تین دن سے اس کمرے کی کسی نے صفائی بھی نہیں کی تھی۔ میز پر چائے کا مگ رکھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ رافع لحاف ٹانگوں پر ڈالے بیٹھا تھا، ہاتھ میں کوئی کتاب لیے۔

''مجھے دے دو۔'' اس نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تو وہ کوفت بھرے انداز میں کپ لیے اس کی طرف بڑھی۔ اس نے مگ آرام سے پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے ابیہا کا ہاتھ بھی۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی بیڈ کے کنارے پر گر گئی۔ ''یہ کیا بے ہودگی ہے؟'' وہ غصہ میں چیخی اور اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''یہ بے ہودگی نہیں۔'' وہ رکا اور پلٹ کر چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل کے کونے پر رکھ دیا۔ ''ایکسکیوز ہے۔'' اس کے ہاتھ کی گرفت اور بھی سخت ہو گئی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے۔

''پہلی بات تو یہ مائی ڈیئر وائف! کہ اس ہاتھ کو تھامنے کا حق خود تم نے مجھے دیا ہے، نکاح نامے پر سائن کر کے۔ اور اب اگر مجھ ناچیز نے اپنا حق ذرا سا استعمال کرنے کی جسارت کی ہے تو اس قدر خفا ہونے کی وجہ......'' وہ اس کے لال بھبھوکا چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ ''کیا ابھی تک ناراض ہو؟''

''مجھے کیا ضرورت ہے ناراض ہونے کی۔ چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' اس نے ایک بار پھر زور لگایا۔

''ضرورت، ہاں ضرورتوں کی مار تو پڑی ہے تمہیں۔ میرے ساتھ بندھ کر۔'' وہ گہرا سانس بھر کر بولا۔ ''اچھا ایسے کرو ایک کام کرتے ہیں۔'' وہ اس کے ہاتھ پر گرفت ذرا سی ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔ وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''موسم بھی ہے، موقع بھی ہے دستور بھی ہے۔''

وہ اس کی طرف جھکا۔ ''کمرے کا دروازہ بند کرو اور ادھر لحاف میں آ جاؤ میرے

ساتھ۔ ایمان سے سردی بہت ہے۔ اب ہماری شادی بے چاری اتنی پرانی ہو چکی ہے ک
تازہ دم کرنے کا کوئی انوکھا طریقہ تو میرے دماغ میں نہیں آ رہا سوائے اس ''ویری'' پ
ساری معذرت...... پیار بھری معذرت کے۔''

اس نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ کر چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ یہ سب اچانک اور غیر متوقع تھا کہ ایک لمحے کو لیہا کا زور زور سے دھڑکتا دل بھی بے بس ہو گیا۔ اس کا ٹھنڈا ٹھار چہرہ گرم مضبوط ہاتھوں کے حصار میں تھا۔ ''تم اگر میرا ساتھ دو، میرے ساتھ...... میرے پاس ہو تو یقین کرو یہ مشکلات کچھ بھی نہیں اور مجھے لگتا ہے اب مجھ سے ایک پل کو بھی دور ہوئیں تو شاید میری زندگی میں ایک بھی آسانی نہیں آ ئے تمہارے ہونے نے میرے لیے ہر مشکل کو بھی سہل کر دیا ہے صرف تمہارے ہونے احساس نے...... اگر یہ احساس محبت بن جائے تو میں سمجھوں گا مجھ سا خوش نصیب اس زمین پر کوئی نہیں ہوگا۔ بیا! آئی رئیلی لو یو۔ پہلے مجھے خود بھی اس کا یقین نہیں تھا مگر ا چار دنوں میں جو کچھ ہوا اپنے اشتعال بھرے ردعمل تمہاری ناراضی اور خفگی نے پتا نہیں اندر کیا کچھ بدل کر رکھ دیا ہے۔ تمہارے دور جانے کے خیال سے ہی میں نے خود کو چو ہوتے محسوس کیا ہے۔ جو اگر تم ذرا مجھ سے دور چلی جاؤ تو پتا نہیں میرا کیا حال ہو۔ ان تی دنوں نے مجھ پر انکشاف کیا ہے بیا! تمہاری محبت کا، تمہاری ضرورت کا...... میں واقعی تم کو ادھورا نامکمل محسوس کر رہا ہوں اور دریا کے قریب رہ کر پیاسا سا بھی۔ بیا! میری یہ تشنگی دو بیا، میں......''

وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے گرم سانسوں کے ساتھ بوجھل میں کہتے ہوئے شاید اپنے آپ سے بھی بے خبر تھا۔

''بہت خوب صورت ڈائیلاگ ہیں، لگتا ہے اس کتاب سے رٹے ہیں۔'' و جھٹکے سے اسے پرے دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''مگر میں آپ کے بغیر خود کو ادھوری نہیں بلکہ آپ کی قربت میں مجھے اپنی زندگی اور بھی بے معنی، بے مقصد لگنے لگتی ہے، آپ آتے ہیں مسٹر رافع! تو میرا جی چاہتا ہے میں خود کو ختم کر لوں۔ اگر پہلے یہ جرأت نہیں کر تو اب کر لوں۔ مجھے آپ کی قربت سے وحشت ہوتی ہے۔ اور جینے سے نفرت بھی۔ ا انسان کسی کے پاس آنے پر خود کو مار دینے پر تل جائے تو سوچیں، وہ اس شخص سے کتنی

کرتا ہوگا؟ آئی ایم سوری ٹو سے، بٹ آئی رئیلی ہیٹ یو...... اور آپ پر ان تین چار دنوں میں میری محبت کا راز منکشف ہوا ہے تو مجھ پر ان تین چار دنوں میں آپ کی اس دوہری شخصیت کا پردہ چاک ہوا ہے۔ پہلے مجھے آپ سے بےزاری ہوتی تھی اور تھوڑی سی الجھن مگر ان چار دنوں میں مجھ پر کھلا کہ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت اور یہ نفرت اب کبھی محبت میں تبدیل نہیں ہوگی۔ مجھے معلوم ہے بہتر ہے کہ ان ہی خطوط پر سوچیے جن پر سوچنے کا آپ مجھے کہہ چکے ہیں کیونکہ...... مجھے آپ کے ساتھ بہر حال نہیں رہنا۔''

وہ بڑے حوصلے سے حق دق بیٹھے رافع کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغیر رکے کہتی چلی گئی اور بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

باہر مکمل اندھیرا تھا۔ سب روشنیاں گل ہو چکی تھیں سوائے سرئی دھند کی ملگجی روشنی کے۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر آہستگی سے اپنے لحاف میں گھسی اور اسے سر تک اوڑھ کر بے اختیار رونے لگی مگر ان آنسوؤں میں شدت نہیں تھی نہ روانی جیسے سرما کی بارش ہو رک رک کر سوچ سوچ کر برستی ہوئی۔

وہ جو کچھ سوچنا نہیں چاہ رہی تھی وہی کچھ سوچے جا رہی تھی۔

باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔

وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔

اس نے بہت پہلے کہیں پڑھا تھا کہ سردی روئی سے جاتی ہے یا دوئی سے ''دوئی'' کو وہ خود لات مار آئی تھی۔ اور روئی اس کی سردی کم کرنے میں ناکام تھی۔ ٹھنڈے یخ پاؤں لحاف میں گھسانے کے باوجود اس کی سردی کم نہیں ہو رہی تھی اور نیند...... نیند تو اس پر پہلے بھی کم مہربان تھی ''آج پھر رتجگا...... نہیں'' اس نے بے اختیار زور سے آنکھیں میچ لیں اور سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔ باہر شاید بادل چھائے ہوئے تھے مٹیالا سا اندھیرا ساری طرف پھیلا ہوا تھا۔ آنکھ کھلنے کے باوجود وہ یونہی پڑی رہی کچھ سردی کا احساس اور کچھ رات سونے سے پہلے کا واقعہ۔

''میں نے بالکل درست کیا یہ ٹھکرانا اپنانا کوئی کھیل نہیں۔ اور مسٹر رافع! میں کوئی

کھلونا نہیں کہ جب آپ کا جی چاہے آپ مجھے بیوی بنالیں اور جب آپ کا موڈ نہ ہو تو دشمن بھی نہیں۔ ہونہہ! کچن میں کھٹر پٹر ہو رہی تھی۔ گھڑی پر نگاہ پڑی تو وہ اٹھ ہی گئی۔ دس بج رہے تھے یقیناً رافع گھر میں نہیں ہوگا، یہی سوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رات کے کھانے پہ میں نے مکرم بھائی! عالیہ بھابی اور ان کی بہن بہنوئی کو مدعو کیا ہے۔ میں نے تو محتشم سے بھی کہا ہے آنے کو۔ کل رات تو ان کی فلائٹ ہے واپسی کی۔ اب رات کو کیا کیا بنانا ہے تم مجھے بتادو۔ میں جا کر لے آؤں۔ ابھی موسم ٹھہرا ہوا ہے جو برسنے لگ گیا تو پھر گھر سے قدم نکالنا مشکل ہو جائے گا۔ سردی کی جھڑی کیسی طویل ہوتی ہے تمہیں تو معلوم ہے۔'' وہ جب کچن میں داخل ہوئی تو پھپھو برتن دھوتی روشی سے کہہ رہی تھیں وہ سلام کر کے دیوار کے ساتھ پڑی چوکی پر بیٹھ گئی۔

''کیا بات بیٹا! طبیعت تو اچھی ہے نا۔ کچھ سردی بھی زیادہ تھی۔ میں نے تمہیں اٹھایا نہیں۔ تین چار دن میری بچی نے کام بھی بہت کیا ہے۔ سارا گھر سنبھالا ہوا تھا ماشاء اللہ، اللہ اجر دے تمہیں اس خدمت گزاری کا۔ بہت اچھی تربیت کی ہے عارفہ بھابھی نے تمہاری۔ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ محلوں میں رہنے والی بچی کیسا خیال رکھنے والی ہے سب کا......'' پھپھو اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئیں معلوم نہیں اسے جتا رہی تھیں یا روشی کو سنا رہی تھیں۔

''بالکل درست کہا تم نے سعدیہ بیگم! ایسی نیک سیرت، خوب صورت اور گنوں والی بیٹی اللہ ہر کسی کے نصیب میں نہیں لکھتا۔ مان گیا تمہاری پسند کو اور اس کی ماں کی تربیت کو ماشاء اللہ کیا ہیرا ملا ہے ہمیں قسمت سے۔''

آفتاب زبیری نہ جانے کب آ کر کچن کی دہلیز پر کھڑے ہو گئے تھے اور اب پھپھو کی تائید (اس کی موجودگی میں پہلی بار) کر رہے تھے۔ روشی برتن دھل چکنے کے باوجود اسی طرف منہ کیے کھڑی رہی۔

''ناشتہ بھجوا دوں آپ کا؟'' پھپھو ان کی اچانک آمد پر قدرے سنبھل کر رہی انداز میں بولیں۔

''چائے کے ساتھ بس ایک سلائس، طبیعت اچھی نہیں۔ کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔'' وہ بائیں ہاتھ سے سینہ سہلاتے ہوئے بولے۔

''کیا بات ہے، خیریت تو ہے نا؟'' پھپھو نے شاید مجبوراً پوچھا تھا۔ روشی اسی طرح

کھڑی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے، وہی ظالم درد۔ رات بھر بے چین رکھا۔'' وہ کراہ کر بولے۔

''تو دوا لینی تھی نا؟''

''لی ہے۔ تم ناشتہ بھجوا دو۔ تھوڑا آرام کروں گا تو بہتر ہو جاؤں گا۔ مہمان تو رات کو آئیں گے نا؟'' وہ فکرمند انداز میں بولے تو سعدیہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اگر بازار سے کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔ میں ناشتے کے بعد لا دوں گا۔'' وہ ذمہ داری سے بولے۔

''نہیں، آپ کی طبیعت اچھی نہیں۔ آپ آرام کریں میں لے آؤں گی جو لانا ہوگا روشی! مجھے ساس پین میں چائے کے لیے پانی دینا۔'' روشی ساس پین اٹھا کر پانی لینے لگی۔

آفتاب زبیری کچھ دیر کھڑے رہے پھر واپس مڑ گئے۔

''روشی! تم ٹھیک ہو نا اب؟'' پھپھو، آفتاب زبیری کو ناشتہ دینے گئیں تو لبیبا نے پیالیوں میں چائے نکالتی روشی سے پوچھا۔

''ہوں!'' اس نے مختصراً کہا تو وہ بھی خاموشی سے ناشتہ کرنے لگی۔

پھر سارا دن مہمانوں کی خاطر مدارات کی تیاریوں میں گزر گیا۔

پورے گھر کی صفائی روشی نے ہی کی، کھانے لبیبا نے روشی اور پھپھو سے پوچھ پوچھ کر پکا لیے۔

''بیا بیٹا! تم اب سب کچھ چھوڑو اور جا کر تیار ہو جاؤ۔ روشی نے تمہارے کپڑے نکال دیے ہیں۔ نہانا چاہو تو نہا لو۔ ویسے تو ٹھنڈ بہت ہے۔ اب باقی سب روشی دیکھ لے گی۔ اٹھ جاؤ تم۔'' پھپھو نے اسے زبردستی تیار ہونے کے لیے بھیج دیا حالانکہ اس کا ذرا دل نہیں چاہ رہا تھا تیار ہونے کو، بس وہ تو لحاف میں گھس کر اردگرد سے بے نیاز ہو جانا چاہتی تھی۔

اب پتا نہیں یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ کم بختی وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلتے ہوئے اندر داخل ہوتے رافع سے ٹکرا گئی جو اپنی دھن میں روشی روشی پکارتے ہوئے اندر داخل ہو رہا تھا۔ لیڈر ویلوٹ کے براؤن ہلکے گولڈن کام والے سوٹ پر اس نے روشی کے اصرار پر ہی ہلکا سا میک اپ کیا تھا اور ہلکی پھلکی سی جیولری پہنی تھی۔ کتنے دنوں بعد خود کو آئینے میں یوں تیار حالت میں دیکھا تو کتنی ہی دیر خود کو دیکھتی رہی۔

''یہ میں ہوں لیہا انصاری۔'' اس کا حُسن لباس کی طرح جاذبِ نظر اور پرکشش تھا مگر آنکھوں کے گرد حلقے اور کالر بون اچھی خاصی نمایاں لگ رہی تھی۔

وہ اسمارٹ تو پہلے ہی بہت تھی مگر آج وہ خود کو بہت کمزور سی محسوس ہوئی۔ اپنے گھر میں تو وہ ہر پندرہ دن بعد ویٹ مشین پر کھڑی ہو جاتی۔ ایک دو پونڈ بھی بڑھ جاتا تو وہ دو ٹائم کھانے کی ہڑتال کر دیتی۔ اس کے باوجود آئینے نے کبھی ایسی گواہی نہیں دی تھی۔

''اس گھر میں، اتنے شاندار ماحول میں بھلا میرا وزن کیسے بڑھ سکتا تھا۔ بھلا ٹارچر سیل میں بھی کسی کا وزن اوور ہو سکتا ہے۔''

وہ بڑبڑاتی ہوئی آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اور اسی بے دھیانی میں دروازے پر اس کی رافع سے ٹکر ہو گئی جس نے ایک اچٹتی ہوئی بے حد سرسری نگاہ اس کے سجے سنور مہکتے سراپے پر ڈالی اور فوراً ہی نگاہ موڑ کر کمرے کے اندر دیکھنے لگا وہ جانے کیوں وہیں دہلیز پر اس کے قریب کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

روشی کو کمرے میں نہ پا کر وہ اگلے ہی پل واپس مڑ گیا۔

اور وہ جو رات کو اس کے سامنے چلا کر دعویٰ کر آئی تھی کہ اسے رافع کی قربت سے وحشت ہوتی ہے، ان لمحوں میں نہ جانے کیوں اپنے ہی دعوے کی تائید نہ کر سکی ان لمحوں میں تیز تیز دھڑکتا دل کیا توقع کر رہا تھا اسے معلوم تھا۔ رافع کے مڑتے ہی اس کا جی چاہا ان ہی کپڑوں سمیت بستر میں گھس جائے۔

پھر کب مہمان آئے۔ کب کھانا سرو کیا گیا۔ وہ کیسے ان سے ملی۔ روشی نے کون سے کپڑے پہنے۔ پھپھو کتنا خوش تھیں۔ پھوپھا جان کا بدلا ہوا خوشگوار رویہ، ایک خوشگوار ماحول، ایک خوشگوار شام...... مگر اسے کچھ بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ اس کے اندر تو جیسے گمبھیر سناٹے اتر آئے تھے۔

پھپھو نے اس کی بے خیالی پر اسے دو تین بار ٹوکا بھی مگر وہ وہاں موجود کب تھی۔

پھر مہمان چلے گئے۔ برتن سمیٹ کر وہ کپڑے بدلنے چل دی۔ اس کا ارادہ اب لیٹنے کا تھا کہ یک دم پھپھو نے اسے آواز دی۔ وہ اچھی خاصی بے زاری سی باہر نکلی۔ روشی کچن میں تھی اور رافع پھپھو کے پاس ان کے کمرے میں۔ وہ دروازے سے ہی بے زار ہو کر پلٹ آئی۔ ڈریسنگ روم کے دروازے کے پاس پڑی تپائی پر اسے ایک پیالی اور کپ نظر آیا تو وہ یونہی انہیں

اٹھانے چل دی مگر اندر سے آتی باتوں کی آواز پر وہ وہیں ٹھٹھک گئی۔ نہ جانے کیوں؟

''اسے میری مجبوری سمجھو، میری بے غیرتی یا کچھ اور مگر مکرم! میں واقعی بہت مجبور ہوں۔ بہت زیادہ، کیسے تم سے کہوں۔'' آفتاب زبیری کی گڑگڑاتی آواز نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کیا۔

''تم کہو تو آفتاب! میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا بھائی کہا ہی نہیں مانا بھی ہے۔ تمہاری مجبوری میں نہیں سنوں گا تو اور کون سنے گا۔'' اسے حیرت ہوئی مکرم انکل ابھی یہیں تھے۔

''وہ جہاں میں نے روشی کا رشتہ کیا تھا۔ میں واقعی اس شخص کا مقروض ہوں۔ وہ نیچ ذات اور کمینہ ہے۔ آتے جاتے بھرے بازار میں میرا گریبان پکڑے گا اسے ابھی تک علم نہیں کہ میں روشی کا نکاح کر چکا ہوں ورنہ...... ورنہ وہ اب تک میری عزت کا جنازہ نکال چکا ہوتا۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات میری مجبوری...... اور خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر تمہیں شک ہے تو چلو ابھی میرے ساتھ اس کے پاس وہ قرض کی پوری لسٹ تمہارے سامنے نکال لائے گا جہاں کمینے نے جگہ جگہ میرے سائن لے رکھے ہیں۔ بتاؤ میں کیا کروں، اب اگر خدا نے مجھے میری بیٹی کی خوشی دکھائی ہے تو اپنی اس بے عزتی کے باعث اس خوشی کے خراب ہونے کا دکھ مجھے رات بھر سونے نہیں دے رہا میں کیا کروں کس کے پاس جاؤں۔ بہت سوچ کر بہت مجبور ہو کر...... اب تمہارے ساتھ میرا رشتہ مانگنے والا نہیں مگر اس کے باوجود سوچنے بیٹھوں تو تمہارے سوا اپنا کوئی دکھائی بھی نہیں پڑتا۔ کس سے کہوں کون سنے گا میری مجبوریوں کی کتھا۔ مکرم! تم نے تو ہمیشہ مجھے سمجھا میرا خیال......''

''آفتاب زبیری!'' مکرم تیزی سے بولے۔ ''سن لو یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد نہیں۔'' وہ تنبیہی انداز میں بولے۔ ''بتاؤ کتنی رقم ہے تم پر قرض یا جو تم نے جوئے میں ہاری؟''

وہ آخر میں طنزیہ لہجے میں بولے۔ اس پر لیہا کا جی چاہا آگے بڑھ کر وہ بتا دے۔ اس دھوکے باز شخص کا پول یہیں کھول دے۔

''صرف دو لاکھ روپے، تمہارے لیے تو یہ رقم......''

''آفتاب زبیری! یہ رقم صرف نہیں ہے، اے بگ اماؤنٹ اور پاکستان میرے لیے پردیس ہی ہے۔ ادھر میرا اکاؤنٹ عارضی ہے وہ بھی اس خیال سے کہ شادی میں ضرورت نہ پڑ جائے۔ یہ میں تمہیں ایک لاکھ کا چیک لکھ کر دے رہا ہوں۔ اس سے زیادہ کی نہ مجھ سے توقع رکھنا اور نہ دوبارہ مانگ کر خود کو میری نظروں میں مزید چھوٹا کرنا بس یہ آخری بار...... خالہ جان

کی وصیت کا خیال کر کے۔"

نہ جانے کون سی طاقت تھی جس نے لیہا کے قدم جکڑے ہوئے تھے حالانکہ وہ اندر جا کر اس دھوکے باز شخص کے چہرے پر پڑا فریب کا پردہ چاک کرنا چاہ رہی تھی اور وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں پائی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ باقی کی رقم جب تم رخصتی کے لیے آؤ تو پھر......"

"آفتاب! اس سے زیادہ ایک دھیلا نہیں۔ پتا نہیں قدرت نے تمہیں بیٹی کا باپ اس دن کے لیے بنایا تھا کہ تم چار پیسے......" لیہا بمشکل سن پائی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر یہ طنز کرنے کی ضرورت نہیں، بہو تو تم اب بنا رہے ہو میری بیٹی کو، مگر پہلا رشتہ تو ہم دونوں کے بیچ بھائیوں کا ہے۔ چیک کیش تو ہو جائے گا نا۔"

"بھائی کے رشتے کو جانے دو۔ تم تو جہاں کہیں کھوٹا سکہ بھی نظر آئے وہیں سے کسی ٹوٹے پھوٹے رشتے کی جڑیں نکال لیتے ہو۔ اور صبح ہی کیش کروا لینا اگر یہ کیش نہ ہونا ہوتا تو مجھے لکھ کر دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ چلتا ہوں میں۔ میرا خیال ہے تمہاری ضروری بات یہی تھی۔ جس کے لیے تم نے مجھے روکا تھا۔"

"بہت شکریہ اور ادھر سے نہ نکلو، پھر یہ سعدیہ اور رافع سوال کر کر کے میری جان کھا لیں گے۔ گلی کے دروازے سے نکل جاؤ۔" انہوں نے اپنے بچاؤ کے لیے انہیں بیرونی دروازے سے باہر نکال دیا۔

"کتنا سنہری موقع تھا اس مکار شخص کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کا اور میں بے وقوف، احمق یہیں کھڑی رہ گئی۔ آخر میں کچھ بھی کیوں نہیں کر سکتی اور کچھ نہیں تو کم از کم مجھے روشی جتنا بہادر ہونا چاہیے تھا۔ دوسروں کو اپنا وجود استعمال نہ کرنے کی اجازت دینا بھی تو ایک طرح کا امتحان ہے اور مجھ سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ تف ہے مجھ پر، تب ہی تو یوں ٹھوکروں میں پڑی ہوں میں۔ نا صرف بیوقوف ہوں بلکہ کم ہمت اور بزدل بھی اور بزدلی کی سزا ایسی زندگی ہی ہو سکتی ہے جیسی مجھے ملی ہے۔"

وہ وہیں کھڑی خود کو لعن طعن کیے جا رہی تھی۔

"بیا! یہاں کھڑی ہو اتنی سردی میں؟"

روشی کمرے میں جاتے جاتے اسے ڈرائنگ روم کے پاس کھڑے دیکھ کر وہیں

سے پکاری تھی۔ وہ سرد فضا کی خنکی کو محسوس کرتے ہوئے چونکی اور سست قدموں سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

وہ روشی کے ساتھ بازار آئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے وہ اس قفس سے کھلی فضا میں مدتوں بعد نکلی ہو یا شاید صدیوں بعد وہ زندہ در گور حالت سے اپنی قبر سے باہر نکلی تھی۔ کھلی فضا، روشن آسمان اور چاروں اور پھیلی دھوپ روشنی تا حد نگاہ راستے اور لوگ، اس کی آنکھیں چندھیائی جا رہی تھیں، سارے منظر سارے رستے ہی اجنبی اور انوکھے لگ رہے تھے حتیٰ کہ اس سے تو ٹھیک طرح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا قدم کہیں رکھتی تو پڑتا کہیں اور سر اٹھا کر لوگوں کو مناظر کو دیکھتی تو قدم لڑکھڑا جاتے۔

"توبہ ہے۔ امی نے اتنی لمبی لسٹ تھما دی ہے، بیا! مجھے تو کچھ پتا نہیں بس یہ کاٹن کے دو سوٹ خرید لیتے ہیں۔ باقی امی خود ہی آ کر لے جائیں گی۔ مجھے بازار جانے سے ویسے ہی وحشت ہوتی ہے پھر اتنا رش، بھلا کوئی کیا ڈھنگ سے پسند کرے بس لوگوں میں گھس کر۔"

وہ تیسری رش والی دکان سے گھبرا کر نکل آئی تھیں ایک تو وہ اتنے عرصے بعد بازار آئی تھیں کچھ اس وقت رش بھی بہت تھا۔ تقریباً ہفتہ بھر کے بعد تو دھوپ نکلی تھی اس لیے بازار میں اتنا رش تھا۔ روشی دو دن پہلے بھی پھپھو کے ساتھ آئی تھی آج پھپھو نے زبردستی اسے ساتھ بھیج دیا۔

"بیٹا! اس کو تو کچھ پتا نہیں، اچھے کپڑے اور اچھی چیز کی پہچان نہیں پرسوں بھی میرے ساتھ اُوٹ پٹانگ چیزیں پسند کر رہی تھی۔ تم ذرا اس کے ساتھ جا کر ڈھنگ کے دو چار جوڑے خرید لاؤ اور اپنے لیے بھی کوئی سوٹ پسند کر لینا۔" دو دن تو وہ پھوپھا جان کی اداکاری کے ٹرانس سے ہی نہیں نکل سکی تھی۔ اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شخص یوں اس طرح اپنی بیٹی کو ایک بار نہیں کئی بار فروخت کر سکتا ہے۔ وہ تو ابھی تک ممی سے نالاں تھی کہ انہوں نے اپنے مفادات اپنے تحفظات کی خاطر اسے قربان کر دیا۔ اگرچہ انہوں نے یوں کھلے عام تو اس کی بولی نہیں لگائی تھی جیسے آفتاب زبیری ہر ایک سے روشی کے دام وصول کر رہے تھے۔ اپنی جھوٹی مجبوری کا رونا رو رو کر۔ "ممی نے بھی تو میرے عوض شاہانہ زندگی خریدی تھی اپنے لیے اور ضویا، حارث کے لیے۔" اسے ان میں اور آفتاب زبیری میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں ہر شخص اپنی غرض اپنے فائدے سے بندھا بس بکنے والا، یا قربان ہونے

والا لیہا انصاری جیسا بیوقوف چاہیے پھر تو سودا کھرا ہی کھرا اور وہ ایسی احمق کہ آفتاب زبیر کو دوسری بار بھی اس جنس اسی مال کا نفع کماتے دیکھ کر وہ منہ سے بھاپ بھی نہ نکال کی ا... اگر وہ یہاں سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی تو کس آسرے پر، یہی سوچ کر وہ آج روشی کے ساتھ بازار چلی آئی تھی کہ بینک جا کر اپنا بیلنس تو چیک کر لے، اس کے اکاؤنٹ میں اب صرف ایک لاکھ سات ہزار روپے تھے۔

"میں اب بھی اپنے لیے کچھ اور سوچ سکتی ہوں۔ اگر مزید کسی اور کے ہاتھوں بیوقوف نہ بنی تو۔" بینک سے نکلتے ہوئے اس نے اطمینان سے سوچا تھا دونوں کوشش کے باوجود صرف تین سوٹ ہی خرید سکیں۔

"پیا! مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ چاٹ کھاؤ گی، پھر گھر چلتے ہیں امی خود ہی آ کر باقی خریداری کر لیں گی۔" روشی دکان سے نکلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نہیں، سردی بہت ہے۔ میرا تو یوں بھی گلا دکھ رہا ہے۔ بس گھر چلتے ہیں۔" واقعی وہ تھک چکی تھی اس لیے مزید چلنے سے انکار کر دیا۔

"چلو پھر گرم گرم سموسے کھاتے ہیں۔ یہ سامنے فرید سموسے والا بڑا مشہور ہے۔ دیکھو کیسی اچھی خوشبو آ رہی ہے، بس ایک ایک سموسہ۔"

وہ اسے زبردستی کھینچتی ہوئی سڑک پار سموسوں کی دکان پر لے آئی، وہاں اور بھی بہت سی عورتیں اور لڑکیاں کھڑی پلیٹیں بھر بھر کر سموسے کھائے جا رہی تھیں۔ تیز گرم تیل میں تل... کھاتے خوشبودار سنہری سموسے ہر آتے جاتے کے قدم روک رہے تھے اور لیہا کی تو زندگی کا یہ پہلا موقع تھا یوں سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر ندیدوں کی طرح سموسے کھانا، وہ انکار کرنا چاہ رہی تھی مگر پھر روشی کے چمکتے چہرے کو دیکھ کر چپ ہو گئی، روشی سموسوں کا کہہ چکی تھی۔

وہ بے دلی سے کھانے لگی۔ سموسے واقعی بہت لذیذ تھے۔ تب ہی اس کی نظر سامنے دوسری سڑک کے پارلیڈز کلیکشن کی شاندار بوتیک سے نکلتے کپل پر پڑی جس نے اس کی ساری حسیات کو جیسے مفلوج کر دیا۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ تیز گرم سموسے نے اس کی زبان جلا ڈالی ہے وہ تو بس ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

زریاب کے ساتھ سبز رنگ کے ہلکے کامدانی سوٹ میں فریال تھی۔ دونوں نے بڑے بڑے شاپرز پکڑ رکھے تھے اور آپس میں باتیں کرتے مسکراتے پارکنگ کی طرف بڑھ

رہے تھے۔ زریاب نے فریال کے لیے فرنٹ ڈور کھولا وہ نہ جانے کس بات پر ہنسی تھی کہ زریاب نے اس کے بے حد قریب ہو کر کچھ کہا تھا۔ گاڑی ریورس ہو کر اسی سڑک کی جانب آ رہی تھی۔ وہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ روشی کو تھمائی اور فٹ پاتھ کی طرف منہ کر کے پرے ہو گئی۔

"کیا ہوا کھا نہیں رہیں؟" روشی نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں، تم بس چلو، کوئی رکشہ لو مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔" وہ آنکھ میں اترتی نمی کو پیتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بولی تھی۔

"کیا سارے گھاؤ، سارے چرکے قدرت نے میرے ہی نصیب میں لکھ رکھے ہیں۔ آخر اور کتنے امتحان ہوں گے میری اور کتنی آزمائشیں۔ میں جن رستوں کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی وہ بار بار کیوں میرے سامنے آتے ہیں میرے خدایا بس کر......" اگر روشی جلدی سے سموسہ ختم کر کے رکشہ نہ روک لیتی تو شاید وہ بیٹھ کر رونے لگتی۔

اس نے راستہ بھر روشی کی جانب سے منہ پھیرے رکھا۔ اس نے دو ایک بار اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس کے چہرے کے سرد تاثرات دیکھ کر خود ہی چپ ہو گئی۔

"پیا! کیا ہوا ہے میری کوئی بات بری لگی۔" گھر کے اندر داخل ہو کر روشی نے اس سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر تیزی سے اندر کمرے میں چلی گئی۔

"پیا! پیا بیٹا! ادھر آؤ۔" وہ ابھی ڈھنگ سے رو بھی نہیں پائی تھی کہ پھپھو کی آوازوں نے اسے کمبل ہٹانے پر مجبور کر دیا۔ مگر وہ مسلسل اسے پکارے جا رہی تھیں اسے بہت غصہ آیا، جی چاہا کہ انہیں دو چار سنا ڈالے کہ وہ اپنی مرضی سے لیٹ بھی نہیں سکتی۔

"پیا! کیا تھک گئی تھیں؟" اسے دیکھتے ہی پھپھو ایسی محبت سے بولیں کہ کچھ سنانے کی حسرت اس کے دل ہی میں رہ گئی۔

"بیٹا! عارفہ بھابھی کا فون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔ بہت بیمار ہیں۔ تمہارے بازار جانے کے بعد بھی فون آیا تھا اور اب پھر...... بات کر لو۔" اس نے اب دھیان سے دیکھا۔ پھپھو نے ریسیور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور اب اس کی طرف بڑھا رہی تھیں۔

جو بات قطعی تھی، حتمی تھی۔ اس کے بارے میں سوچنے میں اس نے ایک ثانیے کا

توقف نہیں کیا۔
"نہیں، مجھے کسی سے بات نہیں کرنی اور میں سو رہی ہوں۔ پلیز اب بار بار مجھے آوازیں نہ دیتی رہیے گا۔ بندہ اپنی مرضی سے دو گھڑی سکون کا سانس بھی نہیں لے سکتا۔ نہیں کون کہتا ہے کہ آدمی کو مرنے کے بعد ہی سکون ملتا ہے۔ مجھے تو وہ بھی نصیب نہیں ہوا۔"
وہ پیر پٹختی غصے میں کہتی باہر نکل گئی تو سعدیہ بیگم حیران و پریشان اس کے لہجے اور لفظوں پر غور کرتی رہ گئیں۔

اس کے بعد لیہا کو کسی نے نہیں بلایا۔ وہ خود بھی باہر نہیں نکلی۔ کھانا بھی نہیں کھایا روشی بلانے آئی تو وہ سوتی بن گئی۔ اگلے دن بھی اس کا مزاج بگڑا ہی رہا۔ پھپھو بس خاموش خاموش سی اسے تکے جاتیں، وہ منہ سے کچھ نہ کہتیں۔
وہ سارا دن بستر میں پڑی رہی۔ کبھی لحاف میں منہ چھپا لیتی کبھی یک ٹک چھت تکتی، نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ روشی اس کے پاس چائے لا کر رکھ دیتی دل کرتا تو پی لیتی ورنہ کپ یونہی پڑا پڑا ٹھنڈا ہو جاتا۔
"رافع! مجھے عارفہ بھابھی کے پاس لے جاتے۔ کتنا دل کر رہا ہے انہیں دیکھنے کو کتنی بیمار رہی ہیں۔ وہ کیا سوچتی ہوں گی۔"
رات بھر اسے ٹھیک طرح نیند نہیں آئی تھی، سارا دن کاہلی سے بستر پر پڑے رہنے سے رات کو بھلا کیا نیند آنی تھی۔ اب صبح سویرے اس کا سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے لیے چائے بنانے نکلی تھی کہ کچن سے آتی پھپھو کی آواز پر وہ باہر ہی رک گئی۔ گہرے سرمئی بادلوں نے صبح کے پونے نو بجے بھی اندھیرا سا کر رکھا تھا آج تو سرد ہوا بھی چل رہی تھی۔
"امی! فون کر کے پوچھ لیں۔ ادھر جانے کی ضرورت نہیں" رافع رکھائی سے بولا۔
"فون تو کر لیا تھا میں نے۔ بس دل...... کتنا کہا لیہا سے کہ ماں سے بات کر لے۔ اس کی جدائی میں بستر سے جا لگی ہیں مگر...... کیا کرے وہ بھی جن حالات میں ماں نے رخصت کیا۔ کوئی بھی ہوتا بدظن ہو جاتا۔ وہ تو پھر چہیتی تھی سب کی۔" پھپھو کہہ رہی تھیں اور پتا نہیں کیوں اس کی سماعتیں رافع کا اگلا جملہ سننے کی منتظر تھیں۔
"تم نے آج جانا نہیں؟" رافع کی مکمل خاموشی پر پھپھو نے پوچھا۔
"بس نکلنے والا ہوں امی! آج میرا انٹرویو ہے۔ کورین کمپنی ہے، آپ دعا کیجیے

گا۔ ادھر میری سلیکشن ہو جائے۔ بہت پُرامید ہوں میں اس جاب کے لیے۔" لیہا نے ٹھنڈی ٹھار دیوار سے ٹیک لگالی۔
"میں تو بیٹا ہر گھڑی دعا کرتی ہوں۔ اللہ تمہیں روزگار کے اس امتحان سے نکالے۔ اپنے پیروں پر کھڑا کرے۔ کیسی لیہا کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے اور جو سلوک تم اس کے ساتھ کر رہے ہو، اس نے تو میرا سر جھکا دیا ہے اس کے سامنے۔ پہلے امتحان کا بہانہ پھر جاب کا، پھر روشی کا مسئلہ...... مگر بیٹا! یہ سب تو زندگی کا حصہ ہیں۔ تم کم از کم اس حق کا تو خیال کرو جو اس دکھیاری کا تم پر بنتا ہے۔ تم ناحق اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو بس میں اب کچھ نہیں سنوں گی آج ہی روشی سے کہتی ہوں۔ لیا کا سامان تمہارے کمرے میں......"
"امی! کل ولید کا فون آیا تھا گھر پہ؟" وہ سعدیہ بیگم کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولا تو وہ غصہ ضبط کر کے لمحہ بھر کو چپ ہوئیں۔
"نہیں، کیوں؟"
"امی! وہ ولید نے باپ اور تایا کی مخالفت کے باوجود اپنا الگ آفس سیٹ کر لیا ہے۔ وہ مجھے بھی اپنے آفس میں جاب کے لیے کہہ رہا ہے۔ اس لیے کل گھر فون کرنے والا تھا۔" رافع کی بات پر باہر کھڑی لیہا بھی چونک گئی۔
"یہ کب ہوا؟ وہ بڑے بھائی صاحب نے اس کی اجازت کیسے دے دی؟" وہ بھی چونک گئیں۔
"اس نے اجازت کب لی۔ ان کو بتایا کہ وہ خود سے تجربہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور بس۔"
"چلو اچھا ہے، زریاب بڑے بھائی صاحب کا آفس سنبھال لے گا۔" وہ خود ہی قیاس کرتے ہوئے بولیں۔
"زریاب تو بیوی کے ساتھ کل رات کی فلائٹ سے جرمنی جا چکا۔" رافع کی دوسری خبر بھی چونکا دینے والی تھی۔
"دوبارہ چلا گیا، تو یہاں بزنس کون دیکھے گا؟" حیرت ہے، بھائی صاحب نے اسے جانے کیسے دیا۔" پھپھو کو پھر شاک لگا۔
"امی جان! آپ کے بھائی صاحب کا حکم صرف کمزوروں پر چلتا ہے یا دوسروں پر۔ اپنی اولاد حکم مانا نہیں کرتی منوایا کرتی ہے۔ زریاب وہیں کہیں جاب کر رہا ہے۔ ابھی ادھر

نہیں آنا چاہتا، اس لیے چلا گیا۔ اچھا امی! میں تیار ہونے جا رہا ہوں۔ آدھے گھنٹے تک نکل
گا۔ آپ دعا کیجئے گا۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو لیہا آہستگی سے کمرے میں آ گئی۔

"تو زریاب چلا گیا فریال کے ساتھ اس بے وفا کو میرا ایک بار بھی خیال نہ آیا
گا۔ وعدے قسمیں، پیمان کسی نے سچ کہا ہے، یہ سب ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں مگر پھر یہ سب
میرے ساتھ ہی کیوں؟ فریال بی بی نے کون سے چلے کاٹے تھے جو اسے مفت میں یہ انمـ
ہاتھ لگا بلکہ بنا ہاتھ پیر ہلائے لاٹری نکل آئی اور میں نے کیا جرم کیا تھا کہ یہ تاج میرے سر
اتار کر اس کے سر پر سجا دیا گیا آخر کیوں۔"

اسے لگا اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی اگر وہ مزید اس پر سوچتی رہی۔ پچـ
پچاس گھنٹوں سے وہ یہی سب کچھ سوچے جا رہی تھی، وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی باتھ روم میں چلی آئی۔

☆☆☆

"پھپھو! ایک بات پوچھوں۔

اسے پچھلی رات بخار ہو گیا تھا، رات بھر میں بخار مزید تیز ہو گیا۔ صبح پھپھو ا
اٹھانے آئیں تو اس کا بخار دیکھ کر انہوں نے اچھا خاصا شور مچایا۔ زبردستی رافع کو ڈاکٹر کو
لانے کے لیے بھیج دیا حالانکہ وہ کہتی رہی کہ وہ بخار کی کوئی ٹیبلٹ لے کر ابھی ٹھیک ہو جائے
مگر پھپھو نے اس کی ایک نہیں سنی۔

ڈاکٹر کی دوا سے اس کا بخار دوپہر تک اتر گیا تھا۔

پھپھو عصر پڑھ کر اس کے پاس ہی بستر میں آ بیٹھیں اور دعائیں پڑھ پڑھ کر اس
پھونکنے لگیں۔ وہ ان کی نرم گرم محبت بھری آغوش میں سر دیے لیٹی رہی۔ وہ تسبیح کرتی رہی۔

"ایک دم اسے ممی یاد آنے لگیں۔ بہت زیادہ، اس نے چپکے سے ہی کتنے آ
پھپھو کی آغوش میں بہا دیے۔ پھپھو اسے پھونک مارنے کو جھکیں تو وہ آنکھیں صاف کر
انہیں مسکرا کر دیکھنے لگی۔

"تم روئی ہو بیٹا!" انہیں شک ہوا۔

"نہیں تو پھپھو!" وہ صاف مکر گئی۔

"کوئی ٹینشن ہے تو بیٹا! مجھ سے کہہ ڈالو۔" وہ تسبیح مٹھی میں بند کرتے ہوئے محبت
سے اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

"کوئی ٹینشن نہیں پھپھو! مجھے بھلا کیا ٹینشن ہو گی۔" وہ ٹال گئی کچھ دیر اسی طرح
گزر گئی۔

"پھپھو! ایک بات پوچھوں؟" اس نے چند لمحوں بعد کہا۔

"پوچھو۔"

"پھپھو! محبت کی شادی اتنا بڑا جرم تو نہیں کہ معاف ہی نہ کیا جا سکے، کبھی بھی۔" وہ
سوچ سوچ کر بولی تو سعدیہ بیگم کے چہرے پر سایہ سا آ کر ٹھہر گیا۔

"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"پھر ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا تھا آپ سے کہ تایا جی نے، گھر والوں نے آپ کو
معاف ہی نہ کیا۔" وہ یہ سب کبھی بھی پوچھنا نہیں چاہتی تھی مگر نہ جانے کیسے پوچھ بیٹھی۔

"پھپھو! کیا مجھے یہ سب نہیں پوچھنا چاہیے تھا؟" ان کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ اور
جامد چپ پر وہ چند لمحوں بعد شرمسار لہجے میں بولی۔

"نہیں، تم نے ایسا کچھ غلط نہیں پوچھا...... اور میں سمجھتی ہوں کم از کم تمہیں یہ سب
پوچھنے کا حق ضرور ہے کیونکہ میرے خیال میں میرے اس جرم کی سزا ساری نہ سہی بلکہ شاید ساری
سے بھی زیادہ تمہارے حصے میں آئی اور بنا کسی گناہ کے...... یہ سب جاننے کا تمہیں حق ہے۔"

"وہ رک رک کر بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھیں، اور اتنی آہستہ کہ ان کی گود میں
لیٹی لیہا بھی بہت توجہ سے سن پا رہی تھی۔

"کیا کوئی اور بات بھی ہے آپ کی اس پسند کی شادی کے علاوہ؟" وہ دھڑکتے دل
سے پوچھنے لگی۔

"ہاں ہے۔" انہوں نے عجیب یاس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ "اور اس کا علم
میری اولاد کو بھی نہیں۔ اگرچہ انہیں بھی پتا چل جاتا تو...... مجھے اپنا قد گھٹنے کی فکر نہیں، میں تو
پہلے ہی سب کی نظروں میں گری ہوئی ہوں۔ میرے بچوں کے دلوں میں اور بھی گرہیں پڑ
جاتیں۔"

"کس کے بارے میں؟" لیہا ان کے رک جانے پر بے چینی سے بولی۔

"محبت کی شادی اگر میرے بس میں ہوتا تو میں واقعی اسے ناقابل معافی جرم قرار
دے دیتی کہ دنیا میں دوبارہ کوئی معصوم لڑکی اس سنہری جال کے فریب میں نہ آتی جیسے میں

"آئی، سنو۔" وہ بتانے لگیں۔

☆☆☆

"شائستہ پال کی بے چینی اضطراب عروج پر تھا۔ وہ آج بھی نہیں آیا تھا۔

اس سے وعدہ کر کے گئے اسے ساتواں دن تھا اور ان سات دنوں میں اس نے خود کو سات ہزار بار ملامت کیا تھا کہ اس کا کوئی ایڈریس یا فون نمبر کیوں نہ لیا۔

وہ ان سات دنوں میں تین بار اس علاقے میں جا کر ہو آئی تھی کہ شاید وہ اس روز کی طرح اسے کسی فٹ پاتھ سڑک یا گلی میں چلتا دکھائی دے جائے۔

مگر ہر بار مایوسی اس کے ہاتھ آئی تھی۔

"اگر اس نے یونہی مل کر بچھڑنا تھا تو مجھے سر راہ ملا ہی کیوں تھا اور یہ ڈاکٹر زبیر، اس نے الگ میری جان عذاب میں کر رکھی ہے۔ سات دنوں میں بہانے بہانے سے سات فون کر چکا ہے میری صحت کی فکر اسے کھائے جا رہی ہے جیسے میں ستر سال کی بڑھیا ہوں جو بستر مرگ پر پڑی اس کی مسیحائی کا انتظار کر رہی ہے۔ آخر یہ وعدہ کر کے آیا کیوں نہیں؟ میں تو اس کے تاثرات سے سمجھی تھی بلکہ زعم میں آ گئی تھی کہ وہ کل رات سر کے بل دوڑا چلا آئے گا۔ میں کیوں اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر لوں اور خدا نے کیسا میرا غرور پاش پاش کیا۔" اسی وقت ملازم اندر داخل ہوا۔

"میم! کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں" وہ اندر آ کر مودب لہجے میں بولا۔

"بھیجو...... بلکہ ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔"

وہ اتنی مضطرب تھی کہ اس وقت کسی سے بھی مل لیتی کم از کم اس پریشان کن خیال سے تو چھٹکارا ملتا۔

چند منٹوں بعد وہ اپنے شاندار ڈرائنگ روم میں بلیو کلر کی مہین ساڑھی کا پلو سنبھالتی داخل ہوئی تو سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر اسے زور کا جھٹکا لگا۔

اسے لگا وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

جس کے انتظار میں وہ سات دنوں سے کسی شمع کی طرح قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی وہ گوہر مقصود اس کے سامنے کھڑا تھا۔

☆☆☆

بے یقینی ایسی تھی کہ اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

وہ سحر زدہ سی چلتے ہوئے ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"کیا میرے آنے کی توقع نہ تھی یا...... مجھے ابھی بھی پہچان نہیں پائیں۔"

وہ اس کی مستقل خاموشی پہ دھیرے سے بولے۔

وہ کچھ دیر کھڑی انہیں یک ٹک دیکھتی رہی اور پھر ایک گہرا سانس لے کر قریبی صوفے پر نڈھال سی ہو کر گر گئی۔

"شائستہ......" وہ ہولے سے بولے۔

"کہاں گم ہو گئے تھے تم، اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے؟" وہ انہیں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

اب کے حیران ہو جانے کی باری اس کی تھی۔

کیسا تحیر اترا تھا اس کی آنکھوں میں۔ اسے تو نا پہچانے جانے کا خوف تھا کہ بڑے لوگوں کے حافظے بہت چھوٹے ہوتے ہیں، وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کے عادی نہیں ہوتے۔

"تم نے میرا انتظار کیا تھا؟" وہ حیران لہجے میں آہستگی سے بولے۔

"نہیں، میں نے غلطی کی تھی۔" وہ سیدھی ہو کر آہستگی سے بولی۔

"کیسی غلطی؟" آفتاب زبیری کا لہجہ محتاط سا ہو گیا۔

"پہلی غلطی یہ کہ تمہیں اس دن یونہی چلے جانے دیا۔ میری دوسری غلطی، تمہارا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں لیا۔ نہ ملنے کا پتا، نہ کوئی نشان۔ تمہیں کیا خبر، انتظار کی اس آگ نے کیسے مجھے جلایا ہے کہ ایک پل کا چین نہیں تھا۔ اس علاقے میں، آتے جاتے رستوں میں چلتے پھرتے لوگوں کے ہجوم میں کیسی بے قراری کیسے پاگل پن کے ساتھ تمہیں تلاشتی رہی ہوں۔"

شائستہ کی آنکھوں میں شکایتوں کا انبار تھا اور انداز میں روٹھ جانے کی دھمکی اور آفتاب زبیری اتنا بھی احمق نہیں تھا کہ صدیوں سے سوئی تقدیر کی آنکھ کھل جانے پر اسے یوں

ہی روٹھ جانے دیتے یا اس کی ناراضی سے آنکھ چرا لیتے۔ اس کے تو اندر جیسے خوشی کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ ایک عمر کی ریاضت تھی کہ کھل جا سم سم کا منتر کام کرنے لگا تھا۔ ان کا دل تو خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ شائستہ کی حالت، اس کے الفاظ، اس کے انداز...... صحیح کہا ہے کسی نے۔ کبھی نہ کبھی تو گھورے (کوڑے کا ڈھیر) کے بھی دن بدلتے ہیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے تم سے ملنے کے بعد مجھے ایک گھڑی ایک پل کا سکون ملا ہو گا، جس طرح تم بے چین و بے قرار رہیں، ملنے کی اس تڑپ نے مجھے بھی اتنا ہی تڑپایا ہے، ترسایا ہے کہ چاہوں بھی تو لفظوں میں بیان نہ کر سکوں۔''

وہ اپنی مقناطیسی نگاہیں شائستہ کے مرمریں حسن پر جمائے سحر انگیز لہجے میں دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

''تو پھر آنے میں اس قدر دیر کیوں کی، جو اس وحشت میں میری جان بھی چلی جاتی تو......'' شائستہ نے بے قراری سے ان کا ہاتھ کھینچ کر ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ کچے دھاگے سے بندھے اس کے بے حد قریب جیسے گر سا گئے۔

''اب اس دل ناتواں میں اتنی طاقت نہیں کہ ایسے صدمے کا خیال تو کیا، اس احساس کو بھی سہار سکے۔ آئندہ کبھی ایسے نہ کہنا۔ تمہاری جان تمہاری محبت پر میری سو جانیں قربان۔ ایک بار بچھڑے تھے تو لگتا ہے کئی سو سال سے رو رو کر جی رہے ہیں۔ اب کے ذرا سی بھی جدائی بیچ میں آئی تو سچ کہتا ہوں شائستہ! یہ سانسوں کی ڈور کٹ جائے گی۔'' وہ بڑے استحقاق سے شائستہ کے چہرے کی اطراف پڑی ریڈش براؤن لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے بے خودی سے بولے۔

''لفظوں کے پرانے کھلاڑی ہو آفو! اور تمہاری اداکاری تو اس وقت بھی میری جان نکال لیا کرتی تھی جب اس کے بغیر بھی یہ شائستہ تم پر دل و جان سے نثار تھی۔'' شائستہ نے آہستگی سے سر ان کے شانے سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

ایک پل کو آفتاب زبیری کو لگا، وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ تپتی دوپہر کسی سایہ دار پیڑ کے نیچے بیٹھتے ہی اونگھ کے ساتھ آنکھوں کی دہلیز پر اترنے والا ان چھوا خواب...... خوشبودار حسین مرمریں بدن ان کے شانوں پر محو خواب تھا۔

''تو کیا اب نہیں نثار ہوا اپنے اس دیوانے پر'' آفتاب زبیری نے اپنی اداکاری میں

لس کا ''جاندار اثر'' ڈالا۔ قسمت نے تو ساری کنجیاں اٹھا کر ان کی جھولی میں ڈال دی تھیں۔

''جا کر کہیں بھی معلوم کر لو، یہ شائستہ کسی کو اپنی قربت تو کیا، نگاہِ الفت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔ یہ تو تم ہو آفو...... اولین روز سے، جس لمحے شباب اس بدن میں بیدار ہوا، تمہاری محبت کا بیج آپوں آپ دل کی مٹی میں نمو پا گیا تھا اور بائیس سالوں کی جدائی بھی اس بیج کو نہ مٹا سکی۔ ریئلی آفو! آئی مس یو۔''

کہتے ہوئے اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور آفتاب زبیری کی والہانہ نگاہوں سے نہ جانے اس کے اندر کیا کچھ پگھل گیا۔ وہ خود پر، اپنے بے قابو ہوتے جذبات پر قابو پاتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ذرا فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ آفتاب زبیری کے ہاتھوں سے ایک قیمتی لمحہ پھسل گیا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہیں بھول گیا تھا؟''

''ایسا یاد بھی نہیں رکھا اور سچی بات ہے، اس کے لیے میں تمہیں الزام بھی نہیں دوں گی۔ سعدیہ بیگم کو دیکھتے ہی تمہیں اپنا ہوش نہیں رہا تھا، میری موجودگی کا احساس کیا ہوتا۔''

آفتاب زبیری کو لگا، ٹھنڈے یخ ماحول میں کسی نے ان کا چہرہ آگ کی بھٹی کے آگے رکھ دیا ہو۔

''اور تم جیسے میرے انتظار میں بیٹھی رہیں، میری بے وفائی کا جوگ لے کر......'' وہ حساب کتاب کے معاملے میں جھکنا جانتے تھے، نہ چوکنا۔

''اسی لیے تو تمہیں الزام نہیں دے رہی ہم دونوں کے سینوں میں دو دل دھڑکتے تھے۔ ایک، ایک دوسرے کی محبت اور دوسرا دولت...... وہ بھی بے تحاشا دولت کے لیے...... اپنے اپنے حساب سے ہم دونوں نے بالکل درست فیصلے کیے...... محبتیں تو ملتی رہتی ہیں مگر تقدیر بار بار مہربان نہیں ہوتی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تو آفتاب زبیری کے چہرے کا رنگ صاف پھیکا پڑ گیا۔ شائستہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

''تمہارے ساتھ البتہ...... لگتا ہے تقدیر ہاتھ دکھا گئی۔ دایاں دکھا کر بایاں کر گئی ہے، نا؟'' اس کے خوبصورت ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔

''جو نظر آتا ہو، اس کے بارے میں بات کرنے کا فائدہ۔''

آفتاب زبیری نے نڈھال آواز میں کہتے ہوئے صوفے کی پشت پر سر رکھ دیا۔

تقدیر نے صرف مجھے دائیں بائیں کے دھوکے میں نہیں مارا اور بھی بڑے اوچھے

وار کیے۔ یہ تو میرا دل سخت جان تھا جو سارے ستم سہہ گیا، ورنہ کوئی اور ہوتا تو کب کا مار ہوتا۔" وہ دکھی لہجے میں بولے۔

"تقدیر نے بھی دیکھ کر اوچھے وار کیے۔ اسے پتا تھا یہ آفتاب زبیری کس ڈھیٹ جان ہے۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی اپنا ہاتھ "ہولا" رکھتی۔ ہے نا؟" اب کے مسکراہٹ میں ڈھلی تھی۔

"تم ہنس سکتی ہو، تمہارے ساتھ یہ دھوکا نہیں ہوا۔" وہ دل گیر لہجے میں ٹھنڈی بھر کر بولے۔

"پھر بھی آفو! خسارے میں نہیں رہے تم۔ سعدیہ بیگم جیسی حسین و جمیل بیوی ا بچے......اور کیا چاہیے تھا تمہیں۔"

"تمہیں نہیں معلوم تھا کہ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ شستہ! اس "اور" میں میری سار حسرتوں بھری زندگی سما جاتی ہے اور اب تو مجھ میں احتجاج کی طاقت بھی نہیں رہی۔ بہت تھک گیا ہوں قسمت کی نامہربانی سے لڑتے لڑتے۔"

شائستہ کا جی چاہا، اٹھ کر اس بکھرے نڈھال شخص کو اپنی آغوش میں اپنے سینے م سمیٹ لے اور پھر کبھی یوں بکھرنے نہ دے۔ بائیس سال پہلے والی دوشیزہ کا جذبات سے لبر دل اس کے اندر دھڑک رہا تھا۔ محبت کا منہ زور جذبہ پوری قوت سے بیدار ہوا تھا۔

"نہیں...... ایسے نہیں۔ یوں بے مول اپنے جذبات کسی کے حوالے نہیں کرتے۔ شائستہ! ذرا خود کو سنبھالو۔ بے مول بک جاؤ گی تو بے قدری کو اپنی تقدیر بنالو گی۔ بے قرار ہو بے مول نہیں۔" وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی۔

"ہوں، کھانے کا ٹائم ہے۔ کیا خیال ہے ڈنر کیا جائے؟" اس نے موضوع گفتگو ہی نہیں، اپنے انداز بھی بدل ڈالے تھے کہ آفتاب زبیری کو بھی یک لخت سنبھلنا پڑ گیا، وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"ہوں، نہیں چلتا ہوں میں۔ بس یونہی دل تم سے ملنے کو بے چین ہو رہا تھا، سوچا ایک نظر تمہیں دیکھ آؤں۔" جس خیال سے شائستہ نے بساط لپیٹی تھی، وہی خیال آفتاب زبیری کے شاطر ذہن کو بھی چھو گیا تھا۔

"یوں بے مول نہیں ہوتا۔"

"اب آئے ہو تو کھانے کے بغیر تو نہیں جانے دوں گی، باقی باتیں کھانے کے بعد کریں گے۔ کیا خیال ہے؟" شائستہ اتنی بے وقوف نہیں تھی جو جال میں آیا پنچھی اڑ جانے دیتی۔

"بھوک تو نہیں ہے مجھے کچھ خاص۔"

"باقی باتیں کھانے کے بعد" کا دانہ شائستہ نے ایسا ڈالا تھا کہ آفتاب زبیری چاہتے بھی تو پھڑ پھڑا نہیں سکتے تھے۔

"چلو، آج بھوک کے بغیر کھا کر دیکھو، کیسا لگتا ہے۔ تم بیٹھو، میں کھانا لگواتی ہوں۔"

وہ ایک ادا سے اٹھتے ہوئے پھسلتی ساڑھی کے پلو کو ذرا سا اپنے نیم برہنہ شانے پر ڈالتے ہوئے مزید پھیل جانے کا موقع دے کر باہر نکل گئی اور آفتاب زبیری نے مطمئن انداز میں ٹانگیں آگے کو پھیلا کر شائستہ کے چھلکتے حسن کو دیکھا اور مسکرا کر اس شاندار ڈرائنگ روم کی آرائش کو دیکھنے لگا اور جگمگ کرتے فانوس ہر چیز کی قیمت کو دوگنا کر رہے تھے۔

"اک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا...... پیار ہوا تھا......" آفتاب زبیری مسکراتے ہوئے آنکھیں موند کر بے اختیار گنگنانے لگے۔ ہر غم و فکر سے بے پروا ہو کر۔

☆☆☆

آفتاب زبیری سے شادی میری زندگی کی بھول ہی نہیں، زندگی کی سب سے بڑی غلطی، سب سے بڑا نقصان اور ناقابل تلافی خسارہ ثابت ہوگی، اس کا علم مجھے شادی کی رات ہی ہو گیا جب آفتاب زبیری نے میرا گھونگھٹ الٹنے سے پہلے اپنے چہرے کا نقاب نوچ پھینکا۔ میں اس کے اصلی چہرے سے اس قدر خوفزدہ ہوئی کہ گھونگھٹ الٹے جانے کا انتظار کیے بغیر میں نے خود گھونگھٹ پیچھے جھٹک کر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ کیا یہ وہی شخص ہے جو میرے لیے......صرف اور صرف میری خاطر ساری دنیا کو ٹھوکر مار سکتا تھا۔ دنیا کی ہر نعمت، ہر آسائش سے آنکھیں پھیر سکتا تھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ "میرے اس حسین خالی بدن، خالی حسن کی حیثیت اس کے نزدیک دو ٹکے کی بھی نہیں ہے۔

"ارے ایسے دودھیا مٹی کے بدن تو میں ہر رات چند سو روپوں کے عوض حاصل کر سکتا تھا۔ تم کون سی پری جمال ہو جو میں تمہارے لیے مرا جا رہا تھا۔ یہ تو تمہارے بھائیوں کی دولت تھی جس نے تمہارے اس واجبی حسن کو خیرہ کن بنا رکھا تھا، ورنہ تم جیسی مجھ پر مرنے والی

ہزاروں ہیں۔ بنا پیسے اور دولت کے تم مجھے بیوی، تو کیا شناسا کے طور پر بھی قبول نہیں۔ کل ہی واپس جاؤ، چاہے اپنے بھائیوں کے پاؤں پڑو یا ہاتھ جوڑو یا خاک میں لوٹو۔ اپنا حصہ وصول کر کے آنا، ورنہ میں نکاح نامے پر سائن کر سکتا ہوں تو طلاق نامے پر بھی سائن کرتے میرے ہاتھ نہیں کانپیں گے۔ کان کھول کر سن لو، مجھے تم صرف اور صرف اس صورت میں قبول ہو گی جب تم اپنا حصہ لے کر آؤ گی ورنہ آنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ شادی کی رات جیسے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

پھر اس کے بعد اس نے مجھے "انصاری ہاؤس" ایک بار نہیں بار بار بھیجا۔ معافی کے بہانے اپنا حصہ لانے اور میں جاتی رہی۔ بے شک میں اس کے کہنے پر جاتی رہی مگر میرے اپنے دل میں بھی لالچ تھا۔ اس کھوئی ہوئی محبت کو پا لینے کا جو اس بہروپیے سے شادی کے باعث مجھ سے روٹھ گئی تھی۔ اپنے بھائیوں کی بے ریا محبت...... کہتے ہیں اکثر گمشدہ چیزیں وہیں سے ملتی ہیں، جہاں کھو جاتی ہیں مگر محبت، خوشی، جذبات و احساسات سے بنی کیا چیزیں نہیں ہوتیں کہ الماری کے کسی کونے سے۔ یہ بھید مجھ پر اس تلاش لاحاصل کے کئی سالوں بعد کھلا کہ جو محبتیں کھو جائیں تو کم از کم انہیں اس جگہ ہرگز تلاش نہیں کرنا چاہیے، جہاں کھوئی تھیں۔ میرے بھائی پکے کاروباری تھے، وہ میری آمد کے مقصد کو جانتے تھے۔ میں اس کھوئی ہوئی محبت کی تلاش میں جاتی تھی، وہ اسے کھوئے ہوئے حصے کی چاہ جانتے اور وہ اتنے بے وقوف نہیں تھے کہ میرے آنسوؤں سے پگھل کر مجھے معاف کر دیتے اور اس معافی جیسے عذاب کے باعث وہ ساری زندگی آفتاب زبیری جیسی جونک کو اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔

اور جونک تو میں بھی ثابت ہوئی تھی، آفتاب زبیری کے خوابوں کا سارا لہو چوسنے والی۔ جس کا غصہ وہ آئے دن مجھے مار پیٹ کر نکالتا تھا۔ اگر اس وقت میری ساس میری ڈھال نہ بنتیں تو شاید میں جس خود ترسی کے دور سے گزر رہی تھی، میں خودکشی کر چکی ہوتی۔ مگر اصل بات جو میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی جس نے زندگی کی تلخ حقیقتوں کو میرے سامنے بے نقاب کر دیا کہ میں پھر ساری عمر نگاہ ہی نہ اٹھا سکی کہ شرم والے یونہی کٹ مرا کرتے ہیں۔

رافع کی عمر تین ساڑھے تین سال ہو گی یا کچھ زیادہ۔ غربت کے امتحان بھی کچھ زیادہ ہوتے ہیں، اسے ڈبل نمونیہ ہو گیا۔ محلے کے کمپاؤنڈر کی دوائی سے وہ اور نڈھال ہوتا چلا گیا۔ گھر میں اس وقت ایسا کچھ بھی نہیں تھا جسے بیچ کر میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتی۔

"بی بی! اسے اسپتال داخل کروا دیں، پھیپھڑے متاثر ہو رہے ہیں۔ میرے بس میں اس کا علاج نہیں۔" میں پاگلوں کی طرح اسے لے کر سرکاری ہسپتال بھاگی۔ وہاں دو بجے تک پرچی پر ڈاکٹر چیک کرتے تھے اور اس وقت تین بج رہے تھے۔ میں ہسپتال کے عملے کی منتیں کرتی رہی، ایک ایک کے آگے روتی گڑگڑاتی رہی کہ کسی ڈاکٹر سے میرے بچے کو چیک کروا دیں۔ جب انسان پر سخت وقت آتا ہے تو اردگرد کے سب ہی انسانوں کو دل سخت کر لینے کا حکم دے دیا جاتا ہے، اس وقت میں اس "حکم" سے واقف نہیں تھی۔ اسی لیے ایک ایک کا دامن پکڑ کر منت سماجت کرتی رہی۔

رافع کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ جب شام ڈھلے بے نیل و مرام میں گھر لوٹی۔ آفتاب زبیری بے قراری سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ میرے دل میں خوش گمانی نے کروٹ لی۔ شاید بیٹے کی بیماری کی بے قراری ہے۔

"کیا بنا؟" وہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"فیس کے بغیر کوئی ڈاکٹر چیک نہیں کرے گا۔" میں رنگ بدلتے بچے کو دیکھتے ہوئے مردہ لہجے میں بولی۔

"فیس کا انتظام ہو گیا ہے بلکہ دواؤں کا بھی اور کچھ دنوں کا راشن بھی۔" وہ رافع کو دیکھے بغیر دبے دبے جوش سے بولا۔ میں آنکھوں میں آنسو لیے تکنے لگی۔

"اگر تم راضی ہو جاؤ۔" وہ نگاہیں مجھ پر جما کر بولا۔

"کیا مطلب؟ اپنے بچے کو دکھانے کے لیے بھلا میں راضی کیوں نہ ہوں گی۔"

"عورت کے پاس سب سے قیمتی چیز کیا ہوتی ہے، بولو؟" وہ میرے قریب ہوا۔

"کیا مطلب؟" میرے آنسو تھم گئے، میں الجھ کر بولی۔

"کیا ہوتا ہے عورت کے پاس سب سے قیمتی جس کا مول وہ انتہا پر جا کر لگاتی ہے۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

'اس کی عزت......" میں نظریں چرا کر بولی۔

"شادی کے بعد اس کی عزت اس کے شوہر کو مل جاتی ہے۔"

میں کچھ نہیں بولی۔

صرف چند گھنٹے دو یا تین، لگا لو۔ تمہارا بچہ بھی بچ جائے گا اور......"

آفتاب زبیری کی خوبصورت آنکھیں اس لمحے مجھے دنیا کی بدترین غلیظ اور ح
آنکھیں لگیں۔ اور وہ خود کسی خوبصورت شیطان کی بدصورت روح، میں جواب میں کچھ
کہہ سکی اور رافع کو سینے سے لگائے روتی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

مگر یہ فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا۔

شام تک رافع کی زندگی کی ڈور ٹوٹنے لگی اور میری قوت مدافعت دم توڑنے
آفتاب زبیری اس دن کسی شاطر، بازی گر کی طرح بڑے صبر و سکون سے بازی پلٹنے کا ا
گھر میں ہی رہ کر کرتا رہا۔

اور شام ڈھلے جب رافع کی سانسیں اکھڑنے لگیں، میں فیصلے کے پل صراط سے
آئی۔

میں نے کپڑے بدلے، وضو کیا اور دو نفل پڑھے۔

"میرے اللہ! تو میری نیت کا شاہد ہے اور میری حالت سے واقف۔ میرے
میں نے اپنا آپ تیرے سپرد کیا، میری عزت پر آنچ نہ آنے دینا۔ اس شخص کے دل میں
ڈال دینا، وہ میری مدد بھی کرے اور مجھے چھوئے بھی نہیں۔ میں تیرے بھروسے پر اس آ
میں کودنے جا رہی ہوں۔ اب یہ تیرے اختیار میں ہے کہ تو اسے آگ لگائے یا گلزا
دے۔ میں سارے در کھٹکھٹا آئی ہوں اور مایوسی کی انتہا پر ہوں جو اس گناہ پر راضی ہوئی تو
مایوس نہ کرنا، میں نے اپنا آپ تیرے حوالے کیا۔"

رافع کو ہمسائی کے حوالے کر کے میں چپ چاپ آفتاب زبیری کے ساتھ
پڑی۔ مجھے راضی دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کیسی چمک اتر آئی تھی۔

"بہت بڑے سیٹھ ہیں۔ آدھے شہر میں ان کی پراپرٹی ہے۔ فیکٹری، ملیں۔ تیر
بھائیوں کی طرح بخیل بھی نہیں، بڑے کھلے دل کا بندہ ہے۔ ایڈوانس میں ہی اتنی رقم دے چکا.....

آفتاب زبیری کو شیخی بگھارنے میں زبان پھلنے کا احساس بھی نہیں ہوا اور میرا
چاہا میں یہیں اس شخص کا گریبان پکڑ کر تار تار کر ڈالوں کہ بھرے بازار میں لوگ ا
خوبصورت چہرے والے انسان کا گندا روپ دیکھ لیں۔ وہ مجھے فلیٹ کے دروازے پر چھوڑ
چلا گیا اور شاید سیڑھیاں اتر کر نیچے کہیں کھڑا ہو گیا۔

دروازہ نیم وا تھا۔ میں دھڑکتے دل اور کانپتے بدن کے ساتھ آگے بڑھی، اس وقت

پر یہ عقدہ حل نہیں ہوا تھا کہ میں نے دو نفل بھی پڑھے، سجدہ بھی کیا اور دعا بھی مانگی اور میرا سب کچھ رائیگاں گیا۔

میں یہ تینوں کام کیے وہاں بیٹھی رہتی۔ اپنے رب سے صرف ایک سوال کرتی کہ اگر میرے بچے کی زندگی ہے تو اسے صحت عطا کر، اگر نہیں ہے تو بھی میں گناہ کی طرف مائل نہیں ہوں گی۔ میں بندے کے دل میں رحم ڈالنے کی دعا کرتی رہی، میں بندوں پر بھروسا کر کے نکلی تھی۔ اللہ پر یقین نہیں تھا کہ زندگی اور موت تو اس کے قبضے میں ہے۔ وہ اگر چاہے تو ڈاکٹر کے چیک اپ اور علاج کے باوجود موت دینا چاہے گا تو کوئی رکاوٹ اس کے رستے میں نہ آئے اور اگر زندگی دینا چاہے گا تو علاج کے بغیر بھی دے دے گا۔ میں نے بدن کی حرمت و عزت کے تحفظ کی دعا مانگی تھی۔ روح کی سلامتی، عزت نفس کو بچانے کی دعا نہیں مانگی تھی۔

جب یہ ٹھوکر لگی تو مجھے وہ واقعہ یاد آیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا۔ اس گھڑی فرشتہ غیب سے نازل ہوا کہ فرمایئے۔ میں آپ کی کیا مدد کروں اس گھڑی...... سوچو وہ کیسی گھڑی ہو گی۔ اس سے بڑی آزمائش کیا ہو گی۔ سوچو وہ کیسی گھڑی اللہ کے سچے پیغمبر نے فرشتے کو جو جواب دیا کہ وہ جواب اگر ہم اپنے حافظے میں محفوظ کر لیں تو شاید زندگی کے کسی امتحان سے نہ گھبرائیں۔ آپ نے فرمایا۔ "میری طرف تو کوئی حاجت نہیں جو میں تجھ سے مدد کا سوال کروں۔ یہ آگ جس نے دہکائی ہے، وہ میرے بارے میں جانتا ہے۔ وہ اگر مجھے بچانا چاہے گا تو اسے سرد کر دے گا اور جو مجھے راکھ کرنا چاہے گا تو تمہاری کیا مجال جو بچا سکو۔"

وہ اللہ کے نبی تھے، جنہیں آزمائشیں کندن بناتی تھیں اور ہم خاکی بشر جنہیں آزمائش کی آگ راکھ بنا دیتی ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔" وہ خاموش ہو کر خلاؤں میں دیکھنے لگی۔

"پھپھو...... پھر کیا ہوا؟" بیا کا تجسس عروج پر تھا۔

"میں اندر گئی تو پتا ہے، اندر کون تھا؟"

"امی...... امی! ولید بھائی آئے ہیں۔ بیا سے ملنے۔"

روشی کی آمد اور خبر دونوں ہی اتنے اچانک تھے کہ وہ دونوں جو ارد گرد سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھیں، چونک کر روشی کو دیکھنے لگیں۔

''کیا...... کیا کہہ رہی ہو؟'' انہوں نے شاید سنا نہیں تھا، ایبہا ان کی آغوش
نکل کر پرے ہوگئی تھی۔

''امی! ولید بھائی، بیا سے ملنے آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھ
ہے بیا......؟'' روشی سوالیہ نظروں سے پہلے ماں کو اور پھر بیا کو دیکھنے لگی۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا، جا کر کہہ دو اور پلیز پھپھو! ان لوگوں کو منع کر دیں۔ یو
بار...... مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ پلیز میں کسی سے نہیں ملنا چاہتی، کسی سے بھی نہیں اور اس
لیے آپ یا کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔'' وہ کہتے کہتے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

سعدیہ بیگم نے اسے یوں جاتے دیکھ کر ایک دکھ بھرا سانس لیا اور اٹھ گئیں۔

''چلو، تم چائے بناؤ میں دیکھتی ہوں جا کر ولید کو۔'' وہ کہتے ہوئے باہر نکلیں تو ر
چائے بنانے کچن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

''مجھے ولید سے مل لینا چاہیے تھا۔'' وہ کمرے میں مسلسل ٹہلتے ہوئے ایک ہی
پر سوچے جا رہی تھی۔ ولید سعدیہ بیگم کے ساتھ ابھی ڈرائنگ روم میں ہی تھا۔ روشی چائے
کر کے کچن میں واپس آئی تھی۔

''کیسے اس کا سامنا کروں بلکہ کسی کا بھی...... پھر اس کا اصرار ہوگا کہ میں می
مل لوں۔ یہ سب لوگ سمجھتے ہیں میں یہاں ایڈجسٹ ہو گئی ہوں، ان کو کیا معلوم...... اور
دن میں نے ان میں سے کسی کا بھی سامنا کر لیا، میرے صبر کا پیمانہ چھلک جائے گا۔ ضبط
سارے بند ٹوٹ جائیں گے۔ میرا دکھ بانٹنے کا ڈھونگ رچا کر سب مجھ پر ترس کھائیں گے
سب سے ملنے کا مطلب زریاب اور فریال...... نہیں نہیں، میں اس قدر باہمت نہیں۔ میں ا
بے بسی کا اشتہار اپنے ہاتھوں سے چوراہے پر نہیں لٹکا سکتی۔ اگر می کو مجھ سے ملنے کی اتنی تڑ
ہوتی تو وہ ادھر نہ آ جاتیں۔ آخر میں کب تک ملنے سے انکار کرتی۔''

بھولی بیا! وہ تایا جی کی اجازت کے بغیر کیسے ملنے آ سکتی ہیں۔ اگر ان میں ا
جرأت ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتیں۔'' اس نے زور سے آنکھوں کو مسلا۔

''کیا کروں؟''

اس نے بے بسی سے گردن جھٹکی۔ ''کس سے حال دل کہوں۔ میں رافع کے سا

نہیں رہ سکتی، کسی بھی صورت نہیں۔ وہ جب بھی میرے سامنے آتا ہے، میرا دل و دماغ خود بخود اس کا تقابل زریاب سے کرنے لگتا ہے اور پھر سب کچھ بدل جاتا ہے۔ ہر پیمانہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ساتھ ہی اپنے نصیب سے ڈھیروں گلے ان گنت شکوے سے ہونے لگتے ہیں، اور جو مجھے رافع کے ساتھ نہیں رہنا تو پھر میں یہاں کس لیے پڑی ہوں اور کس کے لیے...... بندھن جوڑنا اگر آسان نہیں تو توڑنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے پھر پھپھو...... پھپھو کی محبت، میں لاکھ انکار کروں، میرے پاؤں کی زنجیر ایک بار تو ضرور بنے گی اور سب سے بڑی میرے فیصلے میں کھڑی میری کم ہمتی اور بزدلی کی دیوار...... اس کو کیسے گراؤں، کیسے پہلا قدم اٹھاؤں اس قفس سے نکلنے کے لیے، اسی لیے مجھے ولید سے مل لینا چاہیے تھا، وہ ضرور مجھے مشورہ دے سکتا ہے۔ نہیں وہ صرف مجھے مفاہمت کا مشورہ دے گا۔ رافع سے نبھانے کا، اچھے دنوں کی جھوٹی آس کا، لالی پاپ زبردستی مجھے تھمانے کی کوشش کرے گا پھر ہو سکتا ہے وہ می سے جا کر کہہ دے۔ نہیں، مجھے کسی سے کچھ نہیں کہنا جو کرنا ہے خود کرنا ہے۔''

وہ ٹہل ٹہل کر تھک چکی تھی اور شاید خود سے لڑ لڑ کر بھی کہ سعدیہ بیگم برآمدے سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جاتی نظریں آئیں۔ اس کا جی چاہا دوڑ کر جائے اور ان سے پوچھے، ولید اتنی دیر سے بیٹھا کیا کہہ رہا تھا مگر وہ اپنی جگہ سے قدم نہ اٹھا سکی۔ اتنی دیر تک باہر خاموشی چھائی رہی۔

''بیا! رات کو کیا کھاؤ گی! امی پوچھ رہی ہیں۔ چاول یا کھچڑی پکا دوں؟'' روشی دروازے میں کھڑی میکانکی انداز میں پوچھ رہی تھی، اسے روشی پر ڈھیروں غصہ آیا۔

''کیسی عجیب لڑکی ہے یہ، اس میں دوستانے، بہناپے والی کوئی بات ہی نہیں۔ نہ میرا حال پوچھتی ہے نہ اپنا دل کھولتی ہے اس کا نصیب تو اسے اچھی جگہ ٹھکانے لگا رہا ہے، اسے کیا ضرورت ہے کسی سے حال دل کہنے کی۔ دکھوں کی گٹھری تو تمہاری بھاری ہے جو تم کسی کے سر پر رکھنا چاہ رہی ہو۔'' وہ روشی کو تکتے ہوئے خود سے کہہ رہی تھی۔

''کیا بتایا بیا نے؟'' پھپھو اندر چلی آئیں۔

''ابھی کچھ نہیں، پوچھ رہی ہوں۔''

''جو مرضی پکا لو، میں اب ٹھیک ہوں۔'' وہ بے دلی سے کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔ روشی نے ایک گہری نظر اس کے افسردہ چہرے پر ڈالی پھپھو دوبارہ باہر جا رہی تھیں۔

"امی کیا کہہ رہے تھے ولید بھائی؟" روشی نے اچانک پوچھا تو جیسے لیہا کے دل
مراد بر آئی۔

"بس بیٹا! ہر انسان ہی اپنی الجھنوں میں گرفتار ہے، ہم سمجھتے ہیں، ہم ہی مشکل
ہیں یہاں ہر نفس اپنے نصیب کا لکھا بھگت رہا ہے اور دم مارنے کی مجال نہیں۔" انہوں نے
سی بات کی۔

"پھر بھی...... ممانی جان ٹھیک تھیں، ضوبیا وغیرہ۔" روشی نے کن اکھیوں سے نظر
ہتھیلی پر جمائے بیا کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا۔

"عارفہ بھابھی اچھی نہیں، ڈاکٹر نے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونے کو کہا ہے پھر اور ڈ
سارے مسائل ہیں۔ ربیعہ کی اپنے شوہر کیا نام بتا رہا تھا ولید، بھلا سا۔" وہ یاد کرنے لگیں۔
نے بے چین ہو کر دیکھا۔" شاید دانیال کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ لڑ جھگڑ کر ادھر آ بیٹھ
ہے۔ اصل میں اس کے ماموں ممانی ادھر ہی سیٹل ہو گئے ہیں اسلام آباد میں اور ربیعہ لند
جانا چاہ رہی ہے، جہاں اس کا میاں پہلے جاب کرتا تھا بلکہ ابھی بھی چھٹی پر ہے۔ وہ ماں با
کی وجہ سے جانا نہیں چاہ رہا۔ ربیعہ کی ساس سسر سے بن نہیں رہی، چار چھ مہینے میں ٹھیک
ٹھاک جھگڑے ہو چکے ہیں وہ اب گھر آ کر بیٹھ گئی ہے کہ اب دوبارہ ادھر نہیں جائے گی یا
خلع لے گی اور ماں باپ ایسے احمق ہیں، بیٹی کی ہمدردی میں اس کی ہر نادانی کی حمایت کیے
رہے ہیں۔ ولید بہت پریشان تھا، پھر تمہارے بڑے ماموں ولید کے اپنا دفتر علیحدہ بنا لینے
بہت خفا ہیں۔ وہ چھوٹے بھائی پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں کہ ولید کو مجبور کریں کہ وہ ا
حصے کے مطالبے سے باز آ جائے۔ اچھی خاصی کشیدگی ہو گئی ہے ماحول میں۔ اسی وجہ
عارفہ بھابھی کی طبیعت بھی نہیں سنبھل رہی، وہ جلد ہی ضوبیا کی شادی کرنا چاہ رہی ہیں جبکہ ول
کے ماں باپ بڑے بھائی کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ پتا نہیں کیا بنے گا۔" وہ پریشانی سے ک
رہی تھیں۔

"امی...... امی جان...... کہاں ہیں آپ؟" رافع خوشی سے ماں کو پکارتے ہوئے
آ رہا تھا، سعدیہ جلدی سے باہر نکل گئیں۔

"کیا بات ہے، خیر تو ہے جو دروازے سے ہی پکارتے ہوئے آ رہے ہو۔ کیا کو
لاٹری نکل آئی ہے۔" بیٹے کو خوش دیکھ کر وہ بھی نہال لہجے میں بولیں۔

"لاٹری ہی سمجھیں امی جان! سب آپ کی دعاؤں، نیک نیتی اور صبر کا نتیجہ ہے۔
آپ جیسی ماں قسمت والوں کو ملا کرتی ہے۔ میری پیاری امی جان!" وہ ماں کو شانے سے
لگائے خوش خوش دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

روشی بھی ان دونوں کے پیچھے چلی گئی تو بیا کو اپنے "فالتو" ہونے کا احساس اور بھی
شدت سے ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلتے، وہ
ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند ثانیے کھڑی سوچتی رہی اور پھر آہستگی سے قدم اٹھاتی رافع
کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

"مجھے تمہاری محبت پر کوئی شک ہے نہ خلوص پر اور محبت تو یوں بھی دو دلوں کی
مشترکہ گواہی کا نام ہے۔ شادی کا کانٹریکٹ سائن کرنے کے لیے اسی لیے تو تم نے سعدیہ
سے اور میں نے......"

"غلط، بالکل غلط۔ نہ تم نے شادی محبت کے لیے کی تھی اور نہ میں نے۔ میں جھوٹ
نہیں بولوں گا اور تم گواہ ہو۔ پہلے بھی میں نے سچ کہا تھا شائستہ! اگر اتنی دولت تمہارے پاس
ہوتی، جتنی سعدیہ کے بھائیوں کے پاس ہے تو جدائی ہمارے بیچ نہیں آ سکتی تھی۔ یاد کرو ہماری
وہ آدھی رات کے بعد چھت کی منڈیر پر آخری ملاقات۔" آفتاب زبیری بغیر اٹکے روانی سے
کہتے چلے گئے۔

"آخری نہیں اس کے بعد......" شائستہ نے ٹوکا۔

"اس کے بعد بھی ہم ملتے رہے مگر ہمیشہ دن کے اجالے میں، یاد ہے نا تمہیں
وہ سب۔"

"سب یاد ہے، کچھ بھی تو نہیں بھولی اور یہ بیچ کے سال آئے ہیں تو ان میں تمہیں
سعدیہ کی رفاقت میں اپنی منزل مل گئی ہے اور......"

"ہاں، تم تو مجھ سے پہلے اپنی منزل پا کر ملک چھوڑ گئی تھیں۔ یہ دیکھے بنا کہ پیچھے
تمہاری ماں اور بھائی پر کیا گزری۔" آفتاب زبیری کا انداز جتانے والا تھا یا نہیں، مگر شائستہ
ٹھٹک سی گئی۔

"دونوں نے بہت ذلت سہی، سارے علاقے والے تو پہلے ہی تمہاری ہوٹل کی

جاب سے خائف تھے اور پھر نہ معلوم انہیں کیسے پتا چل گیا کہ تم کسی عیسائی کے ساتھ کو میرج کر کے گئی ہو۔ تمہارے بھائی کی نوکری ختم ہو گئی، تمہاری ماں کو نہ جانے کون سی ؛ لگ گئی۔ کھانے کے لیے، علاج کے لیے جب کچھ نہ رہا تو انہوں نے دو کمروں کا وہ نیم گھر چپکے سے اونے پونے بیچ دیا اور ریلوے لائنوں کے پاس کوئی کوٹھری کرائے پر ۔ گمنامی کی زندگی گزارنے لگے۔ ادھر تو یوں بھی شہر کا پسماندہ ترین طبقہ رہتا تھا۔ ہم لوگ م طور پر جتنے مرضی بدحال پسماندہ ہوں، جذباتی طور پر ہمیشہ توانا رہتے ہیں۔ ایک تیلی دکھ کی ضرورت ہوتی ہے اور آگ اس علاقے میں تمہارے بارے میں اس خبر سے بھڑکی کہ مسلمان لڑکی کسی آتش پرست کے ساتھ شادی کر کے بھاگ گئی ہے اور اس میں تمہاری اور بھائی کی رضامندی بھی تھی دولت حاصل کرنے کے لیے۔ بس پھر لوگ جلوس کی شکل نعرے لگاتے، ڈنڈے، پتھر، اینٹیں ہاتھوں میں لیے اس کوٹھری کی طرف گئے، جہاں تمھ ماں زندگی کے آخری اذیت ناک لمحے گن رہی تھی۔ تمہارا بھائی تو لوگوں کو یوں مشتعل د بھاگ گیا اور تمہاری ماں...... لوگوں نے اس کوٹھری پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ تمہاری اندر ہی......"

"بس کرو، خدا کے لیے بس کرو۔"

شائستہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر چلا اٹھی۔ خوف اور وحشت سے اس کا رنگ ہو چکا تھا اور نازک بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ آفتاب زبیری نے ایک گہری نگاہ ا ڈالی اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ وہ بے آواز رونے لگی۔

"میرا مقصد تمہیں اذیت دینا نہیں تھا۔ تم جو بار بار اپنی ماں اور بھائی کا تذکر کے پریشان ہو رہی تھیں......"

"پھر...... پھر......" اس نے روتے روتے نگاہ اٹھائی۔

"جب ساتھ والوں نے تمہاری ماں کو بھڑکتی آگ میں سے کھینچ کھانچ کر نکالا چند گھنٹے ہی اور جی......"

"بس کرو آفتاب زبیری...... بس کرو...... میں مر جاؤں گی۔ مجھے اور اذیت م دو۔ میں نے تو ایسا کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ میرے فیصلے، اپنی ذاتی زندگی کے بارے کیے گئے فیصلے کی ایسی اذیت ناک سزا میری مظلوم و بے قصور ماں اور بھائی بھگتیں

ورنہ......" وہ ہاتھوں پر سر گرا کر رونے لگی۔

"میرا خیال ہے تم کچھ دیر ریسٹ کرو یا ریلیکس ہونے کے لیے کوئی ٹیبلٹ سلیپنگ پلز کچھ لے لو اور اس واقعہ پر مزید مت سوچو۔ اب تو زمانے بیت گئے اس حادثے کو بیتے، تم خود کو یوں بے حال نہ کرو۔" آفتاب زبیری اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس کھڑے ہو کر دلاسا دیتے ہوئے بولا۔

"میں اب چلتا ہوں پھر آؤں گا کل یا......"

"پلیز...... پلیز...... اس وقت مجھے تنہا چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ۔ میں اکیلی یہ دکھ، یہ اذیت نہیں سہہ پاؤں گی۔ میرے پاس آ جاؤ، میرے پاس۔ مجھے اکیلے نہ چھوڑ کر جاؤ۔ آفو پلیز۔"

وہ بے قرار ہو کر آفتاب زبیری کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ کر بولی تو آفتاب زبیری کے دل میں گہرا سکون ہلکورے لینے لگا۔

"او کے، پھر یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم دونوں یہاں بیٹھنے کے بجائے کہیں باہر چل کر تھوڑا آؤٹنگ کرتے ہیں اور پھر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ڈنر کرتے ہیں اور ڈھیر ساری باتیں، اپنی اور تمہاری۔ کیا خیال ہے؟" وہ ہولے ہولے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بولے، تو شائستہ کی جیسے ڈھارس بندھی، بھیگے چہرے کے ساتھ وہ بہ دقت مسکرائی۔

"چلو۔"

"ایسے نہیں، پہلے اٹھ کر اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر آؤ پھر۔"

وہ انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولے تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی۔

"واہ میرے مولا تیرے رنگ نرالے۔ نہیں دیتا تو سالوں ایڑیاں رگڑتے رہو، بلبلاتے رہو، گڑگڑاتے رہو۔ نہ سننے، نہ دیکھنے کی قسم کھا لیتا ہے تو، اور جو اپنی مرضی آئے تو بن مانگے، بن چاہے چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔ دل تو کرتا ہے سعدیہ بیگم کی طرح ایک طویل سجدہ، شکرانے کا ادا کر ہی ڈالوں۔ اگر شائستہ بی بی کی اداؤں سے فرصت مل جائے۔

"ایک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا...... پیارا ہوا تھا؟"

وہ گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں چلاتے مسکراتے آنکھیں موندے ایک ہی مصرع دہرائے جا رہے تھے۔

☆☆☆

''کہاں جارہی ہو بیا؟'' وہ تیار ہو کر جیسے ہی باہر نکلی روشی بوتل کے جن کی طر[ح] اس کے سر پر سوار تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ڈسٹر تھا، وہ شاید ڈرائنگ روم صاف کرتا چھوڑ[کر] آئی تھی۔

''کیا میں تمہارے آگے جواب دہ ہوں کہ میں کہاں جارہی ہوں، کہاں نہیں۔''

تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اتنا اچانک بولی تھی کہ روشی پل بھر بھونچکا سی رہ گئی۔

''نن...... نہیں...... میرا مطلب ہے یوں صبح صبح اکیلے......'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اسے بیا بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ یہ صبح نہیں ہے، ساڑھے دس بج رہے ہیں اور دوسری بات مس روشی! اگر آپ غور کریں اس گھر کے معمولات پر، تو آپ خود اس نتیجے پر پہنچیں گی کہ لبیٰ انصاری اکیلی ہی آئی اور اکیلی ہی۔''

وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے ایک دم سے رک گئی۔ ایک کٹیلی نگاہ حق دق کھڑی روشی [پر] ڈالی اور تیزی سے بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''آخر کب تک میں اس گھر میں کسی فالتو شے کی طرح پڑی رہوں، ایسے بے انصاف لوگ ہیں۔ جب اپنا دل چاہتا ہے، مجھے ساتھ ملا لیتے، ورنہ دودھ سے بال کی طر[ح] نکال کر علیحدہ کر دیتے ہیں اور میں فالتو بیٹھی ٹکر ٹکر ان کی توجہ کی طالب بنی رہوں۔ اٹس ٹو مچ۔ اس سے زیادہ نہیں۔ دوسروں کے فیصلوں کے تحت زندگی گزار کر دیکھ لی۔ اب اپنی مرضی [سے] فیصلہ کروں گی اور اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔''

وہ دل میں پختہ عزم کرتے ہوئے بڑے بڑے مضبوط قدموں سے چلتی ہوئے گلی پار کر آئی تھی۔ وہ گلی جواب تک اس کے لیے بند گلی ثابت ہوئی تھی۔ آج وہ اس بند گلی سے نکل آئی تھی۔ اپنی پسند کی زندگی کے لیے پسند کا رستہ چننے کے لیے۔''

''نہ میں کم ہمت ہوں، نہ بزدل۔ جب کسی نے میرا خیال نہیں کیا تو میں کیوں دوسروں کے فیصلوں کی پاسداری کرتے ہوئے گھٹ گھٹ کر جیتی رہوں۔ بہت ہو گیا۔''

اس کے اندر جیسے کوئی لاوا سا دہک رہا تھا اور یہ لاوا اپنی بے وقعتی، بے قدری کے احساس سے بھڑکا تھا۔ وہ کل سے اس بھڑکتے الاؤ میں سلگ رہی تھی۔ جب تینوں ماں، بیٹے،

بیٹی کی باتوں کی آوازوں، ہنسی اور گپ شپ نے اسے احساس دلایا تھا کہ نہ وہ ان میں سے ہے، نہ ہوگی۔ ایسا سوچنا یا ایسی توقع رکھنا احمقانہ سوچ کے سوا کچھ نہیں۔

وہ تیسرا خالی رکشہ چھوڑ کر چوتھے کے قریب آ گئی تھی۔

''ان تینوں رکشوں کے ڈرائیور کی شکلوں سے اسے خوف سا آیا تھا۔

چوتھا رکشہ ڈرائیور قدرے معمر اور بارلیش آدمی تھا۔ وہ بلا خوف اسے پتہ سمجھاتے ہوئے رکشے میں بیٹھ گئی۔

''آپ جاب کرتی ہیں۔''

''ہاسٹل کا پتا دشوار نہیں تھا، رکشے والے نے اسے تنگ سی چھوٹی گلی کے باہر اتارا تھا جس کے اندر آخری عمارت کا گیٹ اس ویمن ہاسٹل کا تھا۔ چپراسی اسے آفس میں بٹھا گیا تھا اور چند لمحوں بعد ہی یہ شخص اندر داخل ہوا تھا۔

''جی مجھے کاظم شہزاد کہتے ہیں اور میں اس ہاسٹل کا ایڈمنسٹریٹر ہوں۔'' اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنا یہ کہہ کر تعارف کرایا تھا اور اب سب سے پہلے یہ سوال کیا تھا۔

''جی نہیں...... لیکن کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ قدرے توقف سے بولی۔

''آپ کی کوالیفکیشن کیا ہے؟'' وہ سامنے پڑی فائل کھول کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''بی ایس سی۔''

''آپ ہاسٹل میں کیوں رہنا چاہتی ہیں؟'' فائل کے اندر سے ایک ورق نکالتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ اسے فوری طور پر کوئی جواب سمجھ میں نہیں آیا۔

''جی آپ نے بتایا نہیں۔'' اس نے چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھا اور غور سے لبیٰ کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیونکہ فی الحال میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں۔'' اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔

''آپ کے پیرنٹس...... آئی مین زندہ ہیں۔'' وہ اس کی کیفیت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ لبیٰ کو اس کے سوالوں سے زیادہ نظروں سے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ اس نے آنے سے پہلے ایسے سوالات کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

''جی نہیں...... وہ......'' اس نے بہ دقت تمام کہا تھا۔ حلق سوکھنے لگا تھا۔

"عارفہ بھابھی کی طبیعت بالکل اچھی نہیں۔" اسے اپنے اس جھوٹ سے خوف آیا۔ ایسا کچھ بہر حال اس نے کبھی نہیں سوچا تھا، نہ چاہا تھا۔

"پانی...... پانی مل سکے گا" وہ اس کے سوالوں سے توجہ ہٹانے کو بولی۔

پانی کے دو گھونٹ پی کر اس نے حلق تر کیا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی

"آپ میرڈ ہیں؟" اسے ایک دم سے غصہ آ گیا۔

"میں یہاں کمرہ لینے آئی ہوں یا کسی کورٹ میں کسی جرم کا اقرار کرنے۔ آخر سوالوں کا مقصد کیا ہے؟"

"دیکھیں بی بی! ہاسٹل میں کمرہ یونہی نہیں مل جاتا، کسی کو جگہ دینے کا مطلب اس پوری ذمہ داری اور حفاظت کا بیڑا اٹھانا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں پوری تسلی کرنی ہوتی ہے۔ آپ جاب بھی نہیں کرتیں کہ وہاں کا پتا ہمارے لیے گارنٹی کا کام کرتا۔ آئی ڈی کارڈ ہے آپ کے پاس۔"

وہ خاصا پروفیشنل اور قدرے تک چڑھا سا تھا۔ اس کی تنک مزاجی کے باوجود اس کی نظروں کی گہرائی لیہا کو بے سکون کر رہی تھی۔

"جی وہ تو میں نہیں لے کر آئی۔" وہ مضطرب سی ہو کر بولی۔

"آپ کہیں گھر سے بھاگ کر تو نہیں آئیں؟" وہ ایک دم سے بولا تو لیہا بے ساختہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسی لگ رہی ہوں میں آپ کو شکل سے۔" وہ تیز ہوئی۔

"کسی کی شکل پر تھوڑی لکھا ہوتا ہے بی بی کہ وہ کن گنوں کا مالک ہے۔ لگتا ہے آپ جذباتی بہت ہیں اور اسی جذباتی پن میں گھر والوں سے ناراض ہو کر ہاسٹل میں رہنے چلی آئی ہیں۔" وہ اب کرسی پر جھولتے ہوئے اسے گہری نظروں کے حصار میں لیے شاید طنز کر رہا تھا۔

"شٹ اپ۔ آپ کو تو بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔" وہ بیگ کندھے پر ڈال کر مڑنے لگی۔

"اوہو بھئی، آپ تو ناراض ہو گئیں۔ سوری، پلیز بیٹھیے۔ ایسا ہے کہ ہمارے ہاسٹل میں فی الحال کمرہ کوئی خالی نہیں۔ ایک کمرہ پندرہ دنوں بعد خالی ہونے والا ہے۔ اگر آپ کو جلدی ہے تو آپ ان خاتون کے ساتھ روم شیئر کر سکتی ہیں، ورنہ پندرہ دن بعد آ جائیے گا

یہ فارم فل کر لائیے گا۔ آپ کو جگہ مل جائے گی" وہ اس کی ناراضی پر ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور معذرت بھرے انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا فارم اس کے آگے کر دیا۔ غصے پر قابو پاتے ہوئے لیہا نے فارم ہاتھ میں لے لیا۔

"آپ یونہی ناراض ہو گئیں، ورنہ اس فارم میں بھی یہی سوال ہیں جن کا آپ کو جواب لکھنا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے......"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ "ان پندرہ دنوں میں آپ کا جذباتی پن ختم ہو جائے گھر والوں یا...... گھر والے سے صلح کا امکان نکل آئے اور آپ فارم فل کر ہی نہ سکیں۔ ہمارا تو نقصان ہو گیا نا، اس لیے براہ مہربانی فارم کے تیس روپے باہر ریسپشن پر جمع کرائی جائیے گا اور اگر آپ اپنے فیصلے پر قائم رہیں تو آپ پہلے ہاسٹل کا وزٹ کر لیجیے گا اور پھر فارم جمع کرائیے گا۔ ویسے آپ ابھی بھی کمرے دیکھ سکتی ہیں۔" وہ ٹیبل کے دوسری طرف سے گھوم کر اس کی طرف آیا۔

"میں پھر وزٹ کر لوں گی اور پیسے ریسپشن پر جمع کروا دیتی ہوں۔ او کے۔" کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور دوپٹے کے کنارے سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے ریسپشن کی طرف بڑھی۔

"اس آدمی کی نظروں میں کیا تھا" باہر مین روڈ تک آتے ہوئے وہ یہی سوچے جا رہی تھی، کیسی تھی اس کی نگاہ پراسراری بھید بھری۔" وہ چلتے چلتے یک دم ٹھٹک کر رک گئی۔

"ایسی نگاہ پہلے...... اسے یک دم آفتاب زبیری کی پراسرار نگاہیں یاد آ گئیں۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ قدموں سے جیسے کسی نے جان کھینچ لی۔ تیز دھوپ میں ہاتھ میں پکڑا فارم پڑھنے کی کوشش کی اور پھر لپیٹ کر بیگ میں رکھ دیا۔ وہ سست قدموں سے چلنے لگی۔

"پتا نہیں میں صحیح کرنے جا رہی ہوں کہ غلط۔ کس سے مشورہ لوں، کون ہے میرا۔"

"آپ جذباتی بہت ہیں...... ہو سکتا ہے ان پندرہ دنوں میں گھر والوں...... یا گھر والے سے صلح ہو جائے......" کس قدر شاطر انسان تھا۔ کیا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میرڈ ہوں اور......"

اس کے دماغ میں ایک نئی جنگ چھڑ گئی۔

ابھی تو اسے بینک بھی جانا تھا۔ تھوڑی بہت رقم نکلوانے اور تھکن نے اسے ابھی

سے نڈھال کر دیا تھا۔

''ہاسٹل کا ماحول بہت خراب ہوتا ہے، خاص طور پر ویمن ہاسٹل ...... وہ ہادیہ کی کزن رہتی ہے نا، وہی بتا رہی تھی۔ رات کو ادھر میلے کا سماں ہوتا ہے۔ یہ لمبی لمبی گاڑیاں آتی ہیں۔'' ضویا اور فریال ایک دن باتیں کر رہی تھیں۔

''وہ کیوں؟'' ضویا نے پوچھا۔

''بے وقوف۔ لمبی لمبی گاڑیاں رات کی تاریکی میں ایسے ہاسٹلز میں کیوں آتی ہیں تمہیں نہیں پتا۔'' فریال کی بات پر دونوں ہنس پڑی تھیں۔ لیبا کیوٹکس لگاتے ہوئے انجان بنی ان کی فضول گفتگو سن رہی تھی۔

''اور ابھی تو جاب کا مسئلہ بھی باقی ہے۔ رافع کتنا ٹیلنٹڈ ہے۔ بقول ولید، پوزیشن ہولڈر۔ اسے ابھی تک جاب نہیں مل رہی تو مجھے کوئی تھالی میں سجا کر جاب پیش کر دے گا۔ اور یہ تھوڑی سی رقم کب تک بیٹھ کر کھاؤں گی۔ سارا روپیہ تو اس فراڈیے کی ڈرامہ گیری کی نذر کر دیا۔ مکار انسان، دھوکے باز جس کے جھوٹ اور مکاری نے مجھے یہ دن دکھائے ہیں۔ اللہ اسے برباد کرے۔'' وہ سڑک کے دوسری جانب بنے ایک پارک کے بینچ پر بیٹھی آفتاب زبیری کو کوس رہی تھی۔ تیز دھوپ کی شدت نے سردی کی تیزی کو نرماہٹ میں بدل دیا تھا۔ پارک میں اکا دکا لوگ تھے۔ دو عمر رسیدہ بزرگ بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ تین بارہ تیرہ سال کے لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ وہ نہ جانے کتنی دیر وہاں بیٹھی رہی۔

''آخر میں کب تک یہاں بیٹھی رہوں گی۔ ساڑھے بارہ ہو رہے ہیں۔ بینک ٹائم بھی ختم ہو جائے گا۔ اے ٹی ایم کارڈ ہوتا تو یہ چیک کیش کرانے کا جھنجٹ تو نہ ہوتا۔'' اسے ایک اور افسوس نے گھیر لیا۔ ولید اسے کہتا رہا تھا کہ وہ کارڈ بنوا لے۔

''ایگزام کے بعد۔'' وہ اس کی ہر بار کی یاد دہانی پر کہتی۔

وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''ارے یہ تو حارث کا کالج ہے۔'' دور سے بڑے سے گیٹ کی پیشانی پر لگا بورڈ پڑھتے ہی اسے یاد آیا۔ وہ راستہ بدلنے کو تھی کہ اس کی نگاہ سامنے سے آتے تین لڑکوں پر پڑی۔ لمبے تڑنگے، بے فکری سے خوش گپیوں میں مگن ایک ایک کتاب ہاتھ میں لیے وہ تینوں گیٹ سے نکل کر شاید ادھر ہی آ رہے تھے۔ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

اس کی نگاہ دھوکا نہیں کھا سکتی تھی۔

درمیان والا لڑکا حارث ہی تھا۔ پہلے سے تھوڑا کمزور مگر قد پہلے سے بھی لمبا۔ وہ ذرا سی اور کھسک کر درخت کی آڑ میں ہو گئی۔

وہ تینوں اونچی اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزر گئے اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ کب اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔

حارث کو اس نے کبھی گود میں کھلایا تھا اور اب یوں اس سے چھپ کر کھڑی تھی کہ مدتوں بعد دکھائی دینے والا اس کا چہرہ وہ جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکی۔

''ممی! آپ نے میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا۔ میں کبھی آپ سے نہیں ملوں گی، کبھی بھی نہیں۔''

اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار امڈ آنے والی چیخوں کو دبایا اور دوپٹے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

کتنا لمبا رستہ ہو گیا تھا اور دور دور تک کوئی سواری، کوئی رکشہ، ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ مین روڈ تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ پھر ایک رکشہ نظر آتے ہی وہ اس کی طرف لپکی۔

''بیا! تم یہاں کدھر؟'' کسی نے بے اختیار اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کی طرف کھینچا تھا، وہ گھبرا کر مڑی اور اس کے اعصاب ایک بار پھر تناؤ کا شکار ہو گئے۔

''بہت بے مروت، بہت بے وفا لڑکی ہو ایمان سے تم۔ میں تو اس دن کو پچھتاتا ہوں جب تم سے دوستی کی حامی بھری۔ ایسی ہوتی ہے دوست جو شکل دیکھنے کی روادار نہیں۔''

''جب تمہیں معلوم ہے کہ میں شکل دیکھنے کی روادار نہیں تو پھر میرے رستے میں کیوں آئے ہو۔ میرے اور تمہارے رستے اب کہیں بھی ایک نہیں اور نہ کبھی ایک کرنا چاہوں گی۔'' وہ کہہ کر ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔

''اس قدر ظالم نہ بنو بیا! اپنے اندر کچھ لچک پیدا کرو۔'' وہ بے بس لہجے میں بولا۔

''واٹ اے جوک۔ میں ظالم ہوں۔ بہتر ہے آپ گھر جا کر ڈکشنری میں ظالم کی تعریف، اس کا مفہوم اچھی طرح پڑھیں پھر آپ کو پتا چلے گا لچک کس میں ہے اور کس کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کی شکل دی گئی ہے مسٹر ولید۔''

وہ تنفر بھرے لہجے میں کہہ کر سامنے کھڑے رکشے میں جا بیٹھی۔ یہ دیکھے بغیر کہ

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص کیسا ہے، ڈراؤنا یا......

☆☆☆

''ایک بات بتاؤ آفو!'' شائستہ بڑی بے تکلفی سے ان کے ہاتھ پر اپنا دودھیا رکھتے ہوئے اپنائیت سے بولی۔

''پوچھو......'' آفتاب زبیری کی حسین جوانی کے دن جیسے پلٹ آئے تھے۔

''ان ساری ملاقاتوں کا، اس تجدید محبت کا مقصد کیا ہے؟''

شائستہ کا سوال جتنا معصومانہ تھا، انداز اتنا ہی دلربا تھا۔ آفتاب زبیری جیسے کھلا کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ نشانہ تو لگانا چاہتی ہے مگر بندوق کے لیے ان کا کندھا استعمال چاہتی ہے۔

''وہی مطلب ہے میری جان، جو میرے اور تمہارے دل میں ہے۔''

''صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں۔'' جیسا گول مول جواب آفتا زبیری نے دیا۔

''کیا چاہتے ہو؟'' وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''جو تم چاہتی ہو۔''

وہ غور سے آفتاب زبیری کو دیکھنے لگی۔

''میں تو جو چاہتی ہوں، وہ بہت واضح ہے آفو!'' وہ چہرہ جھکاتے ہوئے د آواز میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میری تنہائی میرا اکیلا پن کسی اپنے کا ساتھ چاہتا۔ وہ اپنا جسے کبھی اس دل نے ٹوٹ کر چاہا تھا اور اب اتنے سالوں کے بعد بھی یہ دل اسی کی ہم کے لیے مچلتا ہے اور میں اب اپنے دل کو مزید تڑپا نہیں سکتی۔ بس میں تو یہ چاہتی ہوں۔''

شائستہ نے کہہ کر مسکراتے ہوئے نظریں اٹھائیں تو آفتاب زبیری کا دل چاہا اٹھ ہوٹل میں بیٹھے لوگوں کی پروا کیے بغیر ناچنا شروع کر دیں۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے، میں یہ نہیں چاہتا۔ میرا دل بھی تو تمہارے ہجر و فراق جدائی میں برسوں تڑپا ہے۔ یا میں تمہارے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہوں۔ تم اگر خود کو بہت اُ تنہا محسوس کرتی ہو تو میرا بھی یہی حال ہے۔ شستہ! سب کے ہوتے ہوئے میں بالکل تنہا ہو اکیلا۔ یہ الگ بات کہ میری یہ تنہائی کسی کو نظر نہیں آتی۔''

وہ ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولے تو شائستہ کا جی چاہا، اٹھ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لے۔

''ہم دونوں ہی یہی چاہتے ہیں تو پھر......'' وہ بے قابو ہوتی دھڑکنوں پر قابو پا کر بے قراری سے بولی۔

''دیر تمہاری طرف سے ہے۔'' وہ اپنی کلائی میں پڑے قیمتی بریسلٹ سے کھیلتے ہوئے بولی جو ابھی کچھ دیر پہلے آفتاب زبیری نے اسے گفٹ کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔

''میری طرف سے کچھ دیر نہیں۔ ابھی اٹھو، ابھی نکاح کر لیتے ہیں یا جو تم کہو۔'' بے ساختہ کہتے کہتے وہ رک کر بولے۔

''اس طرح نہیں آفو!'' وہ ایک ادا سے ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''پھر کس طرح؟'' آفتاب زبیری کی بے قراری عروج پر تھی۔

''تم مجھے پورے چاہیے ہو سالم جیسے الہڑ جوانی کے اولین سالوں میں تھے۔ سارے کے سارے میرے۔ دیوار کے اس پار بھی اور دیوار کے اس پار بھی۔ میں بھی ساری تمہاری۔ تم بھی پورے میرے۔ ویسا آفو مجھے چاہیے۔''

''میری جان! میں ایسا ہی ہوں۔ مکمل پورا، سارے کا سارا تمہارا۔'' وہ جاںنثار لہجے میں بے تابی سے بولے۔

''نہیں تم بٹے ہوئے ہو۔ آدھے سعدیہ بیگم کی رفاقت میں اور آدھے اپنے بچوں کے ساتھ۔ چاہے تم ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو ان سے محبت کا دم بھرو یا نہ بھرو۔ تم ان کے ہو اور وہ تمہارے۔'' شائستہ کی دوٹوک بات پر آفتاب زبیری چند ثانیے کچھ نہ کہہ سکے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔'' وہ ان کو خاموش دیکھ کر بولی۔

''نہیں۔'' وہ صاف آواز میں بولے۔ ''سعدیہ بیگم کی حیثیت نہ کل، نہ آج، نہ آنے والے کسی کل میں میرے نزدیک کچھ ہوگی اور بچے۔ دودھ پیتے نہیں کہ ان کی جدائی مجھ پر گراں گزرے گی۔ وہ تو جب دودھ پیتے تھے، میں نے تب ان کی طرف کبھی محبت کی نظر نہیں کی تھی۔ ان کا ہونا نہ ہونا میرے لیے برابر ہے، اس لیے تمہارے یہ خدشے فضول ہیں۔'' وہ اپنی طرف سے ہر معاملہ صاف کر بیٹھے۔

''تم کچھ بھی کہو، ان کے وجود کو جھٹلا نہیں سکتے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"تو ہاں، میں کیسے انہیں جھٹلا سکتا ہوں۔ وہ زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ بس مجھ سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور آئندہ بھی نہیں ہو گا۔ میں گھر ہی چھوڑ دوں گا۔ ہم علیحدہ گھر لے لیں گے یا جو تم کہو۔"

"میں تمہارے گھر آ جاؤں گا۔" وہ چاہتے ہوئے بھی صاف صاف نہ کہہ سکے۔

"نہیں" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"پھر جو تم کہو۔" آفتاب زبیری نے سارے ہتھیار پھینک دیے۔ اسی وقت دو بیرے آگے پیچھے اشتہا انگیز کھانوں کے خوان لیے چلے آئے تو آفتاب زبیری کا ذہن شائستہ کی بات سے بالکل ہی ہٹ گیا۔

ایک زمانے کے بعد تو اتنا شاندار اور اتنا زیادہ کھانا نصیب ہو رہا تھا اور شائستہ کچھ بھی کہے وہ ہر شرط، ہر ضد ماننے کو تیار تھے۔ دل و جان سے۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو رافع گھر آ چکا تھا۔ اور سامنے کچن کے دروازے کے پاس برآمدے میں کھڑا تھا۔

ایک پل کو تو وہ گھبرا گئی مگر دوسرے ہی پل انجان بن کر اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

سعدیہ بیگم کمرے میں ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔

اس نے کپڑے اٹھائے اور تبدیل کرنے چل دی۔

"بیا! کھانا تیار ہے، لے آؤں؟" وہ جیسے ہی منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی۔ روشی ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ایک نظر پلیٹ کو دیکھا اور برش اٹھا کر بال کیچر سے آزاد کر کے برش کرنے لگی۔

"بیا! بڑی زبردست خبر ہے۔ پہلے منہ میٹھا کرو۔" وہ خود ہی ڈھٹائی سے تھوڑی سی برفی اس کے منہ کی طرف بڑھاتے ہوئے جوش سے بولی۔

"کیا ڈیٹ فکس ہو گئی ہے تمہاری؟" وہ روشی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو جھٹک نہ سکی مگر طنز کرنے سے بھی باز نہ رہ سکی۔

"ارے نہیں اور اس کی مٹھائی بھلا میں تمہیں خود کھلاؤں گی۔ اللہ نے ہماری سن

لی۔ ہماری امی کی دعائیں رنگ لے آئی ہیں۔ بھائی کو جاب مل گئی ہے، اسی ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت زبردست قسم کی اور اس کی سب سے زیادہ خوشی تو یقیناً تمہیں ہو گی ہے نا؟ روشی پہلے کی طرح بغیر سوچے سمجھے بول رہی تھی۔

"کیوں مجھے کیوں خوشی ہو گی۔ میرا اس شخص سے کیا تعلق؟"

وہ روکھے پن سے بولی اور بال دوبارہ کیچر میں سمیٹ کر بستر کی طرف بڑھ گئی۔

"اور پلیز بار بار آ کر 'بیا کھانا کھا لو' کی ٹیپ نہ لگا دینا۔ مجھے ابھی بھوک نہیں، کھانا ہو گا تو خود اٹھ کر کھا لوں گی اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔"

وہ اسی سرد اور بے مہر لہجے میں کہتے ہوئے بستر کی طرف بڑھی اور روشی کی حیران نظروں سے بے خبر کمبل سر تک تان کر لیٹ گئی۔

"جاب مل گئی ہے تو میں گھی کے چراغ جلاؤں لاٹ صاحب کی خوشی میں، ہونہہ۔"

مسلسل کروٹیں بدلتے اسے کوفت کے مارے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

"جب میرے غم، میری خوشیاں ان سے الگ ہیں اور ان کے دکھ اور مسرتیں مجھ سے جدا ہیں تو میں ان کے ساتھ کیوں ہوں۔ میرا ان کا کیا جوڑ...... روشی بی بی! اگر اس خوشی کا تعلق سب سے زیادہ مجھ سے ہے تو رافع صاحب کا منہ دکھتا تھا، خود سے مجھے کہتے ہوئے، پاس سے تو گزر کر آئی تھی۔ یہ تک پوچھنا گوارا نہیں کیا کہ کہاں سے آ رہی ہوں۔" جلن، کھولن ایسی تھی کہ نیند تو کیا ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد کمبل جھٹک کر اٹھ بیٹھی۔

"مجھے اب یہاں نہیں رہنا، ہرگز نہیں۔"

"بیگ، کوئی بیگ ہو۔" اس نے الماری کے اوپر بڑے سوٹ کیس کو دیکھا۔ "یہ تو بہت بھاری ہے، فی الحال شاپر میں دو چار جوڑے رکھ لیتی ہوں۔ باقی بعد میں آ کر لے جاؤں گی۔" وہ فیصلہ جو وہ صبح سے نہیں کر پا رہی تھی، چند منٹوں میں ہو گیا۔

باہر مکمل خاموشی تھی۔

نہ جانے سب کہاں گئے تھے۔

"اچھی بات ہے۔ میں چپکے سے نکل جاتی ہوں، نہ کسی سے سامنا ہو گا، نہ کسی سوال کا جواب دینا پڑے گا۔" وہ دبے قدموں باہر نکلی۔ سعدیہ بیگم اور روشی کسی کمرے میں نہیں تھیں۔

"بازار گئی ہوں گی۔ آج کل تو بازار کے صبح و شام پھیرے لگ رہے ہیں۔ اپنی خوشیاں منانے کے ڈھنگ سب کو آتے ہیں۔ میری خوشیاں ایسے منائی گئیں جیسے مرنے

والے کا سوگ مناتے ہیں۔ مر ہی تو گئی ہوں اس گھر میں آ کر، مُردوں سے بدتر زندگی گز رہی ہوں۔ کس کو خیال ہے میرا۔ اور میرا ہے بھی کون؟ جس کے ساتھ دو بول پڑھ کر آ ہوں، بندھ کر بیٹھی ہوں۔ جب اس نے قدر نہ جانی تو باقی سے کیا گلہ۔ ماں نے کوڑا سمجھ کچرے میں پھینک دیا اور دنیا نے بھی وہی سلوک کیا جو کچرے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

وہ کبھی لبوں میں بڑبڑاتی اور کبھی دل میں کڑھتی گھر میں کوئی نہیں تھا۔ صرف آفتاب زبیری ڈرائنگ روم کے صوفے پر کمبل منہ تک تانے زور زور سے خراٹے لے رہے تھے۔ آج کل گھر میں کم ہی نظر آتے تھے۔

"آخر اتنا روپیہ اینٹھا، ٹھکانے بھی تو لگانا ہوگا مکار انسان۔" آفتاب زبیری کو د کر اسے غصہ آ گیا۔

بڑے سے شاپنگ بیگ میں اس نے چار جوڑے اور کچھ ضروری چیزیں رکھیں تھوڑے بہت زیوارت ہینڈ بیگ میں رکھے۔ باقی زیورات کو الماری کے لاکر میں رکھ چابیاں اپنے پرس میں رکھ کر اس نے کمرے پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور بیگ ہاتھ میں آہستگی سے باہر نکل آئی۔

فروری کی اولین خنک سہ پہر...... ڈھل کر شام میں بدل رہی تھی۔ مٹیالی سی تار گرم شال کی طرح سارے گھر کو اپنی بغل میں لپیٹ رہی تھی۔ جب اس نے آخری نظر بوسیدہ گھر کے آنگن پر ڈالی، جہاں اس نے اپنی زندگی کے مشکل ترین دن شب و روز گزار تھے۔ جن سے بچھڑنے کا اس پل اسے کوئی ملال، کوئی دکھ نہیں تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بیرونی دہلیز سے قدم باہر رکھ دیا۔

کھلے آسمان کی وسعتوں تلے سانس لیتی، دھڑکتی زندگی باہیں وا کیے اس کی منتظر تھی

☆☆☆

"کہاں جا رہی ہوں تم؟" وہ دوسرا قدم دہلیز سے باہر رکھ چکی تھی کہ اچانک۔"

رافع کی چنگھاڑ نے اس کے قدم لڑکھڑا دیے۔ رافع نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھمایا تھا۔ وہ کسی بے جان چیز کی طرح اس جھٹکے کی زد میں آئی۔ گرتے گرتے اس کی باہنوں میں سنبھلی تھی۔

وہ دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کر چکا تھا۔

اور اب اپنے بالکل پاس بازوؤں کے حلقے میں خوفزدہ سی کھڑی لیہا کو قہر آلود نگاہ سے گھور رہا تھا۔

شاید ان آنکھوں سے نکلتی تپش تھی جس نے اس کے حواس بیدار کیے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیلتی پیچھے ہٹنے لگی۔

رافع نے ایک بار پھر اس کی کلائی اپنی آہنی گرفت میں لی اور اسے کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔

"چھوڑو مجھے، چھوڑو......" وہ گھسٹتے ہوئے مزاحمت کر رہی تھی۔

اگلے پل رافع نے اسے ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بیڈ کے کنارے سے ٹکرا گئی۔ کندھے سے نیچے بیڈ کا کنارا لگا تھا۔ کچھ ان چند لمحوں میں ہونے والی عزت افزائی کا احساس اور کچھ چوٹ کی تکلیف اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

"یہ ٹین ایجرز جیسی فضول حرکتیں کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو، ذرا آج مجھے کھل کر بتاؤ محترمہ! میں کوئی نیا تماشا افورڈ نہیں کر سکتا بتاؤ، کہاں جا رہی تھیں تم؟"

وہ آستین کے کف اٹھاتا جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ وہ پھرتی سے اٹھ کر بستر کے دوسری جانب ہو گئی۔ ملگجے اندھیرے اور شام کی ان ویران ساعتوں میں اسے رافع انتہائی خوف ناک دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوئی جا رہی تھیں۔ کچھ اس کا انداز تخاطب۔ اسے اپنی بے وقعتی کا احساس پہلے سے زیادہ شدت سے ہوا۔

"جہاں میرا جی چاہے گا میں جاؤں گی۔ میں کسی کی پابند نہیں۔" بازو پر لگی چ
سہلاتے ہوئے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتی وہ جواباً زور سے چیخ
"فار یور کائنڈ انفارمیشن محترمہ......"

کہتے کہتے اس نے کھٹ سے کمرے کی لائٹیں آن کر دیں۔ تیز روشنی سے ک
گیا۔ منظر وہی تھا پس منظر شاید بدل گیا تھا وہ تیزی سے دوسری طرف رخ کر کے کھڑ
گئی۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ ابھی پابند ہیں۔ جب تک آپ میرے نکاح میں ہیں۔ چاہے کاغذ
پر ہی سہی۔" وہ چبا چبا کر کہتے ہوئے عین اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ایسے کسی کاغذی رشتے کو نہیں مانتی...... مجھے، مجھے اپنی مرضی کی زندگی
حق ہے اور اس حق سے مجھے کوئی محروم نہیں رکھ سکتا نہ آپ نہ کوئی اور۔"

وہ اب اپنے آنسوؤں پر پوری طرح قابو پا چکی تھی۔ چہرہ صاف کر کے تیز
میں بولتی دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے جا لگی تھی۔

"اور کوئی یہ حق رکھتا ہے یا نہیں مگر آپ کے تمام جملہ حقوق میرے پاس
ہیں۔ کہیے تو نکاح نامے کی کاپی نکال کر دکھا دوں۔"

اس کا انداز بدلا تھا نہ الفاظ کم دل جلانے والے تھے۔ مگر لہجے میں کچھ ایسا تھا
نے سائیڈ ٹیبل کو پیچھے دیوار کے ساتھ دھکیلنے کی کوشش کی۔

"مجھ پر مہربانی ہوگی اگر آپ مجھے نکاح نامے کی کاپی کے بجائے طلاق کے
پیش کر دیں۔"

بے لچک انداز میں کہتے کہتے وہ سائیڈ ٹیبل پر بیٹھ گئی رافع کو شاید اس سے
جواب کی امید نہیں تھی۔ ایک لمحے کو وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس کے چہرے کے تا
ایسے تھے کہ بیا کے گرتے ہوئے حوصلے ایک بار پھر اپنے قدم پر کھڑے ہونے لگے۔

"میں یہ بات آپ سے پہلے بھی کر چکی ہوں۔ ایک بار نہیں کئی بار، اب پ
رہی ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ کسی صورت بھی نہیں رہنا۔ مجھے علیحدگی۔"

"رافع نے بے چین نظروں سے اسے دیکھا۔

"چاہے جلد یا بدیر ہو یہ ہونا ہے اور اس قفس نما گھر میں میرا دم گھٹتا ہے اور

مجھے یہاں سے جانا ہی ہے تو ابھی کیوں نہیں۔ اس طرح میرے سامنے نہ ہونے سے آپ کو بھی فیصلہ کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی اور مجھے جو کرنا ہے جہاں جانا ہے۔ سب کچھ کرنے میں آسانی ہوگی پلیز۔" وہ نرم لیکن مضبوط لہجے میں بولی۔

"رافع! جو بندھن دونوں میں سے کسی کو کوئی خوشی نہ دے سکے بلکہ ہر پل ایک ناقابل برداشت بوجھ کی طرح لگے، اسے سر سے اتارنے میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے پلیز۔"

وہ اب بہت سہولت سے اس سے بات کر رہی تھی۔ چند منٹ پہلے کا خوف و ہراس زائل ہو چکا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جس طوطے میں رافع کی طاقت ہے وہ اس کی مٹھی میں ہے۔ رافع کے چہرے کے بدلتے رنگ اسے انوکھی سی خوشی دے رہے تھے۔

"میں نے اس سے کب انکار کیا ہے۔" رافع اس کی توقع کے بالکل برعکس مضبوط لہجے اور ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں تم نے اس بندھن کو ایک پل بھی قبول نہیں کیا اس کا احساس تو مجھے اس گھڑی بھی تھا جب انصاری ہاؤس میں دس بیس گواہوں کی موجودگی میں، میں نے نکاح نامے پر سائن کیے تھے لیبا انصاری! میں اس پل کے لیے اس وقت سے تیار ہوں۔"

وہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پر باندھے بڑے نارمل انداز میں کہہ رہا تھا جیسے کسی اور کی کہانی بیان کر رہا ہو۔

"تو پھر اس پر عمل کر کے میری خلاصی کیوں نہیں کرتے۔ وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے مضطرب لہجے میں بولی۔

"میں تیار ہوں۔" وہ تابعدار انداز میں بولا تو بیا کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں سوجھا۔

"اگر آپ ایگری ہیں تو مجھے جانے دیں اور پیپرز ابھی یا جس وقت چاہیں مجھے دے دیں۔" رافع نے ایک گہری نظر اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالی۔

"اس وقت سات بجنے کو ہیں۔ بائی دا وے تم کہاں جاؤ گی؟"" اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالتے ہوئے قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

"یہ آپ کی ہیڈک نہیں، کہیں بھی جاؤں۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''بیا......!'' وہ اس کی طرف نہ جانے کیسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''پلیز......'' وہ راستہ لینے کو بے چین تھی۔

''میں نے تو بہت سوچا تھا کہ ایسا موقع جب بھی آئے گا۔اول تو میری خوش
تھی۔'' وہ ہنسا۔ ''کہ ایسا موقع نہیں آئے گا اگر آیا تو ایک بار تم سے ضرور پوچھوں گا۔'' وہ
دم چپ ہو گیا۔

''کیا؟'' اس کا تجسس فطری تھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ ''
تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں جب تم کہو۔ میں دوبارہ کوئی سوال نہیں کروں گا مگر اس
لیے تمہیں بھی میری ایک بات ماننا ہو گی۔''

''وہ کیا؟''

''صرف روشی کی رخصتی تک رک جاؤ اور...... اپنے اس فیصلے کا کسی کو علم میرا مطل
ہے امی کو پتا نہ چلے تو...... جیسے ہی روشی کے فرض سے میں سبک دوش ہو جاؤں گا آئی پرا
جو تم کہو گی۔ میں انکار نہیں کروں گا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''چاہے روشی بی بی کی رخصتی سال بھر نہ ہو۔'' وہ طنز سے بولی۔

''نہیں، تمہارا انتظار اتنا طویل نہیں ہو گا۔ بس دو چار ماہ یا شاید اس سے بھی کم...
اگرچہ میں جانتا ہوں۔ تم زبان سے بھی اس کا بارہا اظہار کر چکی ہو اور اس عرصے میں تمہار
تاثرات چیخ چیخ کر اعلان کرتے رہے ہیں کہ اس پنجرہ نما قفس میں رہنا تمہارے لیے کس قد
اذیت ناک ہے لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، میں نے تو بہت کوشش کی کہ تمہارے لیے ذرا بہ
آسائش والی زندگی حاصل کر سکوں جس کا شروع کے دنوں میں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا م
اس وقت میں بھول گیا تھا کہ غریب کا وعدہ اس کے وجود کی طرح بے حقیقت ہوتا ہے، کاغ
کے پھولوں کو رنگا تو جا سکتا ہے مگر ان میں خوشبو نہیں اتاری جا سکتی۔ جانے دو۔''

اس نے خود میں سر جھٹکا۔ ''تمہیں منظور ہے تکلیف کے یہ چند ماہ اور؟''

''پتا نہیں۔'' وہ سر جھکا کر بڑبڑائی۔ ''میں دعوا نہیں کر سکتی۔ مجھ سے اب واقعی ادھ
نہیں رہا جا رہا۔'' وہ جیسے بے بس سی ہو کر بولی۔ رافع کو اس کے جواب پر غصہ تو بہت آیا مگر و
پی گیا۔

''امی...... اور روشی وہ تو تمہارا بہت خیال رکھتی ہیں ان کے لیے تھوڑی سی اگر دل
میں گنجائش پیدا کر لو۔'' وہ دانستہ اپنا نام نہیں لے سکا۔

''آپ یہ سمجھیں بس میرے دل میں اتنی ہی گنجائش تھی جتنا میں نے یہ سب
برداشت کر لیا، اور کروں گی تو نہ جانے کس پل سارے بند ٹوٹ جائیں۔ میں بہت زیادہ صابر
نہیں ہوں اور جبر سہنے کی بھی عادت نہیں۔ آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے۔ بس مہینے بھر میں کر لیجئے
اس کے بعد۔''

وہ آ کھڑی ہوئی۔

''اس کے بعد آپ کسی بھی کاغذی بندھن کی دھمکی سے مجھے روک نہیں سکیں گے۔''

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بولی تھی۔

''اور جب کسی کو میرا خیال نہیں تو میں کیوں کسی کے معاملات نپٹنے کے لیے خود کو
سولی پر چڑھائے رکھوں۔ آئی ایم سوری۔ اگلی بار آپ میرے اٹھے ہوئے قدم نہیں روک سکیں
گے۔'' وہ کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزرنے لگی۔

''بندھن صرف کاغذ پر کیے گئے دستخطوں کے تو محتاج نہیں ہوتے کچھ رشتے دل بھی
باندھ لیتے ہیں۔'' وہ پیچھے سے بولا۔

''میرے دل کا آپ کے دل سے ایسا کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''رشتہ ہو بھی سکتا ہے بلکہ میرے خیال میں تو ہو بھی چکا ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ''آپ سے مجھے صرف کاغذی رشتہ توڑنا
ہے اور کوئی تعلق نہیں جوڑنا کسی بھی صورت بھی نہیں۔'' پتا نہیں کیسی ضد تھی اس کے لہجے میں کہ
رافع کو جواب میں چپ رہنا مناسب لگا۔

وہ کمرے سے جا چکی تھی۔

''پتا نہیں جب یہ کاغذی رشتہ ٹوٹے گا تو دل کے اندر کیا کیا نہیں ٹوٹ جائے
گا...... یا شاید کچھ بھی سلامت نہ رہے۔ یا سب ہی کچھ بچ جائے۔ بیا! بے خبری کے جس موڑ
پر تم کھڑی ہو اسی پر میں کھڑا ہوں۔ کبھی لگتا ہے دنیا تم پر آ کر تمام ہو گئی ہے۔ ہر تلاش کا اختتام
ہو گیا ہے اور کبھی لگتا ہے تم سامنے سے ہٹو گی تو دنیا کا نقشہ کتنا بھلا لگے گا یا نئی دنیا کی دریافت
ممکن ہو سکے گی۔ تم خزاں ہو کہ بہار تم جاؤ گی تو بہار آئے گی یا بہار تمہارے ساتھ ہی چلی

جائے گی۔ اپنے ہی دل کی مجھے کچھ خبر نہیں، تمہارے دل کا پتا کہاں سے ڈھونڈوں۔"

وہ بے دم سا ہو کر بیڈ پر گر گیا۔

☆☆☆

"پھر تم نے کیا سوچا ہے آفو؟" شائستہ نے کافی رکھ کر جاتی ملازمہ کو دیکھتے ہو خاصی سنجیدگی سے پوچھا۔

"کس بارے میں؟" آفتاب زبیری کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی بہت مطمئن ـ ساری عمر بیت جانے کے بعد تو ریڈ کوئین ان کی پاکٹ میں آئی تھی اب تو بس آخری گو کھیلنا تھی جو بالکل ان کے سامنے تھی۔ چوکنے کا اندیشہ تھا نہ بدقسمتی کا خوف، سو مطمئن فطری تھا۔

"اتنے دنوں سے جو ایشو ہم دونوں کے بیچ چل رہا ہے۔" شائستہ نے قدرے نظروں سے اس کے بے نیاز انداز کو دیکھا۔

آفتاب زبیری کو شائستہ کے الفاظ کے چناؤ پر ہنسی آ گئی۔ وہ دونوں اپنی اس گفتـ کے دوران ڈائریکٹ شادی کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے۔

"بھئی میں نے تو سب کچھ تم پر چھوڑ رکھا ہے جو تم کہو گی بندۂ خاکی عمل درآمد ـ لیے حاضر ہے۔" انہوں نے بھاپ اڑاتی کافی کی خوشبو کو سانسوں میں اتارا۔

"میں تمہیں صاف صاف بتا چکی ہوں" شائستہ کے لہجے میں کافی کی تلخی سرائیت کر گئی۔

"تو میں نے کب انکار کیا ہے۔" وہ کافی کے بڑے بڑے گھونٹ آگے پیچھے حلق میں اتارتے ہوئے بولے نعمتوں کو پھونکیں مار کر ٹھنڈا کرنے کا ٹائم نکل چکا تھا۔ اب تو جو ل ر تھا گرم گرم ہڑپ کرنے کا وقت تھا۔

"دیکھو آفو! یہ سب مذاق نہیں اور تم یہ بھی نہ سمجھنا کہ تم اکیلے امیدوار ہو میرے لیے مجھے......"

"بس، یہ سب مجھے تم سے زیادہ پتا ہے۔ تمہیں کس چیز کی کمی ہے یا ضرورت ہے جو تم مجھ جیسے محرومیوں کے ستائے انسان سے تعلق جوڑو گی۔ یہ تو میری ضرورت کہہ لو مجبوری یا جو کچھ بھی کہ اس عمر میں آ کر کسی دل سے چاہنے والے کی ضرورت کیسی تڑپ بن جاتی ہے کہ

میں اپنا چاہے نام کا سہی بنا بنایا گھروندہ توڑنے کو تیار ہوں اور اس پر بھی تم مجھ ہی کو طعنے دے رہی ہو اور جو کہتی ہو سچ بھی ہے، یہی سچ ہے۔"

آفتاب زبیری نے ذرا سی دیر میں دنیا بھر کی مظلومیت اپنے چہرے پر سجا لی تھی اور ان کی کنچوں جیسی آنکھیں یوں ویران اور بنجر سی نظر آنے لگیں۔ شائستہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ وہ اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"سوری آفو! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا مجھے اگر دوسرے کسی کی بھی پروا ہوتی تو میں تمہاری طرف خود سے بڑھتی ہی کیوں۔ یہ ساتھ، یہ تعلق صرف تمہاری مجبوری یا ضرورت نہیں۔ میں میں خود اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم اپنا بنا بنایا گھر توڑو یا نہ توڑو مگر خدا کے لیے مجھ سے اپنا یہ تعلق اب کبھی نہ توڑنا ورنہ دوسری بار میرا یہ دل محبت کی کسک سہہ نہیں پائے گا۔

آنکھوں میں آنسو لیے وہ ان کے ہاتھوں پر سر گرا کر روہانسے لہجے میں بولی۔

آفتاب زبیری نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اس کے ریڈش براؤن بالوں والے سر کو دیکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بال سہلانے لگے

"پگلی! میں یہ تعلق اب کیسے توڑ سکتا ہوں۔ اب تو یہ میرے مرنے کے بعد ہی ٹوٹے گا۔" وہ اس پر جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"پلیز ہم نے اب نئی زندگی جینا ہے مرنے کی کوئی بات نہیں کرنا۔" اس نے تڑپ کر سر اٹھایا اور بھیگی آنکھوں کو ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

"میں کب ایسی باتیں کرنا چاہتا ہوں یہ تو تمہاری چاہت نے دیوانہ سا بنا دیا ہے۔"

وہ نوخیز عاشقوں کی طرح نشیلی نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے بولے۔

"بس چاہت میں ہی دیوانہ بنا فیصلہ تو ہوش مندوں جیسا کرنا میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔" وہ سنبھل کر ذرا پرے ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں انتظار کر سکتا ہوں بھلا۔ میں تو خود اس جدائی کے راستے میں آنے والی ہر دیوار لمحہ بھر میں گرا دینا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے۔ تم اپنے گھر گھروندے کا معاملہ اسی ہفتے صاف کرو، دوسرے دن ہم نکاح کر لیں گے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"درست کہا تم نے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"تو میں تیاری شروع کروں۔" وہ دبے دبے جوش سے بولی۔

"ہوں!" وہ جیسے کسی خیال سے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں کیا ہوا؟" شائستہ نے ٹٹولتی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"وہ ایسا ہے شستہ!" وہ صوفے پر سیدھے ہو کر اگلا جملہ سوچتے ہوئے بو۔ "نکاح کی بات ٹھیک ہے جب مرضی کرلو۔ میں تیار ہوں۔"

"پہلے تم پہلے والا معاملہ کلیئر کرو گے۔ یہ طے ہے۔" وہ بے مروتی سے بولی۔

"میں اس سے کب انکار کر رہا ہوں۔ میری کون سی دلچسپی ہے سعدیہ میں یا میں......" وہ اس کے انداز پہ کمزور لہجے میں بولے۔

"پھر؟" وہ پل بھر میں یکسر اجنبی لگنے لگی تھی۔

"روشی کی رخصتی تک......کیا اچھا لگے گا۔" نہ جانے کب اور کیسے ان کے پتھر میں یہ نرم خیال آ گیا تھا۔

"وہاٹ!" وہ منہ ٹیڑھا کر کے چلائی۔ "بیٹی کو رخصت کر کے اپنی سیج سجاؤ۔ پھر کسی نواسے یا پوتے کی آمد تمہیں روک دے گی۔"

شائستہ کو جیسے کسی نے جلتے توے پر بٹھا دیا تھا۔ جملہ ختم کرتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسا ہے کہ میری ایک ضروری اپائنٹمنٹ ہے اور مجھے آدھے گھنٹے میں آفس پہنچنا ہے۔ تم جانا چاہو تو ڈرائیور تمہیں ڈراپ کر دے گا۔ بیٹھنا چاہو تو دو تین گھنٹے میرا انتظار کر لینا ڈنر اکٹھے کریں گے اور۔"

وہ بیگانے انداز میں کہتے ہوئے سرد نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"تم فائنلی نیکسٹ سنڈے تک کوئی فیصلہ کر لو جب پچھلے معاملے سب کلیئر کر لو تو منڈے کی شام پانچ بجے میرے پاس آ جانا اور کوئی دلیل بہانا نہیں۔ میرے پاس بے کار باتوں کے لیے وقت نہیں۔ امید ہے مجھے یہ سب بار بار دہرانا نہیں پڑے گا ویسے بھی تم اچھے خاصے سمجھ دار ہو۔ گڈ بائے۔" وہ آفتاب زبیری کی بھونچکی صورت پر ایک کاٹ دار مسکراہٹ اچھالتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"پلیز شستہ! بات سنو، دیکھو میں نے کب انکار۔"

وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکے۔

"اپنا اور میرا وقت ضائع نہیں کرو۔ نیکسٹ منڈے وی میٹ، او کے۔"

وہ جملہ پورا کر کے جھپاک سے باہر نکل گئی کہ آفتاب زبیری مزید اسے پکار ہی نہیں سکے۔ یوں بھی شائستہ کے تیور بتا رہے تھے وہ مزید کچھ سنے گی بھی نہیں۔

"مینٹل، خود کو نہ جانے کیا سمجھتی ہے، حرام کی دولت نے دماغ پر چربی چڑھا دی ہے۔ سچ جھوٹ میں فرق نظر ہی نہیں آتا اسے، اور ایسی خود سر تو یہ شروع کی تھی۔ اپنی غرض کے سامنے اس نے پیدا کرنے والی ماں کو لات مار دی تو آفتاب زبیری تم کیا چیز ہو۔ بہتر ہے تم بھی اپنے ماضی کے ہر رشتے، تعلق کو لات مار دو تو ہی اس جنتِ ارضی کے حق دار ٹھہرو گے اور شادی ہو جانے دو پھر اس بڈھی گھوڑی کو لگام ڈالنے کا مزہ آئے گا پھر دیکھوں گا۔ اس کا یہ طمطراق، یہ تنتنا، سب کس بل نکال دوں گا اور روشی کی رخصتی میں وہاں کون میری شرکت کی تمنا میں مرا جا رہا ہے اور وہ بھی نہ جانے کب ہو؟ دو چار مہینے یا سال لگ جائے۔ میری تو خوش بختی منہ پھیر جائے گی نا۔ یہ اب نہیں ہو سکتا آفتاب زبیری کے جیتے جی......"

وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھے۔

"اک حسن کی دیوی سے مجھے پیار ہوا تھا، دل اس......"

سامنے سے آتا ملازم کو دیکھ کر انہوں نے لب دبائے اور بارعب انداز میں چلتے ہوئے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

اسے اپنا فیصلہ سراسر حماقت لگ رہا تھا۔

"کمال ہے مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ اصل میں میں کس قدر احمق ہوں۔ میں تو خود کو بڑا عقل مند ذہین سمجھتی تھی۔ کتابیں رٹ کر نوٹس حفظ کر کے اے پلس لے لینا کیا ذہانت کی نشانی ہے، اور یہ پریکٹیکل لائف کے قدم قدم پر آنے والے تجربات اور ہر تجربے کا نتیجہ میرا کوئی نہ کوئی احمقانہ فیصلہ...... پہلے ایک جھوٹے الزام کو خود پر برداشت کر کے ممی کے آنسوؤں سے بلیک میل ہو کر ان فضول لوگوں میں آ گئی اور یہاں آ کر بھی بنا کوئی احتجاج کیے فالتو چیز کی طرح پڑی رہی اور مجھے تو پہلے تجربے کے پیش نظر اس آفتاب زبیری کا منہ توڑ دینا چاہیے تھا۔ الٹا بے وقوفوں کی طرح اس کے ڈرامے سے متاثر ہو سارا پیسہ لٹا بیٹھی۔ اس سے بھی مجھے

خاک سبق نہیں ملا پھر بھی رافع صاحب جنہوں نے اس سارے عرصے میں مجھ سے شو
دشمن جیسے سلوک کے قابل نہیں سمجھا اور میں اس کی عزت کی خاطر چپ چاپ پلٹ
آخر میں کب تک یہ حماقتیں کروں گی،؟ میں خودکو اور کتنا ڈی گریڈ کروں۔ آخر میں یہاں
چلی کیوں نہیں گئی؟"

وہ رات بھر خود سے لڑتی رہی تھی۔ رات کو جتنی بار آنکھ کھلی، صرف یہی خیال
کچو کے لگا تا رہا کہ اس کے سیرینڈر کے باعث رافع مزے کی نیند سو رہا ہے۔ اس کا
مطلب حسب منشا پورا ہو رہا ہے۔ روشی چلی جائے گی۔ جاب اسے مل چکی ہے۔ مجھے فار
کے وہ اپنی کلاس کی کوئی اور دبوسی لڑکی بڑی فرماں برداری سے ماں کے کہنے پر دلہن بنا کر
آئے گا اور پھر اپنے سارے شوہرانہ حقوق نبھائے گا تو میں...... میں کہاں ہوں اس کی
میں؟ اس کی مشکلات میں خواہ مخواہ کی حصہ دار۔ جب سارے دکھ نپٹ جائیں گے تو و
لات مار کر باہر کر دے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے لات مارے میں خود کیوں نہیں چلی جاؤ

فضا میں اذان کی تکبیریں گونج رہی تھیں۔ وہ کمبل میں منہ لپیٹے چپ چاپ
رہی۔ روشی، پھپھو کی آواز پر اٹھ گئی اور وضو کر کے باہر نکل گئی۔

"پھپھو نے کبھی مجھے نہیں اٹھایا نماز کے لیے۔ نہ کبھی کہا۔ اپنی بیٹی کی دنیا اور عا
دونوں کا انہیں کتنا خیال ہے۔ ایسا کوئی خوبصورت خیال انہیں میرے لیے تو نہیں آیا۔ ا
نے کون سا مجھے دل سے قبول کیا ہے۔ پتا نہیں میں یہاں کیوں ہوں؟" اس کا دل بھر آیا
اس گھر میں آنے کے بعد پہلی بار اس نے اٹھ کر وضو کیا۔ کونے میں رکھا جائے نماز اندھیر
میں ہی اٹھا کر بچھایا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ باہر صحن کی لائٹ جل گئی اور گلی میں گھر
کے دروازے کھلنے لگے۔ نماز کے لیے نکلتے لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔

"اس گلی میں صبح کتنی جلدی طلوع ہو جاتی ہے۔ ایک میری زندگی میں وہ منح
رات ٹھہر گئی ہے۔" وہ رکوع میں جھکی اور اس کا دل جیسے پگھل کر موم کی طرح بہنے لگا۔

رات بھر کے رکے آنسو آنکھوں سے امڈ پڑے۔ ان چار رکعتوں میں اس نے ش
چار صدیوں کے آنسو بہا ڈالے تھے۔ دل کا بارا بوجھل پن ان آنسوؤں میں بہہ گیا تھا۔

اسے دعا مانگنی نہیں آتی تھی۔ یونہی چھوٹی موٹی دعا تو کبھی کبھار کر لیتی تھی مگر ا
طرح رو کر اللہ کے سامنے سجدے میں اپنے دکھ بیاں کرنے کی ضرورت پہلی بار محسوس ہوئی تھ

نہ الفاظ اس کا ساتھ دے رہے تھے نہ آواز سے اپنا مدعا بیان کرنا آ رہا تھا۔

"اللہ جی! مجھے تو یہی پتا نہیں۔ میں چاہتی کیا ہوں۔ کیا میرا دل رافع کی بے اعتنائی سے اتنا دکھی ہے۔ انصاری ہاؤس کو چھوڑ کر اس ڈربے اور گھٹی ہوئی زندگی جینے پر پریشان ہے۔ اس گھر کی غربت، ان کے رہن سہن اور ذہنی مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے خائف ہے یا اپنی ایسی بے قدری پر اللہ جی میں خود اپنے دکھ کی وجہ سے لاعلم ہوں...... اور سب سے بڑھ کر ہاں یاد آیا۔ اللہ جی......! زریاب...... بالکل، اب مجھے سمجھ میں آ گیا ہے کہ زریاب کا نام آپ نے میری تقدیر سے کاٹا تو جیسے زندگی کی ہر خوشی، ہر مسرت مجھ سے روٹھ گئی۔ ہاں اب سمجھی ان سارے دکھوں کی وجہ۔ زریاب نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ مجھے اس زندگی میں کوئی دلکشی، کوئی خوشی کیوں محسوس نہیں ہوتی۔ سب کچھ اس کی محبت، اس کی چاہت کے باعث تھا۔ وہ روٹھ گیا تو مجھ سے زندگی روٹھ گئی اور اب کیا دعا کروں۔ اب تو کچھ بھی ممکن نہیں۔"

اس کا پگھلا دل ایک بار پھر مچل مچل کر رونے لگا جسے پتا تھا من پسند کھلونا اب نہیں مل سکتا۔ نہ جانے کتنی دیر گھٹنوں پر سر رکھے وہ روتی رہی۔

"مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔ نہ رافع کی توجہ نہ اس گھر کی خوش حالی و چاہت! مجھے اللہ جی بس سکون دے دیں۔ اس گھر میں جتنے بھی دن ہیں میں سکون سے گزار سکوں۔ آگے کیا ہو گا مجھے نہیں معلوم مگر آپ کو یہ معلوم ہے۔ مجھے اس گھر میں نہیں رہنا۔ می نے آخری لمحات میں کہا تھا۔ بیا! اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ کیا پتا اللہ نے تمہاری قسمت میں زریاب سے اچھا جوڑ لکھ رکھا ہو شاید تم زریاب کے ساتھ زندگی کی وہ خوشیاں نہ حاصل کر پاتیں جو رافع تمہیں دے سکتا ہے۔ می! آ کر اللہ کی مصلحت کا کرشمہ سازی دیکھیں...... می! مصلحت، دور اندیشی کچھ بھی نہیں ہوتا صرف مصیبت کے وقت دل کو بہلانے کے لیے ہم ان مُردہ لفظوں کا سہارا لیتے ہیں ورنہ تو ہمیں بھی آئندہ ہونے والا سب کچھ صاف دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ آپ کو بھی نظر آ رہا تھا رافع مجھے کیا دے سکتا ہے۔ ایک بے روزگار ان سیٹلڈ انسان جس نے زندگی بھر کسی آسائش کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ بیا کو کیسے پر آسائش زندگی دے سکتا ہے؟ دیکھ لیں آ کر۔ وہ جو آپ نے آتے سمے میرے ہاتھوں میں لفظوں کے یہ خوشنما کھلونے دیے تھے، وہ کیسے چکنا چور ہوئے ہیں۔ آپ کی بیا کی طرح۔ مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ نہیں کسی سے مانگنا۔ اللہ کی مصلحت دیکھ لی۔ اب اللہ سے بھی کچھ نہیں مانگا۔ کچھ نہیں۔" وہ چہرہ

صاف کر کے جائے نماز یونہی گول مول کونے میں رکھ کر بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

ابھی ہر طرف اندھیرا تھا۔

اس کا ذہن ایک دم سے خالی ہو گیا تھا۔ رات بھر کی بے چین سوچیں نہ جا جا سوئی تھیں۔ اس کے تھکے تھکے ذہن کو جیسے کوئی تھپکیاں دے رہا تھا۔ صرف چند منٹ گہری نیند سو چکی تھی۔

وہ بہت گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ جب اسے اپنے کمرے میں اپنے بے حا بھینی خوشبو کا معطر سا احساس ہوا اور حیرت ناک بات یہ تھی کہ محض خوشبو کے احساس گہری نیند سے جاگ گئی تھی، چند پل وہ یونہی کمبل کے اندر آنکھیں کھول کر اپنے جا سوچتی رہی۔

''یہ خوشبو کہاں سے آئی یہ تو......'' اس نے گہرا سانس لیا اسے یاد آیا۔ زریاب استعمال کیا کرتا تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے کمبل اتار دیا۔

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ بس دم توڑتی وہ خوشبو تھی جسے اس نے آ سانسوں کے ذریعے اندر اتارا تھا۔

''یہ خوشبو کہاں سے آئی زریاب میرے آس پاس۔'' وہ ذرا سا اٹھ کر بیٹھ

''اچھا امی! میں جا رہا ہوں اللہ حافظ۔'' رافع کی آواز پر جیسے کسی نے ا سے حقیقت میں لا پٹخا۔

''اللہ کی امان، آج پہلا دن ہے میرے بیٹے کا نوکری پر جانے کا۔ اللہ میر کی نگہبانی کرنا اس کے سارے کام سنوار دینا اسے......'' پھپھو با آواز دعائیں کرتی کے ساتھ ہی دروازے تک گئی تھیں۔

تو آج رافع صاحب اپنی پہلی ریگولر جاب پر جا رہے ہیں۔'' اس نے خالی سوچتے ہوئے تکیے پر سر رکھا۔ ایک خیال اس کے دماغ میں کوندا۔ وہ اٹھی سلیپر پہنے پاؤں کمرے سے نکل کر رافع کے کمرے میں آ گئی۔

روشی اور پھپھو کی آوازیں کچن سے آ رہی تھیں۔

وہ سیدھی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔

اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

Eternal Love کی بوتل ڈریسنگ ٹیبل پر سجی تھی۔ وہ دبے قدموں واپس آ کر بستر پر لیٹ گئی۔

''کیا رافع جانے سے پہلے میرے پاس آیا تھا؟''

وہ اس جملے کو سوچنا نہیں چاہ رہی تھی اور کمبل میں منہ چھپانے، آنکھیں میچ لینے کے باوجود اس کے دماغ کی سوئی اسی ایک جملے کو دہرائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''جی، میڈم تو اسلام آباد گئی ہیں۔'' چوکیدار نے گیٹ وا کیے بغیر اسے باہر سے بتایا تو وہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگا۔

''کب؟ کل شام تک تو اِدھر تھیں۔ میں کل شام کو تو گیا ہوں مل کر۔''

''جی، آج صبح گئی ہیں۔'' وہ اسی طرح گیٹ کے آگے جا کھڑا تھا۔

''کب تک آئیں گی؟'' وہ بے چین ہو کر بولے۔

''جی معلوم نہیں۔''

''اچھا!'' اب وہاں کھڑے رہنے کا کوئی جواز تو نہیں تھا پھر بھی آفتاب زبیری نے سوچ میں ڈوبے اگلے پانچ منٹ انہی قدموں پہ کھڑے کھڑے بتا دیے۔ چوکیدار کب کا گیٹ بن کر کے اندر جا چکا تھا۔

شائستہ مجھے اتنا قیمتی، خوبصورت موبائل سیٹ گفٹ کرتی رہی اور میں لینے سے انکار کرتا رہا کہ مجھ جاہل کو یہ آپریٹ کرنا کہاں سے آئے گا کسی کو کال تو کیا کرنا مجھے کال ریسیو کرنا نہیں آتی۔ شائستہ نے بتیرا کہا کہ اس کے ذریعے میں کسی بھی وقت اس سے رابطہ کر سکتا ہوں۔''

''رابطے دلوں میں ہونے چاہئیں اور میری جان! تم تو میرے دل میں ہر جگہ موجود ہو۔ سو ان مادی رابطوں کی محتاجی اسے ہو گی جس کے دل کے رابطے کمزور ہوں۔'' انہوں نے فوراً رومانس جھاڑا تھا۔

''مجھ پر شک کر رہے ہو یا میری محبت کی کمزوری پر۔

ہو سکتا ہے کبھی تمہیں ان کمزور مادی رابطوں کا سہارا لینا ہی پڑ جائے۔ ایسے وقت،

میں دل کے رابطے بے چارے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔"

بالکل ایسے جس طرح اب آفتاب زبیری تیز دھوپ میں ہاتھ ملتے اپنی کوستے ہوئے جا رہے تھے۔

"شاید اس نے چوکیدار کے ذریعے جھوٹ کہلوایا ہو۔ اسی لیے تو اس خ مجھے اندر نہیں جانے دیا۔" دھوپ کی شدت میں اچھی خاصی تیزی تھی جس نے جسم می زیادہ ہی تپا دیا تھا۔ "آخر اور کس طرح وہ اپنی ناراضی کا اظہار کرے گی۔ سولہ سال والے نخرے، اسٹوپڈ ہونہہ۔" انہیں شائستہ کی اس حرکت پر بہت طیش آیا تھا۔

"بے وقوف عورت! میں بھلا اس بڈھی کھوسٹ سعدیہ کی محبت میں مرا ج جو اسے اپنی جان سے چمٹائے رکھوں گا۔ شام سے پہلے فارخطی لکھدوں گا۔ اب ا کوئی رسک نہیں لوں گا شائستہ ڈیر!" وہ تھک کر فٹ پاتھ کے جنگلے سے ٹیک لگا کر تک

پھر اس کے بعد آفتاب زبیری نے شائستہ کے بنگلے کے ایک نہ کم پورے لگائے مگر ہر بار چوکیدار نے ایک ہی جواب دے کر انہیں تپا دیا۔ دو بار تو وہ اس کے چکر لگا آئے تھے۔ پی سی او سے کئی بار اس کے موبائل پر بھی ٹرائی کر چکے تھے۔ "ا آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔ فی الحال بند ہے، سریلی آواز راگ الاپتی۔

آفتاب زبیری کو تو لگ رہا تھا۔ ان کی زندگی اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے۔

سینے میں واقعتاً ہلکا ہلکا درد رہنے لگا تھا۔

راتوں کو آنکھیں نیند سے خالی ہو گئی تھیں۔

ساری دنیا خالی ہی نہیں بالکل ویران ہو کر رہ گئی تھی۔

انہیں اپنا ہوش نہیں تھا تو اردگرد کی کیا خبر ہوتی۔ صبح اٹھتے ہی اس کے بنگلے دوڑ پڑتے اس کے بعد دوپہر میں اور آخری پھیرا گہری رات سے پہلے۔

پیسہ تو ڈھیروں اکٹھا ہو چکا تھا اور زندگی میں پہلی بار ان کے پاس اتنا پیسہ آ اتنے دنوں تک جمع بھی رہا تھا۔ ان کے بازی گر جواری دماغ نے ایک بار بھی انہیں میں دھیلا لگانے پر نہیں اکسایا تھا اس وقت تو ان کا دماغ زندگی کی اس سب سے بڑ میں الجھا ہوا تھا۔ انہیں تو سارا پیسہ بھی بھول گیا تھا۔

"ایک بار شائستہ مل جائے۔ میں پاؤں پکڑ کر، ناک رگڑ کر اسے منا لوں گا۔ بس ایک بار وہ میرے سامنے تو آ جائے۔" وہ فیصلہ کرتے۔

"لگتا ہے کسی بات نے تیرے دماغ پر اثر کر دیا ہے پیر عامل شاہ کے پاس لے چلوں۔" ظفر انہیں چھیڑتا اور انہیں لگ رہا تھا کہ اسے جلد ہی پیر عامل شاہ کے پاس جانا ہی پڑے گا۔

"بیگم صاحبہ آ گئی ہیں مگر اس وقت انہوں نے کسی سے بھی ملنے سے منع کیا ہے، وہ آرام کر رہی ہیں۔" چوکیدار نے یہ کیسا مژدہ جانفزا سنایا تھا آفتاب زبیری بے یقینی سے اسے تکے گئے۔

"جا کر بتاؤ آفتاب زبیری ملنے آئے ہیں۔" حواس بحال ہوئے تو بڑے اعتماد سے کہا۔

"جی انہوں نے پہلے ہی آپ کا نام لے کر بطورِ خاص منع کیا تھا کہ آپ کل شام کو آئیں۔" "آج وہ آپ سمیت کسی سے نہیں ملیں گی۔"

چوکیدار نے چبا چبا کر پوری وضاحت سے کہا تو آفتاب زبیری نے اتنی عزت افزائی کو کافی سمجھا اور سر ہلا کر واپسی کا قصد کیا۔ یہ ہی کیا کم تھا کہ امید کی ڈور ہاتھ میں آ گئی تھی جو انہیں کل یقیناً وہاں کھینچ لائے گی۔

☆☆☆

"روشی کی ساس آئی ہیں بیا! روشی نے چائے وغیرہ تو سب تیار کر دی ہے تم ذرا اٹھ کر انہیں سلام کر آؤ۔"

وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے جانے کون سے خیالوں میں گم تھی کہ اسے پھپھو نے آ کر چونکا دیا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔ آپ کہہ دیں، میں سو رہی ہوں" وہ بے زار سے لہجے میں کہتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"بیا! یوں نہیں کرتے بیٹا! گھر آئے مہمان سے خوش دلی سے ملنا چاہیے وہ پہلے بھی آئی تھیں تم ان سے نہیں ملی تھیں اور آج بھی انہوں نے آتے ہی تمہارا پوچھا۔ اچھا نہیں لگتا بیٹا!"

وہ سمجھاتے ہوئے بولیں تو اسے اور غصہ آ گیا۔

''کس قدر مطلبی خاندان ہے۔ اپنا مطلب پڑنے پر سارے کے سارے
خوشامدی بن جاتے ہیں۔'' اسے بے اختیار پھپھو سے بھی گھن سی آئی۔ اسے آج کل یوں کچھ بھی کوئی بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ رافع سے اس کی آخری ملاقات کو گزرے بھی شا ہفتوں سے زیادہ ہو گئے تھے، ان دونوں کا دوبارہ سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ خود ہی اس کے آنے اور ہونے کے اوقات میں کمرے میں گوشہ نشین ہو جایا کرتی۔ اسے لگ رہا تھا، اس اندر کوئی لاوا سا پک رہا ہے جو کسی بھی وقت باہر ابل پڑے گا۔ ''پھر پھر کیا ہوگا؟'' اسے خ آنے لگا۔

''اٹھو نا بیا! کیا بات ہے۔ طبیعت اچھی نہیں، کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ بھابھی جاتی ہیں تو تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔''

وہ اس کا ماتھا اور کلائی چھو کر تشویش بھرے لہجے میں بولیں۔

''کیوں مجھے کیا ہوا ہے۔ اچھی بھلی ہوں یا آپ کو کچھ کھسکی ہوئی لگ رہی ہوں مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گی۔'' وہ ترش لہجے میں بولی۔

''بیا بیٹا! کوئی ناراضی ہے۔ کسی کی بات بری لگی ہے؟ ویسے تو میں جانتی ہو یہاں اول دن سے ناخوش ہو اگرچہ میں نے اپنے طور کوشش کی کہ تمہیں کسی طرح ناخو ہونے دوں مگر میں جانتی ہوں۔ یہاں راضی رہنے کے بھی اسباب نہیں تو میری کوشش کرنا تھا پھر بھی بیٹا! جو مجھ سے ہو سکتا ہے۔ تمہارے لیے دن رات اٹھتے بیٹھتے پل پل دعا ہوں اور اب میرے دل کو یقین ہو چکا ہے جیسے اس نے میری روشی کے معاملے میں م تھاما ہے، وہ اب میری اس بیٹی کے بھی سارے دکھ، پریشانیاں دور کرنے والا ہے بس تھو سے دن اور...... مجھے پورا یقین ہے۔''

وہ اس کا ماتھا چوم کر اسے سینے سے لگاتے ہوئے میٹھے محبت بھرے لہجے میں تو بیا ہمیشہ کی طرح زیادہ دیر غصے میں نہ رہ سکی۔

''کچھ دکھ ہماری تقدیر میں رقم ہوتے ہیں، کچھ ہم خود سے لکھ لیتے ہیں۔ اپنے کے رشتے ہمیں لاکھ ظالم، گھٹیا لگیں وہ دکھی ہوں تو ان دیکھی بے چینیاں ہمیں بھی چین لینے دیتیں۔ ماں اس قدر بیمار ہے، تمہیں دیکھنے کو تڑپ رہی ہے، اگر دل پر پتھر رکھ کر ایک اسے دیکھ آتیں یا فون کر لیتیں تو میرے بیٹے! شاید تم بھی اتنی بے سکون نہ ہوتیں۔ ماں

تمہاری اداسی میں پریشان ہے۔ تھوڑا دل کو نرم کرو۔''

''پلیز پھپھو! آپ اس وقت ایسا کوئی ذکر نہیں کریں گی۔'' وہ تڑپ کر ان سے علیحدہ ہوئی۔

''اچھا چلو پھر بات کریں گے۔ تم عالیہ بھابھی سے تو مل لو۔'' وہ اس کے بال ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے بولیں تو وہ انکار نہیں کر سکی۔

''کپڑے تو بدل لو بیا!'' وہ اس کے کاٹن کے زرد سوٹ کو دیکھ کر بولیں۔

''ٹھیک ہیں، یوں بھی ایسے موقعوں پر آنٹی کی نظر میرے کپڑوں پر نہیں روشی کے اوپر زیادہ رکے گی۔ آپ چلیں۔'' وہ بے شکن قمیض ٹھیک کرتے ہوئے ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

اور اس کا خیال غلط تھا۔ عالیہ آنٹی کی نگاہ روشی کے سامنے ہونے کے باوجود اس پر ٹکی تھی اور اسے بالکل پتا نہیں تھا کہ رافع پہلے سے وہاں موجود ہوگا ورنہ شاید وہ بالکل نہ آتی۔ وہ رات کو ہی گھر آیا کرتا تھا۔

''کیا بات ہے بھابھی! آپ کی بہو کی طبیعت ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اس کے سلام کے جواب میں فوراً سوال کیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ یونہی ذرا سر میں درد تھا۔'' پھپھو نے اسے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔

''مجھے تو دوسرا معاملہ لگتا ہے۔ کیوں رافع! کوئی خوشخبری۔'' ان کا دوسرا سوال بھی بالکل غیر متوقع تھا۔ بیا سے زیادہ گڑبڑاہٹ رافع کے چہرے سے ظاہر ہوتی تھی۔ دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرائی تھیں۔

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے بھابھی! میں تو اس دن نہ جانے خوشی سے کیا کر بیٹھوں۔ جب مجھے دادی بننے کی خوشخبری ملے گی۔'' پھپھو نے فوراً کہا تو بیا نے جھلا کر سر جھکا لیا۔

''تو پھر میری مانیں تو ابھی جا کر چیک کرا لیں میری تجربہ کار نگاہیں کہتی ہیں کہ شرطیہ خوشخبری ہوگی۔'' وہ فوراً چہک کر بولیں تو پھپھو ہنس پڑیں۔

''اللہ آپ کی زبان مبارک کرے اور میں اپنی زندگی میں یہ خوشی بھرا دن دیکھوں۔'' انہوں نے کہتے ہوئے باری باری ابیہا اور رافع کی طرف دیکھا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پھپھو کے روکنے کے باوجود باہر چلی آئی۔

''دماغ خراب ہے، ان لوگوں کو اور کوئی کام ہی نہیں۔ دوسروں کے بارے میں

"الٹی سیدھی قیاس آرائی کرنے کے سوا۔" وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے کلستی رہی۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ چونک کر ٹھٹکی تھی۔

ننھے سے ہاتھ کا لمس اسے اپنے تپتے ہوئے گال سے نیچے ٹھوڑی تک آتا
ہوا۔ اس نے بے اختیار ہاتھ سے اپنا رخسار چھوا۔

چور نظروں سے خالی کمرے کے اطراف میں دیکھا۔

"لگتا ہے۔ میری بھی دماغی رو بہک گئی ہے۔"

وہ خود سے بولی تھی مگر اپنے اس احساس کی نفی نہیں کر پا رہی تھی جو شاید ساعت
کے لیے محسوس ہوا تھا۔ خالی آغوش، خالی سینے کو ایک دم ہی کلکاریاں مارتے ننھے سے و
اپنے ساتھ لپٹانے کی حسرت سی جاگی تھی۔

"یہ کیا حماقت ہے بیا!" اس نے کمرے کی لائٹ آن کرتے ہوئے خود کو ڈا
یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی محروم زندگی میں ایک اور حسرت کا اضافہ ہو گیا ہے۔

☆☆☆

اگلی صبح پھپھو زبردستی اسے پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

روشی! مجھے ذرا تیل دینا۔ اس لڑکی کا حلیہ دیکھو۔ کیسی صدیوں کی بیمار لگ
ہے۔ بال جیسے گھونسلہ ہو، بے رنگ خشک۔ آج ہی شام کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہو
آ جائے یہ رافع ذرا...... آج کوئی بہانہ نہ سنوں گی غضب خدا کا اتنی پیاری نازک سی میر
چند ماہ میں کملا کر سرسوں کا مرجھایا ہوا پھول بن گئی ہے۔ دیکھیں عارفہ بھابھی آ کر اسے ا
کیا ان سے نظریں ملاؤں گی۔ بس بہت ہو گئی سب کی من مانی۔ میں دیکھتی ہوں یہ سب
کیسے چلتا ہے۔"

وہ مسلسل بڑبڑاتے ہوئے اس کے خشک بالوں میں نرم ہاتھوں سے تیل لگا
تھیں اور اسے لگا ایک مدت بعد کسی نے اس کے بوجھل سر کو ہر فکر، غم سے آزاد کیا ہ
آنکھیں موندے مساج کا مزہ لیتی رہی۔

"بیا بچے! میری بات کا برا نہ ماننا۔ اگر مرد یوں متوجہ نہ ہوتا ہو تو عورت
حاصل کرنے کے طریقے آنا چاہئیں۔ صاف ستھری ہنستی مسکراتی، خوشبو لٹاتی عورت تو پتھ
پتھر دل میں بھی محبت کا پھول کھلا سکتی ہے۔ سچی بات ہے اگر رافع دور دور رہتا ہے تو

بیوی ہونے کے باوجود اپنے مقام سے نظریں چراتی ہو۔ ایک بار بھی میں نے تمہیں خود سے
اسے بلاتے نہیں دیکھا۔ بہانے سے رات کو اس کے کمرے......"

"پھپھو! بس کریں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

وہ ان کی بات پر سرخ پڑتے ہوئے تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"اور آپ کتنی خوبصورت ہیں اس عمر میں بھی۔ جوانی میں کیسی ہوں گی اور صاف
ستھری تو آپ بھی رہتی ہیں اچھا لباس پہن لیں تو کوئی نگاہ نہ چرا سکے تو پھر پھوپھا جان......"

پھپھو اب نرمی سے اس کے تیل لگے بالوں میں برش کر رہی تھیں اس کی بات پر
ان کے ہاتھ رک گئے۔

"میری بات اور ہے۔ تمہارے پھوپھا نے مجھ سے شادی کوئی گھر بسانے کے لیے
تھوڑی کی تھی۔ انہوں نے گھر بھرنے کی نیت سے میرا انتخاب کیا تھا جب آدمی کی نیت ہی کسی
کام کو کرنے کی نہ ہو۔ وہ لاکھ زبان سے کہتا رہے، سب بیکار ہے۔ میں لاکھ بنی سنوری......"

"پھپھو! مجھے یاد آیا۔" وہ ایک بار پھر ان کی بات کاٹ کر بولی۔ "وہ اس دن آپ
نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ وہاں فلیٹ میں کون تھا جب آپ اندر داخل ہوئیں۔"

اس پر تجسس خیال نے کئی بار اسے بے چین کیا مگر پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

"چھوڑو بیٹا! اب کیا کرو گی معلوم کر کے۔" وہ پھیکے چہرے کے ساتھ برش سے
بال نکالنے لگی۔

"بتائیں نا پھپھو!" پھپھو کی جھکی آنکھوں اور نیچی گردن پر اسے اپنے اصرار کی
زیادتی کا احساس ہوا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔" وہ دھیمی آواز میں کہتے ہوئے ان کے
ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"انکل جمیل کو جانتی ہو نا!" انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ذرا سی نظر اٹھائی۔

"ہاں، تایا جی کے لنگوٹیے دوست ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے ربیعہ کا رشتہ
مانگا تھا اور چھوٹے بیٹے کے لیے میرا۔ بہت اچھے بہت نائس ہیں۔ ڈیڈی کے بعد جب بھی گھر
آتے ہمارے پورشن میں بطور خاص آ کر ممی سے ضرور کسی بھی ضرورت یا مسئلے میں اپنی مدد کے
لیے کہا کرتے تھے اور ہمارے لیے ہمیشہ گفٹس......"

وہ اپنی ہی رو میں کہے جا رہی تھی۔ پھپھو کے فق چہرے پر اس کی نگاہ پڑی تو اس کی

زبان کو بریک لگ گیا۔

"تو وہاں اس فلیٹ میں کون تھا، انکل جمیل؟"

پھپھو کی آنکھوں سے گرتے قطروں پر وہ اٹک اٹک کر بولی۔ انہوں نے ا
اٹھائے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ ایک شاک کے عالم میں بیٹھی رہ گئی۔ کسی زما
انکل جمیل اس کے آئیڈیل رہ چکے تھے۔ اتنے ڈیسنٹ، اتنے مہذب، سلجھے ہوئے، سج
خوب صورت آواز میں خوب صورت باتیں کرنے والے۔ نا صرف ان کی شکل وصورت
پرکشش تھی بلکہ ان کی گفتگو بھی بہت دلنشیں ہوتی سب سے بڑھ کر اپنی مسز سے ان کی م
محبت سب کے لیے ایک نمونے کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ ہر چھوٹے بڑے موقع پر اپنی مسز کو
خوب صورت قیمتی اور یونیک تحائف دیا کرتے تھے کہ آنٹی جب بھی ان کی طرف آتیں
نہ کوئی قیمتی زیور ان کے حسین وجود کا حصہ ہوتا۔ تائی اور چچی کئی دن اپنے شوہروں کو سنا
تقاضا کرتیں۔

"تو یہ تھی انکل جمیل کی محبت آنٹی فیروزہ سے۔"

"آفتاب زبیری کے میری زندگی میں آنے سے پہلے ان کا پرپوزل میرے
آیا تھا۔ بھائی اماں سب راضی تھے کہ...... میری بدقسمتی بن کر آفتاب زبیری بیچ میں آ گ
پھپھو کی آواز جیسے کسی کنویں سے آ رہی تھی۔

"پھر!" ایہا کو ان کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"وہ مجھے دیکھ کر نہ تو شرمندہ ہوئے نہ ان کی غیرت جاگی، نہ انہیں غصہ آیا۔
کے بالکل برعکس ان کے الفاظ......" پھپھو نے اذیت سے دونوں آنکھیں میچ لیں۔

"اچھا تو اب انصاری برادرز کی چہیتی لاڈلی بہن یہ دھندا کرتی ہے۔ واٹ ا
پروگریس، اگر مجھے پتا ہوتا تو میں فل تیاری سے آتا مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اگر اپنے
دوستوں کو میں اس خوب صورت شام کو انجوائے کرنے کے لیے انوائٹ کر لوں تو نہ تمہیں
اعتراض ہونا چاہیے نہ تمہارے دلال شوہر کو۔ میں ڈبل پیمنٹ کر دوں گا اور......"

وہ کہتے ہوئے فون کی طرف بڑھا اور میں حلق سے نکلتی چیخوں کو منہ کے آگے ہا
رکھے روکتی ہوئی اندھا دھند وہاں سے بھاگ آئی۔

آفتاب نے اس رات مجھ پر اپنی زندگی کا بدترین تشدد کیا تھا اور مجھے اس تشدد، ا

وحشت بھری مار، نوچ کھسوٹ کسی بھی درد کا احساس تک نہ ہوا۔ صرف جمیل کی آنکھوں کی
چمک اور الفاظ میری تاریک ہوتی بینائی کے سامنے ناچتے رہے۔

مجھے آفتاب زبیری کی مار پیٹ اور تشدد نے دکھ نہیں دیا تھا۔ نہ جلتی ہوئی استری کی
جلن نے، نہ ہنٹر سے چھلی ہوئی کمر نے۔ مجھے تو عمر بھر کا دکھ اگلی صبح بھائی صاحب کی اچانک
آمد نے دیا تھا جب میں نیم مردہ بستر مرگ پر پڑی تھی اور وہ میرے سامنے منہ سے کھڑے
کف اڑاتے کہہ رہے تھے۔

"کاش میں اتنا بزدل نہ ہوتا کہ تیرا قتل کر سکتا مگر میں تیرے گندے خون سے اپنے
ہاتھوں کو کیوں پلید کروں تو نہ پہلے ہمارے وجود کا حصہ تھی نہ اب، میں تو سمجھا تھا محبت و عاشقی
کا بھوت ہے، اس کمینے...... سے نکاح کے بعد یہ بھوت اتر جائے گا۔ ارے مجھے کیا پتا تھا کہ
تیرے نفس کا غلیظ گھوڑا اس قدر بے لگام ہو چکا ہے کہ جس کی ہوس پوری کرنے کو تو بازار سجا کر
بیٹھ گئی۔ میں تیرا گندا نام اپنی زبان پر لاؤں گا نہ آئندہ تیری یہ منحوس صورت دیکھوں گا۔
تو ہمارے لیے مر گئی۔ کبھی بھول کر انصاری ہاؤس کی دہلیز پر قدم نہ رکھنا۔ ہم سب
تیرے لیے مر گئے۔ میں کل ہی اخبار میں چھپوا دوں گا۔"

اور میں اپنی صفائی میں ایک حرف بھی نہ کہہ سکی۔

"پھر تمہارا ادھر رات گزارنے پر ان کا طیش، غصہ نفرت سب اسی......" وہ دوپٹہ
منہ پہ رکھ کر گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگیں۔

ایہا نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ آج اس کی سمجھ میں آ گیا تھا تایا جی، پھپھو سے
اس قدر نفرت کیوں کرتے تھے اور اس کے رات ادھر رہ جانے پر اس کی زندگی ان کی اس
نفرت کی زد میں کیسے آ گئی۔

اس کے دل میں گہرے سناٹے گونجنے لگے۔

"کبھی قدرت کسی انسان کو اتنے امتحانوں میں کیوں ڈالتی ہے کہ اسے اس حال میں
دیکھ کر خدا کی ذات سے منکر ہونے کو جی چاہتا ہے اور یہ عورت اسی قدر خدا سے قریب ہو گئی ہے۔
جس قدر سختیاں اس کی تقدیر میں رقم ہوئی ہیں۔ پھپھو! میں آپ جیسی بہادر نہیں اور میں کبھی ایسی
زندگی نہ جیوں گی۔ اگر میں اس گھر میں رہی تو اس گھر کی سیاہ بختی میری بھی تقدیر کا حصہ بن جائے
گی۔ مجھے یہاں سے جانا ہی ہوگا۔" وہ انہیں ہچکیوں سے روتا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆

''امی جان! پیاری امی جان! دیکھیں یہ آپ کے لیے ہے، ہے نا اچھا!''

پھپھو، روشی اور وہ کمرے میں بیٹھی روشی کے کپڑوں کو ہینگ کر رہی تھیں جب تین خوبصورت شاپنگ بیگز لیے اندر داخل ہوا اور پھپھو کو گلے لگاتے ہوئے ایک شاپنگ میں سے سیاہی مائل زنک کلر کا خوب صورت سوٹ ان کے شانے کے ساتھ لگاتے ہوئے محبت میں بولا۔

''اور یہ روشی کے لیے۔'' بلیک اور گولڈن کڑھائی والا میرون سوٹ اس نے کے آگے رکھا۔

''مگر یہ کس لیے بیٹا ابھی تو......'' سعدیہ بیگم نے سوٹ اپنے ہاتھ میں لیے۔

''امی! مجھے آج پہلی سیلری ملی ہے اور مجھ سے رہا نہ جا سکا کہ میں خالی ہاتھ جاؤں۔ روشی کی بچی، مزے داری چائے بناؤ کیک پیٹیز اور پزا سب لایا ہوں۔ میں فریش جاؤں پھر امی حضور کو اپنی تنخواہ پیش کروں گا۔ امی! میں بہت خوش ہوں۔'' وہ بچوں کی ط ماں سے لپٹ گیا۔ لیہا کا من پنوں سے الجھ رہی تھی۔ وہ اس کی آواز، اس کے الفاظ اس خوشی سے اپنا دھیان ہٹانا چاہتی تھی۔

''اور بیا کے لیے کچھ نہیں لائے؟''

اسے پروا نہیں تھی اور دفعتاً انگلی میں پن کے چبھنے کی تکلیف بھی نہیں تھی مگر پھر نہ جانے کیسی گہری دھند آگے پڑے اورنج سوٹ اور بینائی کے درمیان موٹے پردے طرح تن گئی۔

''بیا کے لیے......'' اس نے شاید پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس کیا تھا۔

''بیا کی پسند بہت اعلا ہے اور میرا ٹیسٹ اسے یقیناً پسند نہ آتا۔ اس لیے یہ خود اپنے لیے کچھ لے آئے۔''

کہتے ہوئے اس نے والٹ سے دو ہزار روپے نکال کر بیا کے آگے رکھے وہ یو سر جھکائے دھند کے خود ہی چھٹ جانے اور پن کے کپڑے کی تہوں میں اتر جانے کی سعی کرتی رہی

''یہ کیا طریقہ ہوا رافع! جب ہم دونوں کے لیے گفٹ لے کر آئے تو...... اچھا اس اس کا بہترین طریقہ ہے۔ تم یہ پیسے اپنے پاس رکھو اور بیا کو اپنے ساتھ لے جا کر اسے اس کی

پسند کا گفٹ دلاؤ۔''

پھپھو اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر رافع سے حکمیہ انداز میں بولیں۔

''اور بیا کو زبردست ساڈنر بھی کرائیں گے آپ۔ وہ بھی آج ہی۔'' روشی بھی چہکتے ہوئے بولی۔

''او کے، مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر......'' وہ لیہا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیہا نے کچھ سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''روشی! تم بیا کے کپڑے پریس کرو۔ یہ نہا کر آتی ہے۔'' پھپھو اس کے ساتھ ہی اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئیں۔

''بیا! تمہیں میری قسم بیٹا! اگر تم مجھے ذرا سا بھی عارفہ بھابی کی جگہ سمجھو تو میرا کہا نہ ٹھکرانا ایک ماں کی التجا......'' وہ اس کا ہاتھ اسی طرح تھامے اسے کمرے میں لے آئی تھیں۔

''پھپھو پلیز۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں۔ مجھے کہیں نہیں جانا اور مجھے کوئی گفٹ بھی نہیں چاہیے پلیز۔'' وہ ان کے ہاتھ جھٹکنا چاہتی تھی کہ اس کی نظریں ان کے چہرے پر رک گئیں۔

وہ رو رہی تھیں۔

''بیا! کاش میں اپنا دل تمہیں کھول کر دکھا سکتی...... تم مجھے اپنی اولاد سے بڑھ کر پیاری ہو۔ بھائیوں کی محبت سے کیا محروم ہوئی میرا دل ان کی چاہت میں جیسے پاگل سا ہو اٹھا۔ میرا دل چاہتا ہے ان کے گھر کی چوکھٹ کے پتھر کو بھی اتنا چوموں اتنا پیار کروں کہ کسی ایک کسی ایک دل کو میری سچی محبت کا یقین آ جائے اور تم تو...... تم تو وہ پتھر نہیں، میرے ماں جائے کا جگر گوشہ ہو۔ تمہاری محبت میں اپنی جان بھی لٹا دوں تو پھر بھی یہ سمجھوں گی میری طرف سے کچھ کمی رہ گئی اور بیا......''

وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے رکیں۔

''میں تمہاری ماں نہیں، مگر یقین کرو تمہاری ماں کی طرح تمہارے دل کے ہر دکھ سے باخبر ہوں مگر بے بس ہوں۔ ہر انسان کے دل کے کچھ ایسے معاملے ہوتے ہیں جن کو وہ دل خود ہی سلجھا سکتے ہیں۔ دوسرے مداخلت کریں تو معاملہ سلجھنے کی بجائے اور الجھنے لگتا ہے۔ میرے بس میں صرف تمہاری مقدور بھر رہنمائی کرنا اور تمہارے دکھوں کو کم کرنا یا......''

ان کی باتوں نے ایک بار پھر اس کے دل کے تار ہلا دیے تھے۔ آنکھیں برسنے کو

بے تاب تھیں۔

"پھپھو! میں نہانے جا رہی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ چھوڑ کر کمرے میں چلی گئی۔

"اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے اپنے معاملات کو خود ہی سلجھانا ہے۔ میری کا ریشم دوسروں کے مسلط کردہ فیصلوں نے الجھایا ہے مگر اب میں کسی اور کو اپنی زندگی کھیلنے یا کوئی فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گی اور آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ ممی میرے کے ہر دکھ سے آگاہ ہیں جب اتنے عرصے میں انہوں نے میری خبر نہیں لی۔ میں اپنی زندگی کو بھول جانا چاہتی ہوں۔"

وہ باتھ روم کے بند دروازے سے ٹیک لگائے دل کا غبار آنسوؤں کے رستے نکالتی ر
سیاہ مقیش کے کام والے ریشمی سوٹ میں تیار ہو کر جب وہ باہر نکلی تو پھپھو اور نے دروازے پر اسے یوں رخصت کیا جیسے وہ دوسرے دن کی دلہن ہو اور پہلی بار میکے جا ہو۔ رافع شاید کسی کی گاڑی مستعار لایا تھا۔

"کدھر چلیں؟" گاڑی بیک کرتے ہوئے گلی سے نکال کر اس نے یوں پوچھا وہ دونوں اکثر ہی یوں شام کو تیار ہو کر آؤٹنگ کے لیے نکلتے ہیں۔ وہ اس کا سوال ان سن کے باہر دیکھنے لگی۔ رافع نے موڑ کاٹنے سے پہلے ایک بھرپور نگاہ اس کے قاتل سراپے بلیک کلر میں چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے اس کے خفا چہرے کو دیکھا۔

"بیا! ایک بات پوچھوں؟" وہ اب بہت ریلیکس انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔

"میرے خیال میں تم پہلے تو اتنی حسین نہیں تھیں یا تمہارے اس قاتل حسن کو جاذبیت اس سوگواری نے بخشی ہے جو چوبیس گھنٹے تمہارے چہرے پر شام غریباں کی طر براجمان رہتی ہے۔"

وہ کہتے کہتے لب دبا کر مسکراتے ہوئے سامنے دیکھنے لگا۔ اسے پتا تھا اب وہ ا کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی ہوگی۔

"ویسے تم اس ایور گرین سیڈنیس کی کوئی ایک بڑی موٹی سی وجہ بتاؤ گی۔ آئی ا ہیر" پتا نہیں کیوں اس کا جی اسے بہت ستانے کو چاہ رہا تھا۔

"میں چلتی گاڑی سے دروازہ کھول کر باہر کود سکتی ہوں۔" اس کے صبر کا پیمانہ بالآخر چھلک ہی گیا۔

"نہ، نہ پلیز تم یہ کارنامہ انجام نہ بھی دو تو میں تمہاری بہادری کو سلام کرنے کو تیار ہوں بلکہ عزم و ہمت کو جو محنت تم صبح سے رات تک اتنا کٹھور خوفناک چہرہ بنانے......" سس سوری" اب کچھ نہیں کہوں گا آئی پرامس۔" اس نے دروازے کے لاک کو چیک ہی کیا تھا کہ رافع نے فوراً معذرت کے لیے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ گاڑی ایک لمحے کو ڈگمگائی دوسرے پل اس نے اسٹیرنگ وہیل پر اپنی گرفت جمائی تو ابیہا نے لاک سے ہاتھ ہٹا لیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

"تم نے بتایا نہیں کہاں جاؤ گی؟ میرا مطلب ہے گفٹ خریدنے کے لیے۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"کہیں بھی نہیں۔" وہ غرا کر بولی تھی۔

"کہیں بھی نہیں۔" اس نے سر ہلایا "یہ کوئی نیا شاپنگ آرکیڈ ہے۔"

وہ معصومیت سے بولا تو ابیہا نے ایک پھنکارتی نگاہ اس پر ڈال کر منہ پھیر لیا۔

وہ اسے فورٹریس لے آیا تھا۔

آدھا گھنٹہ تک ایک بوتیک سے دوسری کے گلاس ڈور دھکیلنے کے سوا انہوں نے اور کچھ نہیں کیا تھا۔

وہ جس خوبصورت سوٹ، جیولری، کاسمیٹکس، سینڈل پر ہاتھ رکھتا وہ نفی میں سر ہلا کر آگے بڑھ جاتی۔

"تو تمہیں کچھ نہیں خریدنا۔" وہ تھک کر اس سے بولا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ اس بیکار کی بھاگ دوڑ سے میرے تو پیٹ میں ٹوئنٹی ٹوئنٹی کا میچ شروع ہو چکا ہے۔" وہ اسے چائنیز ریسٹورنٹ میں لے آیا۔

کتنے عرصے بعد وہ ایسے ماحول میں آئی تھی۔

خنک خواب ناک سایہ پرسکون ماحول، یہاں دبی دبی باتوں ہلکے قہقہوں پلیٹوں، چمچوں اور کانٹوں کے کھنکنے کی دلفریب آوازیں اور بیک گراؤنڈ میں چلتا خوب صورت سا میوزک۔۔ بے اختیار اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

کارنر کی ایک الگ تھلگ ٹیبل پر اسے بٹھا کر ''میں ابھی آتا ہوں'' کہہ کر باہر گیا تھا۔

وہ ادھر ادھر بیٹھے خوش باش بے فکر لوگوں کے چہرے دیکھتے ہوئے دل میں ان مواقعوں کو یاد کرنے لگی جب جب وہ ادھر آئی تھی۔

اس کی نظریں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔

اس کے بالکل قریب سے خوشبوئیں لٹاتا گزرنے والا جوڑا اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ کم از کم مرد...... وہ باقاعدہ سر گھما کر انہیں دیکھنے لگی۔

''اوہ لیہا......!'' آفتاب زبیری نے خود پر مرتکز نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کر کے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

وہ بے ساختہ تھوڑا سا اٹھی تھی۔

آفتاب زبیری نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کو الوداعی انداز میں ہوا میں ہلایا تھا۔ وہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔

آفتاب زبیری نے ساتھ چلتی عورت سے کچھ کہا تھا جواب بطور خاص گردن گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے تمکنت سے چلتی منہ پھیر کر آگے بڑھ گئی تھی اسی لمحے جب وہ دونوں گلاس ڈور دھکیلتے باہر نکلے تھے رافع اندر داخل ہوا تھا۔ اس کا دھیان اندر سے باہر نکلنے والوں کی طرف بالکل نہیں تھا۔

اس نے لیہا کے پاس آ کر ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ اس کے پاس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''بھئی یہ تمہارا گفٹ ہے۔ اب تمہیں پسند آئے یا نہ آئے۔ میں لے آیا ہوں ورنہ امی اور روشی میری جان کھا لیتیں۔ تم نے مینیو کارڈ میں سے کچھ سلیکٹ کیا؟ یار اب اور صبر نہیں کر سکتا میں۔'' وہ اپنی دھن میں بڑی بے تکلفی سے اس سے مخاطب تھا اور وہ بغور اس کی شکل دیکھ رہی تھی یا تو اس نے آفتاب زبیری کو اس خوب صورت خاتون کے ساتھ نکلتے واقعی نہیں دیکھا تھا یا سب دیکھ کر بھی وہ انجان بن رہا تھا اور نہ دیکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا وہ اس کے بالکل پاس سے تو گزرے تھے۔

''تم اپنا گفٹ دیکھو گی نہیں؟''

''آپ نے واقعی نہیں دیکھا۔'' وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں بھئی میں تو دیکھ کر لایا ہوں۔ تم بھی دیکھ لو۔'' اس نے کہتے ہوئے دور کھڑے ویٹر کو اشارہ کر کے بلایا اور جلدی جلدی آرڈر لکھوانے لگا۔

''تم کچھ اپنی پسند سے لو گی؟'' ویٹر جانے لگا تھا جب اس نے شاید یونہی پوچھ لیا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''آپ نے واقعی انہیں نہیں دیکھا؟''

وہ ٹیبل پر پڑی نمک دانی اور ساسز کی پیالیوں کی جگہ بدلتا رہا۔

''یہ عورت کون تھی؟''

''معلوم نہیں۔'' وہ اب ہال میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''معاف کیجیے گا، آپ کے والد سے بڑھ کر بہروپیا میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ زہر آلود سا ہو گیا۔

''جانتا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔ ''جس طرح ہمارا بہت سی چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا کہ ہم اپنی مرضی سے نہ اس دنیا میں آتے ہیں نہ ہی اپنی پسند کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں، نہ ہماری نسل نہ ولدیت ہم سے پوچھ کر ہماری تقدیر میں لکھی جاتی ہے۔ ان ساری چیزوں کے انتخاب کے معاملے میں اس پر کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس نے جیسے ہر سوال کا جواب بھگتا دیا تھا۔

''ہاں ہمارے بس میں یہ ہے کہ لاشعور سے شعور میں آتے ہی جو بری چیزیں زبردستی ہماری تقدیر ہم پر مسلط کرنا چاہ رہی ہے۔ ہم انہیں اپنے کردار اپنی شخصیت کا حصہ نہ بننے دیں۔ جینٹکس کی سائنس بہت کچھ کہتی ہے کہ اس طرح انسان اپنے آباؤ اجداد کی خوبیاں اور خامیاں اپناتا ہے مگر فرد واحد کا وجود بھی مسلم ہے۔ وہ کیسے اپنی انفرادیت منوانے کے لیے ساری زندگی جدوجہد کرتا ہے مگر تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی۔ تمہاری زندگی کی ترجیحات دوسری رہی ہیں جبکہ میری زندگی کا تو گول ہی یہی تھا کہ میں اس حقیقت کے قلب میں اتر کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکوں۔ اپنی شخصیت یا کردار کا حصہ نہ بننے دوں۔ تم اپنا گفٹ دیکھو گی نہیں؟''

وہ ویٹر کو کھانا لاتے دیکھ کر موضوع بدلتے ہوئے چپ ہو گیا۔

لیہا اس کی ساری بات سمجھ گئی تھی کس طرح اس نے جتا دیا تھا کہ وہ آفتاب زبیری کی منفی خصوصیات میں حصے دار نہیں۔

دونوں نے کھانا خاموشی سے کھایا۔

اسے خود پر حیرت سی ہوئی۔ شاید یہ اس اچھے ماحول کا اثر تھا یا کسی اور بات نے بہت دنوں بعد بڑی رغبت سے کھانا کھایا تھا۔ شاید اس کا دل ہمہ وقت ایسی تواضعُ رہتا تھا جس کی آج تشفی ہوئی تھی۔

وہ خامشی جو کھانے کے دوران اور اس کے بعد بھی قائم رہی۔ واپسی کے بھی دونوں نے اسے ختم کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا۔

''آپ کے والد صاحب...... کس قماش کے انسان ہیں۔ آپ کو میں اگر آپ میرا اعتبار نہیں کریں گے۔'' پتا نہیں کیسے بالکل غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے اور گاڑی کی خاموش فضا ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔

''بیا!'' رافع کی گمبیھر آواز ابھری۔ گاڑی کے اندر بالکل اندھیرا تھا صرف لائٹس دونوں کے چہروں کو اجال رہی تھی۔

''جب تمہیں لگے کہ پوری دنیا میں کوئی تمہارا اعتبار نہیں کرے گا تو یقین رکھ وہ پہلا اور آخری شخص ہوں گا جو ہر حال میں تمہارا اعتبار کرے گا۔'' وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر لہجے میں بولا تھا۔ ''اس کی وجہ ہمارے درمیان یہ کمزور سا کاغذی بندھن نہیں بلکہ......'' گاڑی کی اسپیڈ کم کر دی۔

''میں تمہیں پسند کرتا تھا۔ کب سے معلوم نہیں شاید اپنے ہوش میں جب تمہ بار دیکھا تھا تب سے۔ لیکن یہ پسندیدگی ایسی نہیں تھی کہ میں اس کے لیے مرمٹنے یا کچھ گزرنے کی حد سے گزر سکتا بس یونہی جیسے آپ کسی خوب صورت ان چھوئی، پاکیزہ پسند کرتے ہیں اور اس پسندیدگی کو خود سے بھی چھپا کر دل کے کسی تاریک کونے میں دیتے ہیں جب آپ کو معلوم ہو کہ کچھ بھی کر گزرنے کی آخری حد سے بھی گزر کر یہ چیز دسترس میں نہیں آ سکتی۔ سو میں نے ایسی کوئی خواہش کبھی کی ہی نہیں۔ تیسرے جب اور سے منسوب تھیں۔''

لیہا کے دل میں سوئی کی ہلکی سی نوک چبھی اس نے یونہی سر گھما کر اس کی طرف

''اور دیکھو، میں نے ایسا کبھی دھیان یا بے دھیانے میں بھی نہیں سوچا اور معا کیسے تقدیر نے چپکے سے تمہیں اٹھا کر میرے پہلو میں بٹھا دیا کہ ہاتھ بڑھاؤں اور تمہیں پا

وہ پھر رکا تھا۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑا سونے کا وہ چھلا اف

کیفیت میں گھما رہی تھی جو رافع نے اس کی برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا اور جسے اتارنے کا اسے کبھی خیال نہیں آیا تھا۔

''مگر پھر تمہارے بگڑے مزاج، ہر لحہ ایک ناقابل تلافی بڑے خسارے کا اندراج جو تمہارے چہرے پر رہتا اور آنکھوں سے چھلکتی بے زاری اور تضحیک۔ میں ہاتھ تو کیا بڑھاتا، نظر بھر کر تمہارے حسین چہرے اور اپنی خوابیدہ خواہش کا خراج بھی نہ اتار سکا اور نہ جانے کب دل ہی دل میں تم سے بے زار سا ہو گیا۔

تم وہ تو نہیں، جس کی میرے دل نے کبھی تمنا کی تھی۔ میرا مرجھایا ہوا دل بارہا یہ سوچتا اور پھر تمہارے رویے اور مطالبے پر میں نے علیحدگی کے بارے میں سوچنا چاہا...... اور خود کو ایسے ہی بے بس پایا جیسے میں آفتاب زبیری کے ہاں پیدا ہونے پر خود کو بے بس پاتا ہوں۔ شاید تمہارا انتہائی رویہ مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا مگر پھر روشی کا واقعہ...... تم نے جو کچھ کیا۔ اس روز مجھ پر کھلا کہ میں تو تمہاری صورت پر مرمٹا تھا مگر تم تو اندر سے اس قدر حسین ہو کہ میں تمہارے حسنِ سیرت کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا۔ علیحدگی تو دور کی بات ہے۔ وہ چند لمحے رکا۔

لیہا نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

مگر بیا! تمہاری خواہش تمہارا تقاضا، میری پسند ناپسند، مجبوری، مصلحت، ہر چیز سے بڑھ کر ہے اور تمہیں آخری فیصلے پر پہنچنے کی بہت جلدی ہے۔ شاید یہ موڑ ہم دونوں کی اس مشکل گھڑی میں کوئی رہنمائی کر سکے اگر تم چاہو تو......'' اس نے زور سے بریک لگائی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

لیہا نے بے اختیار نگاہ اٹھائی اور جھکانا بھول گئی۔

''یہ کیا مذاق ہے!'' جھٹکے سے سنبھلتے ہی وہ بے ساختہ چلائی تھی۔

☆☆☆

یہ مذاق نہیں ایبہا بی بی! یہ آپ کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے تمہار گزرے ہوئے کل کی سب سے بڑی حقیقت جس نے تمہیں آج کی اپنے اردگرد کی حقیقت سے غافل کر رکھا ہے ایم آئی رائٹ؟"

"وہ "انصاری ہاؤس" کی چمکتی دمکتی نیم پلیٹ دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

جواب میں ایبہا سے چند لمحے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکی کہ رافع اس پر طنز کر رہا تھا یا کوئی سچ بیان کر رہا تھا۔

"اس حقیقت کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں مگر مجھے یہاں لانے کا مقصد؟"

وہ اس چمکتی دمکتی نیم پلیٹ اور رگ جاں کو کاٹتی ہوئی "انصاری ہاؤس" کی روشنیوں سے نظر چرا کر خشک لہجے میں بولی۔

"ممانی جان کی طبیعت اچھی نہیں انہوں نے بہر حال ایسا کوئی خوف ناک ظلم نہ ڈھایا تم پر۔"

ایبہا کی کاٹ دار نگاہوں نے اسے پل بھر کو روکا۔ "وہ ماں ہیں تمہاری، اس گھر جیسے زندہ جیتی جاگتی حقیقت، ان کی عیادت فرض ہے تمہارا اگر تیمار داری نہ بھی کرنا چاہ دوسرے اتنے عرصے میں تم خود کو ہمارے درمیان ایڈجسٹ نہیں کر پائیں اور آخری فیصلے تک تم پہنچ ہی چکی ہو۔ اپنے تئیں اس فیصلے کو آخری بار اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لو چند د یہاں رہ کر تم بہتر انداز میں سوچنے۔"

"اوہ اب میں سمجھی۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"مجھے یہاں لانے کا آپ کا اصل مقصد کیا ہے؟" اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تھ جو رافع کو مزید بات کرنے سے روک رہا تھا۔

"کیا؟ کیا مقصد ہے میرا؟" وہ اٹک کر بولا۔

"ابھی آپ جینٹکس کے اصولوں پر روشنی ڈال رہے تھے اور ساتھ ہی فرد واحد ک

شخصیت کردار اور نہ جانے کیا کیا لیکن مسٹر رافع! آپ کسی بھول میں نہ رہیں کہ آپ باپ بیٹا ہر بار مجھے بے وقوف بنا کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ لیں گے۔ باپ نے بتا دیا ہوگا کہ جو کچھ اس کے پاس تھا۔ میں فراڈ سے اینٹھ چکا ہوں مزید کے لیے آپ مجھے "انصاری ہاؤس" دھکیل آئیں تاکہ میں بیٹے کی تنگ دستی دور کرنے کے لیے کشکول بھر لاؤں۔ جینٹکس کے اثرات۔"

"شٹ یور ماؤتھ......شٹ اپ......"

وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ ایبہا کا اگلا جملہ اور اس کی آواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔

وہ بے اختیار ہی دروازے کی طرف کھسک گئی وہ جن خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور جس بے ہنگم انداز میں اس کی سانسوں کا شور سا گاڑی میں اٹھ رہا تھا، ایبہا کو لگا کسی بھی لمحے اس کے آہنی ہاتھ آگے بڑھیں گے اور ایبہا کا گلا دبا دیں گے۔

"تم......" اس کے منہ سے غراہٹ سی نکلی اور دوسرے پل اس نے سارا غصہ، وحشت ایکسیلٹر میں منتقل کر دی وہ دونوں ہاتھ ڈیش بورڈ پر نہ رکھ لیتی تو اس کا سر شاید ڈیش بورڈ پر پڑا ہوتا۔ گاڑی اندھیری روشن سڑکوں پر یکساں طوفانی رفتار سے بگولے کی مانند گویا اڑ رہی تھی۔ کسی بھی چیز کے آگے آنے پر گاڑی کے ٹائر زوردار آواز سے چرچراتے اور اگلے لمحے گاڑی کسی کھلونے کی مانند اڑنے لگتی۔

اسے لگا اس کا آخری وقت آ گیا ہے مگر ایسی موت کی تمنا اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مرنے کی، نہ چاہتے ہوئے بھی خوف...... کے عالم میں اس کے منہ سے کلمہ نکل رہا تھا، خوف سے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو کر کپکپا رہے تھے۔ آنکھیں بند کرنے سے وحشت ہوتی اور کھلی رکھنے سے موت ونڈ سکرین توڑ کر اس سے لپٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

"خ......خدا کے لیے؟" کا ملتجی جملہ اس کے لبوں کے پیچھے ہی دم توڑ گیا۔ وہ پتھرائے ہوئے چہرے اور وحشت زدہ نظروں سے بغیر پلکیں جھپکے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو ایسے خوف ناک طیش کے عالم میں نہ دیکھا تھا۔

وہ بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ جب گاڑی کے ٹائر خوف ناک آواز کے ساتھ چرچرائے اور گاڑی زوردار جھٹکے سے رک گئی۔ اس نے زور زور سے دھڑکتے دل کی وحشت پر قابو پا کر ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔

گاڑی گھر کے دروازے کے آگے کھڑی تھی۔

اسے لگا جیسے ساری کائنات تھم گئی ہو۔ ہر طرف سکوت چھا گیا ہو اور خوف نا دھاڑ نے اس سکوت کا دامن تار تار کیا ہو، وہ ایک بھی لمحہ غنیمت ضائع کیے بغیر دروازہ کھول اتری تھی اور ابھی دروازہ بند بھی نہیں کیا تھا کہ وہ گاڑی اسی رفتار سے اڑاتا ہوا لے گیا۔ پھرتی سے ایک قدم پیچھے نہ ہوتی تو اب تک دونوں پیروں سے محروم ہو چکی ہوتی۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ رکوع کی حالت میں آدھا گر گئی تھی۔

حیران ڈری سہمی خوف زدہ سی خود پر قابو پاتی آگے بڑھی دروازہ کھلا تھا۔ وہ آ سے پٹ دھکیل کر اندر چلی آئی۔

پھپھو کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی اور برآمدے کی صحن میں اور باقی کمر میں اندھیرا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے اور روشی کے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔ روشی کمرے میں نہیں تھی۔ ملگجی روشنی میں اس کا خالی بستر دیکھ کر ایہا نے سکو سانس لیا۔ آہستہ سے سینڈل پیروں سے جھٹکے اور اپنے بستر میں لیٹ گئی۔

اس کا سر ابھی تک جیسے کسی جھولے میں جھول رہا تھا۔ پھپھو کے کمرے سے ر اور پھپھو کی باتوں کی مدھم آواز آ رہی تھی وہ چند لمحے اسی طرح پڑی رہی۔

''اگر وہ غصے میں مجھے مار ڈالتا تو کسی کو کیا پتا چلتا اور اگر چل بھی جاتا تو کون مجھے رونے والا'' بس اتنا سوچنے کی دیر تھی۔ کتنی دیر کے رکے ہوئے آنسو کسی سیلاب کی ما بہہ نکلے۔

''میری قسمت اپنے گھر کے دروازے تک جا کر لوٹ آئی۔ ممی آپ نے کیا میرے ساتھ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں ممی! میں تھک گئی ہوں۔ یہ اجڈ لوگ اور گنوار جی ساتھی ممی رافع مجھے مار دیتا۔ آپ کو پتا بھی نہیں چلنا تھا۔ وہ مجھے مار دے گا۔ ممی میں تھک ہوں۔ میرے پاس آ جائیں ممی پلیز آ جائیں ایک بار میرے پاس آ جائیں اور نہ روٹھوں گی۔ ممی! مجھے اپنی بانہوں میں لے لیں۔ مجھے اپنے سینے میں چھپا لیں۔ ممی دیکھیں آ آپ کی بیا کس حال میں ہے ممی۔ وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھے گھٹی گھٹی چیخیں دباتے ہو پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔

کمرے سے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تو یک لخت اس کی سسکیا اور آنسو تھم گئے۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں چادر اوڑھے بے حس حرکت سوتی بن گئی۔

☆☆☆

''کدھر جا رہے ہیں آپ؟'' آفتاب زبیری نک سک سے تیار ہو کر تیز خوشبوؤں میں بسے اپنے کمرے سے نکل کر باہر کا رخ کر رہے تھے کہ سعدیہ بیگم نے اچانک سامنے آتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں اس سے مطلب میں کہیں بھی جا رہا ہوں۔'' وہ اس بے جا مداخلت پر غرا کر بولے۔

''وہ شام کو روشی کی ساس آ رہی ہیں۔'' وہ فوراً خوف زدہ سی ہو کر ملتجی لہجے میں بولیں۔

''تو میں ہار پھول لے کر چوکھٹ پر کھڑا ہو جاؤں روشی کی ساس کے استقبال کے لیے۔'' وہ اسی لہجے اور انداز سے چلا کر بولے۔

''نہیں میرا مطلب تھا وہ کسی خاص مقصد......'' وہ گھبرا کر کہتے ہوئے اٹک گئیں۔

''وہ شاید رخصتی کی تاریخ لینے...... وہ بتا رہی تھیں پیپرز تیار ہو گئے ہیں۔ روشی کے تو...... شاید جلدی رخصتی......'' وہ آفتاب زبیری کے خونخوار تیوروں سے ایسی ڈریں کہ کوشش کے باوجود کوئی بھی جملہ صحیح طور سے مکمل نہ کر سکیں۔

''تو کیا کروں میں؟'' وہ تنک کر غرائے۔ ''اور بات سنو میری۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولے۔ ''تمہاری زندگی کا اور کوئی مقصد اس کے علاوہ ہے یا نہیں کہ تم میرے سکون کو برباد کرنے ملک الموت کی طرح ضرور ہی نازل ہو گی میرے رستے میں ہٹو میرے آگے سے۔''

''انہوں نے سامنے کھڑی سعدیہ بیگم کو قوت سے پرے دھکیلا کہ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی دیوار سے ٹکرا گئیں۔ ''منحوس عورت ہمیشہ میرے موڈ کو غارت کرنے کالی بلی کی طرح راستہ کاٹنے سامنے آ جائے گی بد بخت۔''

وہ اونچی آواز میں مغلظات بکتے باہر کی طرف بڑھے ''روشی کی رخصتی نہ ہو گئی کوئی آفت ہو گئی کہ میں دنیا کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑا ہو جاؤں۔''

انہوں نے باہر نکل کر دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ اس پرانے سے گھر کے در و دیوار بنیادوں تک ہل گئے۔ کچن میں پیاز چھیلتی روشی سر جھکائے روئے چلی گئی، تخت پر بیٹھی ایہا نے ایک افسردہ سی نگاہ روشی پر ڈالی اور دوسری شرمندہ، رنجیدہ سی دیوار کو تھامے سعدیہ بیگم

پر، وہ اپنی جگہ پر چوری سی بن گئی کہ کاش وہ اس منظر کا حصہ نہ ہوتی اگر پھپھو کے پاس ج
شاید ان کی شرمندگی میں اور اضافہ ہوتا اور روشی جو پہلے بھی کسی معمول کی طرح کاموں مے
رہتی تھی اب تو بالکل ہی پتھر ہو کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی بہت اس کی آواز رافع کی موجودگی مے
تھی۔ ایبہا کے سرد رویے کے بعد اس نے خود ہی اس سے مخاطب ہونا چھوڑ دیا تھا۔

وہ دونوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر چپکے سے کمرے میں چلی آئی۔

اور پھپھو کی بات درست نکلی۔ شام کو عالیہ بیگم، اپنی بھابی، بھائی اور ان کے د
بچوں کے ساتھ لدی پھندی چلی آئیں۔

”ارے لوگ تو ایڑیاں رگڑتے رہ جاتے ہیں اور کاغذات بننے میں سالوں
جاتے ہیں۔ میری بچی کیسی خوش بخت ہے کہ سالوں کا کام مہینوں کیا ہفتوں میں ہوا ہے۔
سعدیہ بھابی! اب تو آپ میری بیٹی کو میرے ساتھ رخصت کرنے کی تیاری کریں۔“

وہ پھپھو سے لپٹی پر جوش لہجے میں کھلی کھلی سی کہہ رہی تھیں۔ ان کی تیاری ان
دلی جذبات کی گواہ تھی۔

”روشی تو اس دن سے آپ کی ہے جس دن آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ا
پھپھو دھیمی آواز میں پرسکون انداز میں بولیں۔ رافع، پھپھو کی ہدایت پر آفس
گھنٹہ پہلے آ چکا تھا۔ اس بار ایبہا پھپھو کے اصرار کے بغیر ہی تیار ہو گئی تھی۔ میرون اور گو
کنٹراسٹ سوٹ میں اس کا چہرہ میک اپ اور رنگ کا ساتھ نہ دینے کے باوجود محفل میں م
ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ وہ سوگواری شکل اور رف حلیے میں پھر سے روشی کی ساس کی تنا
باتیں نہیں سننا چاہ رہی تھی۔ اور ایسا ہوا بھی نہیں کیونکہ آج عالیہ بیگم کا دھیان اس کی طرف
بھی نہیں۔

”آپ کے بھائی صاحب کا حکم ہے اس مہینے کا آخری ہفتہ یا اگلے ماہ کے
پانچ دنوں میں سے جو دن آپ کو مناسب لگے۔ وہ رکھ لیں دس بارہ دنوں میں تینوں باپ
بھی پہنچ جائیں گے۔ آفتاب بھائی کہاں ہیں؟“ اپنی رو میں تیز تیز کہتے ہوئے انہیں ایک
سے خیال آیا پھپھو گڑبڑا کر رافع کی طرف دیکھنے لگیں۔

”ان کے کسی دوست کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے جنازے میں گئے ہیں ف
ہوتے ہی آ جائیں گے۔“ رافع نے بغیر ہچکچائے اطمینان سے جواب دیا تو وہ سر ہلا کر مطمئ

ہو گئیں۔

اسی مہینے کا آخری دن یعنی تیس تاریخ مقرر کر لی گئی۔ مٹھائی اور چائے کے ساتھ خاطر مدارت کا اہتمام تھا۔ تاریخ مقرر ہوتے ہی دعا کی گئی اور باقی کی تفصیلات بھی طے کر لی گئیں۔

ایبہا کو یقین نہیں تھا کہ روشی کی رخصتی اتنی جلدی ہو جائے گی۔

روشی کی رخصتی کا مطلب اس کی رہائی تھا۔ اسے عجیب سا اطمینان اور خوشی محسوس ہوئی اور دل کے اندر دور کہیں انہونی سی بے چینی اور اضطراب ہلکورے لے رہا تھا، جیسے پر سکون پانیوں کے اندر نیچے ہی نیچے سر اٹھاتی چھوٹی چھوٹی لہریں۔

رات گئے آفتاب زبیری گھر لوٹے تھے بہت خوشگوار موڈ میں۔

مہمانوں کو گئے ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی اس لیے سب ہی جاگ رہے تھے رافع اور پھپھو سر جوڑے نہ جانے کون سے حساب کتاب میں مشغول تھے، روشی ڈرائنگ روم صاف کر رہی تھی ایبہا کچن میں پھیلاؤ سمیٹ رہی تھی۔

”کیا آج ادھر کوئی محفل شبینہ ہے یا کوئی شب بیداری کا پروگرام بڑی چہل پہل ہے۔“ آفتاب زبیری، پھپھو اور رافع کے پاس خود ہی آ کر رکے تھے رافع نے ان کے قریب آتے ہی منہ دوسری طرف کر لیا۔

”وہ ڈیٹ فکس ہو گئی ہے روشی کی رخصتی کی...... عالیہ بھابی نے بہت دیر تک آپ کا انتظار کیا۔ ابھی ابھی گئی ہیں...... یہ مٹھائی لیں۔“ انہوں نے پاس پڑا مٹھائی کا کھلا ڈبہ ان کے آگے کرتے ہوئے تفصیل بتائی۔

آفتاب زبیری نے شیرے میں لتھڑا ہوا رس گلا اٹھا کر سالم ہی منہ میں رکھ لیا، رس گلا اچھا خاصا بڑا تھا۔ ان کی آنکھیں جیسے باہر کو نکل آئیں وہ منہ میں کچھ بدبدائے بھی، سعدیہ بیگم کو قطعاً سمجھ میں نہیں آئی۔

”جی؟“ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر بولیں۔

”کون سی تاریخ رکھی ہے؟“ منہ کچھ خالی ہوا تو وہ بمشکل بولے۔

”اسی مہینے کی تیس تاریخ دراصل......“

”دو گھڑی کو انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔ کیا میں مر گیا تھا یا تمہیں یقین تھا۔ آج

میرے مرنے کی خبر ہی آئے گی سوا پنی مرضی کر ڈالی۔"

وہ ایک دم چلا کر بولے تو سعدی بیگم جیسے حواس باختہ سی ہو کر مدد کے لیے راف[illegible] طرف دیکھنے لگیں، جو ایک نفرت بھری نگاہ باپ پر ڈال کر پھر اسی رخ پر چہرہ کر کے بیٹھ گیا۔

"وہ، وہ آپ کو میں نے بتایا تھا شام کو، وہ عالیہ بھابھی نے ہی رکھی ہے اس آگے وہ......" وہ آفتاب زبیری کا طیش زدہ چہرہ دیکھ کر ایک بار پھر اپنا جملہ اور بات مکمل [illegible] سکیں بس دفاعی انداز میں انہیں دیکھنے لگیں۔

"اس قدر جاہل، گنوار، نااہل عورت تو نے میری زندگی......"

"باس......" رافع جیسے کسی اسپرنگ سے اچھل کر ان کے آگے غصیلی نگاہیں لیے کر کھڑا ہو گیا تھا۔" اس سے آگے ایک لفظ نہیں۔"

اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر انہیں واضح انداز سمجھایا۔

"یہی، یہی تربیت دی ہے اس بدبخت عورت نے تمہیں حرام خور جس باپ نے پلا کر اتنا جوان......"

"یہ جھوٹ کا مظلومیت بھرا پلندا کسی اور وقت...... اس وقت نہیں۔" وہ قطعی ا[illegible] میں ان کی آنکھوں میں دیکھ کر غرایا" آج نہیں ورنہ......"

"ورنہ......" غصے کی زیادتی نے اسے آگے کچھ کہنے سے روک دیا پھپھو رافع [illegible] بازو کھینچ رہی تھیں۔

"ورنہ کیا؟ ماں کے......" انہوں نے گالی بکی اور رافع کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا، رو[illegible] جو چند قدم پر کھڑی ان دونوں کو آنسو بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ایک دم سے ان [illegible] درمیان آن کھڑی ہوئی "بھائی نہیں" اس کی بھرائی ہوئی آواز رافع کو ہوش میں لے آئی اس [illegible] فضا میں اٹھا ہوا ہاتھ روشی کے سر پر آ کر ٹھہر گیا۔

دوسرے پل وہ مڑا اور اندر کمرے میں چلا گیا۔

"دیواروں میں سر دے کر روؤ گی سعدیہ بیگم! یاد رکھنا تم نے جس طرح اولاد [illegible] میرے خلاف کیا ہے۔ میرا دل روتا ہے اور ایک دن میں تمہیں رلاؤں گا ساری عمر روتی رہو [illegible] اور آنسو تمام نہیں ہوں گے یاد رکھنا۔" وہ ہر بار کی طرح سارا لاوا سعدیہ بیگم پر اگل کر خو[illegible] آشام نگاہوں سے انہیں گھورتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کے گل لگ کر رو پڑیں۔

"شاید یہ اس گھر کا لازمی دستور ہے خوشی ہو یا غم رونا اور جھگڑنا ضرور ہے۔"

ایہا نے دونوں ماں بیٹی کو روتے دیکھا اور کچن ادھورا چھوڑ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو لیتی ہیں دل کا غبار دھو لیتی ہیں میرے پاس تو ایسا کوئی کندھا بھی نہیں۔" کمرے میں آ کر اسے اس محرومی کے احساس نے جیسے رلا ہی دیا کہ وہ کس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنا جی ہلکا کرے۔

"رافع کا غصہ کس قدر خوف ناک ہے اور ایسا شخص دعوا کرتا ہے محبت کا، محبت بھلا ایسے ہوتی ہے اس کے یہ رویے دیکھ کر میں اس سے محبت کر سکتی ہوں؟ کبھی بھی نہیں ہر بار ایک ہی طرح کا ردِعمل آدمی کو کچھ تو خود پر کنٹرول ہونا چاہیے۔ کوئی آؤٹ سائیڈر یہاں پر ہوتا تو مانتا رافع صاحب اتنے ایجوکیٹڈ ہیں اور مینرز۔"

میں بھلا اس کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہوں وہ جیسے مرضی ری ایکٹ کرے، مجھے کون سا اس کے ساتھ رہنا ہے یہ ان کے گھریلو مسائل ہیں مجھے خواہ مخواہ ان پر دماغ کھپا کر خود کو ہلکان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا حد ہو گئی مجھے تو اب یہاں سے جانے کے بارے میں سوچنا چاہیے محض ستائیس اٹھائیس دن ہیں میرے پاس مجھے کیا کچھ کرنا ہے۔ ان ہی دنوں میں سوچنا اور تیار ہونا ہے صرف گنتی کے ستائیس اٹھائیس دن اور یہاں سے رہائی۔ اسیری کے دن تمام۔" وہ سوچتے ہوئے گویا اپنے آپ کو خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی، خوش فہمی محسوس ہو رہی تھی مگر ایک نادیدہ سے دکھ کی چبھن بھی ہمراہ تھی، جو صرف خوشی کے اس احساس کے ساتھ ہی بیدار ہوتی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

☆☆☆

گھر میں ایک مصروفیت سی جاگ اٹھی تھی۔

اگرچہ روشی کے سسرالیوں نے ہر قسم کے جہیز سے سختی سے منع کیا تھا مگر پھپھو پھر بھی فکر مند تھیں۔

"انہوں نے تو ہر چیز سے منع کر دیا ہے مگر کوئی یوں تو بیٹی کو خالی ہاتھ نہیں رخصت کرتا، سامان نہ سہی کپڑے اور زیور تو ہو گا ہی۔ فرنیچر کے لیے نقد دے دیں گے کیوں بیا!" وہ

صلاح مشورہ سب رافع سے کر چکی تھیں رسماً لیہا کی رائے لے رہی تھیں۔

"جی!" وہ گرم شالوں کی تہیں درست کر کے انہیں پیک کر رہی تھیں۔

"تھوڑے بہت زیور اور فرنیچر کے پیسے، کراکری اور مشینری کے لیے تو انہ سختی سے منع کر دیا ہے۔ بس شام کو تم تیار ہو جانا۔ جیولر کی طرف چلنا ہے وہ بھی زیور تیا میں کچھ وقت لے گا۔ دن ہیں ہی کتنے آج رافع ہال بک کرا آئے گا۔ ان دنوں تو شا رش بھی بہت ہے اور......"

"امی! فون......" روشی سیٹ ان کے پاس ہی اٹھا کر لائی ریسیور ان کی بڑھاتے ہوئے بولی۔

"کس کا ہے؟"

"عارفہ ممانی کا۔" روشی آہستہ آواز میں بولی۔

لیہا نے جلدی سے تیز گرم استری شال سے اٹھائی۔

"اچھا دو انہیں بھی بتا دوں۔" وہ جیسے خوش ہو گئیں۔

رسمی سلام دعا کے بعد دوسری طرف نہ جانے کون سی تفصیل تھی جو پھپھو محض ہوں کے وقفوں کے ساتھ پوری توجہ سے سن رہی تھیں۔ ان کی توجہ لیہا کا دھیان تھیں۔

وہ استری کی ہوئی شالوں کو بار بار استری کر رہی تھی۔

"کیا...... مگر کیوں؟...... میرے خدا۔؟" ہوں کے بعد کے یہ خوف استفہامیہ انداز لیہا نے استری کا پلگ نکال دیا، اس سے اب کچھ بھی نہیں ہو پا رہا تھا۔

پھر ایک لمبی خاموشی۔

اسے پتا نہیں چلا۔ کب پھپھو نے الوداعی جملے کہے اور فون بند کر دیا یا شاید نہیں ورنہ اسے سنائی دیتے۔

وہ فون رکھ کر کسی سوچ میں گم ہو گئیں۔

اسے عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔ اسے امید تھی۔ پھپھو اسے بات کرنے کے کہیں گی، مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

"ممی کیا کہہ رہی تھیں ممانی؟" روشی ہمیشہ کی طرح اس کے لیے غیبی مددگار بن

آئی۔

"کچھ نہیں، دوپہر میں کیا بنا رہی ہو، بیا سے پوچھ لینا تھا۔"

"بیا سے۔" روشی کی حیرانی اسے شرمسار کر گئی۔ بہت دن ہو گئے تھے۔ وہ تو اب روشی سے بات بھی نہیں کرتی تھی۔ ڈیٹ فکس ہونے پر اس نے جھوٹے منہ اسے مبارک باد بھی نہیں دی تھی۔ سچ کہا ہے کسی نے انسان صرف اپنی غرض کا دیوانہ ہے۔ اپنے احساسات سے بڑھ کر وہ کسی کے احساس کی پروا نہیں کرتا۔

"میں آلو قیمہ پکا رہی ہوں۔ فون لے جاؤں۔"

"لے جاؤ میں بھی نماز پڑھ لوں۔" پھپھو اٹھ کر جانے لگیں تو لیہا کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہے۔

"بات سنگین تھی جو پھپھو کرنا نہیں چاہ رہی تھی یا کچھ اور......"

یہ کچھ اور اس نے اس کا دل سہما دیا تھا۔

روشی فون سیٹ لے کر باہر چلی گئی۔ پھپھو باہر جا رہی تھیں وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

وہ پھپھو کو آواز دے کر پوچھنا چاہ رہی تھی مگر پوچھ نہ سکی۔

وہ دن بھر اسی کشمکش میں رہی۔ پھپھو سے پوچھے کہ نہ پوچھے۔

پوچھنے میں انا آڑے آ رہی تھی اور نہ پوچھنے پر دل کو جیسے پنکھ لگ رہے تھے۔ بے چینی ایسی تھی کہ اک پل چین نہیں آ رہا تھا، اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔

نہ لیٹ کر قرار تھا نہ ٹہل کر چین۔

شام کو رافع گاڑی لے کر آ گیا۔

"چلو بیا! روشی کا زیور دینے جیولر کی طرف جانا ہے کپڑے تمہارے ٹھیک ہیں بس ہلکا سا میک اپ کر لو۔" وہ جو فوراً انکار کرنے جا رہی تھی پھپھو نے اسے مہلت ہی نہ دی ہاتھ پکڑ کر اسے ڈریسنگ کے آگے کیا۔

"پلیز پھپھو! آپ چلی جائیں۔ مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔" وہ کوشش کے باوجود اپنا لہجہ روکھا نہ کر سکی۔

"تم روشی کی اکلوتی بھابھی ہو اور وہ تمہاری اکلوتی نند...... کزن کے رشتے کو چھوڑو مگر بھابھی ہونے کے ناتے تو تمہیں ضرور جانا چاہیے اور یوں بھی گھر رہ کر تم نے کمرے میں بیٹھ کر

فضول سوچیں ہی سوچتی ہیں۔ بہتر ہے اس کمرے سے باہر نکلو، خواہ دل مانے یا نہ مانے:

انہوں نے اس کے ساتھ زبردستی والا حال کیا اس نے لپ اسٹک ہی لگا اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئیں پھپھو رافع کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھیں وہ اور روشی راستہ بھر دونوں ماں بیٹے کیا باتیں کرتے رہے اس کی توجہ بھٹکی بھٹکی سی تھی۔

"بیا! کیا بات ہے۔ اتنی چپ چپ کیوں رہنے لگی ہو؟" اس کی مسلسل خا بے توجہی پر روشی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ ہلا کر پوچھا بیک مرر میں اس کی نظریں رافع سے ٹکرائی تھیں وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اک ساعت کی بات تھی، دو نظریں چرا گئے۔

"نہیں میں کیوں چپ رہنے لگی۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولی۔

"مجھ سے ناراض ہو! کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے۔" اس کے بھولپن پر اپنے جل کر رہ گیا۔

روشی کے شفاف چہرے پر بڑی بے ریا سی مسکراہٹ تھی۔

"آفتاب زبیری جیسے شخص کی بیٹی ہو کر ایسی مسکراہٹ مسکرانا۔ روشی تو مجھ زیادہ بہادر ہے اور مجھ سے زیادہ قابل رحم۔"

"نہیں میں تم سے ناراض نہیں روشی! بالکل بھی۔" پتا نہیں کیسے اس چہرے پر مسکان سجا کر کہا کہ روشی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرہ کھل سا گیا۔

"ناراض نہیں ہو تو مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں۔ پہلے کی طرح۔" ا مسکراہٹ نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے۔ پہلے بھی تم ہی بات کیا کرتی تھیں اور میں جواب د تھیں۔" اس نے بوجھل دماغ کی ہر سوچ کو جھٹک کر مطمئن لہجے میں کہا۔

"تو گویا قصور میرا ہے۔"

وہ جواب دینا چاہتی تھی کہ گاڑی جیولر کی دوکان کے آگے رک گئی۔ پھپھو او نے اس کے مشورے سے زیور کے ڈیزائن منتخب کیے تھے۔

رافع ایک طرف بیٹھا شوکیس کے اندر لگے چمکتے دمکتے زیورات کو دیکھتا رہا کر باہر چلا گیا۔

"بیا! تم اپنے لیے کچھ دیکھ لو۔" پھپھو نے رسماً اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

جیولر سے فارغ ہو کر پھپھو بازار جانا چاہ رہی تھیں۔

"امی مجھے گاڑی واپس کرنی ہے۔ آپ کل آجائیے گا۔" رافع نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے گھر ہی چلو۔" پھپھو کے کہنے پر رافع انہیں گھر کے باہر ہی ڈراپ کر گیا۔

گھر آتے ہی اسے پھر سے اسی بے چینی نے گھیر لیا۔

"آخر پھپھو خود سے کیوں نہیں بتا دیتیں۔" وہ جھلا کر پھپھو کے کمرے میں آگئی۔

وہ مغرب کی نماز کے بعد کوئی وظیفہ کر رہی تھیں وہ وہیں ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے بیا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔"

وظیفے سے فارغ ہو کر انہوں نے اسے یوں بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں پھپھو!" وہ ہولے سے بولی۔

"کوئی پریشانی ہے تمہیں؟" وہ جائے نماز کا کونا موڑ کر اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئیں۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کچھ کہنا ہے مجھ سے؟" وہ اس کی خاموشی پر چند لمحوں بعد بولیں اس نے گہرا سانس لے کر انہیں دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں سمجھ گئی۔" وہ تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر بولی۔

"دیکھا اس کو کہتے ہیں دلوں کے رابطے تمہیں کچھ معلوم نہیں مگر تمہارا دل بے چین ہے۔ ہے نا؟" اس نے محض پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"کوئی اچھی خوشی کی خبر ہوتی میں خود تمہارے پوچھے بغیر بتا دیتی۔" ان کے کہنے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اسے خود بھی اپنی آواز سنائی نہ دی۔

"مرد کے بغیر عورت کی کوئی زندگی نہیں۔ وہ لاکھ بہادر بنے مگر ہمارا معاشرہ اس کی ساری بہادری کو چٹکیوں میں اڑا دیتا ہے۔ مرد کا سائبان سر پر نہ ہو تو عورت کی زندگی جلتے صحرا میں گزرتی ہے جیسے تمہاری ماں...... بہت بہادر ہے تمہاری ماں مگر ہمارا معاشرہ اور تقدیر......"

"پھپھو پلیز......" وہ ان کی باتوں سے ہراساں ہوگئی تھی۔

''تمہارا فیصلہ انہوں نے بادل نخواستہ ہی کیا تھا۔ ایک طرح سے اپنی اور دونو
بچوں کی آئندہ زندگی محفوظ بنانے کے لیے ورنہ کون ماں چاہے گی کہ اپنی سب سے لاڈلی
کو اس کی مرضی اور خوشی کے خلاف ہمیشہ کے لیے خود سے جدا کر دے۔ صبر کا بڑا بھاری
انہوں نے دل پر رکھا تھا مگر......''

''پھپھو پلیز کیا ہے۔ کچھ بتائیں بھی۔'' وہ اور ضبط نہ کر سکی۔

''تمہیں بتایا تھا نا میں نے، ربیعہ نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی ہے۔''

اس نے سر ہلایا۔

''اچھا بھلا رشتہ تھا۔ خواہ مخواہ بیٹی کی ضد اور حماقت میں آ کر سب کچھ ختم کر ڈا
بھائی صاحب نے اور اب جب بیٹی اجڑ کر گھر میں بیٹھ گئی تو انہیں احساس ہوا کہ ان سے کت
بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے اس کی تلافی کے لیے۔'' انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''عارفہ بھابھی کچھ اپنی صحت کی خرابی کے باعث کچھ گھر کے بدلتے کشیدہ ماحو
سے پریشان ہو کر بھائی صاحب کے پاس گئیں کہ وہ چھوٹے بھائی سے کہیں کہ وہ جلد سے جل
ضویا اور ولید کی شادی طے کر دیں کہ ان کا کچھ بوجھ ہلکا ہو۔ عارفہ بھابھی کی بات سن کر اس
وقت تو بھائی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا اور بعد میں۔'' وہ پھر رک گئی۔

''بعد میں۔'' وہ بے چین ہو کر بولی۔

''انہوں نے چھوٹے بھائی سے ولید کی شادی کی بات تو کی مگر ضویا کے لیے نہیں
بلکہ اپنی بیٹی ربیعہ کے لیے کہ اس طرح ایک تو ولید نے جو اپنا آفس علیحدہ سے سیٹ کر لیا ہے۔
ایک بار پھر اس کے ساتھ کام پر راضی ہو جائے اور اس نے جو شیئر علیحدہ کرنے کا کہہ رکھ
ہے۔ وہ مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اور ربیعہ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ضویا کے لیے تو ان کے
بقول اور بہت سے رشتے آ جائیں گے جبکہ۔''

''کیا انہیں مجھے جیتے جی مار کر سکون نہیں ملا جو اب ضویا کو تباہ کرنے پر تل گئے
ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''یہی تو بات ہے حق مارنے والے کو کب احساس ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔'' وہ
افسردگی سے بولیں۔

''چاچو اور ولید مان گئے؟'' وہ تیزی سے بولی، ضویا کے لیے ولید کی پسندیدگی کوئی

ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ نہ یہ دو چار ماہ یا سال کی بات تھی ان دونوں کی بات تو ابیہا اور زریاب
کی منگنی سے بھی پہلے طے ہوئی تھی۔

''تمہارے چاچو تو شاید مان جاتے مگر ولید نے انکار کر دیا۔'' ان کی بات پر اسے
اطمینان سا ہوا مگر یہ لمحہ بھر کا تھا۔

''اور تمہارے تایا، انہیں اپنی ہر جا و بے جا منوانے کی عادت ہو چکی ہے۔ ان کے
ہاتھ میں ترپ کا پتا تو تھا سو انہوں نے استعمال کر ڈالا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھی نہیں۔

''انہوں نے گھٹیا پن کی، سمجھو انتہا ہی کر دی۔''

انہوں نے افسوس سے سر ہلایا انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ولید ربیعہ سے شادی کے
لیے راضی نہیں ہوگا تو زریاب فریال کو واپس بھجوا کر ہمیشہ کے لیے گھر بٹھا دے گا۔ اب بتاؤ۔
وہاں تمہارے چاچو یا ولید کیا کریں گے کہ بسی بسائی بیٹی گھر آ بیٹھے۔''

ان کی بات پر وہ جیسے سکتے میں آ گئی کیا تایا جی اتنا بھی گر سکتے ہیں اس کے ذہن
نے سب سے پہلی بات یہی سوچی۔

''گرا ہوا انسان اور کتنا گر سکتا ہے؟'' اس کا جی چاہا پھپھو سے پوچھے۔

''پھر؟'' اس کے لب پھڑپھڑائے۔

''پھر کیا انہوں نے دونوں باپ بیٹے کو سوچنے کے لیے پندرہ دن دیے ہیں ورنہ وہ
اپنے کہے پر عمل کر ڈالیں گے، عارفہ بھابھی کی حالت کا تم اندازہ کر سکتی ہو جبکہ وہ ابھی بھی بیمار
ہیں۔ ڈاکٹرز نے انہیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھنے کا کہا ہے اور یہ ٹینشن وہ بے چاری پہلے
کون سی سکھی تھیں کہ اب یہ تختی اللہ رحم کرے ان پر اور بھائی صاحب کو اللہ ہدایت دے کہ وہ
حق شناس بنیں، رشتوں اور حقوق کی ایسی چھین جھپٹ تو کوئی ظالم سے ظالم انسان بھی نہیں
کرتا۔ وہ تو پھر ہم سب کے بڑے ہیں اور وہ کیسے بڑے پن مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس لیے تو
کہہ رہی تھی ماں کو فون کر لو۔ اس سے مل آؤ۔ اس کے دکھی دل کو کچھ تو سکون ملے دو سراہٹ کا
احساس ہی غم کی شدت کو کم کر دیتا ہے اور......''

پھپھو کی نصیحتوں کا رخ اب اس کی طرف ہو چکا تھا۔ اس نے خالی نظروں سے
انہیں دیکھا اور ان کی بات پوری ہونے کا انتظار کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔

روشی نے صحن کی لائٹ نہیں جلائی تھی۔ برآمدے کی روشنی صحن کو اجالنے میں تھی۔ کالی رات کی چادر چاروں جانب پھیل چکی تھی۔ اور اس کی وحشت جیسے اس کے د اتر رہی تھی۔

''میرے بعد ضویا بھی......'' اس کا حد سے زیادہ رنجیدہ دل بس ایک ف دہرائے جا رہا تھا۔ صحن کی تاریکی جیسے اس کے دل میں پنجے گاڑ رہی تھی۔

☆☆☆

پھر اس نے کئی بار گھر فون کر کے ضویا کی آواز سننے کی کوشش کی۔

ہر بار کوئی ملازمہ فون اٹھاتی۔ ایک بار حارث نے اور ایک بار ممی نے فون ممی کی آواز اتنی کمزور محسوس ہوئی کہ پہلی بار سننے پر وہ پہچان ہی نہ سکی انہوں نے تین با آواز میں ہیلو، کہنے کے بعد جواب نہ ملنے پر فون رکھ دیا۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دیا ہو۔

''ممی کی اتنی بڑی زیادتی کے بعد بھی علی الاعلان ان سے لاتعلقی کا اعلان کے بعد بھی میرا دل ان کی ایک بار آواز سننے پر کیسے بے قرار ہوا جا رہا تھا۔ اسی کمزوری سے تو میں نے ''انصاری ہاؤس'' کے کسی فرد سے کوئی تعلق نہیں رکھا ورنہ میں ادھر نہ رہ پا اور ادھر ان سے لاتعلق کے باوجود میں کیسے رہ رہی ہوں نہ سہاگن نہ بیراگن نہ بسی اجڑی ہوئی۔''

ایک بار پھر ان وحشت زدہ سوچوں نے اسے گھیر لیا تھا وہ دونوں ہاتھوں تھام کر بیٹھ گئی۔

وہ کیوں ضویا سے بات کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی مگر وہ آواز سننا چاہ رہی تھی جس میں وہ ایک بار بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

تیسرے دن اس نے ولید کے موبائل پر فون کر ڈالا۔

''ہیلو رافع!'' وہ فوراً بولا وہ جواباً لب کاٹتی رہی خاموشی پر وہ کچھ مشکوک ہوا۔

''پھپھو! آپ ہیں؟'' وہ ذرا ٹھہر کر بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے زندگی میں ایسا دن بھی آنا تھا جب وہ چاہتے ہوئے بھی ولید سے بات نہیں کر سکتی تھی، سارے گھر میں اس کا بہترین دوست غمگسار تھا اور آج اس کے اور ولید کے بیچ صد

فاصلہ تھا۔

''روشی!'' اس نے آخری اندازے کے طور پر کہا۔

''اوہ تو تم ہو بیا! کیوں خود کو اور ہمیں اذیت دے رہی ہو ایک بار بول کر چیخ چلا کر دل کی بھڑاس نکال کیوں نہیں لیتیں۔ اس طرح کب تک خود پر بند باندھ کر ظلم کرتی رہو گی پلیز بیا! کچھ بولو تو نفرت کا ہی اظہار کرو مگر بخدا ہماری چاہتوں پر ہماری محبتوں پر شک نہ کرو۔ کچھ کہہ ڈالو۔ تم کبھی اتنی کٹھور اتنی ظالم نہیں رہیں۔ یہ تمہاری فطرت نہیں تم تو بہت نرم طبیعت کی ہو کیوں اپنے پیارے سے چہرے پر یہ پتھریلا چہرہ سجا رکھا ہے پھینک دو نوچ کر اس ماسک کو، جس نے ہماری اچھی بیا کو اجنبی بنا ڈالا ہے پلیز بیا! میں ولید ہوں تمہارا دوست غم خوار جس سے تم ہر بات ہر دکھ شیئر کر لیا کرتی تھی، پھر اب کیوں بے یقین ہو رہی ہو۔ میری محبت سے یقین اٹھ گیا ہے بیا! میں وہی ہوں یقین کرو......''

ولید کہے جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو کسی لاوے کی طرح ابل رہے تھے۔

''مجھے اب کسی محبت کی یقین دہانی کی ضرورت نہیں۔ تم بس اس محبت کو بایقین رکھنا جس کا تم نے کبھی اظہار بھی یوں نہیں کیا مگر کسی کو پابند ضرور کر رکھا تھا اگر تمہیں یاد ہے تو۔''

وہ پھٹی پھٹی آواز میں اٹک اٹک کر بولی اور کریڈل پر ہاتھ رکھ دیا، ولید کا جواب سنے بغیر۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔

''بیا! بیا......!'' پھپھو اسے پکارتے ہوئے ادھر ہی آ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔ اس وقت وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ ولید کی آواز اور باتوں نے اس کے زخموں کے جیسے ٹانکے ادھیڑ ڈالے تھے اسے بھولا تو کچھ بھی نہیں تھا مگر آج نئے سرے سے ولید نے اسے ایک بھولی ہوئی بات یاد کرائی تھی۔ ''ہماری اچھی بیا نرم طبیعت کی مالک اچھی بامروت بیا......'' وہ ایسی ہی تھی پھر تقدیر نے اس کے ساتھ ایسی سختی کیوں برتی کہ اسے اپنے پیارے چہرے پر پتھریلا چہرہ سجانا پڑا۔

''مجھے ولید کا جواب ضرور سننا چاہیے تھا اور پتا نہیں وہ میرا اشارہ سمجھا کہ نہیں۔ کیا پتا اس کے پاس مجبوری کی کوئی کہانی ہو آخر اپنی بہن کے بسے بسائے گھر کو وہ اپنی محبت کی خاطر تو نہیں اجاڑ سکتا۔ جب زریاب جیسے ویل سیٹلڈ شخص نے اس کی بہن کو محبت سے شریک سفر بنایا ہو۔ وہ محض ضویا کی خاطر کبھی یہ قدم نہیں اٹھائے گا بلکہ اٹھانا بھی چاہے گا تو چاچو اور

چاچی اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔"

"ممی! آپ کی تو دونوں بیٹیاں ہی بدنصیب نکلیں۔ محبت کے معاملے میں بھی ا
نصیب کے معاملے میں بھی۔ ممی کاش آپ بھی پھپھو جیسی ماں ہوتیں جو اس وقت تک اپ
رب کی چوکھٹ نہیں چھوڑتیں جب تک اپنی بیٹیوں کے نصیب سنور جانے کی یقین دہانی نہ کر
لیتیں۔ ممی! آپ نے تو ضوبیا کے روشن اور خوب صورت مستقبل کی خاطر مجھے بھینٹ چڑھا د
تھا۔ میری قربانی بھی کام نہ آئی تو میرا لہو بھی پانی لگا، نہ یہ قربانی آپ کے کسی کام آئی
میرے۔ اس چوہوں جیسے بل میں، میں نے یہ تقریباً سال گزار لیا پچیس دنوں بعد یہ بھی نہیں
رہے گا میں کہاں جاؤں گی۔ آپ کو تو ضوبیا کے دکھ نے نچوڑ لیا ہوگا۔ میرے غموں کا تو آپ
علم ہی نہیں۔ اچھا ہے ممی، آپ بے خبر ہی رہیں۔ مجھ سے میرے ہر غم سے......"

وہ زور زور سے پانی کے چھینٹے جلتے چہرے پر مار رہی تھی۔ باہر پھپھو اسے پکار رہی تھیں۔

☆☆☆

پھر باقی کے دنوں کا جیسے پتا ہی نہیں چلا۔

روشی تو زیادہ تر گھر کے کاموں میں لگی رہتی۔ بازار آنے جانے کے لیے پھپھو اسے ہی اپنے ساتھ لے جاتی رہیں۔ اس مصروفیت میں اسے اپنا ضوبیا کا خیال بھولے بھٹکے ہی آتا تھا جسے وہ سر جھٹک کر الگ کر دیتی۔

"امی! دیکھا جب اللہ سننے پر آتا ہے تو یوں چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے۔ بالآخر آپ کے دل سے نکلیں ساری دعائیں رنگ لے آئیں۔"

دو دن بعد روشی کو مایوں بیٹھنا تھا جب شام کو رافع مٹھائی کے ڈبے کے ساتھ ہنستا بولتا آ کر سعدیہ بیگم کو بانہوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"وہ بڑا بے نیاز ہے اور ہر چیز کا خوشی کا غم کا۔ اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہماری عمروں کی طرح ہر خوشی، ہر دکھ کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ آنے کی بھی اور جانے کی بھی۔ یہ تو ہم بندے ہیں جو بے صبرے پن سے واویلا کرنے لگتے ہیں۔ ورنہ تو اس نے سب کی زندگی میں سب رنگ لکھ رکھے ہیں۔"

پھپھو اپنے مخصوص متانت بھرے لہجے میں بولیں۔

"امی! مجھے کمپنی کی طرف سے گھر بھی مل رہا ہے۔ فرنشڈ بنگلہ اور گاڑی بھی اگلے

مہینے تک، دیا نا اللہ نے چھپڑ پھاڑ کر۔" وہ ایک بار پھر ماں سے لپٹ کر بولا۔

"اس کا شکر صد شکر۔ اس نے اب تک بھی بہت سوں سے اچھے حال میں رکھا تھا اور اس کا خاص کرم کہ ہمارے گناہوں اور کوتاہیوں کے باوجود اس نے اپنی نظر ہم پر رکھی۔ اس کا لاکھ لاکھ شکر بس اس نعمت، اس دولت سے ہمیں دور رکھے جو ہمارے ایمان میں خلل ڈالے جو اس کے خیال سے ہمیں بھٹکا دے۔ دعا کرنی چاہیے بیٹا آدمی جس بھی حال میں ہو تنگی میں یا تونگری میں بس اس کو نہ بھولے جو انسان کی سب حالتوں پر قادر ہے جو قادر مطلق ہے میں شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔"

پھپھو ایک بار پھر بے خودی کیفیت میں نظر آنے لگی تھیں۔ ایہا کو ایسے لگتا جیسے ان کے وجود کا ایک ایک عضو ورد کر رہا ہے۔ سر ہلاتے آنکھیں موندے تسبیح کر رہا ہے۔ عجب مراقبے کی سی کیفیت ان پر طاری ہوتی نظر آتی۔

"امی! ایک بات ہے۔" وہ اٹھ چکی تھیں۔ رافع ان کے ساتھ کھڑا ہوا ان کے تھام کر بولا۔ انہوں نے لبوں سے کچھ نہ پوچھا بس نظروں سے سوال کیا۔

"مجھے چھ ماہ کے کورس پر شاید کوریا جانا پڑے یا شاید نہ جانا پڑے، ابھی کنفرم نہیں۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔ وہ یقیناً بہتر کرے گا۔" وہ اسی انداز میں جواب دے کر باہر چلی گئیں۔ ایہا لاتعلقی سے روشی کے کپڑے اس کے جہیز کے سوٹ کیس میں تہہ در تہہ رکھ رہی تھی کپڑوں کا سب کام آج مکمل ہو گیا تھا۔

"چائے ملے گی؟" چند لمحے اس کی مصروفیت کو دیکھنے کے بعد رافع نے پوچھا۔

"روشی کچن میں ہے۔" اس نے رافع کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا وہ لب بھینچے اس کے لاتعلق انداز کو دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

"یہ رافع کدھر ہے؟" وہ اپنا کام مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی جب پھپھو نے اندر آ کر پوچھا انہوں نے دوپٹا سر اور سینے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ ان کے سرخ و سفید چہرے سے جیسے نور کی لپٹیں نکل رہی تھیں ایہا سے ان کی طرف نظر بھر کر دیکھا نہ گیا۔

"جی امی!" وہ ایہا کے جواب دینے سے پہلے اندر چلا آیا۔

"بیٹا! کارڈ سب تقسیم ہو گئے نا؟"

"جی امی! سب ہو گئے۔"

"اور اپنے ماموں کی طرف دے آئے تھے۔" وہ چند لمحوں بعد بولیں۔ لیہا نے تینوں سوٹ کیس کمرے کے کونے میں دھکیلے۔

"تینوں کارڈ میں ولید کے آفس جا کر دے آیا تھا۔" وہ ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"گھر چلے جاتے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

"نہیں امی! ویسے میں نے ولید کو تاکید کر دی تھی، وہ آئے گا۔"

"اور باقی؟" ان کے پوچھنے پر اس نے لاعلمی کے سے انداز میں کندھے اچکا دیے۔

"ولید سے پوچھا تم نے اس معاملے کے بارے میں؟" لیہا روشی کے جوتوں کے ڈبے الماری سے نکال کر سوٹ کیس کے پاس اوپر تلے رکھنے لگی۔

"کس بارے میں؟" اس کی نظریں لیہا کی مصروفیت کو فوکس کیے ہوئے تھیں۔

"ربیعہ اور ولید والا معاملہ جو تمہارے بڑے ماموں مصر تھے ابھی کچھ فائنل نہیں ہوا۔" "اصل میں ولید بالکل بھی ایسا نہیں چاہتا۔ مگر امی کا اس پر بہت پریشر ہے اس کے والدین کی طرف سے بھی اور بہن بہنوئی کی طرف سے بھی منجھلے ماموں نے تو اسے عاق کرنے کی دھمکی دے دی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا اسے اس دھمکی کا کوئی خوف نہیں مگر ماں کی ناراضی سے پریشان تھا۔ منجھلی ممانی نے ہفتہ بھر سے اس سے بول چال بند کر رکھی ہے۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے صرف دو دن ہیں۔ وہ بہت پریشان تھا۔ بہت زیادہ میرے خیال میں اس کے پاس اپنے پیرنٹس کی بات مان لینے کے سوا اور کوئی آپشن نہیں، فریال کی وجہ سے وہ بہت مجبور ہوا ہے۔"

لیہا نے ہاتھ میں پکڑا ڈبا زمین پر پھینکا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

دونوں نے اسے جاتے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

"لیہا! آ جاؤ چائے بن گئی ہے۔" وہ کمرے کی طرف جا رہی تھی جب روشی نے اسے پکارا۔ وہ ان سنی کر کے اندر چلی گئی۔ دل غم کے احساس سے جیسے پھٹا جا رہا تھا۔

"کیا ہماری زندگی کھیل ہیں جن سے یہ کھیل رہے ہیں۔ سب کی اپنی اپنی مجبوریاں ہیں اپنی اپنی بیڑیاں اور ہم کھلونے جب تک دل چاہا کھیلے۔ دل بھر گیا تو توڑ دیا اور کسی کو ملال تک نہیں۔" وہ رو رہی تھی بہت دنوں بعد وہ اپنے آنسو نہیں ممی اور ضویا کے آنسو

رہی تھی۔ ان کے دکھ پر اداس تھی۔ ڈیڈی کو یاد کر کے اپنی یتیمی اور بے بسی کو رو رہی تھی۔

روشی چائے لے کر کمرے میں آئی تو وہ اسی طرح روتی رہی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

آج روشی کی بارات تھی۔

رات کو مہندی کا فنکشن گھر میں ہی تھا اور خاصی سادگی سے روشی کے سسرال والے مہندی تو لے کر آئے تھے مگر گنتی کے لوگ تھے زیادہ ہلا گلا انہیں بھی ناپسند تھا۔

روشی کو مہندی لگائی تھی۔ کولڈ ڈرنکس اور مٹھائی سے ان کی تواضع کی گئی تھی۔

ان کے جانے کے بعد محلے سے آئے لوگ بھی آہستہ آہستہ جانے لگے تقریباً سب ہی جا چکے تھے جب پھپھو اور آفتاب زبیری کا اندر کمرے میں جھگڑا ہو گیا۔

"تم لوگوں نے مجھ سے ساری زندگی چھپایا فاقوں کے رونے روئے اور اندرون خانہ مال بناتے رہے۔ مجھے ابھی اور اسی وقت پچیس ہزار روپے کی اشد ضرورت ہے ورنہ آج میں ہر حد سے گزر جاؤں گا۔"

وہ پاگلوں کی طرح چلا رہے تھے شاید انہوں نے بھی موقع دیکھ کر ہنگامہ کرنے کا سوچا تھا۔

"آپ نے جس حد سے گزرنا ہے۔ آج گزر جائیں۔" رافع مطمئن لہجے میں بولا۔

"سوچ لو کل ساری دنیا کے سامنے سر پکڑ کر روؤ گے تم سارے۔" ان کے لہجے میں واضح دھمکی تھی۔

"ہماری تو عمر گزر گئی ہے۔ سر پکڑ کر روتے یہ کون سی نئی بات ہو گی۔"

"میں تمہارے منہ نہیں لگ رہا۔ تم سن رہی ہو کہ نہیں۔"

وہ جانتے تھے رافع سے منہ ماری کا کوئی فائدہ نہیں سو سعدیہ بیگم کی طرف مڑے۔

"قسم لے لیں۔ اللہ پاک کی اگر ایک دھیلا......" سعدیہ بیگم نے گڑگڑانے والے انداز میں کہنا چاہا مگر آفتاب زبیری کے اٹھے ہاتھ نے انہیں جملہ پورا نہیں کرنے دیا، ان کا آہنی ہاتھ سعدیہ بیگم کے جبڑے پر پڑا تھا اور نچلا لب خون میں رنگ گیا رافع بجلی کی طرح لپکا تھا اور سعدیہ بیگم نے خون آلود لب منہ کے اندر کرتے ہوئے رافع کو باہر کی طرف دھکیلا۔

"تم جاؤ یہاں سے مجھے بات کرنے دو ان سے۔" وہ کڑک کر بولی تھیں میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے۔" ان کے لہجے میں کیا تھا کہ رافع نے ایک تاسف بھ ماں کے چہرے پر ڈالی اور بیرونی دروازے سے باہر نکل گیا۔

"تو تم مجھے نہیں دو گی پچیس ہزار روپے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولے۔

"اگر میرے پاس ہوتے تو کبھی انکار نہ کرتی۔" ان کا مہندی رنگ کا دوپٹہ ہونٹ پر رکھے سرخ ہو گیا تھا۔

"اس جھوٹ کے نتیجے سے شاید تم باخبر نہیں۔" وہ سرد لہجے میں پھنکارے۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یقین کریں سب کچھ تو شادی پر اٹھ گیا اب ت لجاجت سے کہہ رہی تھیں۔

"تم اس جھوٹ کو یاد کر کے اب ساری زندگی روؤ گی۔ یاد رکھنا۔"

آفتاب زبیری نے کہا اور انہیں پرے دھکا دیتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اور اگلی صبح ہی انہوں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

لیہا اگلی صبح رات کو دیر سے سونے کے باوجود جلد اٹھ گئی تھی۔ پھپھو تہجد پڑھنے کے بعد شاید سوئی نہیں تھیں۔ فجر پڑھ کر انہوں نے اسے بلایا۔ کافی دیر وہ یونہی میں کروٹیں لیتی رہی۔ پھر اٹھ کر بیٹھ ہی گئی۔ روشنی نماز پڑھ کر دوبارہ سونے کے لیے ل تھی وہ اٹھ کر باہر آئی تو دیکھا پھپھو تخت پر دیوار کے ساتھ گٹھری کی مانند لیٹی ہوئی تھیں۔

"نماز پڑھ ہی لوں۔ ابھی ٹائم ہے۔" وہ گہرے سرمئی آسمان کو دیکھتے ہو کرنے چل دی۔

وہ نماز پڑھ کر فارغ بھی ہو گئی پھپھو اسی طرح پڑی تھیں۔

"پھپھو! اندر جا کر لیٹ جائیں نا۔" وہ کسی انجانے خدشے کے تحت دعا ما اٹھ کر ان کے پاس آ کر بولی۔ وہ اسی طرح بے حرکت پڑی رہیں۔

"پھپھو!" اس نے انہیں کندھے سے ہلایا۔

اس وقت رافع اندر سے نکل کر آیا۔

وہ سیدھا ماں کی طرف آیا۔

"امی! یہاں کیوں لیٹی ہیں؟" پھپھو کے جسم میں ایک جھرجھری سی دوڑی

کچھ بڑبڑاتے ہوئے سیدھی ہوئیں۔ ان کی گود میں مڑا تڑا سا ایک کاغذ تھا۔

رافع نے جھپٹ کر وہ کاغذ اٹھایا۔

کاغذ کی ٹائپ شدہ سطروں پر نظریں دوڑاتے ہی اس نے کاغذ یوں ہاتھ سے چھوڑ دیا جیسے اسے کسی بچھو نے کاٹا ہو اور وہ یک ٹک سر جھکا کر بیٹھی ماں کو دیکھنے لگا۔

لیہا نے نیچے گرا کاغذ اٹھایا۔

وہ ڈائیورس پیپر تھا۔ سعدیہ بیگم کے نام آفتاب زبیری کی طرف سے......"

کاغذ اس کے ہاتھ سے بھی اسی طرح چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ رافع دو قدم پیچھے ہو کر ستون کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ کسی بت کی مانند۔

"پھپھو! مت روئیں پلیز۔" اسے دل سے اس دکھیاری عورت پر ترس آیا تھا۔

اسے لگا ان کے یہ آنسو اس کے دل پر گر رہے ہیں۔ "کتنا روئیں گی اور ایک ظالم سفاک بے حس انسان کی خاطر...... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے اس کے ظلم و ستم نے آپ کو اپنے اللہ سے قریب کر دیا اور آپ کو تو اس لیے بھی خوش ہونا چاہیے کہ اس جیسے شقی القلب انسان کی رفاقت سے پاک ہو گئی ہیں۔ آپ مت روئیں پلیز۔"

لیہا کو پتا نہیں چلا وہ ان کے گلے لگ کر روتے ہوئے کیا کچھ کہے جا رہی ہے۔

"امی! لیہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ ایک پتھر سے کب تک سر پھوڑتی رہیں گی، مت اپنے قیمتی آنسو ضائع کریں......" وہ ان کا کندھا تھپکتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"رافع! آج کے دن...... آج کے دن ہی اس نے یہ آخری ستم مجھ پر ڈھانا تھا۔ آج جب میری بیٹی کا شگنوں بھرا دن ہے اس نے مجھے منحوس کی نحوست اس کے نصیبوں......"

رافع نے بے اختیار ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"امی آپ کو اللہ کی قسم! ایسے کلمات اپنے منہ سے مت نکالیں آپ خود ہمیں بچپن سے بتاتی آئی ہیں کہ شگن بدشگونی کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کفر کی نشانیاں ہیں۔ ہر ہونے والی بات اللہ کی طرف سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اسے منحوس یا خوش بخت جاننا بھی اللہ کا شریک بننے کے مترادف ہے۔ آپ ہماری ماں ہیں اور اپنے اللہ کی فرماں بردار بندی اور بس...... امی! آپ اور میں لیہا کو اتنا عقلمند تو نہیں سمجھتے تھے۔ اس نے کیسی اچھی بات کی ہے کہ اس ظالم شخص کے ظلم آپ کو اللہ کے نزدیک لے گئے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے، جسے اللہ کی پہچان اس کا رستہ

مل گیا۔ اس کے لیے تو اس دنیا کی ہر نعمت ہر رشتے ہیچ ہیں۔ آپ تو خوش قسمت ہیں او آپ سے بڑا خوش نصیب، جسے آپ جیسی ماں ملی۔ امی! مت روئیں۔ مجھے آپ کے بہت تکلیف دے رہے ہیں۔ ساری عمر ان آنسوؤں نے مجھے بہت اذیت دی ہے۔ امی! اور نہیں پلیز۔''

لیہا پیچھے ہٹ چکی تھی وہ ماں کو اپنے بازوؤں میں لے کر التجا کر رہا تھا۔

''رافع! بات سنو، سیدھے ہو۔'' انہیں ایک دم سے خیال آیا تھا آنسو پونچھ کر قراری سے بولیں۔

''جی امی! حکم کریں۔''

''بیٹا! رافع! مجھ سے وعدہ کرو۔ روشی کو اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔ کرو۔ کم از کم آج کا دن تو میری بیٹی کو خوشی کے ساتھ گزارے۔ وعدہ کرو میرے بچے ایک بار پھر روتے ہوئے دونوں کو اپنے دائیں بائیں ساتھ لگا کر بولیں تو دونوں نے اقرا سر ہلا دیا۔

کچھ لوگ کتنے خرماں نصیب ہوتے ہیں زندگی بھر بوند بوند خوشی کو ترستے رہتے اک عمر کی محرومی کے بعد خوشی ملتی بھی ہے تو غم کے لفافے میں پیک شدہ۔

وہ تو سمجھ رہی تھی اس سے بڑھ کر کوئی دکھی، کوئی مظلوم ہے ہی نہیں اسے تو اپنا دَ سب سے بڑا سب سے گہرا نظر آ رہا تھا پھپھو کی زندگی اور اس آخری ستم کو دیکھ کر تو ا روح تک لرز اٹھی تھی۔ اس کے دل نے بے اختیار اس کم نصیب عورت کے لیے خوشی ا سکون بھری زندگی کی دعا مانگی تھی۔

وہ دن بھر شادی والے گھر کے چھوٹے چھوٹے بے شمار کاموں میں الجھی رہی اس کا ذہن ایک پل کو بھی پھپھو کے دکھ سے نہیں ہٹا اور انہوں نے دونوں سے تو وعدہ ۔ تھا کہ روشی کو پتا نہ چلے اور اب جیسے خود پر کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

ان کا اترا ہوا چہرہ روئی روئی آنکھیں سوجے ہوئے پپوٹے روشی کے علاوہ گھر موجود ہر مہمان ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھ چکا تھا۔

''امی! ابو کہاں ہیں۔ مجھے صبح سے نظر نہیں آئے۔''

لیہا روشی کا پارلر لے کر جانے والا سامان ایک بیگ میں رکھ رہی تھی۔ جب

جوڑے اور ہری کھنکھناتی چوڑیوں کے ساتھ غضب کا روپ ڈھاتی روشی نے معصومیت سے پوچھا تو پھپھو چھلکتی آنکھیں چھپاتی ہوئی رخ پھیر گئیں۔ خود لیہا کی آنکھیں نم ہو گئی۔

''کم از کم آج کے دن تو ابو کو گھر ہونا چاہیے تھا۔

''امی! آپ نے انہیں صبح جانے ہی کیوں دیا۔ مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے۔ اب میں پارلر چلی جاؤں تو پھر سب کے بیچ کیسے ملوں گی۔''

وہ کیسے بے قرار لہجے میں ماں سے پوچھ رہی تھی۔ جسے باپ بیٹی کے بیچ بڑا گہرا لاڈ کا رشتہ رہ چکا ہو۔

''میں تمہارے باپ کو روکے رکھنے کے سب اختیار کھو چکی ہوں، وہ آنسو پونچھ کر لبوں میں بڑبڑائیں۔

''امی! پتا کروائیں۔ شاید ابو باہر آ گئے ہوں۔'' وہ جاتے جاتے آنچل سر پر جماتے ہوئے رک کر بولی۔

''نہیں آئے روشی! میں ابھی باہر ہی سے آ رہی ہوں۔ چلو تم دیر ہو رہی ہے پھپھو! میں لے جاؤں روشی کو؟'' وہ الماری میں کچھ ڈھونڈتی پھپھو سے بولی تو انہوں نے سر ہلا کر جانے کی اجازت دی پھر کچھ سوچ کر پلٹیں اور چند قدم پر کھڑی روشی کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں۔

''روشی! اب تم نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو۔ ایک اچھی بہترین زندگی میری سب دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ بہتر ہے اب تم آگے کی طرف دیکھو۔ پیچھے کو بھول جاؤ۔'' وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولیں۔

''امی! کوئی اپنے ماں باپ کو تو نہیں بھول سکتا نا۔'' وہ دھیرے سے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

''تمہارے ماں باپ اتنے اچھے نہیں تھے کہ تم اپنی نئی زندگی میں ہر گھڑی انہیں یاد رکھو۔ اب جاؤ تمہیں اللہ کی امان میں دیا۔''

وہ کہہ کر مڑیں اور اس سے پہلے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''امی! ماں باپ اچھے ہوں یا برے ماں باپ ہی ہوتے ہیں اور انہیں یاد رکھنا یا بھول جانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ آگے زندگی نئی ہو یا پرانی۔ میں آپ کو نہیں بھول سکوں گی۔

آپ کی زندگی کے سارے دکھ میرے لیے مشعل راہ ہوں گے۔ جو آپ نے ہم دونو
پرورش میں اٹھائے اور ہمارے لیے آپ سے اچھی ماں پوری دنیا میں کوئی اور نہ ہوگی۔"

روشی بہتے آنسوؤں کے ساتھ خود سے کہہ رہی تھی جب لیہا نے آہستہ سے ا
بازو پکڑ کر آگے کیا۔

باہر گاڑی میں رافع ان دونوں کا منتظر بیٹھا تھا۔

گاڑی میں بیٹھنے تک روشی متلاشی نظروں سے باپ کو اِدھر اُدھر ڈھونڈتی رہی۔
کو اس کا دکھ اپنے دل کے بہت قریب لگا تھا۔ گاڑی آہستگی سے چل پڑی تو روشی کی نگاہوا
بھی جیسے قرار آ گیا۔ وہ سر جھکا کر اپنی مہندی لگی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"تم جیولر سے زیور لو۔ ان کا گھنٹہ بھر پہلے فون آیا تھا سب کچھ تیار ہے پیمنٹ
میں صبح ہی کر گیا تھا۔ تم سب چیک کر کے لو۔ میں ذرا پارلر روشی کا پتا کرآؤں اگر وہ تیار ہو
ہے تو اسے ساتھ ہی لیے چلتے ہیں۔" رافع اسے جیولر کی شاپ کے آگے ہی اتار گیا۔

وہ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

خنک ہوا کے خوشگوار جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔

"جی آپ کا زیور تو جا چکا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

جیولر نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا تو اسے لگا اس کے پیروں کے نیچے سے ز
سرک گئی ہے۔

☆☆☆

"یہ تمہارے لیے۔" لش لش کرتے بے حد خوبصورت جڑاؤ کنگن کی جوڑی اور دوسرے مخملیں کیس میں بہت خوبصورت مینے کے کام والا گلوبند سیٹ تھا۔ اس کا ڈیزائن اتنا خوبصورت اور منفرد سا تھا کہ شائستہ جس نے ہمیشہ ڈائمنڈ جیولری پہ جان دی تھی، وہ بے اختیار اس سیٹ کی نزاکت کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چھوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"خوبصورت ہے نا؟" آفتاب زبیری نے سیٹ کے لیے پسندیدگی شائستہ کی پر شوق نظروں میں پڑھی تھی۔

"بہت خوبصورت اور یونیک۔" اس نے اب کے سیٹ کا وزن جانچنے کے لیے اسے ہاتھ میں لیا۔

"تم سے زیادہ خوبصورت اور یونیک نہیں، جتنی قیامت تم اس وقت ڈھا رہی ہو۔ ذرا میرے دل ناتواں سے پوچھو جس کی عالمِ وحشت میں یہ قیامت جھیل رہا ہے۔"

آفتاب زبیری نے بے خود سے انداز میں اس کے زانوؤں کے پاس نیم دراز ہوتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں اس کی آتشیں آنچل چہرے سے ذرا سرکاتے ہوئے عاشقانہ انداز میں کہا تو شائستہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"پکے عاشق لگ رہے ہو اس وقت۔" وہ اب دونوں کنگن دیکھ رہی تھی۔

"مگر عاشق بامراد میری جان......! وصل کی شب ہے۔ اب یہ دوریاں کیسی۔" انہوں نے بے قابو سا ہوتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ شائستہ نے کسمسا کر مزاحمت کی۔

"ویسے ڈیر! کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟"

"اب میری جان! کم زیادہ کا سوال نہ کرو۔ ہمارے اس ملن کے انتظار میں ماہ و سال کو وقت کے کتنے گوشوارے پُر کرنے پڑے ہیں، حسرتوں کے مارے اس دل سے پوچھو۔" بے صبرا پن آفتاب زبیری کے انداز ہی نہیں نگاہوں سے بھی چھلکا جا رہا تھا۔

"میرا اشارہ اس تحفۂ رونمائی کی طرف ہے۔ تم نے جیسا نقشہ اپنی کسمپرسی اور بدحالی کا کھینچ رکھا تھا۔ میں تو اس یادگار موقع کے لیے تمہاری طرف سے ایک انگوٹھی کی توقع بھی نہیں کر رہی تھی۔" شائستہ زیادہ دیر تک اپنی حیرت چھپا نہ سکی۔ ہاتھوں میں تول کر وہ سیٹ اور کنگن کے وزن اور ان کی قیمت کا اندازہ لگا چکی تھی اور آفتاب زبیری جیسے کنگال سے ایسے قیمتی زیورات کی اسے واقعی توقع نہیں تھی۔

''کہیں نقب تو نہیں لگا آئے۔'' اس نے بے ساختہ کہا تھا۔ اور ایک پل کو کا
کے نشے میں مخمور آفتاب زبیری کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ ان کی کنچوں جیسی نیلی ہری
آنکھیں یک دم جیسے ساکت سی ہوئی تھیں۔

''نقب تو میری جان! تم نے میرے دل پر لگائی ہے۔ میں کنگال ضرور ہوں مگر تم
محبت نے مجھے دنوں میں مالا مال کر دیا ہے۔'' وہ صریحاً ٹالنے والے انداز میں بولے تھے۔

''کم آن آفو! یہ بیچاری محبت جو صرف کھنکتے لفظوں کا جادو ہے یا احساس دلوا
آواز کسی کو ایک دھیلے کا مادی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ کجا یہ مال وزر۔'' وہ بھی پکی بزنس مین تم
نقصان کا حساب کس بزنس میں کتنا ہوتا ہے، بخوبی جانتی تھی۔

''یہ تو اب تم توہین کر رہی ہو محبت کی بھی۔ ہم جیسے محبت بھرے دلوں کی بھی۔
روٹھے ہوئے انداز میں بولے۔

''خیر اب میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا۔ بس یہ ہے کہ اس وقت تم کسی بھی حقیقت
بارے میں کچھ سننا نہیں چاہتے۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ہماری محبت ان تحفوں کی محتاج نہیں
معلوم نہیں تم کس طرح زیر بار ہوئے ہو۔ کیسے ان کا انتظام کر پائے ہو۔ حالانکہ تمہارا ملنا
میرے لیے اپنی قسمت کا سب سے بڑا تحفہ تھا۔ مجھے اور کچھ چاہیے بھی نہیں تھا۔ تم جانتے ہو
اس نے اپنا زرتار آنچل سمیٹ کر پیچھے پڑے تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

آج شام پانچ بجے دونوں کا نکاح شائستہ کے چند قریبی احباب کی موجودگی
فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوا تھا۔ شائستہ شہر کے مہنگے ترین پارلر سے تیار ہو کر اس سے واقعی قیا
ڈھا رہی تھی اور بلاشبہ اپنی عمر سے دس سال کم نظر آ رہی تھی۔ اس نے شہر کی سب سے مہنگی
اسٹائلش بوتیک سے مہنگا ترین برائیڈل ڈریس پہنا تھا۔ آج اسے حقیقی معنوں میں لگ رہا
کہ اس کی شادی ہو رہی ہے اور اپنے محبوب سے جوانی کے اولین سالوں جیسی محبت اور وا
محسوس ہو رہا تھا۔ اسی لیے تو اس نے اس خاص موقع کو یادگار بنانے کے لیے پیسہ پانی
طرح بہایا تھا۔ اس کے دل کی خوشی اس کے چمکتے دمکتے چہرے سے ہویدا تھی۔ کچھ ایسا
حال آفتاب زبیری کا بھی تھا۔ انہیں آج لگ رہا تھا کہ زندگی نے ان کی صحیح قیمت لگائی۔
جس کے لیے وہ ایک زمانے تک ایڑیاں رگڑتے رہے ہیں۔ پچھلی زندگی اور پچھلی زندگی
تمام کردار انہیں ایک بھیانک، بدصورت خواب کا حصہ لگ رہے تھے۔ جن کو جھٹک کرا۔

دل و دماغ سے ان کی ہر سوچ کو کھرچ کر انہوں نے اس خوبصورت نئی نکور زندگی کا آغاز کیا
تھا۔ اس وقت انہیں لگ رہا تھا کہ پوری کائنات میں وہ دونوں ہی بس ایک دوسرے کے اپنے
ہیں۔ نہ ان کا کوئی ہے، نہ وہ کسی کے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے تھے، بنے
ہیں۔ سو اسی لیے آج تقدیر نے بالآخر انہیں ایک کر دیا۔

''شائستہ! تم پھر میری توہین کر رہی ہو۔'' انہوں نے رنجور لہجے میں کہا تو وہ ایک بار
پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے آفو! تم بچوں کی طرح روٹھ جاتے ہو۔ میری بات کو دل پر لے رہے ہو اور
بھلا یہ حسین لمحے ان فضول باتوں میں گنوانے کے لیے ہیں۔ لو اپنے ہاتھوں سے پہنا تو دو۔
محبوب کے ہاتھوں سے پہنا زیور کیسا معتبر کیسا عزیز تر ہو جاتا ہے۔ آج میں بھی تو یہ محسوس
کروں۔''

اس نے ایسے والہانہ انداز میں فرمائش کی کہ آفتاب زبیری کی حالت دگرگوں
ہونے لگی۔

''میری شستہ!'' وہ بے ساختہ دھیرے سے بولے تو شائستہ کی پلکیں ان کے انداز
پر آپوں آپ بوجھل سی ہو کر جھک گئیں۔

آفتاب زبیری نے زمانے بھر کی ملائمت سمو کر اسے اتنے پیار سے کنگن پہنائے کہ
وہ شائستہ کے دودھیا نرم گداز ہاتھوں پر پھسلتے چلے گئے کہ دل پر شوق کے سارے تقاضے
انگڑائیاں لے کر جاگ اٹھے۔

''اور یہ تمہارے لیے۔'' شائستہ نے بمشکل اپنے اتھل پتھل ہوتے جذبات پر قابو
پا کر اپنے پرس سے ایک خاکی لفافہ نکال کر...... آگے کیا۔

''یہ کیا ہے؟'' لفافہ دیکھتے ہی آفتاب زبیری کا دل بلیوں اچھلا تھا۔ لفافے کا خاکی
رنگ اپنے اندر چھپے کسی بیش قیمت خزانے کا پتا دے رہا تھا۔

''شہر سے باہر بہت خوبصورت فارم ہاؤس خریدا ہے میں نے تمہارے لیے، اور
اس کے ساتھ ہی بڑا شاندار بنگلہ بھی۔ جب ہم شہر کی افراتفری اور روٹین بھری زندگی سے اکتا
جایا کریں گے تو ریلیکس ہونے کے لیے ادھر چلے جایا کریں گے۔ کیا خیال ہے۔''

وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اب آفتاب زبیری کے مضبوط

ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے انہوں نے لفافہ کھول کر نہیں دیکھا تھا۔ آج تو اس خوش
کے بند لفافے کو کھولنا ہے۔ آگے تو زندگی پڑی ہے ایسے خاکی لفافے کھولنے کے
انہوں نے لفافہ پرے دھکیلتے ہوئے شائستہ کو اپنے قریب کیا اور اس کے دونوں ہاتھ لبوں پر لگا۔

''جو حکم یار ہوگا، اب تو وہی عمر بھر ہوگا۔''

وہ بے خود سے انداز میں بولے۔

☆☆☆

''بھابھی! یہ آفتاب کدھر رہ گیا۔ رخصتی کو دیر ہو رہی ہے۔''

مکرم صاحب بے تابی سے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے سعدیہ بیگم پاس آئے تو انہوں نے ماتھے سے نیچے ڈھلکتے دوپٹے کو اور نیچے کر کے رخ پھیر لیا۔ یہ جملہ کوئی بھالا جو انجانے میں مکرم صاحب نے ان کے دل پر چلایا تھا۔ ان کے منہ سے بے ا سسکی سی نکلی تھی۔ صبح سے خود پر ضبط کا بند باندھتے باندھتے اب ان کے حوصلے ڈھے تھے۔ کسی بھی پل آنسوؤں کا ریلا بند توڑ کر نکلنے والا تھا۔ وہ تو خود جلد سے جلد روشی کی ر سے فارغ ہو کر کسی تنہا گوشے میں چھپ کر جی کا غبار نکالنا چاہ رہی تھیں۔ انہوں نے بے ہوتی نظروں سے سامنے سے آتے رافع کو دیکھا۔

''انکل جی! میرے خیال میں کافی ٹائم ہو گیا ہے اور......'' وہ ان کے قریب آ رک گیا۔ ''انکل! اگر اس شخص کا انتظار نہ کیا جائے تو...... پلیز......'' وہ اردگرد پھرتے لوگ سے نظریں چراتا ہوا بہت مدھم آواز میں بولا تھا۔

کیسی شرمندگی، شرمساری کی تحریر اس کی سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی سعدیہ بیگم کو اپنا مایوس و پژمردہ دل اس میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''کیا مطلب؟'' اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا، چونکا دینے والا کہ مکرم صاحب چونکے تھے۔ رافع نے کچھ کہے بغیر ایک التجا بھری نظر ان پر ڈالی۔

''رافع ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی صاحب!'' سعدیہ بیگم بیٹے کی مدد کو آگے آئیں۔

''کیسا لاپروا غیر ذمہ دار اور بے حس شخص ہے۔ ارے اس موقع پر تو پتھر میں بھ جونک لگ جاتی ہے۔ میں تو جیسے جیسے اس شخص کے بارے میں جانتا جا رہا ہوں۔ میرا جیسے رشتے سے ایمان اٹھتا جا رہا ہے۔ کوئی باپ، کوئی شوہر، دوست بھائی اسے کسی بھی رشتے

تناظر میں دیکھیں...... یہ ایک...... شخص ہے۔''

انہوں نے لب دبا کر موٹی سی گالی دی تھی۔ ایک نظر سامنے کھڑے دکھ اور حسرت کی تصویر بنے ماں بیٹے کو دیکھا تو وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔ پتا نہیں کیوں آفتاب زبیری کو بچپن سے جاننے کے باوجود نہ جانے کیوں ان کا دل اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی خوش گمانی پال لیتا تھا۔

انہوں نے اپنا سر جھٹکا اور سامنے بیٹھی عالیہ بیگم کی طرف بڑھ گئے جو بجی سنوری گڑیا سی دلہن بنی روشی کے پہلو میں بیٹھی پرشوق نظروں سے بیٹے اور بہو کے سجے سنورے روپ کو دل میں اتار رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں رخصتی کی رسم ہونے لگی۔

ڈارک میرون خوبصورت کامدانی لہنگے اور خوبصورت زیورات کے ساتھ بیا کا بازو تھامے اسٹیج سے اترتی روشی واقعی پرستان سے اتری کوئی پری لگ رہی تھی سامنے کھڑے رافع اور سعدیہ بیگم نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ سعدیہ بیگم کے بے قرار دل نے دعاؤں کی تسبیح پڑھنا شروع کر دی تھی۔

رافع کی نظریں روشی سے ہوتی ہوئی بیا پر آ کر تھم گئی تھیں۔

سی گرین اور پرپل کلر کے کامدانی اسٹائلش سوٹ اس کے نازک وجود کو جیسے سانچے میں ڈھال رہا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی رافع اپنی نظروں کو ہٹا نہ سکا۔ اس کے چہرے کے اطراف جھولتی لٹیں جیسے اس کے دلِ بے تاب کو اپنے بھنور میں لپٹائے جا رہی تھیں۔

''تم کیا ہو بیا، کوئی میرے دل سے پوچھے۔ تمہارا یہ سادہ سا قاتل حسن ہر دیکھنے والی نظر پر جادو کر رہا ہے اور تمہارا آبدار موتی سا شفاف بے ریا دل...... بیا! میں تمہیں کیسے خود سے جدا کروں گا کیسے؟''

اس کے ہوک بھرتے دل نے اس کی آنکھیں نم کر دی تھیں۔

''کاش میرے بس میں ہوتا، میں اپنے اور تمہارے درمیان کھڑی ہر دیوار کو گرا دیتا مگر میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔ تم جیسا انمول موتی میرے جیسے بدقسمت انسان کی زندگی میں کسی غلطی سے تو آ سکتا ہے، مقدر کا تحریر کردہ نہیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو، ہمارے تمہارے درمیان مستقل طور پر صرف ایک چیز آ سکتی ہے، جدائی۔ نہ میں تمہارے قابل ہوں، نہ تم میرے

لیے۔تم کسی معجزے کی طرح میری زندگی میں آئی ہو اور اچھے پل کی طرح جلد ہی چ
جانے والی ہو۔اور اس جدائی میں اب دیر ہی کتنی ہے۔'' اس نے ایک سرد آہ بھری۔

''رافع! آگے آؤ نا۔ اب باپ کی جگہ تم ہی۔'' سعدیہ بیگم نے کہتے ہو۔
اختیار اپنی کراہ دبائی تھی۔ اسی پل بیا نے رافع کی نظروں کی حدت کو محسوس کرتے ہو۔
کا بازو چھوڑ دیا تھا اور منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

رافع، روشی کو ساتھ لگائے ہوئے گاڑی تک لے آیا۔

''بھائی! ابو نہیں آئے۔ ابو کہاں ہیں؟'' وہ سسکیاں لیتے ہوئے اس کے سینے
رکھ کر بکھر سی گئی تھی۔

رافع اس کا سر تھپکنے لگا۔ اس کا دل روشی کی محرومی کو محسوس کر کے پھٹا جا رہا
اسے خود پر قابو رکھنا تھا۔ پیچھے کھڑی سعدیہ بیگم کی حالت اس سے بھی بری تھی۔ ان کے
بندھن ٹوٹ سا گیا تھا۔ وہ منہ کے آگے دوپٹے کا گولہ رکھے اپنی ہچکیاں دبا رہی تھیں۔

''بابل دے ویڑے وچ رہ گئیں میری گڈیاں پٹولے۔'' اساں مڑ نئیں آنا...
پیچھے ڈیک پر کسی نے رخصتی کے گیت لگا دیے تھے۔

روشی کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔

مکرم صاحب نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''روشی، میرا بیٹا! میر
تمہارا ابو ہوں۔ کیوں دل چھوٹا کرتی ہو۔ تم اپنے گھر ہی جا رہی ہو، کسی غیر کے گھر نہیں
روؤ میری بیٹی! ایسے کرو گی تو تمہاری دکھی ماں کے دکھ بڑھیں گے۔ خوشی خوشی ماں اور
سے ملو۔ شاباش بڑی اچھی بیٹی ہو۔'' وہ سر تھپکتے ہوئے اسے پیار کرنے لگے۔ سعدیہ بیگ
آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''امی! ابو کو اس وقت تو...... امی...... امی! میں اتنی بری بیٹی تو نہیں تھی۔''
ماں کی گرم آغوش میں وہ پھر سے بکھر گئی۔

''بس بھابی! آج سے یہ ہماری بیٹی ہے، آپ نے تو ہماری بیٹی کو اور بھی رلا د
شوہر کے اشارہ کرنے پر عالیہ بیگم آگے بڑھیں اور روشی کو ساتھ لگاتے
گاڑی میں بٹھانے لگیں۔

کتنے بھاری اور بوجھل دلوں کے ساتھ وہ روشی کو رخصت کر کے گھر لوٹے تھے

گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی بیا کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔

وہ اس گھر کی چوکھٹ سے داخل ہوتے ہی روشی کا ہنستا مسکراتا سا چہرہ دیکھنے کی عادی تھی اور آج دہلیز پر پہلا قدم رکھتے ہی اسے لگا، یہ گھر بالکل خالی ہو گیا ہے۔ اسے اب جلد سے جلد یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

''اور یہ رافع کا وعدہ بھی تو تھا کہ روشی کی رخصتی کے فوراً بعد......''

اگلے قدم پر اسے رافع کا پیمان یاد آیا تو جیسے دوسرا قدم زمین میں گڑ سا گیا۔

''چلیں امی!'' رافع! سعدیہ بیگم کو اپنے ساتھ سہارا دیتے ہوئے اندر لا رہا تھا۔ اس کی آواز پر وہ چونک کر مڑی تو سعدیہ بیگم نے بے اختیار بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اس گھر کی اصل بیٹی تو یہ ہے۔ میری بیا، میرے گھر کی رونق...... اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ آج بخیر و خوبی اس اہم ترین فرض سے سبکدوش ہوئی جسے ادا کرنے کے قابل میں شاید کسی طرح بھی نہ ہوتی۔ اگر میرے رب کی رحمت میرے شامل حال نہ ہوتی۔ اللہ تیرا شکر ہے۔'' وہ اس کا سر چومتے ہوئے تشکر بھرے انداز میں کہتے ہوئے پھر سے رونے لگیں۔

''پلیز امی! آپ نہ روئیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ پلیز۔'' رافع نے آگے بڑھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کب رو رہی ہوں، یہ تو روشی کی رخصتی کے خیال سے...... کیسے بے قرار ہو کر رو رہی تھی باپ کو یاد کر کے...... اور باپ......'' ان کا ضبط تنکا تنکا بکھرنے لگا۔

''امی پلیز......! آئندہ اس گھر میں کوئی اس شخص کا نام نہ لے۔ ساری زندگی آپ اسی ایک خوف سے لرزتی رہیں کہ کہیں وہ آپ کو چھوڑ نہ دے۔ ایسا شخص جس نے آپ کی پچیس سال کی ریاضت کو ایک سطر لکھ کر پامال کر دیا۔ وہ ایک آنسو، ایک آہ کا بھی حقدار نہیں۔ آئندہ میں اس کے لیے آپ کی آنکھ میں آنسو دیکھوں نہ چہرے پر ملال۔'' وہ غصے میں انہیں سختی سے تھام کر بولا۔

''اب کس بات کر رونا بیٹا! روتی تو ساری زندگی اس بات پر رہی تھی کہ اپنے نامۂ اعمال میں درج اس سیاہ بخت فیصلے کا اندراج بائیں ہاتھ میں لے کر کھڑی معافی نامے کا انتظار کرتی رہی، پتا نہیں میرا گناہ اتنا سنگین تھا یا میرے معافی مانگنے کا انتظار۔ میرے اللہ نے فیصلہ سنانے میں پچیس سال لگا دیے۔ آج تو میں روشی کے آنسوؤں کا اس کی محرومی کا خیال کر

کے رو رہی ہوں جو سب کچھ جانتے بوجھتے باپ کا آخری دستِ شفقت پانے کے لیے طرح بلکتی ہوئی گئی۔ میں تو اپنی بچی کی محرومی کے دکھ سے رو رہی ہوں۔ رافع! یہ وہ آ جو تم سمجھ رہے ہو۔"

وہ دھواں دھار روتے ہوئے بولیں اور رافع سے اپنا کندھا چھڑا کر تیز قدم اندر سے چلی گئیں۔

وہ روشی کے دکھ میں رو رہی تھیں اور روشی رستہ بھر روتی ہی گئی۔ اسے کیا کہ جس باپ کے گلے لگنے کی حسرت میں روئے جا رہی ہے۔ وہ خود اپنی بیج خوشیوں اور نئی زندگی کے سحر میں گم، پل بھر بھی اسے یاد نہیں آیا تھا کہ آج اس کی بیٹ رخصتی ہے۔

☆☆☆

"تم کہیں جا رہی ہو؟" آفتاب زبیری ریشمی براؤن سلیپنگ گاؤن کی ڈور کرتے ہوئے ڈائننگ ہال میں نک سک سے تیار بجی نکھری شائستہ کو دیکھ کر بولے۔

"آفس......" وہ زرد رنگ کی کامدانی ساڑھی کا ریشمی پلو چھوٹے سے بلا کندھوں پر جماتے ہوئے بولیں۔

"آفس......" وہ حیران نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ یار! کیا غضب کرتی ہو، آج تمہاری شادی کو دوسرا دن ہے جس دن لوگ ولیمہ کیا کر لوگ کیا کہیں گے۔" وہ اس کے نکھرے نکھرے روپ کو نظروں کے رستے دل میں ا ہوئے قدرے شوخی سے بولے۔

"ولیمہ تو خیر سے تمہاری طرف سے ہوگا۔ کون سے ہوٹل میں بکنگ صاحب!" پتا نہیں وہ جان بوجھ کر ایسی شوخ طنزیہ بات کرتی تھی یا اس کا مذاق ہی ہوتا تھا کہ سیدھا آفتاب زبیری کے دل میں گھاؤ لگاتا۔

"ایسی کیا بات ہے، تم نے منع نہ کیا ہوتا تو ایک لگژری نہ سہی، مناسب دعو تو میری جیب سہہ ہی سکتی تھی۔" وہ تھوڑا ناراض لہجے میں بولے تو شائستہ کو احساس ہوا۔

"کم آن! میں تو مذاق کر رہی تھی۔ شادی تو ایک مذہبی اور معاشرتی رسم ہو جو ہونا ضروری سمجھی جاتی ہے۔ سرٹیفکیٹ فار لیگل ریلیشنز۔ مگر ولیمہ...... اب ہم بڈھا بڈھ

کی دعوت مناتے کیا اچھے لگتے، اس لیے میں نے منع کیا تھا۔ کیا خیال ہے ناشتا شروع کیا جائے؟" اس نے ملازمہ کو لوازمات سے بجی ٹرالی ڈائننگ ٹیبل پر لگاتے دیکھ کو گویا موضوع بدلا۔

"ہوں۔" آفتاب زبیری نے بددلی سے کہا۔ "تمہاری واپسی کب تک ہوگی؟"

"صرف گھنٹہ بھر میں۔" وہ اورنج جوس کا گلاس آفتاب زبیری کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔

"تو میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔ ادھر رہ کر کیا کروں گا۔ بور ہی ہوں گا۔" وہ جلدی سے بولے۔

"اونہہ، اتنا لمبا چوڑا ٹائم نہیں۔ صرف ایک دو ضروری کام ہیں مجھے۔ تم صرف چینج کرو۔ اخبار پڑھو یا کوئی پروگرام دیکھ لو۔ نہیں تو تھوڑا ریسٹ کر لو۔ میں آجاؤں گی اتنی دیر میں۔"

"تو میں کب سے جانا شروع کروں گا آفس۔ اب گھر میں تو پڑا نہیں رہ سکتا۔"

آفتاب زبیری نے یوں کہا جیسے عمر بھر انہوں نے ایک دن بھی فراغت کا نہ گزارا ہو۔

"پہلے ہم ہنی مون کے ورلڈ ٹور سے گھوم پھر آئیں پھر اس کے بارے میں سوچیں گے۔ ابھی تو مائی ڈیر! یہ دن صرف رومانس تازہ کرنے کے اور انجوائے کرنے کے ہیں۔ پھر تو کام کرنا ہی ہوگا۔ اوکے، میں اب چلتی ہوں۔" وہ ایک میٹھی نگاہ آفتاب زبیری کے چہرے پر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم ناشتہ نہیں کرو گی؟" وہ جہازی سائز ناشتے کے لوازمات سے بھری ٹیبل پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے قدرے حیرانی سے بولے۔

"نہیں، بریک فاسٹ میں، میں صرف جوس لیتی ہوں۔ بعد میں چائے کافی یا مختصر اسنیکس۔"

"تو یہ راز ہے تمہارے قیامت خیز فگر کا۔"

آفتاب زبیری نے توصیفی نگاہ شائستہ کے سانچے میں ڈھلے وجود پر ڈالی۔ اسی پل سعدیہ بیگم کا کمزور، بے ڈھب سراپا ان کی نگاہوں میں پھر گیا۔ شائستہ نے کندھے اچکائے اور ہاتھ سے بائے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ملازم نے صاحب کے آگے انگلش اور اردو اخبار کا پلندہ لا کر رکھ دیا تو آفتاب زبیری کو راتوں رات تبدیل ہونے والے اسٹیٹس کا نئے سرے سے فخر بھرا احساس مغرور سا کر گیا۔

انہوں نے ملازم کے جاتے ہی اردو اخبار اٹھالیا۔

خبریں تو وہی روز مرہ کی تھیں۔ سیاسی اور جرائم سے بھری۔

آفتاب زبیری کی کنچوں جیسی بے چین نظریں اخبار کے نام کے نیچے لکھی پر جم سی گئیں۔

''آج پچیس تاریخ ہے، کل چوبیس تھی۔ کل تو روشی کی شادی...... رخصتی تھ کچھ کھو دینے کا، کچھ گم ہو جانے کے ناقابلِ بیان احساس نے سامنے پڑی ٹیبل اور لواز دھندلا دیا تھا۔ ''ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جب سب کچھ مل جاتا ہے تو اندر کہیں کسی نہ کسی خ کا کسی نقصان کا اندیشہ جاگ اٹھتا ہے، کچھ کھو جانے کا۔''

اس سے پہلے کہ یہ احساس آفتاب زبیری کو اپنی لپیٹ میں لیتا۔ انہوں جھٹ کر اخبار اور اس خیال کو پرے پھینک دیا اور خوشبو اڑاتے اشتہا انگیز ناشتے سے اندوز ہوتے ہوئے جی بھر کر انصاف کیا۔

ناشتے کے بعد چائے کے دو گرما گرم کپ پینے کے بعد انگڑائی لیتے ہوئے آ زبیری کو شائستہ کے دیے ہوئے اس خاکی لفافے کا خیال آ گیا۔

''خوش قسمتی کا لفافہ تو ان ماہر مشاق ہاتھوں نے بخیر و خوبی کھول لیا۔ ذرا اس لفافے کو بھی کھولا جائے۔'' وہ کمرے میں آتے ہوئے خود سے بولے۔

شہر سے باہر کئی ایکڑوں پر پھیلا فارم ہاؤس اور فل فرنشڈ بنگلہ واقعی آفتاب کے نام تھا۔ آفتاب زبیری نے آنکھیں مل مل کر اس خوبصورت تحریر کو دیکھا اور پھر اس مٹ ہونے اور اپنی تقدیر کے مہربان ہونے کا یقین آتے ہی انہوں نے سفید کاغذ روشنائی کو کئی بار چوم لیا۔

''لگتا ہے اس عمر میں آکر فرشتوں سے چوک ہو گئی۔''

کسی اور کا مقدر آفتاب زبیری کے ساتھ ادل بدل ہو گیا تھا، یا کچھ اور...... تھا، بڑا اچھوتا دلفریب اور ناقابلِ یقین سا تھا۔ کاغذ کو چہرے پر رکھے رکھے آفتاب میٹھی نیند کی بانہوں میں جھول گئے۔

☆☆☆

اگلے روز روشی کا ولیمہ تھا۔

بیا رات کو سعدیہ بیگم کے کمرے میں ہی سوئی تھی۔

سعدیہ بیگم رات کو صرف گھنٹہ بھر ہی سوئی تھیں۔ پتا نہیں سوئی تھیں یا روتی رہی تھیں۔ اس کے بعد وہ وضو کر کے جو جائے نماز بچھا کر نوافل اور تسبیح میں مصروف ہوئیں تو پتا نہیں کب اٹھیں۔ انہیں دیکھتے دیکھتے وہ سوگئی تھی۔

''کمال حوصلہ ہے اس عورت کا، ہر نئی ٹھوکر پر، ہر نئی چوٹ پر اس کے سجدوں کی طوالت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ہر مصیبت، خوشی، غم سب اللہ کی طرف سے ہی تو ہوتا ہے اور ہم جیسے کمزور بندے تو خاص طور پر ہر مصیبت دکھ اور پریشانی اللہ کی طرف سے اپنے لیے کوئی مصیبت یا سزا سمجھتے ہیں اور ناراضی کے طور پر اس سے دور ہی ہوتے جاتے ہیں کہ کون سا اللہ ہماری سن رہا ہے یا اتنی نمازوں اور سجدوں کے بعد کون سی خوشیاں اور نعمتیں ہمیں مل رہی ہیں۔ الٹا پکڑ میں آرہے ہیں اور یہ عورت ہر دکھ ہر ایذا پر اور بھی اس کی طرف لپکتی ہے۔''

بیا کو یاد آیا اس حادثے سے پہلے (شادی سے پہلے) وہ دو دن میں دو تین یا کبھی کبھی پانچوں نمازیں بھی ادا کر لیا کرتی تھی اور اکثر گھر والے اس کی خوش بختی کو انہیں نمازوں کا انعام یا جزا گردانتے اور جیسے ہی اس پر اس رات کی آفت ٹوٹی، اس نے وہ دو چار نمازیں ادا کرنا بھی چھوڑ دیں اور آج تک اس روش، اس ناراضی پر قائم تھی کہ اللہ نے کون سا اس کا خیال رکھا جو وہ سجدے میں ماتھا رگڑتی پھرے اور پھپھو...... وہ انہیں سجدے میں گرے ہوئے دیکھتے دیکھتے سوگئی تھی۔

اور اگلے روز اس نے ان کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون دیکھا تھا۔ کہیں بھی گزرے دن کی اس سخت آزمائش اور سجدے میں بہائے گئے آنسوؤں کا نشان تک نہیں تھا یا شاید رافع کی رات کی باتوں کا اثر تھا جو ایک بار بھی ان کے چہرے پر دکھ یا زبان پر آفتاب زبیری کا نام تو کیا ذکر تک نہ آیا۔

''امی! ابو نہیں آئے؟'' وہ ولیمہ کے لیے پہنچے تو سعدیہ بیگم کے گلے لگتے ہی گولڈن کلر کے خوبصورت بنارسی شرارے میں ملبوس روشی نے پوچھا تھا۔

''میری بیٹی تو آج کسی اور ہی دیس کی شہزادی لگ رہی ہے۔'' سعدیہ بیگم نے اس کا سوال ٹالتے ہوئے ماتھا چوم کر کہا۔ واقعی روشی کے چہرے کی رعنائی کل سے بھی زیادہ نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ کن اکھیوں سے بار بار دیکھتے محتشم کی وجاہت کل سے بھی زیادہ

شاندار لگ رہی تھی۔

بیا کو ایک دم سے اپنا ولیمہ یاد آ گیا۔

صحن میں لگی اسٹیل کی کرسیاں اور ان پر بیٹھے چند محلے دار جن کی کلاس کا ا
ناصرف ان کے لباس سے ہو رہا تھا بلکہ چھچھورے انداز سے بھی۔ اور رافع...... اس نے ت
اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ کیسی بدنصیب دلہن تھی جس کی طرف اس کے دولہا
شادی کے دن، نہ ولیمہ کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اور یہ بدنصیبی دنوں سے بچ
اتنے مہینوں پر محیط ہو گئی تھیں کہ اس کی انگلیوں کی تمام پوریں......

"بیا! میری پاس آؤ نا۔" روشی نے آہستگی سے اسے پکارا تھا۔

اور وہ بہت دور سے واپس آئی تھی۔ کھوئی کھوئی نظروں سے روشی کے کھلے
خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا۔

"آؤ بیا بیٹی! روشی بلا رہی ہے۔" عالیہ نے بڑی اپنائیت سے اسے اپنے
لگاتے ہوئے روشی کے پاس لا کر بٹھا دیا۔

رافع، محتشم کی کسی بات پر ہنس رہا تھا اور روشی جھکی لرزیدہ پلکوں کے ساتھ رافع
کچھ کہہ رہی تھی اور سعدیہ بیگم ان تینوں کے پاس بیٹھی تھیں۔ عالیہ بیگم اور مکرم صاحب بھ
کے پاس کھڑے تھے۔ سب لوگ ہنستے مسکراتے ایک دوسرے میں مگن تھے۔

اسے لگا وہ بھرے میلے میں بالکل اکیلی ہے، سب کے درمیان موجود ہوتے ہ
بھی تنہا۔

لگتا تھا یہ تنہائی اکیلے پن کا خودرو احساس لمبی لمبی جھاڑیوں کی طرح اس کے
ہر طرف اگ آیا ہے اور ان جھاڑیوں میں صرف ویرانی اور وحشت ہے۔ کہیں کوئی
مسکراہٹ یا پیار بھری سرگوشی نہیں۔ ان جھاڑیوں کو کاٹ دینے والا ایک بھی محبت بھرا اح
زادِ راہ نہیں۔

پتا نہیں کیسا دکھ دینے والا خود اذیتی کا احساس تھا کہ اس خوشیوں بھری آوا
سے سجی محفل میں بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"یہ مجھے محتشم نے دیا ہے۔" روشی نے سونے کی چوڑیوں والا ہاتھ اس کے آ
جس سے سب سے آگے ایک خوبصورت نازک سا گولڈ کا بریسلٹ تھا جس میں ننھے

ہیرے جڑے تھے۔ بیا کی نظریں ان ہیروں کی جگمگاہٹ پر تھیں اور سماعتیں روشی کے کھنکتے
شرگیں لہجے پر جیسے ساکت سی تھیں۔

"ہر انسان کی اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے اور میں یقیناً حاسدوں میں سے نہیں ہوں۔
اگر ایسا ہوتا تو بھی میں روشی سے کبھی جیلس نہیں ہو سکتی۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر
آنکھوں کے کاجل کو پھیلاتی نمی کو اندر اتارا۔ "بہت خوبصورت ہے، یو آر ویری لکی روشی!"

اس نے بے اختیار روشی کا نرم و گداز خوشبودار حنائی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خوش
دلی سے کہا۔ بڑی دل گداز سی سوگوار مسکراہٹ اس کے لبوں پر سرسرائی تھی۔ اس پل رافع سے
اس کی نظریں ملیں، وہ پتا نہیں کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب ان نظروں کو مجھ سے کیا چاہیے اور کتنی حسرت ہے انہیں مجھے مظلوم ترین
درجے پر دیکھنے کی۔" اس نے جھنجلا کر روشی کا ہاتھ چھوڑ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

"بے شک محتشم بھی آپ کے ساتھ جاتا بھابھی جان! اور یہ رسم بھی ہے۔
مکلاوے کی رسم میں دولہا دلہن کے ساتھ ہی جاتا ہے مگر ادھر ایک دو ایسے ضروری کام ہیں جو
اسے کل دن بھر میں نپٹانے ہیں۔ میرے ساتھ یہ کل شام کو آ جائے گا اور آپ کے پاس بھی
روشی مہمان ہے۔ پرسوں رات کی ہماری ٹکٹیں کنفرم ہیں۔ آپ جی بھر کی بیٹی سے باتیں کر
لیجیے گا پھر جو بھی سہی کچھ دوری تو آ ہی جائے گی۔"

واپسی پر روشی کو ان کے ساتھ بھیجتے ہوئے مکرم صاحب نے محتشم کے نہ جانے کے
بارے میں وضاحت سے کہا۔

"جیسے آپ کی خوشی بھائی صاحب! ماں بیٹی کے بیچ دوری تو اسی لمحے سے آ کھڑی
ہوتی ہے جب ماں بیٹی کو بیاہنے کا سوچتی ہے۔ پر آپ کی محبت کو دیکھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے
روشی بیاہ کر بھی اپنے ہی گھر گئی ہے۔" سعدیہ بیگم نے عاجزی سے کہا تو مکرم صاحب نے سر ہلا
کر گویا ان کی تائید کی۔

"بالکل درست کہا بھابھی جان! روشی اپنے ہی گھر میں آئی ہے۔"

ان کی گفتگو سے اکتا کر بیا ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

اسے لگ رہا تھا، آج اس پر قنوطیت کا شدید دورہ پڑنے والا ہے۔ روشی کے لیے
سب کی محبتیں، لگاوٹیں دیکھ دیکھ کر اس کے من کا پیالہ جیسے بھرا جا رہا تھا۔

واپسی کے سفر میں بھی وہ تینوں ہی آپس میں خوش باش باتوں میں مگن تھے، جیسے گاڑی میں موجود ہو کر بھی نہیں تھی۔

اسے یاد آیا پھپھو نے ممی کو، چچا جان کو بھی شادی کا کارڈ بھیجا تھا۔

مگر دونوں طرف سے کوئی نہیں آیا تھا۔ ہاں اسے یاد آیا جب بارات آئی تھی۔ وقت لوگوں کی بھیڑ میں اسے کہیں ولید کا چہرہ نظر آیا تھا، وہ بھی چند لمحوں کو۔ اس کے ب نے اسے کہیں نہیں دیکھا تھا۔

''اگر ممی کو میرا ذرا سا بھی خیال ہوتا، ملنے کی تھوڑی سی بھی تڑپ ہوتی تو وہ بہانے ضرور آتیں کہ ایک بار میں بیا کو دیکھ لوں۔'' اس کے من کا پیالہ چھلک ہی پڑا۔ ''ضہ بھیج دیتیں ولید کے ساتھ یا حارث کو...... اور ولید نے خود کون سا ملنے کی کوشش کی۔ ان نے تو جیسے مجھ سے جان چھڑائی اور اب میرا چہرہ نہ دیکھنے کی قسم کھائی ہے اور میں پاگلوا طرح ان کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہوں۔ آخر میں اب سب کو کیوں نہیں جاتی۔'' اس نے بہت سختی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

رافع نے کسی بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔ بیا کو اس کے قہقہے پر اور بھی رونا آ

''کون ہے میرا، کوئی بھی نہیں۔ یہ پتھر دل انسان جو ماں بہن کے دکھ پر تو ہونے لگتا ہے اور میں جو اتنے مہینوں سے...... بس بہت ہو گیا۔ میں کیوں ساروں کے با میں سوچ سوچ کر اپنی جان کو گھن لگاتی رہوں۔ ہو گئی روشی کی رخصتی بھی، اب مجھے بھی سے...... پر اب ادھر سے کدھر جاؤں گی، کس بل بوتے پر۔ اپنے ہاتھ پیر تو میں نے خو ڈالے ہیں۔ قسمت کی کھوٹی نکلی ہوں، اتنی ہی بے وقوف بھی۔ دوسروں کی خاطر اپنا سب لٹا بیٹھیں۔ اب رہو یونہی ہاتھ ملتی اس پتھر کے ساتھ سر پھوڑتی۔'' کوئی اسے اندر سے لتا تھا۔ گاڑی گھر کے آگے رک چکی تھی۔

''بیا! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ مردہ قدموں سے کمرے کی طرف جا رہی جب گاڑی لاک کر کے پیچھے آتے رافع نے ہولے سے اس سے کہا تھا۔ روشی اور پھپھو کمرے میں جا چکی تھیں۔ اس کے قدم لمحہ بھر کو ساکت ہوئے۔

''مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے، آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلانا ہے۔ امید بھولے نہیں ہوں گے اور اگر بھول بھی چکے ہوں تو آج رات بھر یاد کر لیجیے گا کہ روشی کی ر

ہو چکی جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔''

وہ مڑے بغیر دیوار کی طرف منہ کیے بولی اور رافع کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیز قدموں سے اندر چلی گئی۔

''کاش! میں تم سے وہ کہہ سکتا جو کہنا چاہتا ہوں۔ تمہاری طرح دو ٹوک انداز میں...... اور کچھ نہیں تو تمہارے حسین روپ کی تعریف میں دو جملے ہی کہہ سکتا کہ میں...... میں اب کسی بھی طور پر اپنا وعدہ نبھانے کے قابل نہیں رہا۔ تمہارے روپ کے جادو نے میرے سارے ارادے ملیا میٹ کر دیے ہیں۔ سارے گلے شکوے دھو ڈالے ہیں مگر یہ سب میں کہہ بھی ڈالوں تو تم یقین نہیں کرو گی اور مجھ جیسا کم مایہ انسان زمانے بھر کی قسمیں بھی کھا لے تو بھی تم یقین نہیں کرو گی کہ ہمارے درمیان اعتبار یقین کا رشتہ تو ہے ہی نہیں تو پھر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟ یہ سچ ہے کہ روشی کی رخصتی نے میرے کندھے ہلکے کر دیے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اب مجھ سا بہادر انسان کوئی ہے ہی نہیں، میں ہر مشکل کا مقابلہ پوری جواں مردی سے کر سکتا ہوں مگر اسی سکون کے ساتھ اس اضطراب نے بھی دل میں ڈیرے ڈال لیے ہیں جو تمہارے اور میرے اس کچے دھاگے سے رشتے کے بیچ ہے۔ رات بھر مجھے جو سوچنے کا کہہ گئی ہو، کیا خود بھی سوچو گی بیا!''

وہ شکستہ قدموں سے آگے بڑھا اور ادھ کھلی کھڑکی سے بیا اسے بیڈ پر بیٹھی کسی سوچ میں گم نظر آئی۔ اس کا خوبصورت چہرہ کتنا پر ملال لگ رہا تھا۔ ''کاش بیا! میرے بس میں ہوتا، میں تمہارے دکھ کی ہر کرچی لیتا مگر سب کچھ انسان محض چاہنے پر تو نہیں کر سکتا۔'' اس نے سر جھٹکا، اور قدم موڑ لیے۔

روشی اسے آوازیں دے رہی تھی۔

اور اندر بیٹھی لیہا سوچ رہی تھی کہ وہ جو کچھ رافع سے کہہ کر آئی ہے وہ اس کے جواب میں کچھ بھی کہنے اس کے پیچھے اندر ضرور آئے گا اور کچھ نہیں تو وہ خود بھی تو کچھ کہنا چاہتا تھا۔ وہ کتنی دیر منتظر بیٹھی رہی اسی وقت کمرے کے باہر قدموں کی ہلکی سی آہٹ ہوئی اسے یقین تھا۔ رافع ابھی باہر ہی ہے۔

''اگر وہ کہے گا مجھے اپنا وعدہ یاد ہے جب تم کہو، میں تمہیں آزاد کر دوں گا تو پھر میں اس سے چند دنوں کی مہلت مانگ لوں گی۔ اگرچہ چند دنوں میں بھی، میں کچھ نہیں کر سکتی پھر

بھی۔ شاید وہ سمجھ جائے میری مجبوری۔" وہ کتنی دیر بے حس سی بیٹھی رہی پھر باہر سے کسی قدموں کے پلٹ جانے کی آہٹ ہوئی تو وہ وہیں بیڈ پر گر کر بے اختیاری ہو کر رونے لگی۔

اسے آج اپنے لیے ہر کھلا دروازہ بند نظر آ رہا تھا۔

"یہ سب نتیجہ میری حماقتوں کا ہے۔ پہلے دن سے لے کر آج تک...... نہ میں منحوس بارش سے خائف ہو کر روشی کے ساتھ آتی۔" آ بھی گئی تھی تو ممی کے سامنے تایا جی سامنے ڈٹ جاتی یہ رشتہ جڑنے ہی نہ دیتی۔ بھلے ساری زندگی شادی نہ کرتی۔ پھر ادھر میں نے کیا کیا، برسات کی مکھی کی طرح اس ڈر سے چپک کر رہ گئی، اپنے ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا، ایسی ارزاں ہو کر رہ گئی اور جو قدموں کی مضبوطی تھی جس پر میں قدم اٹھا سکتی تھی اس ڈرامے باز آفتاب زبیری کے ڈرامے کے آگے جذباتی پن میں ایک احمقانہ قدم اٹھا گئی پھر مجھ جیسی احمق اور بے وقوف نے اس سے بھی سبق نہیں سیکھا اور ایک پھر اس جذباتی فیصلے کی زد میں آ کر جو بچا سو وہ بھی لٹا بیٹھی۔ اب بیٹھ کر یوں اشک بہ سے کیا فائدہ۔ ایہا بی بی! جو کچھ ہوا ہے، ہو رہا ہے۔ درست کہا کسی نے انسان کو وہی ہے جیسے وہ اعمال کرتا ہے، کوشش کرتا ہے اور میری کوششیں صرف اور صرف خود کو برباد کر کے لیے تھیں اور کچھ بھی نہیں، تو ایسے لوگ بعد میں بیٹھ کر صرف آنسو بہاتے ہیں، صر آنسو۔"

وہ خود پر برستی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اس لمحے خود سے، ساری دنیا مایوس ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"آخر ابو چلے کہاں گئے؟ آپ بتاتے کیوں نہیں، امی سے پوچھتی ہوں تو وہ کو ادھر ادھر کر جاتی ہیں اور آپ......"

وہ اگلی صبح بہت دیر سے اٹھی تھی کمرے کے باہر ہی اس کے قدم رک گئے۔ سے روشی اور رافع کی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

"روشی! آج کے بعد تم امی سے یہ سوال کبھی نہیں کرو گی اور نہ اس شخص دوبارہ کبھی زبان پر لاؤ گی، نہ اس کے بارے میں کبھی سوچو گی۔ وہ شخص ہمیں صرف ا میں لانے کا ذمہ دار تھا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کا نام ہمارے ناموں کے ساتھ

اسے گالی ہی سمجھنا وہ ہمارے لیے، ہماری ماں کے لیے ایک گالی ہی بن گیا ہے۔ تمہاری بارات کی صبح، وہ امی کو طلاق کا تحفہ دے کر ہماری زندگی کو ہمیشہ کے لیے بخش گیا۔ اس عمر میں اس نے ہماری ماں کو جو داغ لگایا، اس کی ذلت اپنی جگہ مگر یہ سوچ جو ہماری ماں کو عمر بھر کی ذلت سے نجات مل گئی تو یہ دکھ زیادہ کڑوا نہیں لگے گا۔ اور جتنا رونا ہے رو لو مگر یہ آنسو صرف ماں کے دکھ پر ہونا چاہئیں۔ ایک آنسو بھی اس ذلیل شخص کے لیے گرا تو سمجھ لینا تم نے اپنی ماں کے دودھ سے خیانت کی ہے اور میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ آئندہ اس منحوس کا نام لے کر امی کو پریشان نہ کرنا اور نہ ان کے سامنے آنسو بہا کر انہیں شرمندہ کرنے کی کوشش کرنا۔ سمجھیں۔"

وہ تیز تیز بولتا باہر آ رہا تھا۔ ایہا وہیں کھڑی رہیں۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"میں تمہیں پہلے کبھی نظر آئی ہوں رافع احمد! جو آج آتی۔" اس نے پژمردہ انداز میں سوچا اور الٹے قدموں اندر چلی گئی۔

روشی روئے روئے چہرے کے ساتھ سارا دن اس سے چھپتی رہی یا اسے لگا وہ اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ ماں کے پاس بھی کم ہی بیٹھی تھی۔ شام کو اس کے سسرال والوں نے آنا تھا اور اگلے روز اس کی روانگی تھی۔

روشی چلی جائے گی ہمیشہ کے لیے۔ یہ سوچ ہی اسے اتنی عجیب لگ رہی تھی۔

"ایہا! امی کہہ رہی ہیں تم اپنے لیے کوئی کپڑے نکال لو، شام کے لیے، پریس کر کے رکھ دوں میں۔" وہ اسی طرح چپ چاپ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جب روشی اس کے پاس آ کر پہلے والے انداز میں بولی تو بیا نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں، مکلاوہ تو تمہارا ہے۔ اور کپڑے میں نکال لوں۔" اس کی ہنسی میں جیسے آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

"بیا! تم سارا دن کمرے میں کیوں رہیں اور اتنی چپ کیوں ہو؟ رات سے میں آئی ہوں تم میرے پاس نہیں آئیں۔ مجھ سے بات نہیں کی۔ مجھ سے کوئی ناراضی ہے کیا؟" وہ بالکل پہلے والے انداز میں اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنائیت سے بولی تو بیا کی آنکھیں بھر آئیں۔ آج کتنے دنوں بعد کوئی ایسے اس سے بولا تھا۔

"نہیں، میں کیوں ناراض ہوں گی تم سے اور پہلے بھی تم ہی آتی تھیں اور مجھے ا
باتیں کہاں آتی ہیں۔" کہتے کہتے خود ہی اس نے اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔

"بیا! انسان کو زندگی سے اتنے گلے ہوتے ہیں اگر وہ نارمل حالت میں بھی ر
اور تمہاری تو بہت ہمت ہے کہ تم عرش سے فرش پر آ کر بھی اتنی بہادری سے۔"

"پلیز روشی! میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو، پلیز مجھے ڈسکس کرنے کی کوشش
بھی نہ کرنا۔ اگر اپنے متعلق کوئی بات کرنا ہے تو کرو۔"

"نہیں بیا! میں تمہیں ڈسکس تو نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ خدانخواستہ تم کوئی ٹاپک
ہو نہیں۔ ایک خلش سی ہے دل میں۔ جب سے تم اس گھر میں ان حالات میں آئی ہو۔ کئی با
چاہا تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں مگر ہر بار بزدلی آڑے آ گئی۔ بیا! تم آج یہاں اس
گھر میں میری اس فضول خواہش کے نتیجے میں آئیں جو اس بارش والے دن میں نے کی تھی
مجھے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ مجھ
پتا نہیں تھا۔ میری ایک معصوم سی خوشی تمہاری زندگی میں کیسا طوفان برپا کر دے گی۔ آئی ا
سوری بیا!"

وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر رونے لگی تو بیا کو بہت عجیب سا لگا۔ ایک حادثہ، ایک سانحہ جس کو سہتے برداشت کرتے اس کی روح تک چھلنی ہو چکی تھی، اس کے لیے کوئی اتنے مہینوں بعد معافی مانگے۔

وہ خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔

"پلیز بیا! کچھ تو کہو۔ میں اس بوجھ کا بھاری پتھر اپنے سینے پر لے کر کیسے جاؤں گی۔" وہ اس کے ہاتھ دبا کر منت بھرے لہجے میں بولی۔

"تو ہر ایک کو اپنے سینے کے بوجھ کی فکر ہے۔ ممی کو اپنے بوجھ کی فکر تھی۔ پھپھو اپنے بوجھ کی۔ رافع کو اپنے بوجھ کی۔ اور ہاں یاد آیا زریاب کو ایک فرمانبردار بیٹا ہونے کے ناطے اپنے بوجھ کی۔ اور جیسے ساروں نے اپنے بوجھ اتار کر میری گردن پر لاد دیے ایک بار بھی میرے بوجھ کے بارے میں نہیں سوچا۔" اس نے سوچا۔

"جو ہو گیا سو ہو گیا روشی! گیا وقت پلٹ نہیں سکتا اگر ایسا ہو سکتا تو تمہیں یہ الفاظ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔" روشی کے دوبارہ کہنے پر وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی تھی۔

"مگر یہ معافی تو نہ ہوئی بیا! اس طرح تو میرے اندر اور بھی گھٹن ہو رہی ہے کہ تمہاری زندگی کے ہر بھنور کی ذمہ دار میں ہوں۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"روشی! تمہارا قصور نہیں۔ تم قسمت کا آلہ کار تھیں۔ تم نہ اس دن مجھے لے کر آتیں تو شاید قسمت خود مجھے اٹھا کر ادھر پھینک جاتی۔ ہم ان بھیدوں کو نہیں جان سکتے۔ تمہارا رونا فضول ہے۔ اٹھو شام کے لیے کپڑے نکال لو۔ میں پریس کر دیتی ہوں۔ اور پھپھو کے بھی لے آؤ۔ چائے پیو گی تم؟ میں بنانے جا رہی ہوں۔"

وہ اس وقت روشی کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ وہ بار بار جس واقعے کو دہرا رہی تھی، وہ رات بھر سے خود اسے دہراتے دہراتے تھک چکی تھی۔ اس لیے اٹھ کر چلی آئی۔

پھر شام کو مہمانوں کے آ جانے تک ان کے درمیان دوبارہ کوئی بات نہ ہو سکی۔

رات کے کھانے کے بعد ان لوگوں کی واپسی تھی، روشی ادھر ادھر چھپ کر آتے جاتے آنسو بہا رہی تھی۔ اب پتا نہیں اس میں سے کتنے آنسو ماں کے دکھ کے تھے، کتنے باپ کی گالی نما یاد کے تھے، کتنے اس گھر سے جدائی کے، کتنے آنے والی زندگی سے متعلق خدشوں کے اور ان میں سے ایک آدھ بیا سے متعلق اس گلٹ کے۔ اس نے دوبارہ روشی سے نہیں پوچھا۔

روشی جاتے ہوئے ماں سے مل کر بہت روئی۔

"بس کرو روشی! خوشیوں کے موقع پر اتنے آنسو بہانا بدشگونی ہوتا ہے۔" اس کی ساس نے آگے بڑھ کر مداخلت کی تو ان کے جملے پر سعدیہ بیگم نے روشی کو خود سے الگ کر کے اس کا اور اپنا چہرہ صاف کر ڈالا۔

"خدا نہ کرے۔ میری زندگی کا ذرا سا سایہ بھی اس پر پڑے۔" عالیہ بیگم کے جملے سے خائف ہو کر انہوں نے دل میں دعا کی۔

روشی برآمدے میں کھڑی بیا کے پاس آ گئی۔

"بیا! میں ایک بار پھر تم سے وہی سوال کروں گی کہ تم مجھے معاف کر دو......" وہ اس کے گلے لگی کہہ رہی تھی۔

"روشی! ایسی باتیں نہ کرو۔ چلو تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں نے تمہیں معاف کیا۔ سچے دل سے۔ یوں بھی میں نے تمہیں صبح ہی بتا دیا تھا کہ تمہارا اس میں کیا قصور تھا۔ اب روؤ نہیں اور خوش خوش جاؤ۔" وہ ایک بار پھر وہی کچھ کہہ گئی جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

"تھینک یو بیا! تم بہت اچھی ہو۔ میں اکثر سوچتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی پیا صورت دی ہے مگر اسکا دل اس کی صورت سے زیادہ پیارا ہے۔ بیا! تم بہت جلد ایک ب اچھی، شاندار اور خوشگوار زندگی گزارو گی۔ اسے دعا تو سمجھنا مگر پیش گوئی زیادہ، اور اکثر ا ہوتا ہے جو ہماری زندگی میں آگے چل کر ہونا ہو اللہ وہ الفاظ بندوں کے منہ سے نکلوا دیتا۔ یہ پیش گوئی والے الفاظ میں نے سوچ رکھے تھے نہ میرا کہنے کا ارادہ تھا۔ بے اختیار میرے سے نکلے، اب میرے دل سے دعا ہے کہ میرا اللہ انہیں جلد از جلد سچ بنا ڈالے اور میری بیا ہی مجھے خوش خبری کے بارے میں بتائے۔"

"روشی!" بیا نے اسے گھورا۔

"بیا! جس طرح اللہ نے تمہیں بہت خوبصورت پیارا دل دیا ہے نا اسی طر میرے بھائی کا دل بھی لاکھوں میں ایک بنایا ہے۔ ابھی تم دونوں کے تعلقات کے بیچ کی د گری نہیں جس دن یہ ہو گیا، تو تمہیں پتا چلے گا۔ اس چھوٹے سے گھر کی خستہ حال دیوار میں پلنے والے اس شخص کا دل کتنا وسیع اور ملائم ہے۔ یقین کر دیا! تم بہت جلد خود کو دنیا خوش قسمت ترین لڑکیوں میں شمار کرو گی جنہیں ایسا محبت کرنے والا اچھا انسان ملا ہو۔ ا. میری پیشن گوئی نہ سمجھنا میرا یقین جاننا اور ویسا کچھ اگر تم دونوں کی تقدیر میں نہ بھی درج ہ میری اور امی کی دعائیں اسے تحریر کروا کے چھوڑیں گی۔ یہ بھی میرا یقین ہے۔" وہ اتنے ج اور جذبے سے بول رہی تھی جیسے یہ سب کچھ ابھی درج کروا کے یہاں سے پلٹے گی۔ اس باتوں پر بیا کو ہنسی سی آ گئی۔

"تم یوں کرنا، محتشم بھائی سے کہہ کر وہاں ایک طوطا رکھوا لینا اور لوگوں کی فال ن کرنا۔ تمہیں اچھی معروفیت مل جائے گی۔ اور لوگوں کو ایک نجومی۔" بیا نے ہلکی سی چپت ا کے کندھے پر لگائی "اب چلو تمہاری ساس تمہیں گھور رہی ہیں کہ یہ کیا بھابھی کو پٹیاں پڑھار ہے۔" سب لوگ آہستہ آہستہ باتوں کے دوران بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"اگر وہ مجھے گھور رہی ہیں تو پھر یہ سمجھ رہی ہوں گی کہ میری تجربہ کار بھابھی ؛ پٹیاں پڑھا رہی ہیں۔" روشی شرارت سے بولی تو ابیہا بھی ہنس دی۔

"بیا! ایک بات پوچھوں؟" وہ چلتے چلتے پھر رک گئی۔

"اب کیا رہ گیا ہے۔" سب لوگ باہر پہنچ چکے تھے بلکہ اب رافع اور محتشم ا

دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "مجھے نہیں پتا تمہارے اور بھائی کے بیچ تعلقات کس نہج پر چل رہے ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے کسی نازک موڑ پر ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بیا! میری باتیں ذہن میں رکھنا۔ میرے بھائی جیسا انمول انسان ہر لڑکی کی قسمت میں نہیں ہوتا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہاری جیسی اچھی اعلا ظرف محبت کرنے والی لڑکی ملنا بھی میرے بھائی کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اس کے باوجود اگر تم دونوں ایک دوسرے کو نہ سمجھتے ہوئے کوئی انتہائی قدم اٹھانے لگو تو صرف ایک کام کرنا اپنی انا کو کچھ دیر کے لیے پس پشت ڈال کر امی سے مشورہ کر لینا۔ میری ماں نے زندگی کا ایک مشکل ترین دور جو گزارنا ہر عورت کے بس میں نہیں ہوتا انہوں نے بڑے سہل طریقے سے گزارا۔ ان سے ایک بار اپنی مشکل کہہ کر مشورہ ضرور مانگنا۔ یقین کرو تمہیں ضرور کوئی نہ کوئی رستہ مل جائے گا۔ وہ رافع بھائی کی ماں بعد میں بنیں گی اور تمہاری پہلے۔ وعدہ کرو، کرو گی ایسے؟" روشی بے صبرے پن سے بولی۔

"روشی! آ جاؤ اب۔" رافع نے اس کی اتنی لمبی میٹنگ سے اکتا کر آواز لگائی۔

"روشی! ایسے کاموں میں وعدے نہیں لیے جاتے۔ مشورہ تم نے دے دیا ہے میں نے سن لیا۔ اب قسمت میں کیا لکھا ہے نہ تم جانتی ہو نہ میں اس لیے الٹے سیدھے وعدے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور اب چلو تم۔ خوشی خوشی بس اپنی آگے کی زندگی کے بارے سوچو، وش یو بیسٹ آف لک میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے تک لے آئی۔ الوداعی معانقہ کر کے وہ ماں اور بھائی کے ملنے کے بعد آنکھوں میں آنسو لیے، گاڑی میں بیٹھ گئی۔ محتشم فرنٹ سیٹ پر تھا۔

آگے پیچھے دونوں گاڑیاں روانہ ہو گئیں۔

"روشی اور محتشم کی جوڑی کتنی شاندار ہے۔" وہ سوچتے ہوئے رافع اور پھپھو کے اندر پلٹنے سے پہلے ہی اندر چلی گئی۔

"بے وقوف لڑکی اب انہونی باتوں کے وعدے لیے جا رہی تھی۔ نازک موڑ۔ میں تو پہلے دن سے اس رشتے کے نازک موڑ پر کھڑی ہوں۔ مضبوط سرا تو ایک بار بھی میرے ہاتھ میں نہیں آیا تو پھر کیسی خوش گمانی، کیسی دعائیں اور کیسا یقین؟ روشی کے بغیر یہ گھر تو مجھے کاٹ کھائے گا۔" کمروں کی ویرانی اسے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

اندر کمرے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ شاید کافی دیر سے باہر کے شور میں کسی نے

سنی نہیں تھی۔ رافع اور پھپھو ابھی تک دروازے پر کھڑے نہ جانے کون سی باتیں کر ر
اس نے چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد فون اٹھا لیا۔
"ہیلو ہیلو کون......؟" دوسری طرف ولید کی بے قراری سی آواز تھی اس کا
سرے سے اُمڈ آیا۔
"یہ آخر چاہتے کیا ہیں؟"
وہ اسے دو چار کھری کھری سنانا چاہتی تھی مگر اس سے بھی زیادہ اس کا د
تھا کہ ریسیور پٹخ دے۔
"ہیلو رافع...... بھئی کون ہے۔ بولو نا۔" اس کی چپ پر وہ جھنجھلا کر بولا تھا
"تم...... کہیں بیا! تم تو نہیں ہو۔" اس نے بولنے کے لیے لب وا کیے
تیزی سے بول پڑا۔
"بیا! بیا ہو نا تم......"
"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ کیوں بار بار میرے مردہ جسم سے سوئیاں نکا
ہو۔ نہ مجھے جینے دیتے ہو نہ مرنے۔ میری موت کا تماشا تمہیں مزہ دے رہا ۔
انصاری، ڈرو خدا کے قہر سے۔ اگر اس نے تم سب کو ایسی چمکتی دمکتی قسمتیں دی ہیں تو
نے میرے بخت میں بھی لکھ رکھا ہوگا۔ اگر نہیں تو خدا کے لیے ایک رحم مجھ پر کرو میر
موت کی دعا کرو ہمیشہ کی موت اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو مجھے میرے حال......"
وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ جملہ پورا کر کے ریسور پٹخنا چاہ رہی تھی، جب وہ
زیادہ زور سے بولا۔
"بیا پلیز! یہ غصہ بعد میں دکھا لینا۔ تم تو میری دوست ہو نا...... نہ سہی تو
چکی۔ بیا! میں ان دنوں تم سے زیادہ اذیت سے گزر رہا ہوں۔ بخدا میں نے کبھی تمہا
برا نہیں چاہا تو پھر میرے لیے یہ بددعائیں کیوں بیا! ہر کوئی تمہاری طرح حوصلہ مند نہیں
جیتے جی قبر میں نہیں اتر سکتا۔ بیا! اگر مجھے ضوبیا کے بغیر زندگی گزارنے کو کہا گیا تو خدا ک
اپنی جان پر کھیل جاؤں گا مگر ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اور میری بدقسمتی کی انتہا دیکھو
رہا ہے میرے ساتھ۔ بیا میری دوست ہو تم۔ ہمیشہ مجھے اچھا مشورہ دیتی تھیں۔ بیا! اگر
چھوڑ کر ربیعہ کا ہاتھ تھامتا ہوں تو میں جی نہیں پاؤں گا اور ضوبیا کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا

تو فریال، فریال کا گھر اجڑ جائے گا۔ بتاؤ بیا! میں کیا کروں...... میں......" وہ بری طرح سے
لٹ رہا تھا۔
"تم وہ کرو جو تمہارے می لارڈ چاہتے ہیں اور ضوبیا تو ضوبیا کا کیا ہے وہ تو کھلونا ہے
مٹی کا، پلاسٹک کا یا کانچ کا۔ تمہارا ساتھ نہ ملا تو کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ وہ ٹوٹ جائے گی مر
جائے گی۔ سو واٹ کھلونوں کے ساتھ ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ ولید انصاری! ڈرو خدا کے غضب
سے۔ تم لوگوں نے ہماری زندگیوں کو کھیل سمجھ رکھا ہے اور ہمیں کھلونے۔ کب تک کھیلو گے؟
کب تک ہمیں اپنے قدموں میں روندو گے۔ تم جاؤ جا کر ربیعہ کا ہاتھ تھام لو فریال کا گھر
بچاؤ۔ پہلے ایک بیا برباد ہوئی اب ضوبیا بھی ہو جائے گی۔ تمہاری زندگیاں تو بچ جائیں گی۔
تمہاری بہن کا گھر اجڑنے سے محفوظ ہو جائے گا اور کیا چاہیے تمہیں یہی مشورہ میں دوں گی۔
اسی لیے تم نے مجھے فون کیا تھا کہ تم ایسا ہی مشورہ چاہتے تھے۔ مجھ سے لو اور اب خوشی خوشی
شادیانے بجواؤ اور ایک کفن ضوبیا کو بھیج دو وہ تمہاری خوشی کی خاطر آرام سے پہن لے گی۔ چیخے
چلائے گی تو بھی پرواہ مت کرنا، کھلونوں کی چیخوں کی کوئی پرواہ کرتا ہے۔ کوئی پرواہ کرتا ہے۔"
وہ زور زور سے بولتے ہوئے کانپ رہی تھی۔ کسی نازک شاخ کی مانند۔ اس کا
چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔
"کیا ہوا بیا! کیا ہوا۔ کس کا فون ہے؟" پھپھو اور رافع گھبرائے ہوئے اندر داخل
ہوئے تھے۔ اس نے ریسیور ہاتھ سے پھینک دیا تھا، اور اب زمین پر بیٹھی ہاتھوں میں چہرہ
چھپائے زور زور سے رو رہی تھی۔
"فون پر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بیا! کیا ہوا۔ بتاؤ نا پلیز، کچھ بولو تو سہی۔ پلیز حوصلہ
کرو۔" رافع اس کے پاس دوزانو نیچے بیٹھتے ہوئے نرمی سے اس کے کندھے ہلاتا ہوا بولا۔
"نہیں ہے حوصلہ مجھ میں۔ بے حوصلہ ہوں میں بے ہمت بزدل۔ سنا تم نے نہیں
ہوں میں بہادر۔ ارے ظالمو! آخر کب تک ہماری ہمت کو ڈھال بنا کر اپنی پسند کا شکار کھیلتے
رہو گے۔ اپنی مرضی کی گھات لگا کر ہماری بزدلی کو نشانہ بناتے رہو گے تم...... تم سب ظالم ہو،
دھوکے باز، مفاد پرست اپنی اپنی غرض کے پجاری...... ہر مجبوری کی گھنٹی ہمارے گلے سے
باندھ کر شانت ہو جاتے ہو۔ تم لوگوں کو کیوں خدا سے ڈر نہیں لگا۔ ہاں لگے بھی کیوں، خدا
کون سا ہماری چیخ و پکار سن رہا ہے وہ تو......"

بولتے بولتے اس کا حلق سوکھ گیا۔ اس نے رافع کے ہاتھ پرے جھٹک کر دھکا دیا تھا پھر ایسے اشتعال انگیز جملے۔ رافع کا جی چاہا وہ اس کے منہ پر ایک کس کے کہ اس کے حواس ٹھکانے پر آ جائیں۔ شاید وہ طیش میں ایسا کر بھی گزرتا اگر سعدیہ بیگم وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بیا کو اپنی بانہوں میں نہ بھر لیتیں۔

"پیاری بیٹی! میری بچی! کچھ نہیں ہوا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ چپ کر جاؤ سنبھالو خ[...] اٹھو چلو صبح سے لگی ہوئی ہو تھک گئی ہوگی۔ چلو بستر میں پھر مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ ایسے نہیں کرتے۔"

"جس پر بیتے جو اپنی جان پر سہے دن رات کے یہ چرکے۔ وہ ایسے ہی [...] کرتے ہیں آپ پر......"

وہ کہتے کہتے خود ہی رک گئی تھی۔ آنسوؤں بھرا سرخ چہرہ سعدیہ بیگم نے ہاتھو[ں میں] لے کر اپنے دوپٹے سے صاف کیا اور اس کا ماتھا چوم کر اس کے غصے کی دم پر پاؤں رکھ د[یا۔] جیسے بے دم سی ہو کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

"غصہ آ رہا ہے ہو تو بیٹا! کچھ بھی بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ شیطان اور کچھ تو ہم سے کفرانہ کلمات ہی نکلواتا ہے اور میری بیٹی بہت ہمت والی، بہت سمجھ دار ہے۔ بیٹا کوئی مسئلہ ہو گیا ہو تو یوں شور مچانے سے حل نہیں ہوتا نہ واویلا کرنے سے۔ اس کا تو بہا[دری] سے سامنا کرنا چاہیے۔ نہ کر سکیں تو اسے اللہ پر چھوڑ دو۔ آخر اس نے کوئی نہ کوئی حل تو لکھ رکھا ہوگا اپنے پاس، یوں اپنی جان ہلکان کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" رافع نے پانی کا گلاس [میز] پر پٹخا اور باہر نکل گیا۔ سعدیہ بیگم نے گلاس اٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا۔ اس نے دو گھو[نٹ] پی کر گلاس پرے کر دیا۔ انہوں نے اسے زبردستی سہارا دے کر اٹھایا اور بستر پر لا کر بٹھا[یا اور] خود پاس بیٹھ گئیں۔

"اب مجھے بتاؤ کیا ہوا؟ عارفہ بھابھی تو ٹھیک ہیں نا؟" وہ اب اس کے بال س[ہلا] رہی تھیں۔

"ہوں!" انہوں نے اس کے ایک اور دکھ کو چھیڑ دیا تھا۔

"پھر کس کا فون تھا؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ معمول کی طرح جواب دینے لگی۔

"ولید کا۔" وہ ہتھیلیاں مسلتے ہوئے بولی۔

"اوہ تو ولید اور ضویا والا مسئلہ!" وہ خود ہی اندازہ لگا کر بولیں تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تمہارا غصہ ردعمل بجا ہے بیٹی! پر کیا کریں یہ زندگی کئی بار ایسے پیچ در پیچ الجھے ہوئے مسائل لے کر آتی ہے کہ اچھا بھلا حوصلہ مند آدمی بھی بے ہمت ہو جاتا ہے۔ ویسے بیٹا! تم فکر نہ کرو۔ ولید ایک بہت سمجھدار، سلجھا ہوا حساس بچہ ہے۔ وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"جو اس کی بہن کا گھر اجاڑ دے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"چلو، یہ بھی بری بات نہیں۔ سب سے پہلے تو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے کسی عمل سے سلجھا ہوا معاملہ نہ بگڑے اور دیکھا جائے تو یہ بھی کوئی ضمانت نہیں کہ ولید کو استعمال کرنے کے باوجود بھی ایسا کچھ نہ ہو۔ بہر حال اللہ جو کرے گا۔ بہتر ہی کرے گا۔ وہ بہتر ہی کرتا ہے تم صرف دعا کرو۔ دعا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس وقت ضویا کو، تمہاری ماں کو صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے جو تم آرام سے لیٹ کر بھی کر سکتی ہو۔ چلو اب میرا بیٹا! آرام کرو اور ذہن پر بوجھ نہ ڈالو۔ اللہ بہتر کرے گا۔ شب بخیر۔" انہوں نے اسے لٹا کر ماتھا چوما۔ اور مین لائٹ آف کر کے زیرو پاور کا بلب جلا کر باہر نکل گئیں۔

"ہاں پھپھو! یہ نہ جتا سکیں کہ میں ویسے تو ممی اور گھر والوں کا نام نہیں سننا چاہتی اور جو ان کے ساتھ ذرا سا برا ہونے چلا ہے تو میری کیا حالت ہوئی ہے۔ اور واقعی وہ تو قابل حیرت ہی نہیں قابلِ رحم بھی ہے جن سے میں ہر لمحہ خائف رہتی ہوں۔ ان کو دکھ ملنے کے خیال سے ہی میں ایسے ٹوٹ کر بکھر گئی ہوں، جنہوں نے میرا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ یہ سب کیا ہے، خدایا! میرا دل بھی ان جیسا پتھر کر دے یا ان کا دل بھی نرم، میرے حق میں...... مگر اب اسکا کیا فائدہ! وہ نرم ہوں یا سخت۔ میری قسمت تو نہیں بدل سکیں گے پھر میں کیوں ان کے لیے یوں تڑپی ہوں کیوں۔"

وہ ساری رات سر پٹختی رہی مگر اس سوال کا جواب نہ تلاش کر سکی۔

☆☆☆

آفتاب زبیری کو لگ رہا تھا وہ سمندر کے پاس آ کر بھی پیاس بجھانے سے قاصر تھے۔ اس تشنگی نے ان کے اندر جیسے آگ کے الاؤ بھڑکا دیے تھے۔

وہ دونوں صرف ایک ہفتے کے لیے دوبئی اور شارجہ ہی جا سکے تھے۔

''ڈارلنگ! آج کل فرم میں کچھ ایسے معاملات چل رہے ہیں کہ میرا آ
موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ ایک دو ماہ میں سب کچھ سیٹل ہو جائے گا تو پھر ورلڈ ٹ
تمہیں یورپ ضرور دکھا لاؤں گی۔'' وہ بات بات پر آفتاب زبیری کو ان کی اوقات یا
بھولتی۔ وہ ناراضی کا اظہار کرنے لگتے تو فوراً پیار جتانے لگتی۔

''چلو میں بھی تمہارے ساتھ آفس چلتا ہوں۔'' انہیں کون سا ورلڈ ٹور کا ش
جگہ جگہ پھرنے کا۔ ان کی زندگی کا تو ایک ہی شوق ایک ہی حسرت تھی کہ ان کے ارد گر
کے ڈھیر ہوں اور وہ دونوں ہاتھ سے نوٹ لٹائیں۔

''اوکے چلو!'' وہ کچھ پس و پیش کے بعد راضی ہو گئی۔ مگر یہ تو آفس چل کر
زبیری کو پتا چلا کہ وہ اسے آفس میں محض ایک وزیٹر کے طور پر لے کر آئی ہے۔ سائیڈ
بٹھا کر اس کی چائے کافی کولڈ ڈرنک سے تواضع تو ہوتی رہی مگر باس کی سیٹ پر حکم چلاتی، فو
کرتی، مختلف معاملات طے کرتی شائستہ ان کی آرام دہ سیٹ کے نیچے جیسے شعلے بھڑکا رہی تھ

''حرام خور کہتی ہے میرے سمیت سب کچھ تمہارا ہی تو ہے اور کرسی کے پا
پھٹکنے دے رہی۔''

ان کا دبا دبا غصہ انہیں اپنے اصل کے قریب تر کر رہا تھا۔ شائستہ کی چال اب
کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک شوپیس شوہر کی ضرور
جسے وہ اپنی بزنس پارٹیز میں شوہر کے طور پر متعارف تو کروائے مگر اسے شوہر کا اصل
دے اور وہ تو ایسی شوپیس والی ایکٹنگ سے مہینہ بھر میں ہی اکتا گئے تھے ان کے اندر کا خ
ظالم آفتاب زبیری کروٹ پہ کروٹ لے رہا تھا۔

''تم مجھے کوئی آفس ورک دو نا۔ اب آفس میں فارغ بیٹھ کر میں کیا کروں۔''
لہجے کو حتی الامکان شہد جیسا بناتے ہوئے ایک شام انہوں نے فرمائش کر ڈالی۔

''جانے دو آفو! اب یہ تمہاری عمر ہے کام کرنے کی اور جو میں نے ہزاروں
رکھ چھوڑے ہیں وہ کس مرض کی دوا ہیں؟ ڈونٹ وری مائی ڈارلنگ! اسی لیے تو کہتی ہو
میں رہو، نہیں تو گاڑی لے جاؤ ڈرائیور سمیت گھومو پھرو فارم ہاؤس چلے جاؤ۔ عیش
معمولی کام دیکھنے کے لیے حضور آپ کی یہ لونڈی جو موجود ہے۔'' ان کے گھنگھریا
انگلیوں سے بکھیرتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے بات بدل دی۔

مگر آفتاب زبیری نے اس کے اس مشورے کو رد نہیں کیا۔

چند پرانے دوستوں کو بلایا۔ گاڑی میں عیش و عشرت کا سامان لادا اور فارم ہاؤس چلے گئے۔

دو دن دو راتیں، اس نے اپنی زندگی کی خوبصورت ترین راتیں گزاریں کھلا پیسہ ڈرنکس کی کھلی بوتلیں اور ناز و ادا دکھاتی دو راتوں کے لیے لائی گئی حسینہ۔ اس بار تو اس کے دوست بھی آفتاب زبیری کے امراء میں شامل ہونے کا اعتراف کر گئے۔

انہیں یہی اعتراف کرانا تھا۔

اور تیسرے دن جو جوئے کی بازی شروع ہوئی تو رات ہونے تک وہ جیب میں موجود آخری سکہ تک ہار چکے تھے پھر باری فارم ہاؤس کے بنگلے کی قیمتی چیزوں کی آئی۔

رات بھر میں انہوں نے جیتا تو کچھ نہیں مگر صبح تک اس بنگلے کے فرنیچر سے لے کر چھت سے لگے قیمتی فانوس سمیت سب کچھ بک چکا تھا۔

چوتھے دن جب وہ سب واپسی کے لیے نکلے تو ان کے دوست جیتا ہوا سامان ٹرک پہ لدوا کر لے جا رہے تھے اور وہ خالی بنگلے کو تالا لگائے بغیر لٹے پٹے حال میں ڈرائیور کے ساتھ واپس آ گئے۔

گاڑی داؤ پر لگانے کا خیال انہیں نہیں آیا ورنہ شاید واپسی اسی سامان سے بھرے ہوئے ٹرک پر ہوتی۔

رات کو وہ تین راتوں کے رتجگے اور بے تحاشا پینے کے باعث بے ہوشی جیسی نیند سو رہے تھے۔ جب شائستہ نے پاگلوں کی طرح انہیں جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

''کیا...... کیا ہے؟ تمہیں آدھی رات کو بھی چین نہیں۔'' انہوں نے بہ دقت اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔

''تمہارے باپ کا مال تھا جسے جوئے میں ہار آئے بولو۔'' شائستہ نے ان کا گریبان پکڑ کر انہیں بیڈ سے کھینچ کر اٹھایا اور دھکا دے کر گرایا تھا۔

''میرے باپ کا مال نہیں تھا تو تیرے بھی باپ کی کمائی نہیں تھی۔ دفع ہو اب مجھے سونے دے۔'' انہوں نے گہری نیند میں ڈولتے دماغ کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلاس اٹھا کر اپنی طرف سے شائستہ کو مارا تھا جو سامنے دیوار سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا۔

ساتھ ہی شائستہ کا ہر خواب بھی...... وہ منہ کھولے خراٹے لے رہا تھا۔

☆☆☆

روشی اگلے دن چلی گئی تو جیسے پورا گھر خالی ہو گیا۔

پھپھو کو بھی ایک چپ سی لگ گئی تھی اور وہ تو جیسے بالکل فارغ ہو کر بیٹھ ر[ہی تھی] دونوں کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ولید کا دوبارہ کوئی فون آیا نہ کوئی رافع صبح کا گیا اکثر رات کو لوٹتا۔

''ایسا کب تک چلتا رہے گا۔'' وہ تنگ آ گئی تو ایک رات جاگ کر اس کی واپ[سی کا] انتظار کرتی رہی۔

''کھانا لاؤں۔'' وہ خلافِ توقع اسے سامنے دیکھ کر کچھ حیران ہوا۔

''نہیں، کھا کر آیا ہوں۔'' وہ کہہ کر اندر چلا گیا تو وہ بھی پیچھے چلی آئی۔

''مسٹر رافع! اگر آپ بھول نہیں رہے یا آپ کو یاد ہو تو میں جو اس گھر میں کاٹھ کباڑ کی طرح پڑی ہوں تو آپ کا وعدہ یاد دلاؤں اگر آپ کو یاد ہو تو......'' وہ باقاعدہ کم[ر پر] ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کے انداز پر دوسری بار چونکا تھا۔

''سن رہا ہوں میں۔'' وہ بستر پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔

''پھر کیا حکم ہے میرے لیے؟'' وہ تنک کر بولی۔

وہ جوتے اتار کر اب بڑی دل جمعی سے جرابیں اتار رہا تھا۔

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے جب تم کہو...... کہتی ہو تو ابھی۔''

اس نے کوٹ کی جیب سے کوئی کاغذ نکالا تو ایک پل کو بیا کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا

☆☆☆

''مجھے کچھ رقم چاہیے۔'' شائستہ تیار ہو کر آفس کے لیے نکلنے لگی تھی کہ آفتاب زبیری نے سامنے آتے ہوئے بڑے آرام سے کہا۔ شائستہ کے اندر جیسے کسی نے جلتی ہوئی پھلجڑی چھوڑ دی۔ جی تو چاہا سامنے کھڑے اس لالچی پیراسائیٹ کو اتنا مارے اتنا دھکے ہاتھوں سے، لاتوں سے اور ٹھوکروں سے کہ...... اس نے اپنی اس کبھی نہ پوری ہونے والی خواہش کو ایک سرد آہ تلے دبایا۔

''ابھی پرسوں جو پندرہ ہزار۔'' اس نے کیسے اپنے لہجے کو نارمل کیا تھا۔ یہ اس کا دل جانتا تھا۔

''پندرہ ہزار روپے صرف۔ تم نے مجھے کیا کالج بوائے سمجھ رکھا ہے۔ سنو شائستہ بیگم! میں تمہارا شوہر ہوں۔ کوئی ملازم یا ڈرائیور نہیں۔ مجھے شوہر کے درجے پہ رکھ کر ٹریٹ کرو۔'' وہ بڑی ڈھٹائی سے اس کے آگے دروازے پر ہاتھ رکھ کر جتانے والے انداز میں بولا۔

تمہیں خود اپنے اسٹیٹس کا علم نہیں ورنہ یوں آئے دن بھک منگوں کی طرح۔''

''تڑاخ۔'' ابھی جملہ شائستہ کے منہ میں تھا اور اسے پتا نہیں تھا۔ اس کے ڈھلتے ہوئے بدن میں ابھی بھی زور آور جوانی کی طاقت بل کھا رہی ہے۔ شائستہ کا سرخ لپ اسٹک میں رنگا نچلا ہونٹ لہو رنگ ہو گیا تھا۔ تین انگلیوں کے نشان اس کے دودھیا گالوں پر چمک اٹھے تھے۔ اور آنکھیں...... تکلیف اور توہین کے احساس سے برستی آنکھوں کی جلن اور وحشت...... ناقابلِ بیان تھی۔

''تم۔ دو ٹکے کے فٹ پاتھیے۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا مجھ پر۔ شائستہ پر۔ جو تم جیسے پیراسائٹ کو پال رہی ہے۔ میرے ٹکڑوں پر۔ تم یہ نکلو گے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا تم نے اس لیے، اس لیے مجھ سے شادی کی تھی صرف دولت اپنے عیش و مستی کے لیے۔ جھوٹے دغاباز۔ وہ تمہاری محبت وہ دعوے کیا ہوئے وہ سب؟''

وہ آفتاب زبیری کا گریبان پکڑے اسے جھنجوڑتے، مارتے ہوئے زور زور سے

چلا رہی تھی۔ اس کے لبوں کا لہو اب ٹھوڑی تک آ رہا تھا جسے دیکھ کر آفتاب زبیری کو اپنی غلطی اور ہتھ چھٹ والی منحوس عادت پہلی بار اتنی بری لگی ورنہ ایسی ہلکی پھلکی مار تو وہ سعدیہ بیگم کو یونہی لگا دیا کرتا تھا مگر اس وقت بالمقابل وہ چیونٹی تو نہیں تھی۔ یہ تو قسمت کی لاٹری تھی جسے وہ اس طرح ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی منہ زوری کے باوجود وہ خود کو ایسی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

"سس۔ سوری۔ شستہ ڈارلنگ! آئی ایم سوری رئیلی۔"

وہ اس پر بپھری ہوئی شیرنی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے معذرت خواہ انداز میں بولے۔ "قسم سے یوں ہی یہ ہاتھ اٹھ گیا ورنہ میں تمہیں ماروں گا۔ اپنی جان کو...... اپنی محبت کو۔ نہیں کبھی نہیں۔ رئیلی سوری پلیز معاف کر دو۔ میری پہلی غلطی سمجھ کر پلیز۔"

وہ لہجے میں ندامت اور آنکھوں میں نمی لاتے ہوئے بڑی مکاری سے دیوانہ وار اس کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چھوڑو۔ چھوڑو مجھے۔ وحشی، پاگل دیوانے۔ تم تو جنگلی جانور ہو۔ بالکل جاہل اجڈ، گنوار۔ تمہیں تو لیڈیز سے بات کرنے کے بی ہیو کرنے کے مینرز نہیں۔ لعنت ہے مجھ پر جو تم جیسے جاہل کو اپنے لیے منتخب کر بیٹھی۔ مجھے کیا پتا تھا جسے سونا سمجھ رہی ہوں۔ وہ زنگ آلود لوہا نکلے گا۔ کیسی حماقت کی میں نے۔ کتنی بڑی غلطی اپنی زندگی کی، چلے جاؤ یہاں سے، چھوڑ دو مجھے۔"

آفتاب زبیری اب ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر بڑی نرمی سے اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی پر رکھ رہا تھا۔ وہ اسے خود سے پرے دھکیل رہی تھی، اور وہ اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے معافیاں مانگے جا رہا تھا۔

"شائستہ! میری جان! قسم لے لو۔ خدا کی قسم جو آئندہ کبھی تم پر اپنی جان پر ہاتھ کیا انگلی بھی اٹھائی۔ خدا کی قسم اٹھا کر باہر پھینک دینا۔ کتوں کے آگے ڈلوا دینا جو جی چاہے سزا دینا مگر ایسے خفا نہ ہو۔ یوں ناراض نہ ہو۔ ورنہ تمہارا یہ سر پھرا دیوانہ مر جائے گا۔ میری جان مر جاؤں گا۔ دیکھو اس عمر میں۔ میں نے اپنی سال خوردہ رفاقت کو لات ماری۔ جوان بچوں کو چھوڑا۔ کس کے لیے؟ تمہارے لیے۔ تمہاری محبت کے لیے۔ اب اگر تم بھی مجھ سے ناراض

ہو گئیں۔ خفا ہو گئیں تو میں مر جاؤں گا۔ میرا تو اب اس بھری دنیا میں تمہارے سوا کوئی بھی نہیں۔ خدا کے لیے شائستہ! مجھ سے ناراض نہ ہو، مجھے نہ چھوڑنا پلیز۔"

وہ اب گھگھیا گھگھیا کر کبھی ہاتھ جوڑتا۔ کبھی اس کے کندھے سے لپٹا کبھی اس کے قدموں میں جھکنے کی کوشش کرتا۔ اتنی گریہ وزاری میں دو آنسو بھی پتھر دل سے نکل آئے اور ساتھ ہی...... وہ اس کے قدموں پر جھکنے جا رہا تھا کہ ایک سسکی کے ساتھ زوردار آہ...... وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا چلا گیا۔ چہرے کا رنگ بھی متغیر ہو گیا۔

پہلے تو شائستہ کو لگا، وہ کوئی ڈرامہ کر رہا ہے۔ مگر چند لمحوں تک وہ سیدھا نہ ہوا تو اسے تشویش سی ہوئی۔

"آفتاب! آفو۔ آر یو آل رائٹ۔" وہ ٹشو پر دباتی ذرا جھکی تو اس نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھ۔ ٹھیک ہوں میں۔ بس دل کا پرانا روگ ہے۔ جو تمہاری محبت پا کر کچھ دنوں کے لیے کہیں سو گیا تھا جا کر۔ آج تمہاری ناراضی دیکھتے ہی کیسے بیدار ہوا ہے کہ۔ بڑی مشکل سے سانس۔ آ جا رہی ہے۔ آہ...... آہ۔" وہ وہیں کارپٹ پر سینے پر ہاتھ رکھے دوہرا ہو گیا۔

"کیا زیادہ درد ہے ڈاکٹر کو کال کروں؟ سیدھے تو ہو۔" اب شائستہ کو کچھ فکر لاحق ہوئی۔ اس کے پاس جھکتے ہوئے اس کے ہاتھ سینے سے ہٹانے لگی۔

"میری مسیحا تو تم ہو، تم راضی ہو جاؤ گی تو اس درد کو میں خود راضی کر لوں گا۔ بس تم مجھ سے خفا نہ ہو۔"

اس نے پکے عاشقوں کی طرح چہرے پر بیچارگی اور درد کے ملے جلے احساسات پیدا کرتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"میں کب ناراض ہوں تم سے۔ یہ سب تو تم۔" وہ خفا سی آواز میں کہتے ہوئے رک گئی۔

"جانتا ہوں، مانتا ہوں اپنی غلطی۔ یہ سب کچھ میری بے ہودگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ پر کیا کروں تمہاری محبت میں سمجھو، دیوانہ ہو چکا ہوں۔ اس دیوانے کو معاف کر دو۔" اس کے گھسے پٹے ڈائیلاگ پر شائستہ کو بیزاری سی ہوئی۔

"اچھا اٹھ کر اوپر بیڈ پر بیٹھو، ٹھیک ہے اب طبیعت؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے

اٹھاتے ہوئے بیڈ تک لے گئی۔

''ہو جائے گی ٹھیک۔ اگر تم میرے پاس یونہی اسی طرح میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ دیر بیٹھی رہو۔'' وہ شائستہ کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔ بیٹھی ہوں مگر میرا آفس جانا بھی بہت ضروری ہے۔ آج ایک ڈیلی گیشن آرہا ہے جاپان سے، میرا آفس جانا تو ضروری ہے۔'' وہ قدرے بیزار سے لہجے میں بول رہی تھی آفتاب زبیری کی کائیاں نظروں سے اس کی بیزاری چھپی نہ رہ سکی۔

''جانتا ہوں میں کہ تمہارا آفس جانا کتنا ضروری ہے مگر ڈیئر اگر مجھے نظر انداز کرو گی تو میں مر جاؤں گا۔'

''پلیز آفو! یہ ٹین ایجر والے ڈائیلاگ تو بند کرو۔ یہ بتاؤ اب تم ٹھیک ہو۔'' وہ کوفت بھرے انداز میں اپنا ہاتھ کھینچ کر بولی۔

''ہوں ٹھیک ہوں مگر، پلیز مجھے ابھی چھوڑ کر نہ جاؤ۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا تو شائستہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔

''زندگی اس طرح نہیں گزرے گی۔ آفو!'' وہ اسے سمجھانے کے خیال سے بولنے لگی۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔'' وہ فوراً اس کی بات کاٹ کر بولے۔

''کیا۔؟'' شائستہ نافہم نظروں سے تکتے ہوئے بولی۔

''یہی کہ زندگی کا سارا بوجھ گاڑی کے ایک پہیے پر ڈال دیا جائے۔ وہ کمال ہوشیاری سے اپنے مطلب کی بات پر آنے لگا۔

''کیسا بوجھ۔؟'' شائستہ نہیں سمجھی تھی۔

''سارا کام سارا بوجھ بزنس کا تم نے اٹھا رکھا ہے۔ میں گھر فارغ بیٹھ کر پلنگ توڑتا ہوں اگر تمہارے مشوروں پر عمل کروں۔ دوستوں یاروں میں بیٹھوں۔ آفس نہ جاؤں تو یاروں دوستوں میں بیٹھنے کے لیے شان اور عزت سے بندے کی جیب تو بھاری ہونا چاہیے۔ اس کے لیے پیسہ...... اور وہ ہر ماہ مجھے تم سے بھک منگوں کی طرح مانگنا پڑتا ہے۔ شائستہ! میں نے اپنی پچھلی زندگی جو غربت میں گزاری ہے، اس میں بھی میں بادشاہ کی طرح رہا ہوں۔ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔'' وہ اسے اپنے خوددار ہونے کا یقین دلانے لگا۔

''ہاں نہ ہاتھ پھیلایا نہ ہلایا بس چھیننے کا کام لیا ہاتھوں سے۔'' اس کی بات پر شائستہ دل میں بڑبڑائی۔

''مجھے یوں ہر وقت تم سے مانگنا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اب کے چہرے پر معصومیت سجا کر بولا۔

''چلو تو ایسا کرتے ہیں تمہارا اکاؤنٹ کھلوا دیتی ہوں اور ہر مہینے ایک مخصوص رقم اس میں ٹرانسفر ہو جایا کرے گی۔ کیا خیال ہے؟''

شائستہ بھی اس کے روز روز ملازموں کے سامنے آفس میں آتے جاتے پیسے مانگنے سے تنگ آئی ہوئی تھی۔

''اکاؤنٹ میرا ہے۔ مگر اس میں بھی ایک مسئلہ ہے۔'' اب اس کے چہرے پر درد یا تکلیف کا شائبہ تک نہیں تھا۔

''وہ کیا۔''

''اگر میں نے وہ مخصوص رقم ایک دن میں اڑا دی تو؟''

''آفو! اب تم محض مجھے یہاں روکنے کے لیے مذاق پر اتر آئے ہو۔'' شائستہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''یہ مذاق نہیں سچ ہے۔ کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا۔'' آفتاب کی بات پر شائستہ ٹھٹکی۔

''ہاں۔ تم کرسکتے ہو یہ بھی۔ ایک دن میں ساری رقم۔'' وہ بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔ ''پھر۔''

''مجھے آفس میں کوئی ڈیوٹی دو۔ کچھ کام سمجھاؤ تا کہ ایک تو میری دوستوں یاروں کی اڑاؤ کمپنی سے جان بچے۔ دوسرے میرے اندر احساسِ ذمہ داری پیدا ہو کہ روپیہ کیسے کمایا جاتا ہے۔'' وہ گھیر گھار کر شائستہ کو اس کی بات کی طرف لے ہی آیا۔

''ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔'' وہ اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سوجے ہوئے ہونٹ کا جائزہ لیتے ہوئے لپ اسٹک ٹھیک کر رہی تھی۔ ''چلو ایسا کرتے ہیں کل سے تم بھی میرے ساتھ آفس چلو گے، میں تمہارے لیے الگ سے آفس روم سیٹ کروا دیتی ہوں۔ کچھ دن کام سمجھ لو گے تو آسانی ہو جائے گی۔ مجھے ہیلپ مل جائے گا اور تمہارا دماغ ان شیطانی کاموں کو سوچنے سے محفوظ ہو جائے گا۔ گڈ آئیڈیا۔'' وہ پلٹی اور مسکراتی ہوئی اپنا پرس اٹھانے

گئی۔

''کل سے تیار رہنا ساتھ چلنے کے لیے اور شام کو ہم ڈنر باہر ہی کریں گے۔ ابھی تم ریسٹ کرو۔ میں لنچ تک آ جاؤں گی۔ او کے بائے۔'' وہ جھک کر اس کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے باہر نکل گئی تو آفتاب زبیری نے ایک طمانیت بھرا سانس لیا اور ایک بھرپور انگڑائی۔

اب کے انگڑائی نہ ٹوٹی
تو بدن ٹوٹ جائے گا

وہ بہکتی ہوئی آواز میں گنگناتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو آ گئیں شائستہ بی بی بالآخر دام میں۔ اب دیکھنا میں نے آفس میں داخل ہو ہے اور تمہاری واپسی کے لیے الٹی گنتی شروع ہو جائے گی۔ دیکھنا تم آفتاب زبیری کی ذہانت کے کمالات۔'' وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرتے ہوئے باآواز بلند کہ رہا تھا۔

☆☆☆

''یہ۔'' رافع نے تہہ شدہ کاغذ کھول کر پڑھنا شروع کیا اور چند لمحوں بعد بولا۔ اس کے مزید بولنے کا انتظار کرنے لگی اور سینے میں جو دھڑکنوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ سیدھے کھڑے رہنا مشکل لگ رہا تھا۔

''تین ماہ...... تین ماہ انتظار کر سکتی ہو۔ میں ابھی آج ہی تمہاری خواہش پوری دیتا بلکہ جانے سے پہلے۔ اگلے ہفتے مجھے تین ماہ کے ٹریننگ کورس پر کوریا جانا ہے۔ میں ہا بھر میں ڈائیورس کے پیپرز تیار کروا لیتا مگر کل سے چیمبر میں سالانہ چھٹیاں شروع ہو رہی ہ اور تم مجھے دو تین دن پہلے کہتیں تو۔'' رافع اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا اور ا پہلے سے بھی برا لگ رہا تھا۔

''کیا ہر بار میرا کہنا ضروری ہے۔ آپ کو خود اپنے وعدے کا پاس نہیں۔'' وہ چڑ بولی۔

''ہے پاس اور شرمندہ بھی ہوں کہ مہلت پر مہلت لیے جا رہا ہوں مگر ایسا عہد ش بھی نہیں کہ ہر بار ہی ایسا کروں۔ یہ تو تحریری کام کے لیے تاخیر ہے۔ اگر تم چاہو تو زبانی۔'' ''اس نے نظریں سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ پر مرکوز کیں۔'' میں ابھی کہہ دیتا ہو

جو تم کہو۔'' اس نے اتنی آہستہ آوانذ میں کہا کہ لیہا نے بمشکل سنا۔

''تم صرف تین ماہ امی کے پاس اپنی پھپھو جان کر رہ لو۔ اور میرے آنے سے ایک دن پہلے چاہے گھر چھوڑ جانا۔ میری طرف سے تم آزاد۔''

''اور اگر میں تین ماہ کی یہ فضول شرط رد کر دوں تو۔'' وہ ایک بار پھر زورزور سے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے ترش لہجے میں بولی۔

''میں اصرار نہ کرتا اگر امی میرے جانے کے بعد بالکل اکیلی...... دوسری صورت میں یہ ٹریننگ ڈراپ کرتا ہوں تو جاب کا قائم رہنا محال ہے۔ جو تم کہو۔'' اس نے ایک بار پھر بڑی مہارت سے بندوق اس کے کندھے پر سیٹ کر دی کہ اب ٹریگر دباؤ۔

وہ جھلا کر مڑی۔ دو قدم چلی اور رک گئی۔

''جو تمہارے دل و دماغ میں ہے، کہہ ڈالو۔'' وہ اس کی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

''اگر وہ سب میں نے کہہ دیا رافع صاحب! تو کمرے سے باہر میں نہیں آپ جائیں گے۔'' وہ غصے میں تمتماتا ہوا چہرہ لے کر پلٹی تھی۔

''تم نے ہم سب کے لیے اتنا کچھ کیا ہے۔ میں چند باتیں نہیں سن سکوں گا۔'' وہ تحمل مزاجی سے بولا۔

''عجیب انسان ہیں۔ آخر چاہتے کیا ہیں مجھ سے۔ کیوں باندھ کر رکھنا چاہتے ہیں مجھے اپنے ساتھ۔ کیوں مجھے آزاد نہیں کر دیتے۔ صرف اپنے مطلب، اپنے مفاد کی خاطر میری اسیری کے دن بڑھاتے جا رہے ہیں۔ کیا لطف آ رہا ہے آپ کو مجھے یوں اذیت میں دیکھ کر۔'' یہ وہ زور سے کہتے کہتے رو پڑی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

رافع دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر بیٹھ گیا۔

''پتا نہیں قدرت کو کیا منظور ہے۔ تقدیر رستے کھولنے لگتی ہے تو دکھ کی ان دیکھی زنجیریں ہمارے قدموں کو جکڑنے لگتی ہیں۔ کھلتے ہوئے رستوں کی خوشی ان زنجیروں کی کھنکھناہٹ میں کہیں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ آج شام میں کس قدر خوش تھا۔ ایک نہیں، دو دو خوشیاں وہ بھی ایسی جن کے لیے مدتوں سے یہ دل ہمک رہا تھا۔ یوں قطرہ قطرہ ملنے والی آسانی بھی مذاق لگتی تھی۔ جی چاہتا تھا ابر برسے اور ٹوٹ کر برسے اور یہ نہیں پتا کہ جب ابر

ٹوٹ کر برستے ہیں تو اکثر کچے مکانوں کی دیواریں بھی ڈھے جاتی ہیں اور جوان کچی دیوارو کے بیچ شہر دل بھی مسمار ہو جائے تو کون ابر برسنے کی خوشی منائے گا پھر۔ کون۔"

اسے پتا نہیں چلا مگر اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی آنسوؤں کی صورت میں ڈ ہو کر بہنے لگی تھی۔

☆☆☆

"یہ۔ یہ کس کا گھر ہے؟" سعدیہ بیگم نے گاڑی سے اترتے ہوئے حیرانی سے اس شاندار بنگلے کو دیکھا جس کے براؤن کلر کے آہنی گیٹ کے آگے گاڑی آ کر رکی تھی۔

رافع اب گیٹ کا لاک کھول رہا تھا۔

"آپ اندر تو آئیں پھر بتاتا ہوں۔" وہ ہاتھ سے گیٹ وا کرتے ہوئے بولا۔

ایبہا نے ناپسندیدہ نظروں سے رافع کے اس فضول سسپنس کو دیکھا اور منہ پھیر لیا

"آؤ نا ایبا، یہ رافع ہمیں بن بتائے کس کے گھر ملانے اٹھا لایا ہے۔"

سعدیہ بیگم نے اسے یونہی منہ پھیر کر کھڑے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا وہ مج سی ہو کر ان کے ساتھ چل پڑی۔

اس کا تو گھر سے آنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے صاف انکار بھی کر دیا مگر پھر پھپھو کا وہی اصرار بھرا انداز اور اس کی وہی مجبوری کہ وہ کسی کے اصرار کو زیادہ دیر تک نہیں کر سکتی تھی۔

"امی! جلدی آئیں نا۔" رافع چھوٹے سے لان کی روش پر چلتا ہوا گھر کی عمارت کے بیرونی حصے میں کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کتنا اچھا گھر ہے، سبزے اور ہریالی والا۔ کھلی ہوا اور روشن صحن والے گھر کتنے مبارک اور دل کو کھینچتے ہیں۔" انہوں نے ایک طرف سے چھوٹے سے لان کی جھاڑیوں نما ہوئی گھاس اور بنگلے کی اختتامی دیوار کے ساتھ لگے درختوں کو دیکھتے ہوئے رشک بھرے لہجے میں کہا۔

"انصاری ہاؤس، سے نکلنے کے بعد ایسی جگہ کے لیے میں بڑا ترستی رہی پھپھو۔ چھوٹے گھٹے ہوئے تنگ کمروں، صحن کے بغیر تاریک گھروں میں رہنا میرے لیے کسی جیل سے کم کی سزا نہیں تھی پھر اس سزا سے ہم آہنگی پیدا کرتے ایک زمانہ لگ گیا۔ ان برے وقتوں

میں جب اپنے جرم محبت کی سزا کے انتہائی دور سے گزر رہی تھی اس وقت بھی مجھ سے کوئی پوچھتا کہ میری کوئی ایک بڑی خواہش جو فوری پوری کی جا سکتی ہے تو میں کہتی۔ ایسا کھلا اور ہوا دار گھر جہاں میں کھل کر سانس لے سکوں اور اپنی اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتی نظروں میں جی بھر کر روشنی بھر سکوں زندہ انسانوں کے لیے ہوا اور روشنی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"وہ واقعتاً کھلی ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس جگہ کی کشادگی اور سست رفتار چلتی ہوا کو اپنے اندر اتار رہی تھیں اور ایبہا کو لگا جیسے وہ اس کے دل کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ اس کے دکھوں میں یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔

چھوٹا سا تین ساڑھے تین مرلے کا گھر جس کے چھوٹے چھوٹے تنگ کمروں اور چند قدموں کے صحن میں اس کا دم گھٹتا تھا۔

اسے محبت ملتی یا نہ ملتی۔ زمین کی کشادگی نہ چھنتی تو شاید اسے اپنی بدقسمتی پر اتنا رونا نہ آتا۔

"اُفوہ! آپ دونوں کس مراقبے میں گم ہو گئی ہیں۔ اب آ بھی جائیں۔" رافع کی جھلائی ہوئی آواز نے ان کے قدموں کی رفتار تیز کی تھی۔

گھر جتنا باہر سے دل کو بھایا تھا اندر سے بھی اتنا ہی کشادہ اور خوبصورت تھا۔

تین بیڈ روم ان کے پورے گھر جتنا لاؤنج اور ڈرائنگ روم ڈائننگ روم اور ایک عدد گیسٹ روم۔ بادامی رنگ کی پھسلتی ٹائلیں اور تازہ پینٹ کی ہوئی دیواریں گھر کے نیا ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔

"رافع! بہت خوبصورت ہے۔ بہت پیارا مگر یہ ہے کس کا اور ہمیں ادھر کیوں لائے ہو۔" سعدیہ بیگم نے جیسے خواہشوں کی دھکم پیل سے گھبرا کر پوچھ ہی ڈالا کہ ہر قدم پر ان کا دل اتنے خوبصورت گھر میں رہنے کو مچل رہا تھا لاؤنج اور ڈرائنگ روم میں خوبصورت نفیس لکڑی کا کام اور ہر کمرے کی بڑی بڑی کشادہ شیشے کی کھڑکیاں انہیں بار بار اپنی زندگی کی اس بڑی محرومی کا احساس دلا رہی تھیں جسے انہوں نے عمر بھر کبھی خود پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔

"پتا ہے امی! یہ کیا ہے؟" رافع نے مڑ کر ماں کے کندھوں کو تھام کر ان کے چہرے پر اپنی سیاہ چمکتی نگاہیں جما کر پوچھا۔

''وہی تو پوچھ رہی ہوں۔'' وہ متذبذب سے لہجے میں بولیں۔ بے اختیار ہی رافع کے لبوں سے کچھ انہونی سننے کا متمنی ہو رہا تھا۔

''امی! یہ آپ کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ مجھے کمپنی کی طرف سے یہ گھر ملا ہے۔۔ آپ کی دعاؤں کا ثمر۔'' رافع کا انکشاف انہیں کسی بم کا دھماکہ محسوس ہوا تھا۔ کچھ یہی کیۂ لیہا کی بھی تھی وہ بھی لمحہ بھر کو رافع کی بات سن کر اپنی جگہ پر ساکت سی رہ گئی۔

''تت...... تم سچ کہہ رہے ہو رافع! واقعی۔'' پھپھو کی کانپتی آواز نے تصدیق کی اس نے جو سنا ہے وہ کوئی واہمہ نہیں تھا۔

''بالکل سچ امی! قسم لے لیں۔ میں نے جاب کے اول دن سے گھر کے لیے اپلائی کر رکھا تھا۔ اس کالونی میں ہماری کمپنی کے دس بارہ ایسے گھر ہیں، کوئی بھی خالی نہیں تھا۔ یہ مہینے خالی ہوا اور آپ کے بیٹے کے نام قرعہ نکل آیا۔ ہمیں تو شک سا تھا مگر امی! آپ کو دعاؤں کی قبولیت کا پورا یقین تھا۔ دیکھیے اللہ نے آپ کے یقین کو کیسا کامل کر دیا۔ ایک اَ کر کے آپ کی ساری دعائیں بارگاہِ الٰہی سے مقبولیت کی سند پا کر آپ کی جھولی میں آ گ ہے، نا امی!'' رافع اس طرح بول رہا تھا کہ جیسے اس جگہ اس کے اور سعدیہ بیگم کے علاوہ کوئی بھی موجود ہی نہیں۔

لیہا کھڑے کھڑے جیسے شل سی ہو گئی اور بیٹھنے کے لیے کوئی کرسی یا کوئی اور نہیں تھی۔

''پھپھو میں تھک گئی ہوں۔ باہر گاڑی میں بیٹھی ہوں۔'' اس کے لبوں سے سوچے سمجھے نکلا اور دوسرے لمحے وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی بیرونی دروازے سے باہر نکل گئی۔

رافع کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''رافع بیٹا! برا نہ ماننا۔ ہو سکتا ہے، یہ میری دعاؤں کا ثمر ہو مگر اس خوشی کی مبارک باد تمہیں بیا کو دینی چاہیے تھی۔ اس نے جیسے تیسے بھی سہی اس سیلن زدہ ڈربے میں تمہارے ساتھ وہ کٹھن دن گزارے ہیں جن کے بارے میں اس نے اپنی سابقہ زندگی میں سوچا بھی نہیں ہو گا اور مجھے اپنی دعاؤں کی مقبولیت کا یقین اس دن آئے گا جب تم مجھے اس شرم ساری سے باہر نکالو گے۔'' وہ یاس بھرے لہجے میں کہتے ہوئے بولیں۔

''کیسی شرم ساری امی!'' وہ بے قرار ہو کر ان کے سامنے آ گیا۔

''وہی شرمندگی جو میں بیا کو اس برے حال میں دیکھ کر محسوس کرتی ہوں۔ تم اسے اس کے حقوق سے محروم کر کے اس کے مجرم بھی ہو رہے ہو، میرے بھی اور سب سے بڑھ کا اللہ اور اس کے رسول کی گواہی میں تم نے اس کے سارے حقوق ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا اور آج اتنے بہت سارے مہینے گزرنے کے بعد بھی میں دیکھ رہی ہوں۔ تم دونوں کے تعلقات وہی ہیں جہاں پہلے دن سے تھے۔ وہ عرش سے فرش پر آئی تھی، اسے دکھن اور درد جتنا بھی ہوتا کم تھا مگر اس کے درد کو کم کرنے کے لیے تم نے خود سے ایک بار بھی کوشش نہیں کی۔ کوشش کرتے تو بیا کے دل سے اچھا کس کا دل ہو گا۔ مجھے اکثر راتوں کو لیہا کی اداس پژمردہ نگاہیں اپنے بستر پر کروٹیں لینے پر مجبور کر دیتی ہیں جیسے وہ مجھ سے سوال کرتی ہوں۔

''پھپھو! آپ مجھے اسی مان پر یہاں لے کر آئی تھیں۔'' میں مانتی ہوں جب وہ اس گھر میں آئی تو نہ اس کے دل میں جگہ تھی تمہارے لیے نہ ذہن میں۔ پر سچ کہوں رافع! نکاح کے بولوں میں ایسا جادو ہے اگر تم ذرا سی پیش قدمی کرتے۔ ایک بار نہیں بار بار عورت شوہر کے محبت بھرے التفات کو زیادہ دیر تک جھٹک نہیں سکتی۔ یہ کشش بھی پیدا کرنے والے نے اس کے خمیر میں رکھی ہے۔ جو وہ اپنے ہم سفر کے لیے محسوس کرتی ہے اور مجھے بے حد دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے۔ میرے بارہا منہ سے کہنے کے باوجود تم نے ایک بار بھی ایسی کوشش نہیں کی۔''

وہ دکھ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے پیچھے دیوار سے لگ کر جیسے ہانپنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں پانی چمکنے لگا۔

''امی!'' میں نے کئی بار کوشش کی مگر ہر بار...... امی اس نے۔''

رافع کی نظریں جھک گئیں۔ وہ رخ پھیر کر بیرونی دروازے سے باہر گیٹ کے آگے کھڑی گاڑی میں بیٹھی لیہا کو دیکھ رہا تھا مگر ہر بار مجھے صاف لفظوں میں بتایا کہ وہ کبھی، مجھے اپنے ہم سفر اپنے جیون ساتھی کے طور پر قبول نہیں کر سکتی۔ اس کے دل نے کبھی ''زریاب'' کی جگہ کسی اور کو دی ہی نہیں اور نہ ہی وہ دے سکتی ہے۔ بلکہ مجھے اپنے قریب دیکھ کر اسے اپنی محرومی کا اور شدت سے احساس ہونے لگتا ہے پھر بتائیں میں کیا کرتا بھلا۔''

وہ بے بس لہجے میں بولا۔ اصل میں تو وہ یہ بات ماں کے سامنے کبھی نہ کہتا مگر

انہیں آنے والے اس واقعے، کے بارے میں بھی تو تیار کرنا تھا جو ایک دن ہو کر رہنا تھا۔

''اس کے باوجود میں کہتی ہوں، اس سارے معاملے میں کمی اور کمزوری ت طرف سے ہے۔ وہ صرف زبان سے ایسا کہتی ہے۔ کبھی تم نے اس کے دل میں جھا کوشش کی؟ زریاب اس کا ماضی تھا۔ حال اور مستقبل تم تھے۔ وہ کتنی دیر تمہیں نظر انداز تھی اگر تم نے اسے بطور شریکِ حیات قبول کیا ہوتا۔ ایک دوست ایک بیوی کی طرح ہوتا۔'' وہ سراسر اسے قصوروار گردانتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''امی! اس کا کچھ فائدہ نہیں کیونکہ......'' وہ اسی طرف رخ کیے ہاتھ مسلنے لگا۔

اب اسے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ نیلے سوٹ میں بے چینی سے بار بار گیٹ کے باہر د ہوئی۔

''کیونکہ کیا؟'' وہ جیسے تنک کر بولیں۔

''اس نے مجھ سے علیحدگی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اور وہ اس سے ایک انچ ہٹنے کو نہیں اور۔ اور میں نے اسے آزاد کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ روشی کی شادی تک......''

وہ کہہ رہا تھا اور سعدیہ بیگم کے چہرے کا رنگ سفید لٹھے کی مانند سفید پڑتا ج تھا۔

''بہت اچھی مثال قائم کرو گے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر، اگر تم نے ایسا کیا کبھی میری خوشی حاصل نہ کر سکو گے۔''

وہ تیز لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گئیں تو رافع ایک گہری سانس لیتا ہوا انہیں د رہ گیا۔

''لگتا ہے، اب کے زندگی نے ہر خسارے کو میرے میزان میں درج کرنے فیصلہ کر لیا ہے تو یونہی سہی۔'' وہ تھکے ہوئے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆☆☆

یہ اس کی زندگی کی...... پچھلی اور آنے والی اور گزرتی ہوئی زندگی کی سب سے بڑ غلطی تھی۔

جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے شائستہ کو اپنی زندگی کی اس بھیانک غلط کا احساس شدت سے ہوتا جا رہا تھا۔

آفتاب زبیری آفس آنے لگا تھا۔

اس کی دلچسپی آفس میں صرف ایک ہی شعبے میں تھی اور وہ تھا اکاؤنٹس۔

ہر دوسرے دن تیس چالیس ہزار کا چیک سائن ہونے کے لیے شائستہ کے سامنے آ کر اسے آگ لگا جاتا۔

اور دوسری اذیت جو آفتاب زبیری کے آفس آنے سے اسے اٹھانی پڑ رہی تھی۔ وہ اس کی گھٹیا کمپنی کے لوگوں کی آمد و رفت اور سارا دن بلا مقصد آفس میں بیٹھنا۔

اونچا اونچا بولنا، بے ہنگم قہقہے لگانا، ایک جملے میں چار گالیاں بکنا، فحش واقعات اور ذو معنی اسٹیج ڈراموں جیسے مکالمات بولنا اور اکثر و بیشتر جوئے کی بازی جما لینا۔

شائستہ کو لگتا۔ یہ اس کا آفس نہیں کسی پسماندہ علاقے کا کوئی تھڑا ہے جہاں ان جاہل عیاش اور گھٹیا لوگوں کی ٹولی اس کی سالوں میں بنی ہوئی ریپوٹیشن کو چند دنوں میں مٹی میں ملا رہی ہے۔ اس کا بی پی ہر وقت ہائی رہنے لگا۔

اسے بہت برداشت کرنے کی عادت نہیں تھی۔

مگر آج کل اسے اپنی عادت کے بہت برخلاف یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

مگر اس دن اس کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔

اس کی سیکریٹری آفتاب زبیری کے کمرے میں اس کا اور اس کے دوستوں کا پسندیدہ مشروب، سرو کرنے گئی اور انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کی چیخ و پکار نے پورے آفس کی بلڈنگ ہلا دی اور جب تک شائستہ وہاں تک پہنچی پانی گویا سر سے اوپر گزر رہا تھا۔

اس کی بے حد مہذب پڑھی لکھی ویل مینرڈ سیکریٹری کسی کبوتری کی طرح نچی کھچی زخم زخم اپنے بازوؤں کے حلقے میں اپنے نیم برہنہ وجود کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے زمین میں گڑی آنکھیں بند کیے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔

اور آفتاب زبیری کے وہ گدھ نما بھیڑیے اس کے گرد منڈلاتے، ہاتھوں میں پیگ لیے قہقہے لگاتے ہوئے گویا اپنے شکار پر ٹوٹ پڑنے کو پر تول رہے تھے۔

اور آفتاب زبیری اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا یوں جھول رہا تھا جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے کوئی بہت دلفریب و دلچسپ تماشا ہو رہا ہو۔ وہ پیگ لبوں سے لگائے چسکیاں لے

رہا تھا۔

''کیا بے ہودگی ہے یہ۔'' شائستہ کی دھاڑتھی یا صورِ اسرافیل لمحہ بھر کو ان کے ہودہ جنگلی قہقہوں کی لے تھمی۔

پھر شائستہ کے گارڈز نے آفتاب زبیری کے حواریوں کی جو درگت بنائی، وہاں موجود سب لوگوں کے لیے ایک یادرکھنے والا واقعہ بن گئی۔

آفتاب زبیری کو گویا ڈنڈا ڈولی کر کے شائستہ نے گھر بھجوایا اور خود سیکرٹری کی جوئی کے لیے اسے ڈاکٹر زبیر کے کلینک خود لے کر گئی۔

اور رستہ بھر وہ اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی حماقت کو کوستی رہی جب اس ڈاکٹر زبیر کے پر پوزل کو ریجیکٹ کر کے اس کمینے لچے آفتاب زبیری کو اپنی زندگی میں شا تھا۔

آفتاب زبیری کے بارے میں سوچتے ہوئے شائستہ کی کنپٹیوں میں جیسے انگا دہکنے لگے تھے۔

''اگر میں ایسی بدبختی کو اپنی زندگی میں اپنی مرضی سے شامل کر سکتی ہوں تو خارش زدہ بیمار کتے کی طرح لات مار کر اپنی زندگی سے باہر پھینک سکتی ہوں وہ میرا طفیلہ میں اس کی...... لینف از لینف آج میری برداشت کی حد ختم ہو گئی۔ آفتاب زبیری! رات اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ادھر سے دفعان ہونے کی تیاری کرو۔ اب اپنی زندگی اور اکاؤنٹس کو دیوالیہ ہونے سے بچانے کا یہی آخری راستہ ہے۔''

ڈاکٹر کے کلینک کے آگے اترتے ہوئے شائستہ دل میں تہیہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

''اگر تمہیں زیادہ دن رکنا پڑ گیا تو۔'' سعدیہ بیگم نے تشویش بھرے انداز میں سے کہا، جو تیار ہو کر ان کے کمرے میں ان سے ملنے آیا تھا۔ دو گھنٹے بعد اس کی فلائیٹ تھی

''امی حد کرتی ہیں آپ بھی۔ میں کسی بزنس ٹور پر تھوڑی جا رہا ہوں۔ ٹریننگ کی مدت معین ہوتی ہے اس میں ایک دن اوپر نیچے نہیں ہو سکتا۔'' نوے دن کی ٹریننگ ہے انشاء اللہ اکیانوے دن یا اس سے اگلے دن میں آپ کے پاس ہوں گا۔'' وہ محبت سے کے دونوں ہاتھ اپنے لبوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

''اور امی سب سے زیادہ خوشی تو مجھے اس بات کی ہے کہ میں جانے سے پہلے آپ کو آپ کی پسند کے گھر میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ الحمد اللہ، اللہ نے مجھے اس قابل کیا کہ میں آپ کو کوئی خوشی دے سکا۔ امی! آپ کو یہ گھر پسند آیا ہے نا؟'' وہ چمکتی نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ اس گھر میں دو دن پہلے ہی شفٹ ہوئے تھے۔

''بہت زیادہ اللہ تمہیں ایسا ہی اپنا گھر دے بلکہ اس سے بھی زیادہ اچھا اور خوبصورت۔ بس تم خیر سے جاؤ اور بخیریت واپس آؤ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہی جائیں گی اور رافع۔'' وہ رکیں۔ ''میری اس دن والی بات پہ تم نے کچھ سوچا۔ بیا سے بات کی کھل کر۔ بیٹا! جانے سے پہلے ایک بار اسے اپنی رفاقت اپنی محبت کا یقین دلا جاتے تو وہ تمہاری غیر موجودگی میں اس یقین کو زیادہ گہرائی سے سوچ سکتی تھی۔ غور کر سکتی تھی۔ علیحدگی کا فیصلہ اس نے اپنے نظر انداز کیے جانے اور کچھ ضد میں کیا ہے اور ان دونوں کا حل تمہارے پاس ہے۔''

وہ ایک بار پھر اس تکلیف دہ موضوع کو چھیڑتے ہوئے بولیں جس سے وہ بچنا چاہ رہا تھا۔

''امی! وہ اس ''حل'' کے سوا اور کچھ میرے منہ سے نہیں سننا چاہتی۔ آپ نہیں جانتیں میں نے کس طرح اسے ان تین مہینوں کے لیے ادھر رہنے پر مجبور کیا ہے۔ ورنہ...... وہ تو روشی کے فوراً بعد۔''

وہ بتانا نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ اس دن ماں کی حالت بگڑتی دیکھ کر آئندہ اس نے اس موضوع پر بات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''سب تمہاری غلطی ہے۔' وہ تیزی سے بولیں۔ ''اور میں اب بھی کہہ رہی ہوں، تم ایسا کر کے محض میری ناخوشی کے حق دار ٹھہرو گے۔''

''امی! میں کب ایسا چاہتا ہوں۔ میں...... میں تو خود اب شاید اس کے بغیر۔''

وہ کہتے ہوئے جھجک کر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کے باہر کھڑی بیا کا دل زور سے دھڑکا تھا اور وہ اس سے آگے کیا کہتا ہے۔ اس کا دل سننے کا شدت سے متمنی تھا۔

''تم جانے سے پہلے اپنی عارفہ مامی سے تو مل آتے۔'' سعدیہ بیگم نے رافع کے ادھورے جملے سے کیا اخذ کیا تھا وہ جان نہ سکی مگر انہوں نے اسے جملہ پورا کرنے کو بھی نہ کہا اور موضوع بدل دیا۔

''کل رات کو مل آیا تھا۔'' رافع کا اگلا جملہ بھی اس کے لیے شاکنگ تھا۔

''اور تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ میں بھی چلتی۔'' وہ شکوہ کرتے ہو
بولیں۔

''میں تو ولید کے آفس گیا تھا ملنے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر چل پڑا۔ میں سمجھا ش
یونہی کہیں بیٹھ کر چائے پیئں گے۔ وہ مجھے انصاری ہاؤس لے گیا۔'' اس کا دل دھڑکا۔

''پھر کون کون ملا وہاں۔'' بے تابی سے بولیں۔

''بس عارفہ مامی کے پورشن میں ہی لے گیا تھا۔ ولید مجھے۔ وہ تو اب چلنے پھر
سے بھی عاجز ہیں۔

شوگر کنٹرول نہیں ہو رہی جس کی وجہ سے ٹانگیں کام نہیں کر رہیں آپ کا پوچھ ر
تھیں۔'' رافع بتا رہا تھا اور چائے کی ٹرے ہاتھ میں لیے بیا کا دل نیچے بیٹھتا جا رہا تھا۔ اس
نظروں کے سامنے اپنی صحت مند ممی کا سراپا گھوم رہا تھا جنہیں معمولی سی شوگر رہتی تھی جس
لیے وہ روزانہ ایک ٹیبلٹ لے لیتی تھیں اور بس۔

''جاؤں گی میں بھی دیکھنے آج کل میں۔'' سعدیہ بیگم افسردہ لہجے میں کہہ ر
تھیں۔ ''تم چھوٹے ماموں کی طرف نہیں گئے اور ولید کی طرف۔'' وہ پھر سے اسی بے قر
لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں۔'' وہ بہت آہستہ بول رہا تھا۔ ''اب ادھر وہ حالات نہیں رہے۔ تینو
گھروں کی آپس میں تقریباً قطع کلامی ہو چکی ہے۔ ہر قسم کا آنا جانا ملنا جلنا۔ صرف ولید
عارفہ مامی کو ہاسپٹل وغیرہ لے کر جاتا ہے۔ کچھ پراپرٹی کا تنازعہ چل رہا ہے تو کچھ وہ ربیعہ ا
ولید والا مسئلہ۔''

''تو سکون سے وہ بھی نہیں رہ رہے۔ کسی کے دل کو قدموں تلے کچل دینا آسان
نہیں ہوتا۔'' استہزائیہ سوچ کے باوجود اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''اور......'' رافع کہتے کہتے پھر چپ کر گیا۔

''اور کیا۔'' پھپھو کا حال بھی اس جیسا ہی تھا۔

''فریال پاکستان آ چکی ہے۔ معلوم نہیں زریاب۔ اور اس کے درمیان کیا ایشو چل
رہا ہے کہ وہ خلع کے لیے مطالبہ کر رہی ہے جبکہ باقی لوگوں کا خیال ہے، اسے زریاب ۔
پاکستان بھیج دیا ہے کہ ولید، ربیعہ سے شادی کے لیے مجبور ہو جائے۔ بہت کشیدہ فضا ہو رہی تم

انصاری ہاؤس کی۔ میرے خیال میں آپ بھی ابھی مت جائیے گا ویسے ہی فون کر کے معلوم کر
لیجیے گا۔'' رافع نے انہیں منع کرتے ہوئے کہا۔ باہر برتن کھڑکنے کی آواز آئی۔ رافع اٹھ کر باہر
آیا تو لیہا چائے کی ٹرے دروازے کے پاس پڑی تپائی پر دھر کر جا رہی تھی۔

''تو گویا اس نے ساری گفتگو سن لی ہے۔'' رافع نے ٹرے اٹھاتے ہوئے سوچا۔

''تم فریال سے مل لیتے۔'' سعدیہ بیگم نے پوچھا۔

''وہ تو۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے چائے کا کپ ماں کو پکڑایا۔

''ولید بتا رہا تھا بالکل گوشہ نشین ہو گئی ہے کسی سے ملتی ہے نہ کسی سے بات کرتی ہے
نہ کسی سوال کا جواب دیتی ہے۔ وہ پریگنٹ ہے مگر اتنی کمزور ہو رہی ہے جیسے اسے ٹی بی ہو گئی
ہو۔ چھوٹی مامی تو باقاعدہ بڑی مامی سے لڑ کر آئی ہیں کہ ان کے بیٹے نے نجانے ان کی بیٹی پر کیا
ظلم توڑے ہیں۔ کہ وہ مردوں سے بدتر حال میں واپس آئی ہے۔ ماموں اور ولید نے
زریاب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس سے بات نہیں ہو سکی۔ ولید بہت پریشان
ہے۔ مسائل دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ فیکٹری میں بزنس صفر ہو کر رہ گیا ہے اور بڑے
ماموں کی ہٹ دھرمی اسی طرح ہے۔ وہ کسی بھی مسئلے کو بیٹھ کر امن سے حل نہیں کرنا چاہتے،
وہی دھونس دھمکی اور ہٹیلا پن۔ جو مسائل کو اور بھی الجھا رہا ہے، ویسے ولید کا آفس کافی سیٹ
ہو گیا ہے بزنس کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں مگر عارفہ مامی کا حال برا ہے انہیں ماہانہ ملنے
والی آمدنی کا نصف کر دیا گیا تھا اور اب دو ماہ سے وہ بھی انہیں نہیں مل رہے۔ بڑے ماموں
نے ان سے کہہ دیا ہے کہ فیکٹری کا کام بند ہو چکا ہے تو وہ کہاں سے انہیں وظیفہ دیں بس اسی
طعنے اور رویے نے عارفہ مامی کو زیادہ بیمار کر دیا ہے۔ پھر ضویا کا اٹکا ہوا مسئلہ اور اب فریال کی
آمد۔ زریاب سے بات نہ ہو سکنا، چھوٹے ماموں بھی بڑے ماموں سے بدظن ہو چکے ہیں اور
جائیداد کی منصفانہ تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں جبکہ بڑے ماموں نے کہہ دیا ہے وہ کوئی بات نہیں
کریں گے نہ کسی کی سنیں گے۔ فیکٹری میں سے سب اپنا حصہ وصول کر چکے ہیں۔ اب جو ہے
وہ ان کے بیٹے زریاب کا ہے۔ ہاں گھر سیل کر کے سب رقم آپس میں تقسیم کر لیں، اس کے
علاوہ کچھ نہیں۔ اس بات نے ماموں اور ولید کو بھڑکا دیا ہے۔ سخت کشیدگی، غصہ اور نفرت ہے
دونوں طرف۔ دیکھیں کیا بنتا ہے۔''

رافع بتا رہا تھا اور سعدیہ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ ان کے سامنے پڑا چائے کا کپ

ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

''امی! آپ کیوں پریشان ہیں۔ میں اسی لیے آپ کو کچھ نہیں بتا رہا تھا کہ آ
پریشان ہو جائیں گی۔ انسان وہی کچھ کاٹتا ہے جو وہ بوتا ہے۔''

''رافع! وہ میرے بھائی ہیں۔ میرے ماں جائے۔ ان کے اجڑنے بسنے کا دکھ
مجھے ایسے ہی ہو گی جیسے اپنے اجڑنے بسنے کی۔ وہ مجھے کچھ نہیں سمجھتے نہ سمجھیں مگر میرے
کے رابطے ان سے کمزور نہیں پڑے۔ ان کی کج روی کے باوجود۔ تم مجھے کچھ نہ بھی بتاتے تو
دل سب کچھ بتا دیتا۔ میں جاؤں گی۔ کم از کم عارفہ بھابی کو دیکھنے تو ضرور جاؤں گی اور فر
سے ملنے بھی۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے گویا خود سے کہہ رہی تھیں۔

رافع نے انہیں ایک نظر دیکھا اور چائے پینے لگا۔ انہیں اب روکنے کا کوئی ف
نہیں تھا۔

''تم چائے پی لو تو جا کر بیا سے مل لو اور بیٹا! کوشش کرو، اس کے دل میں ا
کوئی دیا جلا کر جاؤ۔ وہ یہ تین ماہ تمہارے انتظار میں گزارے نہ کہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئ
''اور میری بات یاد رکھنا۔ بیا سے اچھی لڑکی تمہارے نصیب میں ہو ہی نہیں سکتی اور وقت
ان چاہے فیصلے کو درست ثابت کرنے کا انتظار کرنے میں لگا ہے۔ تم دیکھ رہے ہونا۔''

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے کسی اور خیال میں کہہ رہی تھیں اور رافع ے
نے جیسے ان کے خیال کی تائید کی تھی۔ انصاری ہاؤس کے حالات یہی کچھ تو ثابت کر
تھے۔ ''شاید میں امید کا ایسا کوئی دیا اس کے دل میں جلا ہی سکوں۔'' اتنے دنوں میں پہا
امید بھرے خیال نے اس کے دل میں کروٹ لی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

''آج کے بعد تم ہمیشہ کے لیے یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا لو۔ آفتاب زبیر
میرے آفس میں قدم نہیں رکھو گے۔ کبھی بھی نہیں۔'' مارے طیش اور غصے کے شائستہ اپ
کھو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا سامنے مسکین شکل بنائے بیٹھے اس لالچی کتے کو ا
گھر سے باہر پھینک دے۔

''ٹھیک ہے جیسے تم کہو اور اگر تم یہ سب نہ بھی کہتیں تو بھی میں آج کے وا
اس قدر شرمندہ ہوں کہ میں خود کبھی آفس نہ آتا۔ میں۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ مَ

ان بے ہودہ دوستوں کے اس واہیات مذاق کی تم سے معافی مانگ سکوں۔'' بہت سکون اور قدرے شرمسار انداز میں آفتاب زبیری سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''واٹ...... مذاق؟'' وہ زور سے چلائی۔ ''تمہارے نزدیک وہ ایک مذاق تھا۔ کسی عورت کو بیچ بازار اس طرح، اس طرح اس بے ہودہ انداز میں اس کی بے حرمتی کرنا۔ تم اسے مذاق کہہ رہے ہو۔''

''وہ زخمی شیرنی کی طرح حلق کے بل چلائی تھی۔

''آئی ایم سوری، ریئلی۔ تم کہو تو میں تمہاری سیکرٹری سے بھی معافی مانگ لوں گا۔ وہ اور بھی لہجے کو مدھم کرتے ہوئے بولا۔

''تم۔ تم آفتاب زبیری۔ تم کسی سے کیا معافی مانگو گے۔ کبھی مانگی ہے تم نے آج تک کسی سے معافی۔ جانے دو۔''

''وہ ہوا میں ہاتھ چلاتے ہوئے غصے اور بیزاری سے بولی۔

''اب میری کسی بات کا تو یقین کرو۔ میں دل سے شرمندہ ہوں۔ انہیں منع کر رہا تھا۔ پلیز اب غصہ تھوک دو۔ آفتاب زبیری منانے والے انداز میں اٹھ کر اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

''پلیز ڈونٹ ٹچ می۔ لیوی الون۔'' اس نے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔

آفتاب زبیری کو اپنی کمال قوتِ برداشت پر خود بھی حیرت سی ہوئی۔ ایسی حرکت پر وہ سعدیہ بیگم کا بے دھڑک قیمہ کر سکتا تھا مگر سامنے کھڑی وہ بے وقعت مسکین سی سعدیہ نہیں۔ اس گھر کی مالکہ اور اس کی خوش قسمتی کی سنہری کنجی شائستہ تھی جسے مارنا تو کجا اس کی مرضی کے خلاف وہ چھو بھی نہیں سکتا تھا۔

''او کے۔ اس وقت تم غصے میں ہو پھر بات کریں گے۔'' وہ نرم پڑتے ہوئے بولا اور بیڈ کی طرف بڑھا۔

''مزید تم اس معاملے پر کیا بات کرو گے۔ اگر کرو گے تو مجھے تمہاری ڈھٹائی پر رشک آئے گا۔'' شائستہ کا غصہ اور کوفت کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔

''نہیں، آفس نہ جانے والے معاملے کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ سرخ مخملیں کمبل کے سنہری پھول کے حاشیے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

"آفس کا کیا معاملہ؟" وہ ریشمی گاؤن سنبھالتی پلٹ کر غرائی۔

"اب میں گھر میں بیٹھا رہوں، مکھیاں ماروں فارغ بیٹھ کر۔ اگر باہر گیا تو کم جیب میں چار پیسے تو ہوں۔ آفس نہیں جاؤں گا تو۔" اس نے تمام تر نرمی کا اصل سبب کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" شائستہ جیسے تھک کر کاؤچ پر ڈھیر ہوگئی۔ "تمہیں اس علاوہ اور کچھ سوجھ بھی نہیں سکتا۔" وہ لبوں میں بڑبڑائی۔

"اب دیکھو، میں ہر وقت ننھے بچوں کی طرح یا کسی غریب بھکاری کی طرح تم مانگتا اچھا نہیں لگوں گا۔ آفٹر آل میں تمہارا ہسبنڈ اور اس گھر کا سربراہ ہوں۔ ہے نا۔ چہرے پر حتی الامکان معصومیت سجاتے ہوئے بولا تو شائستہ نے اسے کھا جانے والی نظ سے دیکھا۔ دونوں میں اس نام نہاد بچھڑی محبت کی یاد کیا اس کی پرچھائیں بھی نہ بچی تھی کی تجدید کے لیے دونوں ایک ہوئے تھے۔

"ہاں، وہ تو خیر سے تم ہوگئے۔ جب میری عقل پر پردے پڑے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی۔

"ٹھیک ہے تمہارا ماہانہ جیب خرچ تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیا کروا مگر تم آفس بھول کر بھی قدم نہیں رکھو گے۔" وہ بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے غرائی۔

"نہیں رکھوں گا۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔ "مگر وہ جیب خرچ کتنا ہوگا؟ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے رکھائی سے بولی۔

"کم سے کم ڈیڑھ لاکھ ماہانہ اور زیادہ سے زیادہ ڈھائی لاکھ۔" وہ شائستہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے لاڈ بھرے انداز میں بولا تو شائستہ جیسے کرنٹ کھا کر لیٹتے ہوئے بیٹھی۔

"میں کوئی مافیا کا دھندہ نہیں چلاتی جو تم سمجھ رہے ہو۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر سے بولی۔

"غصے میں تو کیا قیامت لگتی ہو میری جان؟" وہ اسے اپنی طرف کھینچتے ہ مصنوعی لگاوٹ سے بولا۔

"ایک لاکھ روپیہ ہر ماہ تمہارے اکاؤنٹ میں پہنچ جائے گا اس کے علاوہ اب ت

سے اس موضوع پر کوئی تکرار نہیں کرو گے۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے اپنی طرف کا لیمپ آف کرتے ہوئے کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

"اچھا یار! اب ناراضی تو دور کرو۔ یہ سب چلتا رہتا ہے۔ ادھر تو آجاؤ......" مہینے کا ایک لاکھ...... آفتاب زبیری نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ شائستہ کی آفر پر ایک بار تو دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"میں ادھر ہی ہوں۔ پلیز مجھے سونے دو۔ سخت تھکی ہوئی ہوں میں۔"

وہ اسی کوفت بھرے لہجے میں بولی جس سے گھنٹہ بھر سے بول رہی تھی تو آفتاب زبیری نے بھی دوبارہ اصرار نہ کیا اور اپنی طرف کا لیمپ آف کر دیا۔

"تو اس کا بزنس اتنا زبردست ہے کہ ہر ماہ میرے اکاؤنٹ میں بنا کچھ کیے، ہاتھ پیر ہلائے لاکھ روپیہ پہنچ جایا کرے گا...... یعنی سال کے بارہ لاکھ۔ ناقابلِ یقین اور جو مجھے اس سارے خزانے کی چابیاں مل جائیں یکمشت تو۔ بہت پیسہ ہے اس بڑھیا کے پاس اور اکڑ یوں دکھاتی ہے جیسے باپ کا مال ہے۔ کتیا اس مجوسی کے ترکے پر عیش کر رہی ہے اور مجھے دیتے اس کی جان نکل رہی ہے۔ شائستہ ڈارلنگ، بڑا غلط اندازہ لگایا ہے تم نے اپنے آفو ڈیر کا۔ اس عمر میں جب ہاتھ پاؤں میں صرف رعشہ ہی رہ جاتا ہے مجھے کیا پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ محبت کا بخار چڑھتا۔ یہ تو میری جان تمہاری دولت کا خمار تھا۔ جس نے مجھے دیکھتے بھالتے اندھا بہرا کر دیا۔ سب کچھ لات مار کر چھوڑ آیا اور تو مجھے ترسا ترسا کر روپے کی شکل دکھائے جیسے کوئی کتے کو ہڈی دکھا کر پیچھے کر لے اور میں اس بھوکے کتے کی طرح زبان نکالے اس ہڈی کے لالچ میں تیرے پیچھے پیچھے دم ہلاتا چلتا رہوں۔"

نہیں شائستہ ڈیر، آفتاب زبیری اتنا احمق نہیں۔ پہلے آدھی زندگی سمندر کو ترستے گزاری۔ اب سمندر ملا تو اس کے کنارے بندھ کر بیٹھا رہوں، تمہارے مرنے کے انتظار میں اور میری جان! موت تو ایک دن سب کو ہی آنی ہے۔ کسی کو پہلے، کسی کو بعد میں اور جو میری پہلے آگئی تو ہائے...... میری تو قبر بھی اپنی حسرتوں پر آنسو بہاتی رہے گی۔ نہیں میری جان! میں خود تو عمر بھر اپنی حسرتوں کو سینے میں دبائے آنسو بہاتا رہا، اپنی قبر کو نہیں رونے دوں گا۔

قبر تو بنے گی مگر پہلے اس میں کون جا کر لیٹتا ہے، اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ جلد یا بدیر ہو کر رہے گا۔" آنکھیں بند کیے آفتاب زبیری کن سوچوں کے تانے بن رہا تھا، شائستہ

اس سے بے خبر اب ہلکے ہلکے خراٹے لے رہی تھی۔ خنک کمرے کی خواب ناک میں آفتاب زبیری کی کنچوں جیسی پراسرار آنکھیں سوچ کے کسی ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں۔

☆☆☆

"لیہا!" وہ کھڑکی کے آگے ساکت کھڑی تھی۔ جب رافع اس کے بے حد ق آ کر آہستگی سے بولا۔ وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں، شاید وہ رافع کے قدموں کی آہٹ س تھی۔

"میں جا رہا ہوں، میرا سیل نمبر تمہارے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہے۔ اگر کوئی م یا کچھ...... انشاء اللہ تین ماہ بعد لوٹ آؤں گا۔ تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ د جانب منہ کیے کس موڈ میں کھڑی تھی، رافع کو کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور اس کی سمجھ میں آ رہا تھا وہ امید کا دیا جس کا سعدیہ بیگم نے کہا تھا، کس طرح لیہا کے دل میں جلائے۔

"مجھے صرف اس فیصلے کا انتظار ہے جس سے باندھ کر آپ نے پہلے اس ڈ میں قید رکھا اور اب اس سنگ مرمر کے محل میں بند کر کے جا رہے ہیں۔" وہ اسی طر دوسری طرف کیے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"لیہا!" پتا نہیں یہ اس کی کون سی اضطراری کیفیت تھی کہ اس نے بے سا اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا۔ لیہا کو کرنٹ سا لگا اور رافع کی یہ ناگوار بھی گزری۔ وہ فوراً اس کے ہاتھ جھٹک دینا چاہتی تھی مگر رافع کے آہنی پنجے ا کندھوں میں جیسے گڑ گئے تھے۔

"لیہا! میں جانتا ہوں، تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ آ چاہتی ہو۔ تمہارا دل جوں جوں مجھ سے بیزار ہوتا جا رہا ہے۔ میرے دل میں، میرے د تمہاری محبت اپنی جڑیں مضبوط کرتی جا رہی ہے۔ اس محبت کا بیج کب میرے دل کی م اترا کب کونپل پھوٹی، کب ننھے پودے نے مضبوطی پکڑی۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا مگر اب اپنے دل کے اندر جھانک کر دیکھتا ہوں تو یہاں وہاں ہر طرف تم ہی تم ہو...... اور جب مجھے اس نئے جہان کی دریافت کا ادراک ہوا ہے، میں تم سے متعلق ہر فیصلے پر خود کو کمزو کرنے لگا ہوں اور تمہاری بیزاری نے ہی مجھے تمہارے سامنے یہ اعتراف کرنے سے رکھا، مگر اب اس لمحے میں محسوس کر رہا ہوں۔ میں جا رہا ہوں۔ تم سے دور، بہت دور۔

ہے واپس آؤں ہو سکتا ہے نہ آؤں۔ اس لیے آج تمہارے سامنے یہ اعتراف کر کے جانا چاہتا ہوں لیہا! اول دن سے...... پہلی ملن کی گھڑی سے...... قبولیت کے پہلے اقرار سے تم میرے دل میں ہو۔ میری سانسوں میں ہو اور تمہاری محبت...... لہو کی طرح بدن کی رگ رگ میں دوڑ رہی ہے۔ بتاؤ پھر ایسے میں، میں تمہیں کیا آس دلا کر جاؤں، تمہیں آزاد کر کے اپنی رگوں میں دوڑتی اس محبت کو مار ڈالوں۔ خود کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالوں...... اور اگر تم چاہو گی تو ایسا بھی کر گزروں گا۔ مگر اس سے پہلے میرے لبوں سے اقرارِ محبت سن لو پھر پتا نہیں زندگی مہلت دے نہ دے اور میں کہہ ہی نہ پاؤں۔ میرے حوصلے کہنے سے پہلے پست ہو جائیں۔ تم سن لو، آئی لو یو لیہا...... آئی لو یو...... میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کتنی...... مجھے نہیں معلوم مگر جس دن تمہیں خود سے الگ کر ڈالا، میں شاید بظاہر تو زندہ رہوں مگر اندر سے مر جاؤں گا۔ آئی لو یو لیہا۔"

اس کے لبوں سے سسکیاں سی نکل رہی تھیں اور آہنی پنجے کندھوں سے ہوتے ہوئے اس کے شانے کے گرد حمائل ہو چکے تھے۔ اس کا چہرہ لیہا کے سیاہ بالوں پر ٹکا ہوا تھا۔ وہ جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ تھا تو لیہا بھی ہر مزاحمت ہر نفرت کو بھلائے اس کی بانہوں کی گرفت میں اپنی نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت پر حیران وہ گم صم سی بے خود کھڑی تھی۔

"لیہا! میں اپنے وعدے پر قائم ہوں، واپس آتے ہی جو تم کہو گی، وہی کروں گا مگر میری ایک درخواست ہے۔" اس نے لیہا کو اپنے سینے سے ذرا پرے کیا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"ان نوے دنوں میں میری محبت پر غور کرنا، اس جدائی پر، ہونے والے قتل پر غور کرنا، شاید...... شاید کوئی گنجائش نکل آئے...... اور نہ بھی نکلے تو بھی تم میری طرف سے قید نہیں ہو، جہاں جب جی چاہے جا سکتی ہو مگر میرے دلِ خوش گمان نے اس گھڑی جان لیا ہے کہ تم میری محبت کے حصار سے دور نہیں جا سکو گی۔ میں یہ خوبصورت یقین کی تتلی مٹھی میں بند لیے جا رہا ہوں اور...... کاش اس لمحے تمہارے دل میں بھی محبت کا بیج اگ آئے۔ میری دعا ہے، اپنا بہت خیال رکھنا اور امی کا بھی۔ اللہ حافظ۔"

رافع نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا کر پوری شدت سے چوما تھا اور اس کے فق چہرے پر ایک آخری نظر ڈالتا ہوا تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

وہ دو قدم تیزی سے اس کے پیچھے لپکی کہ خوش فہمی و خوش خیالی کا دامن جھاڑ جا۔ ورنہ اس کی آزادی کا خواب کبھی پورا نہ ہوگا۔ وہ یہیں ادھر ہی اس طرح بندھی رہ جائے گ اس کے دل میں کبھی بھی رافع کی محبت کا بیج نہیں اگ سکتا۔

وہ دور چلا گیا اور اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ وہ بے بسی سے لب کا ان بے اختیار لمحوں کو سوچنے لگی جو ابھی چند ثانیے پہلے کسی وحی کی طرح ان دونوں کے د پر اترے تھے اور انہیں ہر دوئی کے احساس سے ماورا یکتائی میں جکڑ گئے تھے۔

"یہ کیا تھا؟" اس نے حیران، کھوئی کھوئی نظروں سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ ج پر رافع کے لبوں نے بڑی شدت سے بوسہ دیا تھا۔ ہاتھ پر اس جگہ جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ ر تھا۔ سارا ہاتھ ٹھنڈا تھا اور وہ جگہ دہک رہی تھی۔

اس کے منہ سے بے اختیاری سسکی نکلی اور وہ پیچھے صوفے پر گرتی چلی گئی۔

اس وقت وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

اور پھر بھی صرف ان ہی لمحوں کو سوچے جا رہی تھی، جنہوں نے پہلی بار اسے رافع موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ اس کے دور چلے جانے کے بعد......

☆☆☆

"آج صرف بیس دن ہوئے ہیں، تم کیا کہہ رہے ہو۔" شائستہ، آفتاب زبیری بات سنتے ہی آگ بگولہ ہو کر چلائی۔

"ایسی کون سی میں نے تمہیں گالی دے دی ہے۔ یہی کہا ہے نا کہ جو خیر سے تم لاکھ روپیہ کا وظیفہ میرا باندھا تھا، وہ خرچ ہو گیا ہے۔ اب مہینے کے دس دنوں کے لیے مجھے تم بہت دے دو اور بس۔"

وہ مزے سے سلائس پر مارجرین لگاتے ہوئے بولا تو شائستہ کا جی چاہا اسی بٹر نائف سے اس لالچی، حریص بڈھے کا گلا کاٹ ڈالے۔

"اور بس......" اس نے بے اختیار جھنجلا کر نقل اتاری۔ "بات سنو میری آفتاب زبیری! نوٹ درختوں پر نہیں لگتے، نہ زمین میں اگتے ہیں کہ جب جی چاہا لپک کر توڑ لیے۔ محنت سے کمائے جاتے ہیں۔ میری ایک چھوٹی سی فرم ہے، کوئی انٹرنیشنل کمپنی نہیں کہ ہر مہینے جیسے نکھٹو کو میں گھر بیٹھے دس دس لاکھ روپے محض اڑانے یا دوسرے لفظوں میں آگ میں

جھونکنے کے لیے دے دوں اور ایسی کون سی عیاشی ہے جس کے لیے تیس دنوں میں لاکھ روپیہ بھی کم پڑ گیا، بولو۔" شائستہ کے حواس اس کا ساتھ چھوڑے جا رہے تھے۔

"میں تمہارے آگے جواب دہ نہیں۔ میرے آفس آنے پر تمہیں اعتراض تھا، گھر بیٹھنے پر تم مجھے نکھٹو کا طعنہ دیتی ہو۔ کچھ خرچ کے لیے مانگتا ہوں تو وہ تم آگ میں جھونکنا کہتی ہو۔ آخر تمہاری ان سب باتوں کا مطلب کیا ہے۔؟"

"ان سب باتوں کا مطلب میں بتاؤں تمہیں......؟" وہ سرد نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔

"بتاؤ، یہی تو کہہ رہا ہوں۔" آفتاب زبیری نے شائستہ کے تیور بھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے خود کو تیار کیا۔

"کہ تم......تم میری جان چھوڑ دو۔ بتاؤ میری جان چھوڑنے کی کتنی قیمت لو گے؟ اتنی جتنی ایک سرجن جسم سے گندے زہریلے ناسور کو نکالنے کی لیتا ہے۔ بولو، کتنی قیمت دوں؟" وہ نفرت بھری غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے حقارت سے بولی۔

"ناسور اگر ایک بار جسم میں جگہ بنا لے شستہ ڈیئر پھر لاکھ سرجری کراتے رہو، وہ جسم کی رگ رگ میں اپنی جڑیں پھیلا لیتا ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بے خوف لہجے میں چلایا۔

"میں اس ناسور کو نکال پھینکنے کے لیے اپنے بدن کی ہر رگ کٹوانے کے لیے تیار ہوں مگر تم سے نجات حاصل کر کے رہوں گی۔" وہ نفرت سے دوٹوک انداز میں بولی۔

"بولو، کیا قیمت لو گے میری زندگی سے نکلنے کی؟"

"تمہارا یہ گھر، تمام دولت۔ دے سکو گی؟" وہ فوراً قیمت بتاتے ہوئے بولا۔

"تم رذیل منگتے گھٹیا، یہ دولت، یہ گھر، یہ روپیہ پیسہ، تیرے باپ نے بھی کبھی خواب میں دیکھا ہوگا۔ کتے کی اوقات کو ہڈی سے زیادہ گوشت مل گیا تو اسے ہضم نہیں ہو رہا اور تو پورا بکرا نگلنا چاہتا ہے، بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے۔ ایسا کم عقل اور نادان سمجھ رکھا ہے تو نے کہ تیرے اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈر کر سب کچھ تھالی میں سجا کر تیرے آگے پیش کر دوں گی۔ اپنا سامان اٹھا اور نو دو گیارہ ہو جا۔ جتنا اب تک مل چکا ہے، اسے اپنی خوش بختی جان اور آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔" شائستہ نے اسے زور سے کرسی سمیت دھکا دیا کہ وہ تیار ہوتے ہوئے

بھی سنبھل نہ سکا اور میٹل چیئر سمیت پیچھے کو الٹ گیا۔ اس کا سر زور سے ماربل کے فرش ۔
ٹکرایا تھا مگر اسے درد نہ ہوا۔ جیسی کاٹ شائستہ کے لفظوں اور طعنوں میں تھی اس کاٹ ۔
ہر درد کا احساس ہلکا کر دیا تھا۔

"میرے باپ نے یہ سب خواب میں نہیں دیکھا تو کتیا! تیرے باپ نے !
ایسے۔ چھچھوروں کے بارے میں نہیں سوچا تھا، جن پر تو آج اکڑ اکڑ کر اترا رہی ہے
آفتاب زبیری نے اٹھتے ہوئے شائستہ کو زوردار دھکا دیا تھا۔ وہ ٹیبل کا کنارا تھام کر وہیں
کر کھڑی اسے شعلہ بار نظروں سے گھورنے لگی۔

"میرا کھاتا ہے اور مجھے آنکھیں دکھاتا ہے۔ اپنی منحوس، گندی زبان سے میر
میرے باپ کا نام لیا تو زبان گدی سے نکلوا دوں گی۔ بیوی، بیٹی کو بیچ کر روپے کمانے وا۔
دلال تو تو گدھوں سے بڑھ کر مردار خور ہے اور پتا نہیں تیرا کوئی باپ تھا بھی یا تیری ماں ۔
تجھے کسی گٹر کنارے سے یا روڑی کے ڈھیر سے......"

"کتیا!" آفتاب زبیری نے اس گالی کے بعد جو بھاری بھرکم مردانہ گالیاں ۔
ہوئے پہلے شائستہ پر تھپڑوں اور لاتوں کی بارش کی اور دوسرے لمحے بے قابو ہوتے ہوئے ؛
سے پھلوں کی ٹوکری کے درمیان رکھی پھل کاٹنے والی تیز دھار چھری اٹھا کر دیوانہ وار شائ
کے جسم میں اتارنا شروع کر دی جیسے...... جیسے کوئی مشاق قصاب اپنی مہارت کا مظاہرہ ک
ہے۔

ڈائننگ روم شائستہ کی ڈکراتی فلک شگاف چیخوں، نوکروں کی حواس باختہ آوازو
اور آفتاب زبیری کی گالیوں اور بے ہنگم آوازوں سے لرز رہا تھا۔

☆☆☆

"پھپھو! کھانا لے آؤں؟" سعدیہ بیگم کو کل سے بخار تھا، بخار تو ڈاکٹر کی دوا ۔
اتر گیا تھا، کمزوری باقی تھی۔

انہوں نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھپھو! کیا بات ہے، اتنی چپ چپ کیوں ہیں۔" چپ چپ تو وہ خود اس دا
سے تھی، جب سے رافع گیا تھا اور جو انوکھا درد سا اس کے دل میں جگا گیا تھا۔ اسی کے اثر
نے جیسے اس کے لب سی دیے تھے۔

بولتی تو وہ پہلے بھی بہت کم تھی مگر اس دن سے تو جیسے بولنا بھی بھول گئی تھی اور وہ اس
کا محبوب مشغلہ خود سے باتیں کرنا، جلنا کڑھنا، ہر وقت ماضی اور حال کا موازنہ کرتے رہنا۔
کتنے دنوں سے اس مشغلے کی طرف بھی دھیان نہیں گیا تھا۔ عجیب کھوئی کھوئی سی نا سمجھ میں آتی
کیفیت تھی۔ ایک غبار سا تھا جو دل و نظر پر چھایا رہتا، نہ خوشی تھی، نہ غم نہ ہنسی، نہ آنسو۔ بالکل
بے حس و حرکت و جامد۔ کسی معمول کی طرح صبح و شام کرتی...... سعدیہ بیگم اسے پاس بلاتیں یا
ان کے پاس جا کر بیٹھتی تو بھی گم صم بیٹھی رہتی۔ کئی باتوں کو سنتی ہی نہ تو جواب کیا دیتی۔

"چپ چپ تو تم ہو، کیا ہو گیا ہے میری بیٹی کو۔ کیا نیا گھر پسند نہیں آیا۔ ایسی
وحشت زدہ سی پھرتی ہو کہ مجھے خوف آنے لگتا ہے۔" کئی دنوں سے دل میں سوچنے والی بات
بالآخر انہوں نے کہہ ہی ڈالی۔

"نیا گھر؟" اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ اسے تو احساس ہی نہیں
ہوا تھا کہ وہ نئے گھر میں آ چکی ہے۔ خوبصورت، من پسند، دل چاہی جگہ پر اور اس کے جلتے
کرلاتے دل کو اس خوبصورت تبدیلی کا احساس تک نہیں ہوا، ورنہ پہلے تو وہ ہر گھڑی اسی دکھ کا
ماتم کرتا رہتا تھا کہ کوٹھی چھوڑ کر اسے اس ڈربے میں آنا پڑا ہے اور اب اس خوبصورت بنگلے
میں شفٹنگ کے بعد وہ روتا جھلستا دل نہ جانے کس کونے میں لب سی کر بیٹھ گیا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہے بیٹا؟" وہ ان کی آواز پر چونکی اور نفی میں سر ہلا دیا۔ ان کے پاس
بیٹھے اس پر ایک چونکا دینے والا انکشاف ہوا تھا۔

"پھر کیا بات ہے؟" انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔ تب ہی فون کی گھنٹی
بجی۔

"فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ ذرا دیکھو جا کر۔" ان کی بات پر اس نے کترائی ہوئی
نظروں سے انہیں دیکھا۔

"اگر رافع کا ہوا تو؟" اس کا دل انوکھی لے پر دھڑکا تھا۔

"جاؤ نا۔" اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر انہوں نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل کو بڑا
مضبوط کر کے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

"پھپھو سے کہتی ہوں، سی ایل آئی والا سیٹ لگائیں۔" ریسیور کان سے لگاتے
ہوئے اسے فون میں اس کمی کا شدت سے احساس ہوا۔

رافع کے فون کا خطرہ تھا، اس کے علاوہ اور کس کا فون آ سکتا تھا۔ سو وہ خود بولی بھی نہیں۔

دوسری طرف بھی کوئی اس جیسا منتظر تھا۔

دونوں طرف گہرا سکوت تھا۔

"اس کا جی چاہا، ریسیور رکھ دے۔

"ہیلو۔" شاید وہ رکھ دیتی کہ اس آواز نے اس کے ہاتھ ہی نہیں، پل بھر کی سماعت بھی منجمد سی کر دیں۔ اس نے بے یقینی سے ریسیور کو دیکھا۔

"ہیلو...... کون...... ایہا......" ذرا دیر بعد وقفوں کے ساتھ کوئی دھیمے لہجے میں تھا۔

اور شک کی گنجائش ہی نہ رہی۔

اس کا ہاتھ ہی نہیں، ٹانگیں بھی کانپنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"وہ ایک مُرتد عورت تھی اس نے دولت کے لالچ میں ایک مجوسی سے شادی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا مذہب بھی اختیار کر لیا تھا اس لیے...... اس لیے ایک مسلمان ہونے کے ناطے ایک خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھنے کے ناطے اس ایمان کا تقاضا تھا کہ میں اسے اسلام سے پھرنے پہ قتل کر ڈالتا وہ واجب القتل تھی اور مجھے اسے مار کر روحانی خوشی ملی ہے میں نے کوئی جرم نہیں کیا، اپنا مذہبی فریضہ ادا کیا ہے اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں آج اللہ کے سامنے میں سرخرو ہوا میرا سر فخر سے بلند ہے......" اخباری رپورٹرز کیمرہ لائٹس پولیس اور لوگوں کے ہجوم میں ہتھکڑیاں پہنے آفتاب زبیری دیوانہ وار چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

آفتاب زبیری کے سفاکانہ انداز میں شائستہ کو قتل کرنے کی ساری تفصیل ہر چھوٹے بڑے اخبار میں باتصویر آ چکی تھی اور اب ایک نجی ٹی وی چینل میں اس کی اسپیشل کوریج دکھائی جا رہی تھی۔

"پھر آپ نے اس مرتد عورت سے شادی کیوں کی اور شادی کے بعد بھی اتنے ماہ آپ کو پتا نہیں چل سکا کہ وہ مرتد ہے۔" ٹی وی رپورٹر نے مائیک اس کے آگے کیا۔

آفتاب زبیری کی حالت پاگلوں کی سی تھی بکھرے بال، پھٹے ہوئے کپڑے چہرے اور آنکھوں سے برستی وحشت منہ کے کناروں سے بار بار بہتی رال اسے ایک حواس باختہ ابنارمل انسان ظاہر کر رہی تھیں۔

"مم، مجھے معلوم نہیں تھا اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ اس نے پہلے کسی مسلمان سے نکاح کیا تھا، وہ تو اچانک مجھے پتا چلا کہ اس نے ایک مجوسی سے شادی کی اور اس کا مذہب بھی اپنا لیا، اسلام چھوڑ کر۔ اس لیے اس لیے پتا چلتے ہی میں نے اور میں اگر اسے چھوڑ دیتا اس ناگن کو یونہی پھن اٹھائے معاشرے میں جینے دیتا تو اور...... اور اس جیسی لالچی حریص عورتوں کو شہہ ملتی کہ پیسے کی خاطر جب چاہو مذہب کا گلا گھونٹ کر کسی بھی چوڑے چمار سے دو بول پڑھوا لو آخری وقت میں توبہ کر لیں گے کہ توبہ کا در تو ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ میں

نے اس لیے اسے مار ڈالا...... معاشرے کو بچایا ایک گندی عورت کی گندی سوچ کو پھیلنے یہ اس ملک کی اسلامی حکومت کا فرض تھا جو میں نے ادا کیا...... اس بنا پر میری حکومت ـ ذمہ دار اسلامی اداروں اور این جی اوز سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس قتل سے بری ا قرار دیں تا کہ لوگوں کو پتا چل سکے آج بھی اسلام کی سربلندی کے لیے کچھ دیوانوں نے وقف کر رکھا ہے...... میں ہوں ایسے دیوانوں کا راہرو۔"

وہ منہ کے کنارے صاف کرتا، ہوا میں مکے لہراتا کسی ماہر کہنہ مشق سیاسی لیڈ طرح ٹوٹے پھوٹے جملوں میں اپنا مدعا بیان کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

"مگر ہمیں تو پتا چلا ہے کہ آپ کو یہ سب پہلے سے معلوم تھا اور آپ نے عورت کی دولت کے لالچ میں اس سے شادی کی اور اس شادی کی خاطر اپنی پہلی بیوی کو طا دی اور اپنا گھر اور بچے بھی چھوڑ دیے اس وقت آپ کو اپنے دین کی سربلندی اور اسلا عظمت کا خیال نہ آیا؟" وہ رپورٹر بھی لگتا تھا ساری معلومات لے کر ہی آیا تھا۔ آفتاب ز نے آنکھیں سکوڑ کر اس رپورٹر کو دیکھا۔ کچھ ایسی محویت سے کہ اسے منہ سے بہتی رال صاف کرنا یاد نہ رہا" اور ہمیں پتا چلا ہے کہ آپ کا تعلق شہر کے پسماندہ ترین علاقے سے ہے اور ساری زندگی آپ نے جوئے اور نشے میں بتائی ہے تو یہ یکا یک آپ کو اسلا سربلندی اور اپنے مذہبی فریضے کا خیال کیسے آ گیا۔" آفتاب زبیری کا جی چاہا کہ وہ مائیک کیمرہ اٹھا کر اس رپورٹر کے سر پہ توڑ ڈالے، جو جواب طلب نظروں سے اسے دیکھتے ہو گویا اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"یہ...... یہ جھوٹ ہے غلط ہے سراسر غلط بیانی اور بوگس معلومات...... میں شائستہ کے مجبور کرنے پر ہی اس سے شادی کی تھی اور پہلی بیوی میری بدکردار تھی ساری زن میں اسے جیسے تیسے برداشت کرتا رہا مگر آخر میری برداشت کی حد ختم ہو گئی تو میں نے ا طلاق دے دی اور......" لیہا نے چور نظروں سے لاؤنج کی دوسری طرف بنے کچن میں ک کرتی سعدیہ بیگم کو دیکھا اور ٹی وی کا والیوم اور بھی کم کر دیا وہ تو ان سے یہ واقعہ شاید چھپا جاتی کہ ان کی صفائی والی نے آتے ہی واویلا مچا دیا کہ:

"بیگم صاحبہ! آپ نے خبر پڑھی ہے اخبار میں ایک بڈھے نے اپنی فیشن ایبل امیر کبیر بیوی کو چھریاں مار مار کر ایسی بے دردی سے قتل کر ڈالا کہ بے چاری کا قیمہ ہی بن

گیا۔" اور کہتے ہوئے اس نے اخبار اٹھا کر سعدیہ بیگم کو تھما بھی دیا۔ لیہا اخبار نوکرانی کے ہاتھ سے لیتے لیتے رہ گئی۔

سعدیہ بیگم نے بڑے سکون سے ساری خبر پڑھی تھی اور اخبار لپیٹ کر رکھ دیا اور اٹھتے ہوئے بولیں۔

"اللہ سب کو ہدایت دے نیکی اور توبہ کی اور انسان فانی ہی تو ہے ایک دن مٹ جانے والا۔" کہتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔

اب بھی اس نے یونہی ٹی وی لگایا تھا اور یہ نیوز رپورٹنگ چل رہی تھی۔ یہ چینل اس طرح کی نیوز رپورٹنگ پیش کرنے کے لیے مشہور تھا۔

اب پولیس فورس کے جوان ہتھکڑیاں لگے آفتاب زبیری کو دھکیلتے ہوئے پولیس وین میں بٹھا رہے تھے اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی وہ زور زور سے کچھ بول رہا تھا۔ ہتھکڑی والا ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔

شائستہ کی کوٹھی اور اس کی خون آلود لاش کا صرف چہرہ دکھایا گیا تھا اور کانوں کو ہاتھ لگاتے توبہ کرتے لوگ جو قاتل کی سفاکی اور شقی القلبی پر خدا سے معافیاں مانگ رہے تھے۔

"تو آفتاب زبیری، اتنی عمر تم نے گناہوں میں گزاری چھوٹی موٹی خیانتیں، بدکاریاں، دھاندلیاں تم کرتے ہی رہے اور پھر خدا کے قہر سے محفوظ رہے شاید تم سعدیہ بیگم جیسی نیک پرہیزگار اور قانع عورت کے زیرِ سایہ رہ رہے تھے۔ اس لیے رب کی پکڑ سے بچتے رہے اور اس شہرِ امان سے نکلتے ہی گناہوں سے کھیلتے تمہیں چند ماہ بھی نہ ہوئے کہ اللہ کے قہر کے نرغے میں آ گئے۔ تم جو ساری زندگی سعدیہ بیگم کو اپنے لیے نحوست کی علامت سمجھتے رہے۔ درحقیقت وہ تمہارے لیے سعد تھیں ہر گناہ کی ڈھال اور تم نے خود اپنے سر سے اس ڈھال کو ہٹایا اور آفتیں تم پر اولوں کی طرح برسنے لگیں۔ اب جب جیل کی سلاخوں کے پیچھے جاؤ گے تو تم یہ بات ضرور سوچو گے اور پھر اس بات کی کاٹ تمہیں اپنی آخری سانسوں تک کسی زہریلے سانپ کی طرح ڈستی رہے گی اور آفتاب زبیری، تم تو سعدیہ بیگم سے کی گئی زیادتیوں کا حساب نہیں دے پاؤ گے تو میرا تاوان کیسے چکتا کرو گے۔ میری اس برباد زندگی کی بنیاد بہرحال تمہارے اس جھوٹ، بہتان ہی نے رکھی تھی اور میری بددعا ہے تمہارے لیے کہ تم جیتے جی خود

احتسابی کی اذیت سے اک پل نہ نکل سکو۔" لیہا نے بے حد نفرت سے اس بدحال
انسان کی نظر آتی دم بدم مدھم پڑتی شبیہہ کو آخری بار دیکھا اور ٹی وی آف کر دیا۔

"بہت سے لوگوں کو اپنے انجام کے لیے قیامت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا
میں تم بھی شامل ہو آفتاب زبیری۔"

وہ سوچتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"میں جانتا ہوں تم بیا ہو...... بیا ہو نا تم؟ بولو......" اس کی مسلسل خاموشی
قراری سے کہہ رہا تھا اور لیہا کی سماعتیں جیسے برف کی طرح سن ہو رہی تھیں۔

"بیا! بولو کچھ تو پلیز...... میں ملنا چاہتا ہوں تم سے فوراً سن رہی ہو
بات......" زریاب کی تیز آواز پر جیسے وہ ہوش میں آ گئی اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ

"میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے فائیو اسٹار ہوٹل
روم نمبر بتایا۔ "میں کل شام پانچ سے چھ کے درمیان تمہارا انتظار کروں گا۔ آؤ
مجھے؟" اس کے لہجے میں وہی چند سال پہلے والی بے قراریاں تھیں، جیسے بیچ کے یہ
کے درمیان آئے ہی نہیں تھے۔

"کس لیے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں اس کے لبوں سے پھسل

"اسی لیے اسی لیے تو بلا رہا ہوں کچھ باتیں ان کہی سی کچھ غلط فہمیاں بدگما
دلوں میں جو رفع کرنا ہیں۔"

"مگر کس لیے......؟" اس کی بات سمجھتے ہوئے غصہ کسی آندھی کی طرح ا
دماغ پر چڑھا تھا۔

"میرا دل ان غلط فہمیوں کے باعث عجب وحشت و اذیت سے گزر رہا ہے۔
لیے ایک بار آ کر سن جاؤ۔ صرف ایک بار مجھے، اس ناکردہ گناہ کے بوجھ سے آزاد ک
میں تم سے ہر صورت ملنا چاہتا ہوں بیا! ہر صورت اگر تم کل شام کو نہیں آؤ گی تو کل ٹھیک
بجے میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں گا۔ میں اتنی دور سے صرف تم سے ملنے آیا ہوں اور
پاس وقت بہت کم ہے میں چند دنوں کے لیے آیا ہوں اور تم سے ملے بغیر نہیں جاؤں
لیے تمہیں آنا پڑے گا اگر تم نہ آئیں تو میں آ جاؤں گا کل شام پانچ بجے میں شدت سے

منتظر رہوں گا خدا حافظ۔" تیز تیز بولتے ہوئے دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

"اب مسٹر زریاب کو کیوں میری یاد ستانے لگی جب میں نے تڑپ تڑپ کر پکارا تھا
التجا کی تھی، ہاتھ جوڑے تھے ایک بار آنے کے لیے، اپنی بات سنوانے کے لیے تو اس گھڑی
ان پر تکبر کی انتہا تھی کہ یہ میری آواز سننے کے روادار نہیں تھے اور اب...... اب اس بدکردار لیہا
میں کیا سرخاب کے پر لگ گئے جو یہ مجھ سے ملنے کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ سارے فاصلے
مٹا کر مجھ سے ملنے چلے آئے ہیں۔ صرف مجھ سے ملنے۔"

اس نے غصے سے بل کھاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"اور انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ لیہا تو ان کی باندی ہے ان کے حکم کی غلام، یہ
اشارہ کریں گے اور وہ سر کے بل دوڑی چلی آئے گی۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے انہوں نے
مجھے...... اس گھڑی میرے قتل میں سب سے بڑا ہاتھ تمہارا تھا مسٹر زریاب! کیسے مرغ بسمل کی
طرح دن رات میں تڑپی تھی، ڈرامہ اور ڈھکوسلہ اور اب اگر میں نہ ملنے آئی تو خود چلے آئیں
گے۔ آ جائیں ملتی ہیں میری جوتی۔ انہوں نے مجھے مٹی کی گڑیا سمجھ رکھا ہے جس کا جب جی چاہا
بنایا کھلایا توڑا پھر نئی صورت میں ڈھال لیا۔ نہیں مسٹر زریاب! اب میں آپ کی اس جھوٹ
کے جال میں نہیں آؤں گی۔ آئی ایم سوری میں نہیں آؤں گی۔ آپ آئیں تو میں نہیں ملوں گی
جہاں سب میرے اپنے ہیں ان کے لیے مرگئی تو آپ سے ملنے کا کیا سوال نیور!" وہ خود ہی
بڑبڑاتی غصے میں کھولتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

"بیا کیا کر رہی ہو؟" وہ یونہی سناٹے اور بوریت اور کچھ اپنے اندر کی کشمکش سے
بچنے کے لیے کپڑوں کی الماری کھولے کھڑی تھی جب پھپھو اندر داخل ہوتے ہوئے اس سے
پوچھنے لگیں۔

"کچھ نہیں، کچھ خاص نہیں۔" وہ جیسے تھکے ہوئے لہجے میں بولی اور الماری کے پٹ
بند کر دیے، اس بڑے گھر کے سناٹے میں تو جیسے اس کی اپنی آواز بھی کہیں کھو گئی تھی سماعتیں
آوازوں کو سننے کو ترس رہی تھیں اس چھوٹے گھر میں وہ کسی سے بات بھی نہیں کرتی تھی تو بھی
گلی میں بچوں کی لوگوں کی، پھیری والوں کی سارا دن وقتاً فوقتاً آوازیں آتی ہی رہتی تھیں کوئی
نہ کوئی عورت آ جاتی پھپھو سے ملنے لامحالہ اس سے ایک دو باتیں کرنا پڑتیں اور یہاں، یہاں تو

جیسے کوئی ذی روح تھا ہی نہیں بس سعدیہ بیگم، وہ اور جز وقتی ملازمہ بھٹکی ہوئی روحوں
پھرتی رہتیں۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟" وہ ہلکے سندری رنگ کے چکن کاٹن کے سوٹ
طرح دوپٹہ اوڑھے کھڑی تھیں۔

"ہاں" وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ "چلو گی میری سا
دن گھر میں پڑے پڑے بور ہو جاتی ہو گی۔"

"کہاں جا رہی ہیں آپ؟" وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"رافع کے فون کا انتظار کر رہی تھی عموماً اسی وقت کرتا ہے آج اسے گئے ا
تین دن ہو گئے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے کتنے مہینے گزر گئے۔ اللہ ساتھ خیریت ۔
اسے۔" انہوں نے اس کے سوال کا جواب یا تو قصداً نہیں دیا تھا یا سنا نہیں تھا وہ چپ
بیٹھ گئی۔

"ولید کا فون آیا تھا صبح۔" وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد پھر بولیں۔
بھابھی ہسپتال میں ہیں اس دن میں انہیں دیکھنے گئی تھی گھر۔ اسی دن مجھے بہت کمزور لگ
ولید بتا رہا تھا رات اچانک ان کی طبیعت بگڑ گئی شاید شوگر لیول ڈاؤن ہو گیا تھا، یورین پرا
تھا صبح پھر ہسپتال لے آئے...... بیا! وہ تمہاری جدائی میں گھل رہی ہیں اور تمہارا سامنا
کر سکتیں بیٹا! دل کو اتنا پتھر نہیں بناتے چلو میرے ساتھ اور کچھ نہیں تو انسانیت کے نا
ہی اتنا حق تو ہے ان کا۔"

"ایسا انسانیت کا ناتا تو انہوں نے مجھ سے تو کوئی نہیں رکھا تھا کیسا میں
روئی تڑپی تھی کہ ممی مجھے خود سے جدا نہ کریں مگر اس وقت انہیں انسانیت نہیں بلکہ دولت
سے ناتا داری زیادہ عزیز تھی اب اس ناتے داری کو آوازیں دیں کہ ان کے بدن میں
دوڑائیں۔" وہ سفاکی سے سوچ رہی تھی پتا نہیں ماں کے بارے میں ہر بار اس کی سو
سے سخت ترکیوں ہوتی جا رہی تھی۔

"نہیں پھپھو! میں نہیں جا سکوں گی آپ پوچھ لیجیے گا۔" وہ رکھائی سے کہتے
اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیا! انہیں صرف تمہارا انتظار ہے۔ مجھے دیکھتے ہی کیسے ان کی نگاہوں ک

بجھے گی بیا! مجھ سے ان بجھتے ہوئے دیوں کی طرف نہیں دیکھا جائے گا عفو درگزر دوسروں کو ہی
نہیں ہمیں خود بھی پرسکون کر دیتا ہے تمہارا اضطراب و بے چینی دور ہو جائے گی۔" اب انہوں
نے اسے دوسرے رخ سے سمجھانا چاہا۔

"مجھے کوئی بے چینی نہیں پھپھو! اور میرا دل اتنا بڑا نہیں کہ میں شیوہ پیغمبری پہ چلوں
میں تو بہت تنگ دل اور تنگ سوچ والی ہوں یوں بھی معاف اس کو انسان کرتا ہے جسے یاد رکھتا
ہے پھپھو میں ان کو بھول چکی ہوں۔ پلیز آپ بار بار مجھے مجبور نہ کریں۔" وہ اسی سخت لہجے میں
بولی تو سعدیہ بیگم کو پہلی بار اس کی ہٹ دھرمی پر سخت غصہ آیا۔

"ابھی وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو شاید عمر بھر کے
پچھتاوے رہ جائیں۔" انہوں نے آخری حربہ استعمال کیا۔

"آپ کے خیال میں اب میرے پاس کیا ہے؟" وہ تنک کر بولی تو وہ بے بسی سے
اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"بیا! ایک بار میرے ساتھ چلو بے شک کسی سے بات نہ کرنا بس ایک دو منٹ کے
لیے انہیں دیکھ کر۔"

"پلیز پھپھو! سوری میں نہیں جا سکتی۔" وہ تیزی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"اس کے اس ہٹ دھرم رویے سے ڈرتی ہوئی ماں بے چاری ملنے نہ آ سکی دو بار
کہتی ہیں دروازے سے لوٹ گئیں کہ اگر بیٹی نے دھتکار دیا تو وہ جیتے جی مر جائیں گی۔ آخر
ایسی دکھاوے کی ضد کا کیا فائدہ جس میں سارا نقصان اپنا ہی ہو۔" وہ ایک سرد آہ بھرتے
ہوئے باہر نکل آئیں اور لاؤنج میں بیٹھی بظاہر ٹی وی پہ نظریں جمائے چینل پر چینل بدل رہی
تھی جبکہ اس کا دھیان کہاں کہاں تھا سعدیہ بیگم بخوبی جانتی تھیں۔

وہ شکستہ قدموں سے باہر نکل آئیں۔

ڈرائیور گاڑی کے آگے کھڑا ان کا منتظر تھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ہی لیبا کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔

"آفتاب زبیری، دیکھو یہ عورت منحوس نہیں تھی تم اس کی زندگی میں کسی نحوست کی
طرح آئے تھے۔ تمہارے زندگی میں آنے سے پہلے یہ عورت محلوں میں رہتی تھی اور گاڑیوں
میں سفر کرتی تھی تم سے رشتہ جوڑنے کے بعد اس کی زندگی سے ہر آسائش نکل گئی زندگی ایک

سیلن زدہ ڈربے میں محدود ہو کر رہ گئی اور اس کی زندگی سے نکلتے ہی وہ پھر سے محل میں اور گاڑی میں سفر کرنے لگی اور تم اس عورت کی رفاقت میں عافیت میں رہے اور عافیت نکلتے ہی آفت میں آ گئے اکثر ہم اپنی زندگی میں اپنے بارے میں اور دوسروں کے بارے کیسے کیسے غلط اندازے قائم کر بیٹھتے ہیں اور پھر اس پر اڑ جاتے ہیں یہ تو ہمیں آخری وقت قریب پتا چلتا ہے کہ ہم نے تمام زندگی ان غلط اندازوں اور قیافوں کی بنیاد پر گویا اپنے ہا سے برباد کر ڈالی ہے نا!'' وہ پھپھو کو دیکھتے دیکھتے آفتاب زبیری کے بارے میں سوچتے ہو نہ جانے کیا سوچنے لگی کہ آخری خیال کی رو نے اسے خود بھی چونکا دیا۔ ''اپنے بارے میں دوسروں کے بارے میں غلط اندازے قائم کرنا اور اڑ جانا...... کہیں یہی سب کچھ میں بھ نہیں کر رہی۔ شاید میں ممی کی جگہ ہوتی تو یہی کچھ کرتی اور اپنے فیصلے کو درست ثابت کرنے میرے پاس ایک سو ایک دلیلیں ہوتیں۔'' پہلی بار اس کے دل نے ماں کو ایک دوسرے مقا رکھ کر سوچا تھا اس کے پتھر دل پہ ایک جونک سی لگی تھی۔ ''وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ک پچھتاوے نہ رہ جائیں۔'' پھپھو کی تنبیہ ان ہی لہروں سے ابھری اور یہ پچھتاوے عمر بھ روگ بھی بن سکتے ہیں روگ کی ایک نئی اور ناقابلِ تردید شکل میری اس زندگی کا انجام کس ہے؟ ان پچھتاوں سے فرار تو پھر کہیں بھی ممکن نہ ہوگا۔ مجھے ایک بار ممی کو دیکھنے جانا چا صرف دیکھ کر پلٹ آؤں نہ کسی سے بات کروں اور اس میں حرج بھی کوئی نہیں اگر میں اپن سے کچھ دیر کو نظریں پھیر سکوں۔'' پتا نہیں کیوں وہ اپنے دل کو قائل کرنے کی کوشش کر ر تھی۔

اس کی نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھیں بارہ بجنے کو تھے۔

''میں پانچ اور چھ کے درمیان تمہارا انتظار کروں گا صرف ایک بار آ کر مجھ سے جاؤ ورنہ سات بجے میں خود تم سے ملنے آ جاؤں گا۔'' آوازوں کی ڈوبتی ابھرتی لہروں میں سـ سے نمایاں آواز ابھری۔

''تو اصل معاملہ یہ تھا کہ میں اس کشمکش کا رخ ممی والے معاملے کی طرف موڑ ر تھی۔ اس بحث سے بچنے کے لیے، جو کل سے میرے اندر چل رہی ہے اس جنگ سے ب کے لیے فرار کے لیے میں ممی کی طرف جھک رہی تھی۔ یہ زریاب کس لیے اب مجھ سے چاہتا ہے اب ملنے کے لیے کیا رہ گیا ہے سوائے یادوں کی راکھ سے بھڑکتی چنگاریاں ٹٹول

دامنِ دل جلانے کے۔'' اس نے ایک گہرا تنفس کو کاٹ کر نکلتا ہوا سانس سینے سے خارج کیا۔

''فریال واپس آ گئی ہے کسی مُردے کی صورت، اور خلع مانگ رہی ہے۔'' رافع کی آواز اس کے کانوں میں نرم پھوار کی طرح اتری۔

''تو اس لیے زریاب کو میں یاد آ گئی فریال کو بھگتا کر۔'' فون کی گھنٹی ایک تواتر سے بجے جا رہی تھی۔

''اس نے بہت تردد کے بعد ڈرتے ہوئے فون اٹھایا تھا۔ اسے خوف تھا دوسری طرف زریاب نہ ہو۔ دوسری طرف رافع تھا۔

''امی کہاں ہیں؟'' رسمی سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو ایک نفرت کی سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے نکل کر بائیں بازو میں ابھری تھی۔

''معلوم نہیں، کسی کام سے گئی ہیں۔''

''گاڑی آ گئی تھی؟ ڈرائیور تھا؟'' وہ متفکر لہجے میں پوچھنے لگا تو اس کا کوفت کے مارے فون بند کرنے کو جی چاہا۔ ''اس شخص نے میرے لیے فون تھوڑی کیا ہے اور ان تئیس دنوں میں ایک بار بھی اس نے براہ راست مجھے میرے لیے فون نہیں کیا، اسے صرف اپنی ماں کی خیریت کی فکر ہوتی ہے یا میرے اس قفس میں موجود ہونے کی۔'' اس نے سلگتے ذہن سے سوچا۔

''پھپھو آ جائیں تو آپ فون کر کے سب پوچھ لیں، میں اس وقت ذرا بزی ہوں۔'' کہتے ہوئے اس نے رافع کی اگلی بات سنے بغیر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

''اچھی محبت ہے مسٹر رافع! جس کے اظہار کے لیے آپ ایک جملہ نہیں پھوٹ سکتے ان تئیس دنوں میں گھسے پٹے روز کے جملے آپ ٹھیک ہیں؟ کیسی ہو؟ طبیعت اچھی ہے؟ تم اچھی ہو؟ نہیں میں بہت بزی ہوں بہت اور میں کبھی اچھی ہو بھی نہیں سکتی۔'' وہ پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل آئی۔

''آئندہ میں اس کا فون اٹینڈ نہیں کروں گی۔ بھلے گھنٹیاں سارا دن بجتی رہیں۔''

وہ دل میں فیصلہ کرتے ہوئے خود سے بولی۔

☆☆☆

''پھپھو میں ممی کو دیکھنے اسپتال جا رہی ہوں۔'' سعدیہ بیگم عصر کی نماز کے بعد تسبیح

لیے ابھی تک مصلے پر ہی بیٹھی تھیں کہ لیہا نے اندر داخل ہوتے ہوئے انہیں یہ کہہ کر چونکا
سیاہ ریشمی لباس جس کی قمیص پہ گلاب کی ادھ کھلی کلیاں اور شگوفے جا بجا بکھ
ہوئے تھے اس کے سانچے میں ڈھلے نازک بدن کے خطوط کو واضح کرتے ہوئے اس کا
معلوم ہو رہے تھے۔ ریشمی سیاہ سرخ پھولوں والا دوپٹہ دودھیا گردن سے بار بار پھسلا
تھا۔ میک اپ کے نام پہ اس نے صرف میچنگ لپ اسٹک ہی لگا رکھی تھی۔ میچنگ سیاہ ز
والے گولڈ کے ٹاپس، نازک چین اور کلائی سے پھسلتا بریسلٹ۔ وہ اس وقت سرمئی ڈھلتی
کا حصہ معلوم ہو رہی تھی تازہ شیمپو کیے سلکی بال اس کے کندھوں سے نیچے تک جا رہے ت
چھوٹا سا کیچر بالوں کے وسط میں چند شریر لٹوں کے سوا، باقی زلفوں کو باندھنے میں اپنی نا
کا اعلان کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھپھو آپ کیا سوچنے لگیں۔" وہ کچھ سوچ نہیں رہی تھیں اس کے مقناطیسی شا
کی کشش نے چند لمحوں کو ان کی نظریں باندھ سی لی تھیں۔ وہ بالکل سادہ حلیے میں تھی اور ا
اس سادگی میں نہ جانے کیسے بناؤ سنگھار کی آمیزش دکھائی دے رہی تھی کچھ غیر معمولی پن، ا
انوکھا سا احساس جسے وہ کوئی نام نہ دے پائیں بے اختیار ان کی نظریں اس کے خالی پہلو
جانب گئیں اور دل سے ہوک سی نکلی۔

"کاش اس گھڑی رافع لیہا کے پہلو میں کھڑا ہوتا۔" ایسی بے ساختہ تمنا پہلے تو ا
کے دل نے کبھی نہ کی تھی۔

"کچھ نہیں سوچ رہی تھی اچھا فیصلہ کیا تم نے صبح میرے ساتھ چلتیں تو مجھے خو
ہوتی۔ مگر اب بھی جا رہی ہو تو مانو میرے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہے۔ بہت خوشی ہوئی مج
تمہارے منہ سے یہ سن کر۔ میں چلوں تمہارے ساتھ۔" انہوں نے اپنی بھٹکتی ہوئی سوچ کو مج
کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا، ورنہ نہ جانے کیوں اس لمحے ان کا دل چاہ رہا تھا وہ اسے با
جانے سے منع کر دیں، ڈھلتی شام کا فسوں باہر چہار جانب پھیل رہا تھا اور لیہا کا یہ ہوش ر
روپ...... نہ جانے کیسا خوف سا آج ان کے دل میں آ بیٹھا تھا اس خوف کے خیال سے
انہوں نے ساتھ چلنے کا پوچھا تھا۔

"نہیں پھپھو! میں چلی جاؤں گی۔ ڈرائیور مجھے لے جائے گا اور لے بھی آئے گ
مجھے کون سا ادھر زیادہ دیر رکنا ہے بس دیکھ کر آ جاؤں گی۔ یوں بھی آپ تھوڑی دیر پہلے تو آئ

ہیں آپ آرام کریں۔" وہ کہتی ہوئی پلٹ کر جانے لگی۔

"بیٹا! دھیان سے بیٹا! ویسے تو ڈرائیور بہت اچھا ہے مگر۔" وہ اپنے دل کا وسوسہ کہہ نہیں سکتی تھیں اور جانے سے اسے روکنا بھی چاہتی تھیں اور نہیں بھی...... عجیب کشمکش ان چند لمحوں میں ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوئی تھی۔ "اور ابھی عارفہ بھابھی روم میں نہیں آئیں شاید آئی سی یو میں ہی ہوں ولید مل جائے گا تمہیں گیٹ پر خیال سے جانا۔" وہ اس وسوسے کے تحت مصلہ سمیٹتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ باہر نکل آئیں۔

"پھپھو! میں کوئی بچی ہوں پھر گاڑی میں جا رہی ہوں رکشہ یا ٹیکسی پر تو نہیں آپ فکر نہ کریں۔" وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے باہر نکل آئی۔

"نہیں یونہی بیٹا! شام ہو رہی ہے نا تو......" انہوں نے ایک چور نگاہ اس کے قاتل سراپے پر ڈالی۔ "دوپٹہ کھول کر لے لیتیں۔" وہ آہستگی سے بولیں تو اس نے فوراً تابعداری سے دوپٹہ کھول کر اپنے گرد لپیٹ لیا اور خدا حافظ کہہ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

ڈرائیور گیٹ کے پاس گاڑی کا پچھلا دروازہ وا کیے منتظر کھڑا تھا اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے تک ریشمی دوپٹہ پھسلتا ہوا اس کے پہلو میں گر گیا۔ سعدیہ بیگم نے دور ہی سے آیتیں پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔

"اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے میں نے تاکید تو کی ہی نہیں کہ جلدی آ جائے۔" انہیں پریشانی سی ہوئی۔ "جلدی آ جائے گی وہ کون سا وہاں رکے گی۔" گاڑی جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوئی چوکیدار نے گیٹ بند کر دیا تو وہ اندر چلی آئیں۔

"مولا نے کتنا کرم کیا ہے ہم گناہ گاروں پر ایسا شاندار گھر، آفس کی گاڑی صبح سویرے گھر کے آگے آ کھڑی ہوتی ہے شام سات آٹھ بجے تک اور روزی روٹی کی ہر فکر سے آزاد بھی، کاش آفتاب زبیری! تم اتنے جلد باز لالچی اور حریص نہ ہوتے تو تمہارا ایسا عبرت ناک انجام بھی نہ ہوتا۔" نہ جانے کیسے ایک سرد آہ ان کے لبوں سے نکلی اور وہ بے درد ہم سفر یاد آ گیا جو ساری عمر دو قدم بھی ان کے ہمراہ نہیں چلا مگر جس کی موجودگی ہمہ وقت ایک چبھتے ہوئے کانٹے کی مانند انہیں اپنے ہونے کا احساس دلاتی رہی تھی "اور میرا خدا شاہد ہے آفتاب زبیری میں نے کبھی تمہارے لیے بد دعا بھی نہیں کی تھی۔ میرے بچوں کے باپ تھے تم اور سارے خاندان سے چھٹنے کے بعد ہی واحد آسرا نظر آتے تھے تو کیسے تمہارے لیے بد دعا کرتی

تمہارے اعمال تمہارے لیے بد دعا بن گئے۔" وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر آئیں ہاتھ میں لے کر بستر پر لیٹ گئیں۔

☆☆☆

ایک زمانے کے بعد ایسی شام اس کی زندگی میں آئی تھی۔ سرمئی ہلکے بادلو ادھر سے ادھر منڈلاتے غبار اور شام کی گھلتی سیاہیاں خوشبودار ہوا کے پھریرے، ان سیا اور بھی جاذبِ نگاہ بنا رہے تھے۔ آرام وہ گاڑی کی نرم گداز نشست اور تارکول سے پھسا ہموار سڑک کے دونوں اطراف اونچے اونچے گھنے سایوں والے درخت ہوا کی سرگوشیوں سردھن رہے تھے۔

"کیسی بے وقوف ہوں میں یونہی شام کو گھر پڑی بور ہوتی ہوں ڈرائیونگ بھ اچھی طرح آتی ہے گاڑی لے کر باہر نکل بھی سکتی ہوں۔ سڑی بسی چیزوں کی طرح ایک پڑی ہوں، جگہ کی تبدیلی انسان کے دل و دماغ پر ایک خوشگوار اثر ڈالتی ہے اس کا علم آج ہوا ہے۔" وہ شام کے ان پرلطف لمحات سے پوری طرح محظوظ ہو رہی تھی۔

"ممی کے سامنے جذباتی بالکل نہیں ہونا ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں تو صرف اخلاقی اور مذہبی فریضہ نبھانے جیسے انہوں نے میرا فریضہ نبھایا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں منٹ کھڑے کھڑے انہیں دیکھوں گی اور واپس لوٹ آؤں گی نہ کسی سے بات کروں گی کی بات کا کوئی جواب دوں گی۔" وہ دل میں منصوبہ بندی کر رہی تھی۔

گاڑی سبک رفتاری سے چلتے ہوئے فائیو سٹار ہوٹل کے سامنے سے گزرنے لگی لیہا کے دماغ کو جیسے سوتے میں کسی نے جھٹکے سے اٹھا دیا ہو۔ "شام پانچ اور بجے کے درمیان میں انتظار کروں گا تمہارا ایک بار صرف مجھ سے مل جاؤ ورنہ میں خود سا بجے آ جاؤں گا تمہارے گھر۔"

"گاڑی بیک کر کے ہوٹل کی پارکنگ میں لے جاؤ۔" وہ یہ جملہ بولنا نہیں چا تھی نہ جانے کیسے اس کے منہ سے یہ جملہ پھسل گیا۔ ڈرائیور نے بھی گڑبڑا کر اسے دیکھا پھر دونوں طرف تیز رفتاری سے رواں دواں ٹریفک کو۔

"میڈم! ہمیں ٹرن کر کے آنا پڑے گا۔ ہوٹل کافی پیچھے رہ گیا ہے۔" ایسی تیز ٹریفک کے بیچ گاڑی بیک کرنا واقعی رسکی کام تھا ڈرائیور نے کہتے ہوئے اجازت طلب نظر

سے اسے دیکھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"تم اب جاؤ تمہاری ڈیوٹی ختم۔ واپسی پر میں خود ہی آ جاؤں گی ٹیکسی کر کے۔" پارکنگ میں اترتے ہوئے اس نے ڈرائیور سے کہا تو وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں کیا تھا کہ لیہا نے نظریں چرا لیں۔

"میڈم، آپ کہتی ہیں تو میں یہاں انتظار کر لیتا ہوں آپ فارغ ہو کر آ جائیں۔"

"نہیں مجھے دیر لگے گی تم جاؤ۔" وہ قطعی لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی ہوٹل کے ریسپشن سے اس نے روم نمبر تھری سیون کے بارے میں پوچھا۔

"یس میم! مسٹر زریاب روم میں ہی ہیں۔" ریسپشنٹ نے انکوائری سے چیک کر کے اسے بتایا تو وہ پیچ سے ہوٹل کے اس گوشے کی طرف بڑھی جہاں کیپسول لفٹ کی انٹرس تھی۔

اسے یاد آیا پہلی بار اپنے شعور میں وہ زریاب کے ساتھ ہی یہاں ڈنر کے لیے آئی تھی۔ اس سے پہلے دوبارہ ساری فیملی کے ساتھ ادھر آ چکی تھی مگر زریاب کے ساتھ جذباتی تعلق کے بعد جب وہ پہلی بار ادھر آئی تو اسے سب کچھ کتنا نیا نیا سا لگا تھا۔

زریاب نے کھل کر اپنے دل کے ہر جذبے کو زبان بھی اسی شام دی تھی چند دنوں بعد اسے لندن چلے جانا تھا ہائر اسٹڈیز کے لیے اس لیے وہ اسے اپنے ساتھ ادھر لے کر آیا تھا ممی اور تایا ابا کی اجازت سے ڈائمنڈ کی رنگ پہنائی تھی اس نے، اس ہال کے مشرقی کونے کی آخری ٹیبل پر بیٹھے ہوئے اور رنگ پہنتے ہوئے شرم و حیا سے جو اس کی کیفیت تھی وہ ایک طرف اور جو احساس تفاخر تھا وہ ہر شام ہر احساس پر بھاری تھا جیسے تمام کی تمام دنیا اس کی ایڑی کے نیچے آ گئی ہو آج اس شہر کے سب سے قیمتی سب سے معتبر شخص نے اسے اپنا بنا کر اپنی محبت کا اعلان کر کے شہر بھر کی لڑکیوں سے ممتاز و منفرد کر دیا تھا۔

ماضی کی وہ حسین یادگار شام اس کی یادوں کے سرمائے کا سب سے خوب صورت بیش قیمت حصہ تھی جسے اس نے کبھی یاد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اسے یاد کرنا سب سے تکلیف دہ تھا اور آج زریاب نے ہی اس کی تکلیف دہ یاد کو دہرانے کا اہتمام کیا تھا شاید۔

لفٹ جوں جوں اوپر جا رہی تھی اس کا دل نیچے ہی نیچے بیٹھا جا رہا تھا باتیں کرتے سنتے چہلیں کرتے سبھی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا وہ ایک مدت

بعد ادھر آئی تھی اور آج پھر اسے لگ رہا تھا یہ سب اس کے لیے بالکل نیا بالکل انوکھا سا۔

"کاریڈور کے ریڈ کارپٹ پر قدم رکھتے ہی وہ چونکی تھی۔

"لیہا انصاری! یہ تم کیا کرنے جا رہی ہو؟ شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی او امانت ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد سے ملنے جا رہی ہو وہ بھی اس مرد سے جو کبھی تم چاہت رہا ہو اور جس کے نہ ملنے کا سوگ تم نے گھنٹوں دنوں یا ہفتوں نہیں پورے سوا منایا ہے اب کیا اس چاہت کی تجدید کرنے آئی ہو یا اپنے شوہر کی امانت میں خیانت کر پہلی بار اس کے دل نے نفریں انداز میں اس سے سوال کیا تھا۔

"دل سے بڑھ کر عجیب شے بھی کوئی نہیں پہلے ایک رستے کی طرف خود ہی ہمک کر لاتا ہے اور پھر بیچ منجدھار پہنچ کر لعن طعن شروع کر دیتا ہے اور دل کا یہ کہنا غلط نہیں۔ سوگ مناتے مناتے کیا میں اس بیوفا سے اس سوگ کا خراج لینے جا رہی ہوں۔ ایسے ہرجائی ایسے خودغرض پہ دو حرف بھیج کر کبھی سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ کجا میں اس سے چلی آئی ہوں۔" کسی نے بڑی مضبوطی سے اس کے ارادے کے سامنے بند باندھا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"میں ایک اور جذباتی غلطی کرنے جا رہی تھی۔ ہرگز نہیں، ذلت کو بار بار دہرا سے اپنی ہی ذات کی تذلیل کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ میں کس آس پر اس سے ملنے ہوں کہ اسے اپنا فگار سینہ چاک کر کے دکھاؤں کہ دیکھو میں کیسے پل پل تمہارے لیے ہوں تڑپی ہوں اپنی البیلی محبت کے بچھڑنے کے بعد اس دنیا کی ہر خوشی مجھ پر حرام ہو گئی۔ حرام زندگی میں بھی میں نے تمہاری یاد کا دیا بجھنے نہیں دیا۔ تم فریال کے ہو گئے تب بھی اپنے دل کو تم سے نفرت کرنے پر مجبور نہ کر سکی۔ کیسی سچی بے ریا محبت کی تھی میں نے تم اور تم نے میری محبت کی کیا قدر کی لوگوں کی جھوٹی سچی گواہی پر میری پاک محبت پر شک دھتکار دیا مجھے، کیا یہی کچھ کہنے آئی ہوں میں اس سے اور ان سارے آنسوؤں کا معاضہ ما جو اس کی یاد اس کی جدائی میں بہائے میں نے...... نہیں"

اس نے لفٹ میں قدم رکھا اور بٹن دبانے کو تھی کہ زریاب اس کے سا دروازے کے بیچوں بیچ اپنی شاہانہ وجاہت کے ساتھ جم کر کھڑا ہو گیا۔

"لیا!" اس کے لب کیا پھڑ پھڑائے لیا کے سارے جسم سے کسی نے جان نچوڑ لی

"یہاں تک آ گئی ہو اور مجھ سے ملے بغیر لوٹ رہی ہو؟ کیا تمہارا دل مان گیا ایسا کرنے پر؟" وہ ایک ایک لفظ تول کر بولتے ہوئے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"دل ہم دونوں کے بیچ سے بہت دن پہلے نکل گیا تھا اب تو ہر راستے کا تعین دماغ کرے گا مسٹر زریاب! جیسے آپ نے کیا۔" وہ نہ جانے کیسے ساری توانائی جمع کر کے بڑے طنطنے سے بولی تھی سوا سال کا غصہ، نفرت اور اپنی ذات کی تذلیل کا احساس بول اٹھا تھا۔

"نہیں لیا! دل ہی تو نہیں نکلا بیچ سے، ایسا ہوتا تو نہ تم یہاں آتیں نہ میں تمہارے سامنے کھڑا ہوتا۔ آؤ میرے ساتھ اگر یہاں تک آ ہی گئی ہو۔" وہ یک دم اس کا سرد ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا اور وہ کسی بے جان صورت کی طرح کھنچتی چلی گئی۔

☆☆☆

"کیسی تھیں عارفہ بھابھی اب؟ روم میں شفٹ کر دیا انہیں۔" اس کی واپسی خاصی لیٹ ہوئی تھی۔ سعدیہ بیگم پریشان ہراساں گیٹ کے پاس ہی اسے چکر لگاتی مل گئی تھیں۔

"ڈرائیور چلا گیا اتنی دور کیوں اتار کر گیا تمہیں۔" وہ اسے اکیلے آتے دیکھ کر گیٹ سے باہر جھانکتے ہوئے پوچھنے لگیں اور انہیں جاتی گاڑی کی دھندلی لائٹس سے اندازہ ہوا کہ ڈرائیور اسے خاصی دور اتار کر گیا ہے۔

"اسے جانے کی جلدی تھی۔ میں نے ہی اس سے کہا کہ مجھے ادھر ہی اتار دے۔" پتا نہیں انہیں کیوں لگا لیہا ان سے نظریں چرا رہی ہے۔

"میں نے دوائیں منگوانی تھیں ختم ہو گئی تھیں میری پھر رات کے اندھیرے میں اتنی دور اترنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔" وہ تیزی سے اندر کی طرف جا رہی تھی۔ ان سنی کرتے ہوئے وہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے لپکیں۔

"بہت دیر لگا دی تم نے بہت پریشان ہو گئی تھی۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ وہ مجبوراً اس کے پیچھے اندر آ گئیں۔

"ٹریفک جام تھا دو تین جگہوں پر چھوٹی سڑکوں پر بے تحاشا بے ہنگم ٹریفک کوئی کیسے کسی بھی جگہ وقت پر پہنچتا ہو گا۔" وہ ان سے نظریں ملائے بغیر الماری کی طرف بڑھی۔

"پھر بھی اتنا ٹائم...... تم تقریباً پانچ بجے نکلی تھیں اور اب۔" انہوں نے پریشان نظروں سے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔

"پھپھو! آپ کا مطلب کیا ہے! اس ساری تشویش سے؟" اس نے یک
الماری کا پٹ زور سے بند کرتے ہوئے غصے سے کہا تو سعدیہ بیگم اس کے تیور دیکھ
حیران ہوتے ہوئے خود کو سنبھالنے لگیں۔

"نن..... نہیں کوئی مطلب نہیں۔ بیٹا! آج کل زمانہ خراب ہے اس لیے ڈ
روز تو کوئی نہ کوئی خبر......" وہ ہاتھ ملنے لگیں۔ انہیں بیا بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔
جس لیہا کو انہوں نے شام کو اپنی نظروں کے سامنے بھیجا تھا۔ اس سے
مختلف۔

"زمانہ کب خراب نہیں ہوا، جب سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہی ایک فقرہ تو
سنتے آرہے ہیں۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کاٹن کا سوٹ ہاتھ م
ڈریسنگ روم میں گھس گئی۔

"پتا نہیں کیوں میرا دل اس قدر وحشت زدہ ہو رہا ہے۔ اللہ خیر کرے آ
دن رافع کا فون بھی نہیں آیا۔ میرے خدا! میرے بچوں کو اپنی امان میں رکھنا۔ ہر بلا
رکھنا۔ شیطان کے شر سے بچانا۔" وہ حسب عادت زیر لب اپنی مخصوص دعائیں دہرانے لگ

وہ کپڑے بدل کر باہر آگئی تو انہیں وہیں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹھک سی گئی اور اس
ٹھٹکنا سعدیہ بیگم کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئیں۔

"چلو کھانا کھاتے ہیں۔ میں تمہارے انتظار میں بیٹھی تھی۔" وہ اٹھتے ہوئے بو

"پھپھو! مجھے قطعاً بھوک نہیں، کچھ نہیں کھاؤں گی۔ اس وقت صرف ریسٹ
چاہتی ہوں۔ بے ہنگم ٹریفک کے شور نے دماغ خراب کر دیا۔" وہ ان سے اس طرح ن
چراتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے
انہماک سے اپنے سراپے کا جائزہ لینے لگی۔

"پر بیٹا! تھوڑا بہت تو کھانا چاہیے۔ تم نے دوپہر میں بھی چند نوالے لیے
اب تو کئی گھنٹے......" وہ تشویش بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔

"پلیز پھپھو! مجھے ذرا بھوک نہیں آئی وانٹ ٹو ٹیک سم ریسٹ پلیز۔" وہ ہ
لفظوں میں یہ کہتے ہوئے رہ گئی کہ "اب آپ جائیں مجھے آرام کرنے دیں۔"

ایسی اجنبیت تو سعدیہ بیگم کو بیا کی آنکھوں میں کبھی نظر نہیں آئی تھی اس رو

نہیں جب وہ اپنی مرضی کے برخلاف اس گھر میں مستقل طور پر آگئی تھی۔ اور اس کے بعد
آنے والے دنوں میں بھی...... وہ ناراض تھی ناخوش بھی مگر یوں انجان ناشنا کبھی نہیں رہی تھی
ان کے اندر اس ہراس نے پھر سر اٹھایا مگر منہ سے وہ کچھ بول نہ سکیں۔ سر جھکا کر پلٹ گئیں۔

"اور عارفہ بھابھی کا تم نے بتایا نہیں کیسی تھیں اب؟" وہ موہوم سی امید پر کہہ
بیٹھیں کہ شاید اب وہ ان سے ٹھیک طرح سے بات کر سکے۔

"ہوں ٹھیک تھیں۔" وہ اس بے خیال بے دھیان سے انداز میں بالوں میں برش
چلاتے ہوئے ان کی طرف دیکھے بغیر خود پر نظریں جمائے بولی۔

"انہیں ڈاکٹر نے کمرے میں شفٹ کروا دیا تھا۔"

"پتا نہیں میں زیادہ دیر ادھر نہیں رکی۔" وہ پھر سے اس اجنبی بے نیاز سے لہجے میں
بولی تو سعدیہ بیگم کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

"چار گھنٹے تم باہر گزار کر آئیں اور کہہ رہی ہو کہ زیادہ دیر ادھر رکی نہیں۔ یہاں کھانا
لا دوں تھوڑا بہت لے لو۔" وہ پھر سے بولیں۔

"نو تھینکس میں کہہ چکی ہوں مجھے بھوک نہیں۔"

وہ اسی طرح بولی اور نائٹ کریم اٹھا کر اپنے چہرے پر لگانے لگی۔

"روشی کا فون آیا تھا تمہارا پوچھ رہی تھی بہت، فون کر لینا اسے۔"

"کر لوں گی۔" وہ رکنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھیں اور وہ ہر بات کا ایسا لٹھ مار
جواب دے رہی تھی کہ وہ اب ادھر سے چلی جائیں وہ شرمندہ سی ہو کر باہر نکل آئیں۔ کتنی دیر
وہ یونہی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنی شبیہ کو تکتی رہی جیسے اس کی نظروں میں زریاب کی نظریں
آ بیٹھی ہوں۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟" وہ خود کو تکتے ہوئے بے خود سے لہجے میں بولی۔ "زریاب
تم نے چند گھنٹوں میں مجھ پر کون سا سحر پھونک دیا ہے کہ خود کو پہچاننے سے قاصر ہوں اور پھپھو
کو کیا بتاؤں ممی کے بارے میں میں تو ہاسپٹل گئی نہیں کیسے جاتی...... زریاب میرے قدموں کی
زنجیریں بن گیا کاش میں اس سے ملنے نہ گئی ہوتی۔" وہ بے چین سی ہو کر آئینے کے سامنے
سے ہٹ گئی۔

لائٹ آف کر کے زیرو پاور کا بلب جلا کر پھر اسے بھی آف کر دیا اور باہر سے آتی

مدھم روشنیوں میں اپنے بستر کی طرف بڑھ گئی۔

''تو تم بھی اس طرح تڑپتے رہے ہو میرے لیے جیسے میں تڑپتی رہی ؛ قطرہ شمع کی طرح پگھلتی رہی ہوں اور جب تم نے اپنا سینہ کھول کر میرے سامنے کیا گھنے بالوں میں چھپا فراخ سینہ اور عین دل کے مقام پر کھدا میرا نام...... جسے پہلی رار ہی فریال تم سے برگشتہ ہوگئی تم نے کیسے پاگلوں کی طرح اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہو وہ محبت کی نشانی دکھائی۔

''اس زخم کو ٹھیک ہونے میں پورے چوالیس دن لگے تھے مگر مجھے خوشی تم نام میرے دل میں ہی نہیں میرے سینے پر بھی درج ہے جسے اب کوئی نہیں مٹا سکتا۔ بے وقوف جانتا ہی نہیں تھا کہ تقدیر سے زور آور کوئی شے نہیں ہوتی جو انسانی ہاتھوں کا ہر حرف مٹانے کی طاقت رکھتی ہے میں تو شادی کی رات تمہیں اپنے اس والہانہ محبت خیز جذبے کو مجسم صورت میں اس کھدے ہوئے نام کی صورت دکھانا چاہتا تھا اور بتاتا کہ دیکھو بیا! میرے دل میں تمہارے لیے تم سے زیادہ محبت ہے اور تقدیر نے مے جذبے کو پچھاڑ دیا شادی کی رات فریال نے یہ نام دیکھا اور اس نے ایک ہنگامہ کھڑ اس کے ری ایکشن نے مجھے اس پہلی رات ہی متنفر کر دیا تھا پھر بھی...... پھر بھی بیا! والدین سے کیا گیا قول نبھانے کی خاطر نبھاہ کی کوشش کرتا رہا اور فریال کے طعنے اس میری ایسی ہر کوشش پر پانی پھیرتے رہے۔

ایک تو میں اپنی برباد محبت کے سوگ میں گرفتار تھا اوپر سے فریال کا طیش والا رویہ ہماری ہر روز لڑائی ہوتی۔ آخر میں ہی خاموشی اختیار کر کے مصالحت کی کوشش وہ پاگلوں کی طرح چیزیں اٹھا اٹھا کر دیواروں پر مارنے لگتی۔ اس نے پہلے دن کے کے سارے دن عمل کر کے دکھایا کہ میں اب اپنا سارا بدن کھدوا کر اس کا نام لکھوا بھ بھی وہ مجھ پر یقین نہیں کرے گی۔ سو اس نے میرا کبھی یقین نہیں کیا اور سچی بات ہے اسے کیسے یقین دلاتا اس بات کا جس کا خود میرے دل کو یقین نہیں تھا کہ میں اس سے ہی نہیں سکتا آخر روز روز کی لڑائیوں سے تنگ آ کر میں نے اسے واپس بھجوا دیا اور او اس نے میرے ظلم و ستم اور نہ جانے کون کون سے اسکینڈلز کے بارے میں جھوٹ سچ ر سب کو ایسی کہانیاں سنائیں کہ میرے اپنے والدین مجھ سے نفرت کرنے لگیں میں ادھ

اصل حقیقت بتانے اور ممی پاپا کا غصہ کم کرنے آیا تھا اور سب سے بڑھ کر آخری بار تم سے مل کر معافی مانگنے بیا! مجھے معاف کر دو۔ جو زیادتی والدین کی فرمانبرداری میں مجھ سے تم پر ہوئی اور اس بات کی معافی کہ میں کوشش کے باوجود تمہیں تمہاری محبت کو اپنے دل سے نکال ہی نہیں سکا، میں تھوڑے دنوں کے لیے ادھر ہوں خود پر قابو نہ پا سکا اور تم سے رابطہ کر بیٹھا...... مجھے کیا معلوم تھا اس طرح میں اپنی تباہی کا اور بھی انتظار کیے جا رہا ہوں۔'' وہ ملول لہجے میں کہتے ہوئے اس پر نظریں جمائے بول رہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ اس آخری جملے کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

''میں تو سمجھتا تھا تم بدل گئی ہو گی شادی شدہ لڑکیوں کی طرح...... مگر بیا...... سچ کہوں اور مجھے خود پر یہ کہتے ہوئے قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے تمہارا قیامتِ حسن آج بھی اتنا ہو شربا اتنا قاتل ہے مجھے نہیں لگتا تم اگر کچھ دیر اور ادھر رکیں تو خود کو روک سکوں گا...... تم تو اور بھی حسین ہوگئی ہو اور بھی معصوم، تمہارے چہرے کے گرد کیسا پرسوز ہالہ سا ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی بیا! تم...... تم خوش ہو...... اس رافع کے ساتھ؟''

''اس رافع؟'' کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ان دیکھی تحقیر در آئی تھی۔

لیہا کا سر آپوں آپ جھک گیا وہ اس سوال کے جواب سے بچنا چاہتی تھی۔

''میں جانتا ہوں تم پر کیا ظلم ہوا ہے۔ محبت کرنے والے دلوں کو ایک دوسرے کا علم ہوتا ہے میرا دل ناخوش تھا تو تمہارا کیسے کھل سکتا ہے۔ میں اگر ایک پل کے لیے بھی تمہیں نہیں بھول سکتا تو تم مجھے کیسے بھول سکتی ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں نا بیا! تم مجھے بھولی نہیں؟'' وہ بڑے پر یقین لہجے میں کہہ رہا تھا۔

لیہا کا سر دوسری بار جھک گیا۔

''یہ کیسا...... کیسا ظلم کیا ہمارے بڑوں نے ہم پر؟'' وہ خلا میں گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں فریال کو بھیج کر ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا کہ چلو میں اس کے اور وہ میرے بوجھ سے رہا ہوئی اور ساتھ ہی مجھے یہ تسلی تھی کہ تم خوش ہو گی، شروع میں شروع نہ بھی رہی ہو گی مگر اب سیٹ ہو چکی ہو گی...... پر بیا! میں اب سمجھا یہ محبت ایسا روگ ہے جس دل میں گھر بنا لے پھر اسے کبھی آباد نہیں ہونے دیتی تم اقرار کرو یا نہیں مگر میں آج بھی اس بات کا اعلان کرتا

ہوں بغیر کسی ڈر خوف کے کہ میں آج بھی تمہاری محبت تمہارے عشق میں مبتلا ہوں اور وقت رفتار اس محبت کی جنوں خیزی کو کم کرنے کی بجائے بڑھاتی چلی گئی ہے کہ آج میں تمہا سامنے بیٹھا ہوں۔ مجھے وقت کی کوئی بھی سازش اپنی محبت سے دستبردار نہیں کر سکتی۔" اس کہتے ہوئے بڑی بے باکی سے اس کا پہلو میں پڑا ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ بیا کو لگا اس کے ہاتھ کو دو جلتے شعلوں نے چھو لیا ہو۔ اس نے تڑپ کر ہاتھ کھینچا تھا اور اٹھ کھڑی تھی۔

"اب اب اس محبت کا اعلان کرنے کا کیا فائدہ مسٹر زریاب......! اس وقت جنوں خیز بلا محبت کہاں سوئی ہوئی تھی جب میرے سارے اپنے مل کر میری رسوائی کا سا کرتے ہوئے مجھے بے یقین گردان رہے تھے اور میرے کردار کو پامال کر رہے تھے اس و جب میں نے رو رو آپ سے فریاد کی۔ گواہی مانگی کہ اپنا ساتھ مجھے دیں نہ دیں میرے کر تو یقین کریں اس وقت آپ نے میری ہر فریاد ہر آنسو کو جھوٹ اور ڈرامہ قرار دے دیا اب میں یکا یک کیسے معصوم اور بے گناہ اور آپ کی گمشدہ محبت بن گئی۔" اتنے عرصے کا ج غصہ کسی لاوے کی طرح اس کے اندر سے پھوٹ نکلا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں بہت غصہ ہے بہت طیش ہے اس بات پر، مگر میرا یـ کرو۔ یہ سارا معاملہ اس وقت میرے سامنے اس طرح رکھا گیا تھا جیسے...... جیسے سب وقوع پذیر ہو چکا ہو اور...... میں نے کوشش کی تمہیں ڈیفنڈ کرنے کی مگر ممی پاپا کی قسمیں پھ کا غصہ......" وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔

"اور عاق کرنے کی دھمکی بھی...... اس وقت تو اس سے بڑی محبت آپ نزدیک اور کوئی بھی نہیں تھی۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"بخدا یہ جھوٹ ہے مجھ پر سراسر بہتان صرف ممی کی قسمیں تھیں جنھوں نے میر ہر منہ زور جذبے کے آگے لگام ڈال دی تھی اور یہ تو مجھے تمہارے نکاح کے فوراً بعد ہی علم ہ کہ یہ لگام وقتی تھی جس طرح لگی تھی اسی طرح میرے ہاتھوں کو آزاد کر گئی۔ پھر اس دن لے کر آج تک میں بھی اس آگ میں لمحہ لمحہ جلا ہوں۔ تم اپنے دل سے پوچھو کیا میر جذبوں کی لپک تم تک نہیں پہنچتی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو رافع کے ساتھ خوش باش نہ ہوتیں تمہاری بے قدری، تمہاری اداسی اور اکیلے پن کو تو میں تمہاری آواز سنتے ہی جان چکا تھا۔" ا

نے بیا کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس بے قدری نے تو اسے پہروں رلایا تھا۔

"ہیرے کی قدر تو جوہری ہی جان سکتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان قدر ناشناس لوگوں نے کیسے میری محبت کے ہیرے کی پائمالی کی ہے۔ بیا! آئی ایم سوری یہ سب، یہ سارا ظلم و ستم تم پہ تمہارے نازک معصوم دل پر فقط میری وجہ سے ہوا اگرچہ اس کے بعد میں خود بھی سکھی نہیں رہ سکا مگر تمہارا مجرم میں بہر حال ہوں اور اس کی بہت بڑی سزا بھی کاٹ چکا ہوں اور اگر اب تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو تمام عمر سزا کے اس برزخ میں جلنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے بے اختیار اس کے آگے اپنے مضبوط ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اس کا جوڑا بالوں بھرا فراخ سینہ ادھ کھلے بٹنوں کے پیچھے سے جھانکتا بیا کو کمزور کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں ایک پل کو بیا کا جی چاہا اس فراخ سینے پر سر رکھ کر اپنی کلفت اپنی اذیت کا ہر آنسو بہا ڈالے وہ سارے آنسو جو ہم سفر کی ہمراہی کی چاہ میں اس کی پلکوں کے پیچھے جمے ہوئے تھے۔

"میرے معاف کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ وقت پلٹ تو نہیں سکتا۔" وہ اپنی نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بے رخی سے بولی۔

"تم اگر مجھے معاف کر دو میری محبت کو قبول کر لو تو بہت کچھ ابھی بھی بدلا جا سکتا ہے، محبت سب کچھ بدل دیتی ہے، بدل سکتی ہے محبت سے طاقت ور کیا ہے بیا؟"

اس کے لفظوں نے بیا کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔" اس وقت یہاں سے فرار کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

"مجھے معاف کیے بغیر...... بیا! میں جیتے جی مر جاؤں گا ایسی بے رخی نہ برتو۔" وہ ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"پلیز، مجھے جانے دیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" زریاب کی قربت اسے پگھلا رہی تھی۔

"آپ شراب پینے لگے ہیں۔" وہ ایک دم اس کے بازو جھٹک کر پرے ہوتے ہوئے اچنبھے سے بولی تو وہ کچھ کھسیا کر چور نظروں سے عقب میں پڑے روم ریفریجریٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"بس کبھی کبھار۔ جب تمہاری یاد بھلانا مشکل ہو جاتی تھی یا جب فریال مجھے حد

سے زیادہ ٹینس کرتی تھی۔"

"آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہیں گھر کیوں نہیں گئے؟"

اسے دوسرا خیال بھی کسی حیرت کی طرح وارد ہوا تھا۔

"میں نے سب کو چھوڑ دیا ہے انہوں نے میری محبت کی پروا نہیں کی او
ان کی محبت کی خاطر خود کو قربان کر دیا اور اب فریال کے گھٹیا پروپگنڈے پر انہوں
طرح میرے کردار کی دھجیاں اڑائیں میں ان کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اپنے
سلسلے میں چند ہفتوں کے لیے ادھر آیا تھا۔ تم سے ملنے سے خود کو نہ روک سکا اس
فون کر بیٹھا۔"

اس کے شرمندہ شرمندہ لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے پہلی بار ایبہا کا دل ن
سارے دورانیے میں پہلی بار اس کے دل نے اس ہرجائی کا یقین کرنا چاہا۔

"آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں مگر ایک شرط پر۔" باہر شام گہری ہو کر ر
ڈھل چکی تھی۔ کھڑکی سے ہٹے بلائنڈز بتا رہے تھے۔

"وہ کیا؟" وہ اب اس خنک کمرے سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔ جس
اسے کمزور سے کمزور کرتا جا رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ ڈنر کرو گی ابھی۔"

"نہیں۔" اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"پلیز۔ ہم دونوں کبھی اچھے دوست اور کزن بھی رہ چکے ہیں۔" وہ ملتجی
بولا مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ مگر وہ اسے زبردستی ڈائننگ ہال میں لے آیا اور پھر س
اس سے پوچھ پوچھ کر اس کی پسند سے آرڈر کیا ایبہا کو لگا جیسے گزرا وقت لوٹ آیا ہو۔

یہ بیچ کا ظالم سوا سال ان کے درمیان آیا ہی نہ ہو آیا بھی تو ان چھوا گزر گیا
وہ اسے گھر سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ڈراپ کر گیا تھا۔

راستے بھر اور کھانے کے دوران وہ اتنی بے تکلفی محبت اور اپنائیت سے ا
باتیں کرتا رہا، جیسے وہ کبھی بچھڑے ہی نہ ہوں یا ان کے درمیان کوئی تلخی آئی ہی نہ ہو۔

وہ بار بار بے باک الفاظ میں اس کے حسن کی تعریف کرتا رہا جو اس کا مخصوص
تھا جس پر وہ شرم سے سرخ پڑ جایا کرتی تھی اور پہروں ان کا توصیف بھرے جملوں کو

سوچ کر ارد گرد سے بے خبر رہا کرتی تھی۔

"کل آؤ گی ملنے۔" اترنے سے پہلے وہ پھر کوئی پیمان لینا چاہتا تھا۔

"نہیں اب دوبارہ نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولی کچھ اس طرح کہ اپنے ارادے کی کمزوری کا خود اسے بھی علم ہو گیا۔

"میں تمہیں لینے آ جاؤں۔" اس نے ایبہا کے انکار کو ان سنی کرتے ہوئے آفر کی۔

"نہیں میں نہیں آؤں گی۔ خدا حافظ۔" وہ کہہ کر اتر آئی تھی اور اب اس تنہا بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس انوکھی شام نے نہ جانے کون سی حسرتیں کون سی امنگیں اس کے سوئے وجود میں جگا دی تھیں۔

"وہ آج بھی میرا دیوانہ ہے۔ میرے حسن کا اسیر..... اس نے میرے چہرے پر لکھی بے قدری اور ذلت کی کہانی پڑھ لی ہے میں نے ان خود غرض بے قدرے لوگوں میں آ کر کیا پایا، یہ بے کیف شب و روز اپنی ذات کی پامالی اور بس میری خاموش وفاداری نہ کبھی نکاح جیسے سمجھوتے سے پاسداری کا رافع نے کیا صلہ دیا۔ کبھی ایک بار ایک بار بھولے سے مجھے وہ مقام دیا جس پر میں اس گھر میں آئی تھی۔ کبھی غلطی سے کوئی سراہتی نگاہ، کوئی التفات بھرا جملہ کوئی رفاقت کا جھوٹا احساس، کچھ بھی تو نہیں ہر بار آزاد کر دینے کا جھوٹا وعدہ۔"

"آزادی!" اس کا نیم سویا ذہن جھٹکے سے بیدار ہوا۔

اس کا ذہن اسے انوکھی راہ سجھا رہا تھا؟ وہ سمجھ نہ پائی۔

☆☆☆

"آؤ آؤ بسم اللہ بسم اللہ۔ آج کیسے میرے بچے راستہ بھول کر آ گئے آ جاؤ۔"

وہ لاؤنج میں بیٹھی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی جب پھپھو پر جوش آواز او مقدمی کلمات بولتے ہوئے ضویا اور ولید کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

ان دونوں کو اتنے عرصے بعد اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ایک پل کو تو وہ ساکت پلک جھپکے بغیر انہیں دیکھتی رہ گئی۔

ضویا اس کی بچپن سے جوانی تک بہن کم دوست زیادہ تھی اور ولید جس کی دوستی مشروط تھی، جس پر وہ آنکھیں بند کر کے بھروسا کر سکتی تھی۔

دل ساری بے اعتنائی کو بھلا کر ایک پل کو تو بلیوں اچھلا تھا۔

دوسرے لمحے نفرت و عداوت سے پتھرا سا گیا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر جانے لگی۔

"سنو بیا! تم آج میری بات سنے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتیں۔"

باہر کی طرف لپکتے ہوئے ضویا نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف اسے کھینچا تھا۔

اسے ضویا سے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی صوفے پر گرتے ہوئے زور سے اچھلی تھی۔

"چھوڑو مجھے۔ مجھے کوئی بات نہیں سننی تمہاری۔" اس نے پورا زور لگا کر اپنی کلائی چھڑانا چاہی۔

"تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کر سکتا۔ ایک بار کر کے اب تک اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔" ضویا نے اس کی کلائی نہیں چھوڑی بلکہ دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"بیا! تم اچھی تھیں جب تک سب کچھ تمہارے ساتھ اچھا تھا۔ سب لوگ اچھے تھے پیار کرتے تھے محبت جتاتے تھے ہر آسائش ہر آرام میسر تھا تو ابیہا انصاری سے اچھا نرم دل اور محبت کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں کسی کی نظر میں...... منظر بدلا، لوگ کج روی پر اترے، آسائشات نے منہ موڑا وقت نے آزمائش کے بھنور میں چار چکر کیا دیے۔ تمہارا سارا اچھا پن، تمہاری نرم دلی تمہاری محبت بھری فطرت کا سارا ملمع اتر گیا۔ تو اچھی پھر تم تو نہ ہوئیں۔ قسمت اچھی رہی، مہربان تو تم بھی ہمدرد اور نیک طبیعت...... تو تمہارے اندر سارا کھوٹ ہی تھا۔ سارا ملمع وقت کی ایک آزمائش نے جیسے دھو ڈالا۔ یہ ہے اصل ابیہا انصاری! بولو۔"

ضویا ہاتھوں کی گرفت اس کے بازو پر مضبوط کیے نظریں اس کے خزاں رسیدہ چہرے پر گاڑے اردگرد سے بیگانہ چبا چبا کر کہے جا رہی تھی۔

"ہاں یہی تھی میں۔ کھوٹی اور جھوٹی بری اور بدکردار۔ سنو! تم نے اس کھوٹی اور دھوکے باز، مکار ابیہا سے جان چھڑالی تو اب کیوں اس سے دوسری بار فریب کھانے آئی ہو۔ اس کے چلے آنے سے تمہارے گھر کی ساری بدنمائی، ساری کثافت دھل گئی۔ سب کچھ کھرا اور سچا ہو گیا پھر اس بدطینت بیا کے پاس کس لیے آئی ہو؟ چھوڑو مجھے۔"

وہ اسی نفرت سے کہتے ہوئے اپنی کلائی چھڑانے کے لیے زور لگانے لگی۔

"ضویا! پلیز۔ تم اس لیے نہیں آئی تھیں ادھر۔" پیچھے کھڑے ولید نے آگے بڑھ کر ضویا کو جیسے یاد دہانی کروائی۔ "معلوم ہے مجھے کس لیے آئی ہوں میں ادھر۔ اس پتھر سے سر پھوڑنے۔" وہ کہتے کہتے آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ "ملمع اترنے کے باوجود میرے دل کو یقین ہے میری نرم دل بہن کا کردار انمول ہے۔" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔

"چھوڑو مجھے۔" بیا کو اس کی زوردار گرفت پر سخت طیش آ رہا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا اس دبلی پتلی ضویا میں اتنی طاقت ہے۔

"بیا! میں تمہیں کوئی طعنہ دینے نہیں آئی۔ کوئی چوٹ لگانے نہیں آئی میں جانتی ہوں۔ وقت کے ہاتھوں تم پہلے ہی بہت زخم کھا چکی ہو۔ میں تو تم سے انسانیت کے ناتے پرانے رشتوں کے حوالے سے منت کرنے آئی ہوں۔ تمہارے آگے ہاتھ جوڑنے آئی ہوں۔ اس لاچار، بیمار، بستر مرگ پر پڑی ماں کی مرتی ہوئی سسکتی مامتا کا واسطہ دینے آئی ہوں کہ آ کر ایک بار فقط ایک بار ممی سے مل جاؤ۔ ان کی ترستی نگاہوں کو اپنی ایک جھلک دکھا جاؤ...... بیا! ہم

تو خالی دامن، خالی ہاتھ ہیں۔ ہمارے پاس تو پہلے ہی کچھ نہیں، نہ دھن دولت نہ رشتو
سہارے۔ صرف یہ ماں ہی بچی ہے ہماری آخری پونجی۔ خدا کے لیے بیا! تمہیں اپنے ز
کا واسطہ، کسی بھی طرح ہم پر رحم کھاؤ ایک بار آ کر ممی سے مل جاؤ۔ وہ مر رہی ہیں۔ بیا!
رہی ہیں۔"

کہتے کہتے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی او
خود بھی پتا نہیں چلا، کب اس کے پلکوں پر دو موتی آ کر اٹک گئے۔ آنکھوں میں دھو
بھرنے لگا۔

"کیا؟ بیا بھابی کو دیکھنے نہیں گئی۔" ضویا اور ولید نے پھپھو کی حیران سی خو
نہیں سنی مگر بیا نے سن لی۔ پل بھر کو اسے لگا، اس کا سارا بدن برف بن گیا ہے۔
اس نے خوف زدہ نظروں سے پھپھو کی طرف دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہی تھیں
نے گڑبڑا کر سر جھکا لیا۔

"بیا! ضویا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ چھوٹی تائی کی حالت واقعی اچھی نہیں۔ کوئی ٹر
ان پر اثر نہیں کر رہا۔ ڈاکٹرز نے بھی کہہ دیا ہے کہ کسی دوا سے یہ اچھی نہیں ہو سکتیں جب
یہ خود اچھی نہیں ہونا چاہیں گی اور وہ واقعی ٹھیک نہیں ہونا چاہ رہیں۔ ان کی ول پاور دم تو
ہے۔ جینے کی امنگ ان کے اندر سے ختم ہو چکی ہے۔ پہلے پہل مجھے کہتی تھیں کہ ولید کسی
بیا کو ایک بار میرے پاس لے آؤ۔ اب تو بس خالی خالی نظروں سے تکتی رہتی ہیں۔ یو
ایک انسان کی زندگی اور موت کی ڈوری قدرت نے تمہارے ہاتھوں میں تھما دی ہے۔"
اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"زندگی اور موت کا اختیار۔ ایک انسان کی...... ہے نا!" وہی کڑوا پن اس کی
سے چھلکا جو اس کا وتیرہ بن چکا تھا۔

"ہاں ایک انسان کی۔ تم سمجھتی ہو اور ہو سکتا ہے درست سمجھی ہو کہ تمہاری زندگی
کسی بھی غلط فیصلے کا اختیار انسانوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر تمہارے ساتھ برا کیا۔ اگر ا
بھی ایسے ہی کرو گی تو ان میں اور تم میں کیا فرق رہ جائے گا۔ وہ نرمی سے اس کے کندے
ہاتھ رکھ کر بولا۔

"میں خود کو ایسی نیکی کرنے سے قاصر پاتی ہوں، تو بتاؤ کیا کروں؟" وہ لاچ

سے بولی۔ ضویا اب بھی رو رہی تھی مگر بے آواز آنسوؤں کے ساتھ۔

"بیا! اتنی ظالم، اتنی خود غرض نہ بنو کہ......" ضویا نے دانتوں تلے زبان دبا کر جیسے کسی سخت بات کو روکا اور ہونٹ کچلنے لگی۔

"یہ صرف تمہاری جھجک ہے، محض انا کی ضد جو تمہیں جھکنے سے روک رہی ہے۔ چلو میرے ساتھ، میں تمہیں لے جاتا ہوں۔ ایک بار کوشش تو کرو اس انا سے اپنا دامن چھڑانے کی۔" ولید نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

"نہیں۔" اس نے فوراً ہاتھ چھڑا لیا۔ "مجھے کسی فیصلے کو خود کرنے کا اختیار تو ہونا چاہیے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی ضویا نے بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھا اور غصے سے لب بھینچ لیے۔

"میں کوشش کروں گی آنے کی اور نہ آ سکی تو سمجھنا، میں بے بس تھی۔" وہ کہتے ہوئے تیزی سے ان دونوں کو ہٹاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

"پھپھو! آپ ہی سمجھائیں اسے۔" اس نے جاتے جاتے ضویا کی ملتجی آواز سنی۔

غیر اختیاری طور پر پھپھو کا جواب سننے کے لیے اس کے قدم سست ہوئے تھے۔

"ضویا! میں کس قابل کہ کسی کو سمجھاؤں اور زور زبردستی سے کچھ بھی سنورا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے سمجھا لیا۔ منت سماجت کر لی۔ جو تم کر سکتے تھے۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور اللہ سے دعا کرو۔ دلوں کو موڑنے کی طاقت صرف میرے اللہ کے پاس ہے۔ وہ چاہے گا تو یہ کسی کے کہے بغیر خود سے مان جائے گی۔ اور نہ چاہے تو تم اور میں لاکھ سر پٹختے رہیں، کچھ حاصل نہیں۔ میں تم لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"نہیں پھپھو! ہم جا رہے ہیں۔"

وہ بھاری قدموں سے بمشکل اپنے کمرے تک پہنچی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے جھٹکا لگا تھا۔

اس کے بیڈ کے عین سامنے دیوار پر رافع کی تصویر لگی تھی۔

"یہ کس نے لگائی؟" وہ چند لمحے پہلے کی کشمکش بھول گئی اور تصویر کے پاس رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"پھپھو نے! مگر کیوں؟" اسے لگا رافع کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہیں اور وہ

اسے اندر تک پڑھ رہا ہے۔ وہ گھبرا کر مڑی، تھوڑی دیر کمرے میں ٹہلنے کے بعد پھ
تصویر کی طرف دیکھنے لگی۔

"دلوں کو موڑنے کی طاقت اگر واقعی اللہ کے پاس ہے پھپھو! تو پھر یہ
تصویر کیا کر سکتی ہے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر تصویر اتار دی اور ڈری
کی دراز میں ڈال دی۔

"پھپھو کو پتا چل گیا۔ میں ممی کو دیکھنے ہسپتال نہیں گئی۔ اگر انہوں نے آ کر
میں کیا کہوں گی" وہ کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگی۔

زریاب کا دوبارہ فون آ چکا تھا وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔

"کاش تم ابھی میرے سامنے نہ آئے ہوتے۔ میں کسی فیصلے پر پہنچ گئی ہ
دودھاری فیصلے کی کند چھری تو اور میری اذیت بڑھا رہی ہے زریاب! میں کیا تم سے
خوشی مناؤں۔" اس نے بے بسی سے سر تھام لیا۔

"دودھاری فیصلہ کیوں بیا......؟ تم سوچ چکی ہو۔ تمہیں رافع کے ساتھ نہیں
رافع کے آنے میں اب دن ہی کتنے ہیں بمشکل ایک ماہ یا چند دن اور...... تو یہ اچھا
زریاب کی بے چینی اسے تم تک لے آئی۔ فیصلہ کرنے میں اور بھی آسانی ہوگی اور صو
ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے ممی کو دیکھنے جانا چاہیے۔ تھوڑے دنوں بعد بھی تو مجھے یہاں سے
ہے تو بہتر نہیں پہلے سے اپنے لیے کوئی ٹھکانا کر لوں اور یہ سب قدرت نے میرے
آسان بنانے کے لیے کیا ہے۔ مجھے آج ہی ممی کو دیکھنے جانا چاہیے۔ وہاں جانے سے
اس کشمکش سے نجات ملے گی۔" وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئی۔ اس کا دل ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔

اسی وقت باہر کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔

وہ جلدی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

اس وقت وہ پھپھو کا سامنا ہرگز نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی بھی بہانہ اس کے ذہن
تیار نہیں تھا۔

سعدیہ بیگم نے دروازے میں کھڑے ہو کر چند لمحے اسے دیکھا اور پھر واپ
گئیں۔

"اف، نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے، میں ان سے جھوٹ نہیں بول سکوں گی

سے کچھ بھی چھپا نہیں سکوں گی اور انہیں پتا چل جائے کہ میں زریاب سے مل کر آئی تھی اتنی دیر تک۔" اسے خوف سے جھرجھری سی آ گئی۔

"میں کبھی بھی پھپھو سے کسی قسم کی بات نہیں کر سکوں گی۔ مجھے جب بھی اس گھر سے جانا ہوگا، خاموشی سے ہی جانا ہوگا۔" وہ آنکھیں بند کیے سوچے جا رہی تھی۔

"رافع کا فون ہے بیا! آ کر بات کر لو۔"

پھپھو کی آواز پر اسے بادل نخواستہ اٹھنا ہی پڑا اس کی طبیعت دو تین دن سے ست سی تھی۔ حرارت سی محسوس ہوتی رہی تھی۔ شاید ذہنی دباؤ کا نتیجہ جسمانی نقاہت کی صورت میں نکل رہا تھا۔ اس دوران اس نے پھپھو کا حتی الامکان سامنا کرنے سے گریز کیا تھا۔ زریاب کا فون بھی اٹینڈ نہیں کیا اور ممی کو دیکھنے بھی نہیں جا سکی۔ بس اسی طرح خالی الذہن بیٹھی رہتی۔

"تم میرا فون کیوں اٹینڈ نہیں کرتیں؟" رافع کے استحقاق بھرے انداز نے اس کے اندر آگ ہی لگا دی۔

"دیکھیں مسٹر رافع! آپ جس عہد کا مجھے پابند کر کے ادھر کسی بے زبان بکری کی طرح باندھ گئے ہیں۔ اس عہد کی رو سے کسی بھی طرح مجھ پر یہ فرض نہیں ہوتا کہ میں آپ کی کالز ریسیو کرتی پھروں، آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے، جلد کریں۔ میں اس اذیت سے نہیں گزر سکتی۔ میں شاید اب اور ادھر نہ رک سکوں۔" وہ تیز لہجے میں بولتی چلی گئی۔

"تمہیں ہوا کیا ہے۔ اسی طرح کسی سے بات کرتے ہیں فون پر جب کوئی اتنی دور سے فون کرے۔" وہ حق جتانے والے انداز میں جھلا کر بولا تھا۔ "اور تم کیسے جا سکتی ہو گھر چھوڑ کر۔ ابھی ہمارے درمیان یہ کاغذی رشتہ موجود ہے۔"

"آپ اگر مکر نہیں رہے تو اس رشتے کو ختم کرنے کا مجھ سے وعدہ کر کے گئے تھے اور اگر آپ کو اپنے وعدے کا پاس نہیں تو میں بھی کسی کی پابند نہیں۔" وہ بلا جھجک بولی۔

"میرے آنے تک تم ادھر رہنے کی پابند ہو۔ کیا تمہیں بار بار ری مائنڈ کروایا جائے؟ تمہارا سیل فون آج کل بزی ملتا ہے اور مجھ سے تم بات نہیں کرنا چاہتیں، کال ریسیو نہیں کرتیں، اس سے میں کیا سمجھوں؟" رافع کی بات پر ایک پل کو اس کا رنگ اڑا۔

"جو آپ کا جی چاہے آپ سمجھیں۔" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولی تھی۔

"لگتا ہے، کوئی نیا دوست مل گیا ہے یا کسی پرانی دوستی کی تجدید ہو گئی ہے۔ میں

ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟'' اس کی بات پر وہ فوری طور پر کچھ بول نہ سکی۔

''آپ کو پتا ہوگا، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں یا غلط مگر مجھے اپنی بات کا جواب چاہیے۔'' وہ جیسے تنگ آ کر بولی۔

''کون سی بات؟'' وہ انجان بنا۔

''اپنے وعدے کی پاس داری۔ پیپرز آپ مجھے وہاں سے بھی بھجوا سکتے ہیں۔ میں بتا رہی ہوں، میں شاید اب ادھر نہ رک سکوں۔''

''کیا تمہارے نزدیک یہ اتنی معمولی سی بات ہے؟'' وہ پہلی بار سنجیدگی سے بولا تھا۔

''معمولی بات میرے نزدیک نہیں۔ یہ آپ کے نزدیک بے حد معمولی تعلق ہے جسے آپ اب تک بادل نخواستہ نبھاتے چلے آ رہے ہیں۔ بہر حال اگر آپ اسی طرح ٹال مٹول سے کچھ دن اور سرکانا چاہ رہے ہیں تو یہ آپ کی بھول ہے۔ میں واقعی اب نہیں رک سکتی۔'' وہ فون رکھنے لگی تھی۔

''پلیز بیا! جہاں اتنا انتظار کیا، چند دن اور میرے آنے سے پہلے تم کہیں نہیں جاؤ گی، ورنہ......''

''ورنہ کیا کرلیں گے آپ؟''

''جس آزادی کے لیے تم تڑپ رہی ہو، ساری زندگی بھی ایڑیاں رگڑتی رہو گی، تو میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا اور میرا کہا خالی دھمکی نہیں، تم جانتی ہو۔ میں آنے سے پہلے تم سے کچھ کہہ کر آیا تھا، شاید تم نے سنا بھی نہیں تو یاد کیا رکھنا تھا اور میں اپنے ہی لفظوں کے سہارے نئی امیدیں لگا بیٹھا تھا اور تم...... تم میرے دور آتے ہی اور بھی دور نکل گئیں مگر میری ان باتوں کو بھولنا نہیں۔ تمہاری اس گھر میں موجودگی تمہاری آئندہ آزادی سے مشروط ہے، ورنہ پھر عمر بھر مجھ سے گلہ نہ کرنا۔ خدا حافظ۔''

وہ فون بند کرتے کرتے کیا کچھ نہ کہہ گیا تھا، بیا وہیں سن کھڑی رہ گئیں۔

''جس آزادی کے لیے تم تڑپ رہی ہو، ساری زندگی ایڑیاں بھی رگڑتی رہو گی، تو میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔'' اسے لگا رافع ابھی بھی اس کے کانوں میں چلا رہا ہے۔

''کیا یہ رافع تھا، اس طرح بات کرنے والا؟'' اسے حیرت سی ہوئی۔

''کیا کہہ رہا تھا رافع؟'' پھپھو سبزی کی ٹرے اٹھائے ادھر ہی آ بیٹھیں۔

''کچھ خاص نہیں۔'' اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور کمرے کی طرف جانے لگی۔

''ذرا بیٹھ کر میرے ساتھ سبزی تو بنوا دو۔ آج تو دیر ہی ہو گئی۔ دوپہر کو کیسے کھانا پکے گا۔'' وہ تشویش سے کہنے لگی۔

''نہ پکے، یہاں کون سے کھانے والے بیٹھے ہیں۔'' وہ جی میں بڑبڑاتے ہوئے بے زاری سے پالک کے پتے توڑنے لگی۔

''رافع! تم سے کون سا وعدہ کر کے گیا ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے اچانک پوچھا تھا۔ اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔

''یہی وقت ہے بیا! بتا دو، آج یہ پہاڑ بھی سر کرلو۔'' کسی نے اس کے اندر سرگوشی کی۔

''آپ کو نہیں پتا؟'' اس نے بتانے کا فیصلہ کرلیا۔

''نہیں۔'' وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''رافع کو آنے دیں پھر آپ کو بھی پتا چل جائے گا۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا کوئی سرپرائز ہے؟'' وہ بھول پن سے بولیں تو اس نے سر ہلا دیا۔

''میں نے رافع کو بتایا کہ وہ ماموں بننے والا ہے۔ خوشی کے مارے اس سے بولا ہی نہیں گیا۔ اب روشی کو فون کر رہا ہوگا۔ تم نے بات کی روشی سے؟ اس کا کل دو بار فون آیا تھا تم سے بات کرنے کے لیے۔''

''آج کرلوں گی۔'' وہ بے زاری سے پھر پتے توڑنے لگی۔

''میری تو دلی آرزو ہے، میں جلد سے جلد تمہاری اور رافع کی یہ خوشی بھی دیکھوں پھر سمجھوں گی، میرے مولا نے مجھے دنیا میں ہی مالا مال کر دیا۔ کوئی حسرت نہ رہنے دی۔ میں تو کہتی ہوں، تم کسی ڈاکٹر کو آج دکھا ہی آتیں۔'' وہ چند لمحوں بعد بولیں تو اسے کوفت سی ہونے لگی۔

''کیوں، مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس نے تنگ آ کر پوچھا۔

''طبیعت اچھی نہیں لگ رہی تمہاری۔ صبح بھی جسم گرم ہو رہا تھا۔ موسم بدل رہا ہے۔

اب بھی تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" انہوں نے اس کی کلائی کو چھو کر کہا۔

"ٹھیک ہوں میں۔"

"تم نے کچھ سنا؟" وہ چند لمحوں بعد پھر بولیں۔

"کیا؟"

"زریاب پاکستان آیا ہوا ہے، وہ بھی جائیداد میں اپنا حصہ لینے۔" انہوں نے دھماکا کیا۔ بیا نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا، وہ سبزی بنانے میں مصروف تھیں۔

"اور اس کی خباثت دیکھی ہے تم نے؟" وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولیں۔" ایک ز بے چاری فریال کو مردوں سے بدتر حال میں کر کے ادھر بھیجا اور طلاق دینے کی شرط پتا رکھی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں، اس نے سر جھکا لیا۔

"حق مہر پہلے ہی معاف کروا لیا بلکہ لکھوا لیا بے چاری سے، پچاس لاکھ رو۔ اور اب طلاق کے لیے؟" اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئیں تو بیا پریشانی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پتا نہیں کس کا فون ہے، تین چار دن ہو گئے ہیں، دس بار گھنٹیاں بجتی ہیں۔ ا ہوں تو کوئی نہیں، تم کدھر جا رہی ہو؟"

"میرے سر میں درد ہے۔ کچھ دیر ریسٹ کروں گی۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ مسلسل بجتی بیپ سے کھلی تھی۔

زریاب کا نمبر دیکھ کر اس نے موبائل پھر تکیے کے نیچے گھسا دیا۔

بیپ مسلسل بج رہی تھی اور وہ چاہنے کے باوجود موبائل آف نہ کر سکی۔

"بیا! اگر تم شام پانچ بجے مجھ سے ملنے نہ آئیں تو میں گھر چلا آؤں گا اور سارے فیصلے وہیں تمہاری اس مسکین پھپھو کے سامنے کر ڈالوں گا، تم جس طرح مسلسل مجھے انداز کر کے اپنے سارے حساب چکا رہی ہو، یہ نہ تمہارے لیے اچھا ہو گا، نہ میرے لیے پاس آ کر اگر یونہی دور جانا تھا تو پھر یہ آگ تم نے میرے اندر بھڑکائی کیوں؟ بجھی ہ چنگاریوں کو کیوں ہوا دے کر شعلے بنایا۔ اب ان شعلوں میں، میں تمہیں، خود کو، سب کو بھسم ڈالوں گا۔ تمہیں شام کو مجھ سے ملنے آنا ہی ہو گا۔ یاد رکھو۔" زریاب کی چنگھاڑ بند ہوتے

سیل فون سے ٹوں ٹوں کی آواز آنے لگی۔

وہ فون اٹینڈ کر کے پچھتائی۔ اس کا یہ تحکمانہ انداز اور انتقامی طرزِ عمل۔

"زریاب! میرے پاس اب بھسم کرنے کے لیے بچا ہی کیا ہے، سوائے اس بدن کے...... گوشت پوست کے اس بے قیمت بدن کو تم پامال کر کے کون سی راحت پاؤ گے۔ مجھے نہیں معلوم، یہ سب کیا ہو رہا ہے، کیوں میں اس شام تم سے ملنے چلی گئی۔" وہ سر پکڑے بستر پر بیٹھی تھی۔

یہ سیل فون اسے رافع جانے سے پہلے دے کر گیا تھا۔ رافع سے تو شاید اس نے ایک دو بار ہی بات کی تھی فکسڈ لائن پر۔ زریاب کی کال کہیں پھپھو اٹینڈ نہ کر لیں اس لیے اس نے زریاب کو اس دن اپنا سیل نمبر دے دیا تھا۔ اور زریاب نے اس واسطے کے ذریعے دلوں کے سوئے ہوئے جذبوں کو جگایا تھا۔ بہت سی غلط فہمیوں کو رفع کیا تھا اور بہت سی نئی امیدوں کا گلستان مہکایا تھا مگر رافع کے فون کے بعد وہ ڈری گئی تھی۔

رافع اسے آسانی سے آزاد نہیں کرے گا۔

"اور اگر اسے پتا چل جائے کہ میرا زریاب سے کیا معاملہ چل رہا ہے تو پتا نہیں اس کے اندر کا وہ وحشی جاگ نہ پڑے جو روشی کے معاملے پر پاگل ہو گیا تھا۔ وہ ابھی فی الحال زریاب سے پیچھے ہٹنا چاہتی تھی اور اس نے بے قراری میں مسلسل فون کر کر کے اسے زچ کر ڈالا تھا۔

"شام پانچ بجے اگر میں نہیں جاتی تو وہ واقعی گھر آ جائے گا اور جاؤں تو کیسے؟ پھپھو سے کیا کہوں گی، وہ تو آج مجھے ہاسپٹل کا بہانہ کر کے گھر سے اکیلا جانے نہیں دیں گی اور حیرت ہے، پھپھو نے مجھ سے پوچھا نہیں، اس شام میں کہاں گئی تھی۔" وہ اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔

پھپھو، مالی سے کیاریوں میں گوڈی کروا رہی تھیں، یہ مالی بھی آفس کی طرف سے ہفتے میں تین دن آتا تھا۔

"پتا نہیں رافع کی جاب کتنی اچھی ہے جو ایسی سہولتیں ہاتھ باندھے ساتھ ملی ہیں۔ مجھے اس کے غصے کو ہوا نہیں دینی چاہیے، صبر کے ساتھ رافع سے علیحدگی حاصل کرنی چاہیے۔ میری جلد بازی بہت کچھ خراب کر دے گی مگر شام کو زریاب کو کس طرح ٹالوں۔ آج تو جانا ہی

ہوگا۔"

وہ برش لے کر بالوں میں آہستہ آہستہ پھیرتے ہوئے کوئی معقول بہانہ س
لگی۔

"تم شام کو میرے ساتھ ہسپتال چل رہی ہونا؟" پھپھو اچانک ہی اندر داخل تھیں۔ ان کی بات سن کر وہ گڑبڑا سی گئی۔

"شام کو۔" اس نے زیرلب دہرایا۔ "پھپھو! آج شام کو تو نہیں، کل صبح چلوں وہ اصل میں...... پھپھو میری دوست ہے شاہانہ، اس کی انگیجمنٹ ہے۔ اس نے بہت ض اصرار سے بلایا ہے۔" اسے پتا بھی نہیں چلا، یہ سب اس کے منہ سے کیسے پھسلا۔

"تمہاری دوست؟" وہ حیرانی سے بولیں۔ اس نے تو اس ڈیڑھ سال کے د کسی دوست سے ملنا تو دور کی بات، کسی کا ذکر تک نہیں کیا تھا اور اب جانے کا تذکرہ؟

"میں نے تو سب سے ملنا جلنا، رابطہ کرنا چھوڑ رکھا تھا۔ اسے روشی کے ذر نمبر مل گیا تو بار بار فون کرنے لگی۔ مجبوراً مجھے اس سے بات کرنی پڑی پھر یوں اکیلے پڑے...... چند ایک بار اس سے بات کرنے کے بعد اچھا لگا تو میں بھی کبھار اس سے کرنے لگی۔ اب اس نے بعند اصرار اپنی منگنی پر بلایا ہے ایک گھنٹے کے لیے۔ اگر آ کرتی ہیں تو نہیں جاتی۔" اس نے آخر میں قدرے مظلومیت سے کہا۔

وہ کچھ دیر بول ہی نہ سکیں۔

"کہاں ہے اس کا گھر؟" ان کے سوال نے اسے گڑبڑا دیا۔

"اپر مال پر ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"تو ٹھیک ہے، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ ہسپتال ادھر سے کچھ ہے۔ اگر میرے ساتھ چلو گی تو اچھی بات ہے، ورنہ ڈرائیور تمہیں ڈراپ کر کے مجھے لے جائے گا۔ واپسی پر تمہیں لے لیں گے۔" انہوں نے اتنی پرفیکٹ پلاننگ بتائی کہ کوئی اعتراض ہی نہ کر سکی اور اپر مال کا نام لینے پر دل میں خود کو کوسا۔

"میں کل آپ کے ساتھ چلوں گی نا ہسپتال پھر آپ شام کو رہنے دیں، اکٹھے ہی چلے جائیں گے۔" اس نے مضطرب لہجے میں آخری کوشش کی اور ان کی شکل
لگی۔

"بیٹا! دیکھو، پیار کا معاملہ ہے، پیار بھی وہ جو آس کی شمع جلائے بیٹھا ہے۔ ضویا کے آنسو اس دن سے میرے دل پر گر رہے ہیں۔ کیسے بلک رہی تھی۔ بے چاری اور میری سستی دیکھو، اتنے دنوں سے جا ہی نہیں سکی اور اب ایک دن اور ٹال دوں۔"

ان کے لہجے پر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے تو ابھی تک جانے کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا تھا اور ضویا کا رونا اسے ایک بار بھی یاد نہیں آیا تھا۔ پتا نہیں کیسی غائب دماغی کی حالت تھی۔

"پھپھو! اصل میں، میں آپ کے ساتھ جانا چاہ رہی تھی۔ اکیلے مشکل لگ رہا ہے۔" وہ ہتھیلیاں مسلتے ہوئے بولی۔ "کل صبح وعدہ، آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی۔" صرف زریاب سے ملنے کے لیے وہ یہ وعدہ بھی کر بیٹھی جو شاید کبھی نہ کرتی۔

"اچھا چلو جیسے تمہاری خوشی، مگر شام کو کس وقت جاؤ گی؟"

"پانچ بجے تک نکلوں گی۔" اس نے سکون بھرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، ڈرائیور وہیں رہے گا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں فارغ ہو کر تم نکل آنا۔" وہ کہتے ہوئے جانے لگیں۔

وہ انہیں منع کرتے کرتے رک گئی، فی الحال اتنا کافی تھا۔ اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

☆☆☆

اس روز شام بھی ایک طویل انتظار کے بعد آئی تھی۔

اس نے اپر مال پر ڈرائیور کو ہوٹل سے کافی دور اتر کر واپس بھجوا دیا تھا۔

"واپسی پر میری دوست مجھے ڈراپ کر دے گی، پھپھو کو بتا دینا جا کر۔" اس نے کہہ کر اسے روانہ کر دیا تھا۔

اگرچہ اس طرح تیار حلیے میں اکیلی سرِشام رواں ٹریفک کے بیچ سے گزر کر سڑکیں کراس کرنا اور واک کرتے ہوئے ہوٹل تک جانا اسے خود بھی خاصا عجیب لگ رہا تھا مگر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"اگر کوئی مجھے دیکھ لے۔" اس کے دل میں نیا وسوسہ جاگا۔

رائل بلیو کلر کے نازک کڑھائی والے سوٹ میں دوپٹہ اپنے گرد لپیٹنے کے باوجود

اسے پسینے آ رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر کوئی اسے ہی دیکھ رہا ہو۔ ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں ہوں جو اس پر مرکوز ہیں اور وہ جانتی ہیں، وہ کسی سے چوری چھپے ملنے جا رہی ہے، رافع کی منکوحہ ہونے کے باوجود۔ اس کا ایک ایک قدم من بھر کا ہو رہا تھا۔

''تم پیدل آئی ہو؟'' زریاب ہوٹل کی انٹرنس کے قریب ہی اسے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے مل گیا۔

''نہیں، ڈرائیور سے میں نے ہی کہا تھا کہ مجھے ذرا دور اتار دے۔''

تھوڑا سا چلنے سے ہی وہ تھک گئی تھی۔

''آخر کس سے اتنا ڈرتی ہو تم، کہا تھا نا میں آ جاتا ہوں پک کرنے تمہیں۔'' وہ اس کی کیفیت سے کیا سمجھا کہ اس کے دونوں ٹھنڈے برف جیسے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا اور وہ اس سہارے کو پکڑ کر جیسے کھڑے رہنے کے قابل ہوئی۔

''ہم کہیں بیٹھ نہیں سکتے؟''

''شیور۔ روم میں چلتے ہیں پھر آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔'' وہ اس کی کمر کے پیچھے بازو حمائل کرتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔

بیا نے کن اکھیوں سے ارد گرد گزرتے لوگوں کو دیکھا اور تیزی سے دائیں طرف ہوتے ہوئے اس کے حلقے سے نکل گئی۔

''روم میں نہیں، یہیں ہال میں یا کسی اوپن ایر میں بیٹھتے ہیں۔''

روم میں زریاب بے خود ہونے لگتا تھا، اس کے ضبط کا ہر بندھن ٹوٹنے لگتا اور اس کے نرم گرم جملے بیا کو بھی پگھلانے لگتے تھے۔ اسے ان لمحوں سے خوف آتا تھا، نہ جانے کیا ہراس تھا جو چاہنے کے باوجود بھی اسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتا۔

وہ زریاب کو چاہتی تھی اور اس کی چاہت کا اظہار اسے سرشار کر دیتا، اندر بھڑکتے پیاس کے صحرا پر ٹھنڈی بارش کی طرح برستا محسوس ہوتا مگر ابھی وہ اس بارش کو برسنے کی اجازت دینا نہیں چاہتی تھی۔

''باہر کہیں بیٹھ کر ہم بھلا کیا بات کریں گے۔'' زریاب کو اس کی تجویز پسند نہیں آئی تھی۔

''جو بھی بات کرنی ہو گی۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی تو زریاب کو اس کا ساتھ د

ہی پڑا۔

''بیا! مجھے سب سے پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو۔'' اس نے بیٹھتے ہی ویٹر کو فریش جوس لانے کا آرڈر دیا تھا۔

''کون سا سوال؟''

''تم مجھے معاف کر چکی ہو نا؟''

''پتا نہیں، بظاہر میں خود کو قائل کرتی ہوں مگر میرا دل۔''

''کیا ہمارا ملن تمہارے دل کی چاہ نہیں؟'' اس نے بے اختیار ہی اس کے ٹیبل پر دھرے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

''پلیز زریاب!'' اس نے مزاحمت کی۔

''کیا..... کیا کر رہا ہوں میں؟''

''ابھی نہیں..... ابھی کچھ بھی نہیں۔ پلیز ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ۔'' اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''بیا! مجھے نہیں پتا تھا، تم ان دقیانوسی لوگوں میں چند ماہ رہ کر اس قدر پسماندہ خیالات کی مالک ہو جاؤ گی۔''

''ایک سوال کا جواب مجھے بھی چاہیے۔ بالکل سچ سچ۔'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا کر بولی۔

''میں نے تم سے کچھ بھی جھوٹ نہیں بولا۔'' وہ دل گرفتگی سے بولا۔

''فریال کے ساتھ کیا ہوا؟'' وہ چبا چبا کر بولی۔

''کیوں، کیا ہوا ہے اسے؟'' وہ چونکا تھا۔

''ہر کسی کے منہ پر فریال کے دکھوں کی کہانی ہے۔ فریال جب سے واپس آئی ہے، بے چاری بے حال ہو گئی ہے۔ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔ مجھے سچ سچ بتائیں پلیز۔'' اس نے سینے میں گڑی پھانس نکالی۔

''تو سنو، اس نے اُن آٹھ ماہ میں جتنا میرا جینا دوبھر کیا، اگر میں تمہیں سچ بتا دوں تو تم یقین نہ کرو۔ میرے خیال میں تم ایک بار خود اس بے چاری فریال سے مل کر اس سے پوچھ لو تا کہ تمہاری تسلی ہو جائے۔ میرا اعتبار تم کیوں کر کرو گی کیونکہ میں ایک بار تمہارا اعتبار کھو

چکا ہوں اور قسمیں میں کھانا نہیں چاہتا۔ قسم جھوٹے کھاتے ہیں۔" وہ سر جھکائے دھیمی آوا میں کہہ رہا تھا۔

"آپ نے اس کو طلاق دے دی؟"

"نہیں، وہ حق مہر کے علاوہ ایک موٹی رقم اور پراپرٹی کا مطالبہ کر رہی ہے۔"

زریاب کی بات پر بیا نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"مگر مجھے تو پتا چلا ہے کہ آپ حق مہر معاف کروا کے باقاعدہ لکھوا چکے ہیں، اس کے علاوہ آپ......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں نہیں جانتا تمہاری سورس آف انفارمیشن کیا ہے مگر یہ سب جھوٹ ہے، بوگر ہے اور میرے خلاف پروپیگنڈا اور بیا! میں سچ بتاؤں اس پروپیگنڈے کی وجہ سے مجھے سب سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اسی لیے "انصاری ہاؤس" نہیں گیا، یہاں ہوٹل میں پڑا ہوں او اپنے فادر کی پراپرٹی میں سے حصہ اس لیے مانگ رہا ہوں کہ رقم لے کر فریال کے طوق کو اپ گلے سے اتار پھینکوں۔ اس شادی نے جتنی مجھے ذہنی اذیت دی ہے، اتنا ہی مجھے مالی نقصا پہنچایا ہے۔ میں اب اس قصے کو کسی بھی طرح نپٹانا چاہتا ہوں۔ یہ سب ڈیڈی کی ہٹ دھر اور ضد کی وجہ سے ہوا۔ انہیں اپنی انا اور جھوٹا وقار اتنا عزیز تھا کہ انہوں نے اس کھیل میں اکلوتے بیٹے کی زندگی اور اس کے دل کی واحد خوشی کو آگ لگاتے ہوئے ایک پل کو نہیں سو کہ اس پر کیا بیتے گی، اس لیے مجھے سب سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اپنا حصہ لے کر، رقم فریا کے منہ پر مار کر سب سے کنارہ کش ہو جانا چاہتا ہوں اور میں اس موقع پر اپنی زندگی کا گولڈ چانس ہی سمجھوں گا کہ قدرت نے میرے دکھوں کا ازالہ کرنے کے لیے ایک بار پھر مجھے تم سے ملا دیا۔ اگر ہم دونوں کا ملن دوبارہ ممکن نہیں تھا تو بیا! ہمیں قدرت دوبارہ کیوں ملاتی۔ یہ سب کو چھوڑ دو، میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں ایک نئی ایک مکمل محبت بھری پرسکون زندگی شرو کریں گے۔ ان سب لوگوں نے مل کر ہماری زندگیوں سے کھیل کھیلا ہمیں اب ان سے کٹ کر علیحدہ ہو جانا چاہیے، مل کر نئی زندگی کی مضبوط بنیاد رکھنی چاہیے۔ میرے پاس بس گنتی کے دن ہیں، کل میں کراچی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لیے یا شاید ڈیڑھ ہفتے کے لیے، اس کے بع میرے پاس صرف بیس دن ہوں گے۔ تم بتاؤ، تم کیا کہتی ہو؟" وہ آخر میں پرجوش لہجے میں کہتے کہتے رکا۔

"میں، میں کیا کہوں۔ میں تو ابھی بندھی ہوئی ہوں، خود سے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔"

وہ بے بسی سے بولی۔ پتا نہیں کیوں اس کے دل کو زریاب کی باتوں پر یقین آ چلا تھا اور اسے شروع سے پتا تھا۔ زریاب جھوٹ نہیں بولتا، ورنہ وہ شاید اس کا کبھی اعتبار نہ کرتی۔

"تم کیوں رافع کو مجبور نہیں کرتیں۔ اگر تم کہو تو کسی وکیل سے مل کر اسے نوٹس بھجوا دیتے ہیں۔ وہ تمہیں تنہا اور بے سہارا سمجھ کر ایکسپلائٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، ورنہ وہ تمہارے مطالبے پر تمہارے اس جائز حق کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔"

ویٹر جوس لے آیا تھا۔ زریاب نے گریپ فروٹ جوس کا گلاس اس کے آگے کیا۔

اسے ابھی بھی یاد تھا کہ بیا کو یہ جوس پسند ہے۔ وہ اسٹرالیوں سے لگا کر پینے لگی۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔

"پھر کیا کہتی ہو بیا؟" وہ چند لمحوں بعد پھر بولا۔

"میں کیا کہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"تم خود کو تیار کرو گی تو کچھ سمجھ میں بھی آئے گا، تمہیں اس طرح تنہا، اداس سا دیکھ کر یقین مانو میرے دل پر جیسے چھریاں سی چلتی ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے بیا! میں تمہارے اس اداس روپ کو اپنے سینے میں سمیٹ لوں اور سارے جہاں کی خوشیاں، سارے زمانے کی مسکراہٹیں اور تمہاری وہ کھنکتی کھلکھلاتی ہنسی تمہیں لوٹا دوں۔ کاش یہ سب میرے بس میں ہو بیا! مجھے ایک بار، ایک بار اپنا کر یہ موقع تو دو۔ تمہارے ہر دکھ، ہر اذیت کی تلافی نہ کر دوں تو زریاب نہ کہنا۔ تمہیں دیکھ کر خود پر اختیار کھونے لگتا ہے بیا! مجھے تو لگتا ہے یہ بیچ کا عرصہ ہمارے بیچ آیا ہی نہیں۔ اگر آیا بھی ہے تو تمہیں جیسے مزید رعنائیاں بخش گیا ہے یا جب تک تم دسترس میں تھیں کبھی اتنی حسین، اتنی مکمل اور ان چھوئی نہ لگی تھیں، جتنی اب۔ بیا! میرا دل میرے بس میں نہیں۔ پلیز جلدی کسی فیصلے پر پہنچو، میں اور انتظار نہیں کر سکتا پلیز۔"

وہ ایک بار پھر اسی دیوانگی بھری وحشت میں اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں...... لیے ہوئے آنکھوں میں محبت کی بھڑکتی لو دہکائے کہہ رہا تھا۔ بیا کے سینے میں دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"رافع کی واپسی تک کچھ بھی ہونا مشکل ہے۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ اس بار اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ زریاب کے ہاتھوں کی گرفت میں اس کا

دل بھی آ گیا تھا۔

''تمہارے سینے میں دو دل ہیں بیا! ایک جو میری محبت میں پور پور غرق ہے، دو
رافع کی مجبوری سے بندھا ہے اور بیا! یہ دونوں دل دھڑکتے رہیں گے اور تمہاری اذیت
سامان کرتے رہیں گے رافع سے پیچھا چھڑانا اتنا مشکل نہیں، تم ہامی تو بھرو۔''

اس کی دودھیا نرم و ملائم کلائیوں پر اب زریاب کی انگلیاں آہستہ آہستہ سرسرا ر
تھیں۔ بیا کے تن بدن میں ایک پر کیف لہر سی دوڑنے لگی۔ سارے بدن کی پیاس جیسے ا
انگلیوں میں سمٹ آئی تھی۔ کاش ان کلائیوں میں دھڑکتی نبضوں کے ساتھ وقت کی سوئیاں بھ
تھم جائیں۔

''بیا! روم میں چلیں۔'' زریاب کی مدھم سی سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اچانک لیہا کے بیگ میں بجتے موبائل کی بپ نے دونوں کو وحشت کے اس صح
سے نکالا تھا۔

اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔

پھپھو اس کی واپسی کے لیے فکرمند تھیں۔

''ڈرائیور کو بھیج دوں؟ تم نے اسے واپس کیوں بھیج دیا؟ اب کیسے آؤ گی رات ہ
چکی ہے۔''

''میں آجاؤں گی، شاہانہ مجھے ڈراپ کر دے گی۔ تھوڑی دیر تک آ رہی ہوں۔ آپ
فکر نہ کریں۔'' وہ زریاب کی دہکتی نگاہوں سے پگھل رہی تھی۔ آواز کی لرزاہٹ پر قابو پا کر بو
اور موبائل آف کر دیا۔

''آپ مجھے ڈراپ کر دیں۔'' اس سے پہلے کہ یہ کمزور لمحے اس پر پوری طرح
حاوی ہو جائیں، وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''بیا! اتنی ظالم نہ بنو۔ چلو کچھ دیر اوپر چل کر اطمینان سے بیٹھتے ہیں پھر چلی جانا۔''

اس نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینا چاہے۔

''نہیں، مجھے دیر ہو جائے گی۔'' اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ کھینچے اور بیگ سنبھال
کر اٹھنے لگی۔

''او کے۔ اوپر نہیں چلتے مگر کچھ دیر تو اور بیٹھو۔ ڈنر تو ساتھ کر لیں، پلیز۔'' وہ ملتج

لہجے میں بولا۔

''نہیں۔ ڈنر میں دیر ہو جائے گی۔'' وہ پھپھو کا سامنا کرنے سے گھبراتی تھی۔

''اچھا تھوڑی دیر تو اور بیٹھو۔'' زریاب کے اصرار پر وہ مجبوراً بیٹھ گئی۔

''اور ہاں، پتا بھی تو چلے تایا جان کو کہ جس بدکردار لڑکی کو وہ اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں تھے، وہ اب ان کے بیٹے کی زندگی کا ناگزیر حصہ بن چکی ہے پھر کیسے مجھے دھتکار سکیں گے اور ممی...... ممی اگر اس وقت ڈٹ جاتیں، مجھے بے قصور جانتے ہوئے میری ڈھال بن جاتیں۔ انہوں نے تو الٹا مجھے گنہگار ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔ پھپھو کے گھر ایک رات بلا اجازت رہنے پر مجھے معتوب ٹھہرایا گیا اور ممی نے میرے گناہ پر تصدیق کی مہر لگاتے ہوئے مجھے اسی گھر کی طرف روانہ کر دیا۔ گویا انہوں نے میرے گنہگار ہونے کا اعتراف سب کے سامنے کر لیا، ورنہ آج میں بھی کسی کے آگے سر اٹھا کر بات کر سکتی۔ سارا قصور، ساری غلطی ممی کی کمزوری کی ہے اور پھر سب کہتے ہیں انہیں معاف کر دوں، ان سے مل لوں جا کر جنہوں نے جانتے بوجھتے مجھے بربادی کے اس گڑھے میں دھکا دیا۔''

واپسی پر وہ زریاب کے ساتھ گم صم سی راستہ بھر یہی کچھ سوچتی رہی۔

اسے اب فیصلہ کرنا آسان لگ رہا تھا۔

اس کا ذہن آگے ہی آگے زریاب کے ساتھ کہیں اور محو پرواز تھا۔ اسے پیچھے کچھ بھی یاد نہیں تھا، نہ رافع سے تعلق، نہ اس کی ضدی اکھڑ طبیعت اور نہ پھپھو کی بے ریا محبت۔ وہ تو اب جلد سے جلد زریاب کی ہو جانے، اس کا ساتھ پانے کی ترکیبیں سوچ رہی تھی اور بس۔

☆☆☆

''یہ کون ہے؟'' وہ پل بھر کے لیے ششدر رہ گئی۔

اس کا ایک قدم دروازے کے اندر تھا، دوسرا باہر۔ وہ چوکھٹ کے بیچوں بیچ گم صم کھڑی سفید بستر پر پڑے ہڈیوں کے اس ڈھانچے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلے اسے لگا، وہ غلط کمرے میں آ گئی ہے۔

وہیں کھڑے کھڑے گردن موڑ کر اس نے روم نمبر دیکھا۔

وہی کمرہ نمبر تھا جو پھپھو نے آتے وقت اسے بتایا تھا۔

اس کے سینے میں سانسیں جیسے آپس میں الجھنے لگیں۔ کمرے میں ہلکی خنکی تھی اور اس

ٹھنڈک میں دواؤں اور ٹنکچر کی بو رچی ہوئی تھی۔ کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

اس نے دھندلائی نظروں سے ایک بار پھر سامنے بستر پر لیٹے اس نیم مردہ جسم دیکھا جس کے دونوں بازوؤں میں ڈرپ لگی ہوئی تھی اور زندگی اس سفید محلول کی صورت : قطرہ قطرہ ان رگوں میں اتر رہی تھی جن پر کلائیاں ہونے کا فقط گمان ہی کیا جا سکتا تھا۔

"یہ...... یہ ممی نہیں ہوسکتیں۔" اس کے کانپتے لبوں سے سسکی نکلی۔

اس کی ممی تو گوری چٹی، صحت مند، اونچی لمبی گریس فل عورت تھیں جن کی دود رنگت میں لالیاں دہکتی تھیں۔

گداز کٹاؤ دار ہونٹوں پر لپ اسٹک کے بغیر ہی گویا لہو چھلکتا تھا۔ سات آٹھ سا پرانی ذیابیطس نے بھی ان کی صحت پر کوئی نمایاں اثر نہیں ڈالا تھا۔

اپنے تینوں بچوں کو دیکھ کر ان کے خوبصورت ہونٹوں پر جو مسکراہٹ لہر کی طر ابھرتی ان کی سیاہ آنکھوں میں انوکھی سی چمک بھر جاتی تھی۔ ڈیڈی کے مرنے پر اسے یاد تھا اس نے اکثر عورتوں کی دبی دبی سرگوشیاں بارہا سنی تھیں۔

"عارفہ ایسی قیامت خیز جوانی کے ساتھ کیسے بیوگی کاٹے گی، بہت مشکل ہے خود بند باندھ سکے۔"

شاید اسی خوف سے کہ وہ کہیں دوسری شادی نہ کرلیں۔ تایا جی ان کے ساتھ ترجی سلوک کرتے تھے۔ ان کی ہر بات، ہر ضرورت کو سرفہرست رکھا کرتے تھے۔ اور یہ وہی تھ جنہیں کبھی بخار بھی ہوتا تھا تو صحت مند چہرہ تمتما کر اور بھی پرکشش لگنے لگتا۔

"تو کیا ان کا یہ حال صرف میری وجہ سے...... میری جدائی کی وجہ سے ہوا ہے؟" ممی نے میری جدائی کو روگ بنا لیا یا کوئی اور وجہ۔" وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی ان کے بیڈ کے پا آئی۔

"ممی!" اس نے بے ساختہ اپنا چہرہ ان کے پیروں پر رکھ دیا۔ سفید چادر کے نیچے سے بھی ان کے پیروں کی ٹھنڈک اس کے رخسار سے ٹکرائی تھی۔ اسے پتا بھی نہیں چلا، وہ ا کے پیروں پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی۔

وہ اس کے اس طرح رونے کے باوجود ساکت لیٹی تھیں جیسے ان کے بدن سے کس نے روح بھی کھینچ لی ہو۔

"دیکھ لینا، یہ نہ ہو کہ پھر پچھتاوے ہی رہ جائیں۔" کوئی اسکے کان میں بولا تو اسے کرنٹ سا لگا۔ وہ پاگلوں کی طرح ان کے پورے بدن کو ٹٹولنے لگی۔

اس کے ہاتھ ان کے سینے پر آ کر ٹھہر گئے۔

کمزور سینے میں سانسوں کا زیروبم جاری تھا مگر بالکل خفیف سا۔

"ممی! یہ آپ کو کیا ہو گیا۔ ممی! میں نے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔ میں آپ سے ناراض تھی، روٹھی ہوئی تھی اور دل سے چاہتی تھی آپ آ کر مجھے منا لیں۔ ایک بار نہ مانوں تو دوسری بار آئیں۔ ممی! آپ آتیں تو سہی۔ آپ کی بیا ایسی سخت دل تو نہ تھی کہ آپ کے منانے سے بھی نہ مانتی۔ میں ناراض ہو کر سوتی تھی تو آپ کو رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔ صبح سویرے ہی مجھے آ کر پیار کرنے لگتیں۔ ممی! یہ کیسی ناراضی تھی، میں روٹھی تو آپ بھی خفا ہو گئیں یا تایا جی کی نظروں میں معتوب نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ ممی! ایک بار مجھے بتائیں تو سہی، وہ کون سی رکاوٹ تھی جس نے آپ کو میرے پاس آنے سے روکے رکھا۔ ممی! میری پیاری ممی...... ممی جان...... آئی لو یو...... آئی لو یو ریئلی لو یو......

آپ آنکھیں کھول کر مجھے دیکھیں تو سہی۔ ایک بار ایک نظر میرے چہرے پر تو ڈالیں۔ ممی! آنکھیں کھول کر اپنی اس اجڑی ہوئی بیٹی کو تو دیکھیں۔ دیکھیں جسے آپ نے دلہن بنا کر اپنے ہاتھوں سے رخصت کیا تھا، وہ کیسی برباد ہے۔ آپ نے کیسے ہم سفر کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ دیا تھا کہ اس نے ایک بار بھی پیار کا جملہ، ہمراہی کا کوئی احساس آپ کی اس خانماں برباد بیٹی کے پلو سے نہیں باندھا۔

ممی! میں کس سے کہتی، ممی! سب نے مجھے چھوڑ دیا۔ آپ، سب نے مجھے اکیلا کر دیا...... میں غصے میں آپ سے ناراض ہو کر آئی تھی، دوبارہ کبھی نہ ملنے کا عہد تو میں نے کیا تھا، آپ نے یہ قسم کیوں کھائی۔ آپ نے ایک بار بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ ممی! مجھے معاف کر دیں۔ ممی! آپ اچھی ہو جائیں، پہلے جیسی پھر آپ کی بیا، آپ سے جی بھر کر لڑے گی۔ ناراض ہو گی۔

پلیز مجھ سے بات کریں مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ مجھے ابھی بھی آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ روتے ہوئے دیوانہ وار انہیں چومے جا رہی تھی۔

اس کا سارا غصہ، ساری ناراضی سارا زہر انہیں اس حال میں دیکھ کر نہ جانے کہاں

چلا گیا تھا۔ اسے اب خود پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے آنے میں دیر کیوں کر دی۔ ممی آنکھیں کیوں نہیں کھول رہیں؟ اس نے تشویش بھرے انداز میں ان کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر شروع کیا ان کے پپوٹے ہلکے سے کپکپائے مگر انہوں نے آنکھیں پھر بھی نہیں کھولیں "اگر ممی ک کچھ ہوگیا تو؟" اس کا دل زور سے کانپا۔

"بیمار کا کیا پتا۔ بیمار بھی ایسا جس کی سانسیں آس سے جڑی ہوں۔" اس کے کانو میں پھپھو کی آواز گونجی۔

"اگر ممی مجھے معاف کیے بغیر چلی گئیں...... نہیں نہیں میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔

یہ اکیلی کیوں ہیں ضویا کہاں ہے، حارث، ولید...... ان کے پاس کوئی بھی نہیں۔ پھپھو تو کہہ رہی تھیں اس وقت ضویا ہوتی ہے......" وہ اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

وہ اسٹاف روم کی طرف جارہی تھی۔

"میڈم اس وقت ڈیوٹیز آف ہو رہی ہیں۔ نائٹ شفٹ کے بعد مارننگ والے چارج لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر وصی ابھی آتے ہوں گے وہی آکر پیشنٹ کو اٹینڈ کریں گے۔"

وارڈ بوائے نے اسے بتایا تو سر ہلاتے ہوئے واپس مڑ گئی۔

"کہیں بھی نہیں ممی! کینٹین سے چائے پینے گئی تھی۔ سر میں بہت درد تھا۔ آپ اب کیسا فیل کر رہی ہیں؟" اس کے قدم ضویا کی آواز سن کر دروازے کے باہر ہی رک گئے۔

"ضویا...... ابھی یہاں کوئی تھا...... یہاں میرے پاس۔"

اس نے ممی کی کمزور آواز سنی تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"نہیں کوئی بھی نہیں ممی! میں آئی ہوں تو ادھر کوئی بھی نہیں تھا۔"

"پیا آئی تھی ابھی...... وہ رو رہی تھی اور کچھ کہہ بھی رہی تھی میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ مگر پتا نہیں کیسی غنودگی تھی جیسے میں ساری کی ساری پتھر کی ہوگئی تھی...... ضویا وہ آئی تھی رو رہی تھی...... تم دیکھو، باہر ہی ہوگی وہ۔" ان کی آواز ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے کانوں تک آرہی تھی۔

"نہیں ممی! آپ کو وہم ہوا ہے، وہ اگر آئی ہوتی تو یہیں ہوتی آپ نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔" ضویا کہہ رہی تھی۔

"پاگل نہیں ہوں ضویا میں...... دیکھو، کمرے میں اس کی مہک ابھی تک ہے۔ مجھے

محسوس ہو رہی ہے۔ پیا یہی خوشبو لگاتی تھی۔ دیکھو، میرے ہاتھوں پر اس کے آنسو ابھی بھی موجود ہیں دیکھو......" ان کی کانپتی لرزتی آواز پر باہر کھڑی پیا کے آنسوؤں کا بند پھر ٹوٹ گیا۔

"ممی! کچھ بھی نہیں ہے۔ ڈرپ سے کوئی قطرہ گرا ہوگا۔ آپ کی طبیعت اب مجھے کچھ بہتر لگ رہی ہے۔ رات کو تو آپ بالکل ہوش نہیں تھا۔ میں ڈاکٹر کا پتا کرتی ہوں۔" ضویا کہتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی۔ تو وہ تیزی سے کاریڈور کے دوسری طرف مڑ گئی۔ پتا نہیں اس کے اندر ان کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا یا...... ابھی جو وہ انہیں اس حال میں دیکھ کر اتنا روئی تھی تڑپی تھی یا وہ سب کے سامنے اس اعلاظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی انا کو نہیں پچھاڑ سکتی تھی۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوٹ آئی۔

"کیسی تھیں عارفہ بھابی، آج بھی گئی ہو یا......؟" وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی لاؤنج میں بیٹھی پھپھو نے اس سے پوچھتے ہوئے طنز سا کیا۔

اس کا دل پہلے ہی چھلکتا جام بنا ہوا تھا۔ وہ ایک لفظ نہ بول سکی۔

"پیا! مل کر آئی ہو بھابی سے۔" وہ اس کے اترتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس آکر بولیں۔

"پھپھو! وہ میری ممی تو نہیں تھیں۔ وہ تو ممی کا سایہ بھی نہیں تھا۔ میں کیسے ان کا سامنا کرتی...... پھپھو میری ممی کو کیا ہوگیا وہ تو...... وہ تو......" وہ ان کے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔ اس وقت اسے کسی کندھے کی ضرورت تھی۔ وہ آنسو جو اس نے ضویا کے کندھے سے لگ کر بہانے تھے وہ سعدیہ بیگم کے سینے سے لگ کر بہانے لگی۔

"کہتی تھی نا ایک بار مل لو جا کر، دیکھ لو انہیں...... انہیں تو تمہاری جدائی ناراضی اور حق تلفی کا روگ کھا گیا۔ دیکھا، کیسا ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ گئی ہیں۔ انہیں تو کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔" وہ اس کے سر اور کندھے سہلاتے ہوئے بولیں۔

"پھپھو! آپ دعا کریں پھپھو اللہ آپ کی دعا سنتا ہے۔ میری ممی کے لیے کہ وہ اچھی ہو جائیں۔ پہلے جیسی، میں ان سے ناراض نہیں بالکل بھی نہیں۔ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔ کیسے ان کے سامنے کھڑی ہوں گی میں۔" وہ بری طرح سے بکھر رہی تھی۔

"حوصلہ کرو بیٹا! اور شکر ادا کرو۔ ابھی دیر نہیں ہوئی اور دعا تو بیٹا ہر دکھی دل کی

مقبول ہوتی ہے پھر اولاد کی دعا ماں باپ کے حق اللہ کم ہی رد کرتا ہے۔ میں بھی دعا کر‌ا گی۔تم بھی نماز پڑھو اور دل سے اپنے اللہ سے دعا کرو اور شام کو انہیں دوبارہ دیکھنے جا تمہارے دیکھنے سے ہی ان میں جان دوڑ جائے گی چلو گی نا شام کو۔'' تو اس نے اثبات ! سر ہلا دیا۔

''تم اتنی جلدی چلی گئیں اور ناشتہ بھی نہیں کیا۔ چلو میں خود تمہارے لیے ناشتہ تیا کے لاتی ہوں۔تم چل کر منہ ہاتھ دھو بلکہ وضو کر لو۔ وضو سے ہی تمہاری پریشان طبیعت ڈھارس ملے گی۔ شاباش میرا بیٹا، اب انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔'' وہ پہلے کی طرح ا کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے محبت سے بولیں تو وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

شام تک وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

''میرے بچے تم نے اتنا اثر لیا ماں کی بیماری کا، دوپہر میں تم بے ہوش ہو گئیں میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ رافع کا فون آ گیا گھبراہٹ میں میں نے اسے بھی بتا دیا۔ اس کا ! دوبارہ فون آ چکا ہے، کہتا تھا۔ بیا کو ہوش آ جائے تو فون کر کے ضرور بتا دوں۔تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے، شدید ذہنی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ حساس طبیعت لوگ اسی طرح ری ایکٹ کرتے ہیں۔ اس کی بات پر میں اور گھبرا گئی، کہنے لگا۔ شکر کریں نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے بچا ہے نہ کچھ ڈھنگ سے کھاتی ہو نہ پیتی ہو نہ اپنی صحت کوئی دھیان، تو پھر اسی طرح بیماری نے حملہ کرنا ہے۔ اللہ میری بچی کو میری بھی عمر دے۔ عمرِ خضر عطا کرے۔ دو بار دم کر کے پانی رکھ چکی ہوں اب ذرا گھونٹ گھونٹ کر کے پیو۔'' وہ اس کا سر اونچا کر کے اسے پانی پلانے لگیں۔

نقاہت اور کمزوری سے اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں چند گھنٹوں کے بخ نے اس کے جسم سے گویا ساری طاقت نچوڑ لی تھی۔

''اللہ میری بچی کو نظرِ بد سے بچائے ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ ذرا ہمت کر کے یہ د لے لو۔ انجکشن تو ڈاکٹر صاحب لگا گئے ہیں۔ ایک کل صبح لگے گا۔ اٹھو گی ذرا۔''

اس نے بہ دقت نفی میں سر ہلایا اور غنودگی میں چلی گئی۔

نہ جانے کیسا بخار تھا کہ ٹوٹتے ٹوٹتے بھی پورے سات دن لگ گئے اور اس کے

بعد شدید کمزوری۔ وہ ذرا سا اٹھنے لگتی تو فوراً چکرا کر گر پڑتی۔

پھپھو نے سختی سے اسے اٹھنے اور چلنے پھرنے سے منع کر رکھا تھا۔ ملازمہ اب صبح سے شام تک رہتی۔

ڈاکٹر باقاعدگی سے شام کو روزانہ چیک کرنے آتا رہا تھا۔

''پھپھو! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پلیز، اب یہ دوائیں ختم کریں۔ مجھے صرف کمزوری ہے۔'' وہ اب دوا کی شکل دیکھ کر چڑنے لگی تھی۔

''دوا نہیں کھانی تو پھر خوراک کھاؤ۔ سوپ، یخنی دیکھ کر تمہیں متلی ہونے لگتی ہے تو پھر ٹھیک کیسے ہو گی۔''

''پھپھو! ممی کی طبیعت بہتر ہوئی؟''

''ہاں اللہ کا شکر ہے۔ اب کافی بہتر ہیں، چل پھر تو ابھی بھی نہیں سکتیں۔ شاید ڈاکٹر دو چار دنوں میں ہسپتال سے ڈسچارج کر دیں۔تم اچھی ہو جاؤ تو پھر دیکھنے جائیں گے اور بچے رافع سے تو بات کر لو۔ اس کے دن میں تین تین فون آ رہے ہیں۔'' فون کی گھنٹی بجنے پر وہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں تو اس کا منہ بن گیا وہ ہر بار رافع کا فون آنے پر سوتی بن جاتی تھی۔

''پتا نہیں کون ہے۔ دو دن ہو گئے ہیں پچھلے ماہ بھی کوئی بے وقوف تھا فون اٹھاتی ہوں تو آگے سے چپ، نہ جانے کیا مزہ ملتا ہے۔ یوں کال ضائع کر کے۔ میں تمہارے لیے جوس لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

''تو زریاب کراچی سے واپس آ گیا پھر وہی ملنے کا تقاضا، یا اللہ مجھے اس دورا ہے سے نکال مجھے قوتِ فیصلہ عطا کر۔ درست فیصلہ کرنے کی قوت، مجھے مضبوطی عطا کر۔ کتنا کمزور کتنا بے بس محسوس کر رہی ہوں میں خود کو، میری مدد کر۔ میں زریاب کی طرف بڑھتی ہوں تو کوئی مجھے پیچھے سے کھینچتا ہے۔ رافع کے بارے میں سوچتی ہوں تو دل پر جیسے کوئی بوجھ سا آ گرتا ہے۔ نہ جانے کیسی کشمکش ہے جس نے مجھے پاگل کر دیا ہے اور الجھن بھی ایسی کہ میں کسی سے کہہ بھی نہ سکوں ورنہ پھپھو سے بڑھ کر کسی بھی مسئلے میں کون میری مدد کر سکتا ہے اور میں ان سے بھی نہیں کہہ سکتی۔''

اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بے بسی سے سوچا تھا۔

☆☆☆

"تمہارے لیے آتے ہوئے کیا لے کر آؤں؟" رسمی سلام دعا کے بعد رافع نے کیسے مشتاق لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

"علیحدگی کا قانونی حق...... میرا مطلب ہے ڈائیورس پیپرز۔" وہ بغیر کسی جھجک کے فوراً بولی۔ دوسری طرف ایک جامد خاموشی چھا گئی۔

"بیا! اتنے دن تم نے سوچا اپنے اور میرے تعلق کے بارے میں۔ کیا نتیجہ نکلا؟" وہ چند لمحوں بعد بولا۔

"یہی جو میں نے بولا ہے۔" وہ بے دھڑک بولی۔

"اگر تمہیں یہی گفٹ چاہیے تو اس کے لیے تو میرے آنے کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

"مہربانی ہو گی آپ کی۔ میں منتظر رہوں گی۔ خدا حافظ۔" کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا میں نے سب کچھ کہہ دیا؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہاں، یہ ایک دن ہونا ہی ہے۔" اس نے گویا خود کو تسلی دی۔

"بیا! چل رہی ہو نا میرے ساتھ شام کو ہسپتال؟ ویسے آج تو شاید عارفہ بھابھی کو ڈسچارج کر دیں یا ہو سکتا ہے کر ہی دیا ہو۔" پھپھو تیار ہو کر ہی آئی تھیں۔

"آپ ہو آئیں۔ میں پھر چلی جاؤں گی۔" اس کے جواب پر انہوں نے قدرے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم آرام کرو۔" وہ اگلی بات کیے بغیر باہر نکل گئیں ان کے باہر جاتے ہی وہ زریاب کا نمبر ملانے لگی۔

"تم نے اس سے یہ کہا تو اس نے ہامی بھر لی؟" زریاب بے یقینی سے بولا۔

"بالکل۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔

"یار! جلدی کرو۔ میں اور یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ بس دس پندرہ دن اور ہوں۔ میرے بزنس کا ادھر حرج ہو رہا ہے اور تمہارے فراق میں جو اس دلِ برباد کا حال ہے، اس کی داستانِ غم الگ سے ہے۔ یہ تو سمندر کے پاس آ کر پیاسے رہنے والا حال ہے اور کتنا تڑپاؤ گی؟"

"اچھا بس پھر پٹڑی سے اترنے لگے پھر باتیں کریں گے۔"

"کیا کرتی ہو۔ ابھی بات کی کہاں ہے۔ اچھا میں تمہیں لینے آ رہا ہوں پندرہ منٹ

میں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"ہرگز نہیں۔ میں خود دو چار دنوں میں چکر لگا لوں گی۔ خدا حافظ۔" اس نے زریاب کی اگلی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔ اسے پتا تھا وہ پھر تکرار شروع کر دے گا۔

پھپھو تھوڑی دیر میں واپس آ گئیں۔

"انہیں ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ میرا یونہی چکر لگا۔ اب دو ایک دن تک گھر جاؤں گی۔ تم چلو گی؟"

"دیکھوں گی۔" وہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی۔ ایک بار پھر وہی جھجک اس کے رستے کی دیوار بن گئی تھی۔

دن کیسی بے زاری سے گزر رہے تھے یا اس پر کسلمندی طاری تھی۔ وہی بے سکونی، بیزاری۔

زریاب کے بے تحاشا اصرار کے باوجود وہ اس سے ملنے نہیں گئی تھی۔ اسے زریاب کے طوفانی جذبات سے خوف آتا تھا۔ وہ اسے اس رستے پر لے کر جانا چاہتا تھا جس کا اختتام رسوائی اور ذلت پر ہوتا تھا۔

کسی پل تو وہ طلاق اور نکاح کی فارمیلٹی سے بھی منکر ہو جاتا۔ بیا ٹوکتی تو ہنس پڑتا کہ مذاق کر رہا ہے۔

آج کل اس کا دل پھر سے دورخا ہو رہا تھا، زریاب کی باتیں سن کر اس سے بھی بیزاری سی ہونے لگی تھی مگر پھر اس کی چاہت کا اظہار اسے اپنے فیصلے کی دعوت دینے لگتا۔

"فریال کے بیٹی ہوئی ہے۔ ہسپتال میں ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ تم چلو گی؟"

اسے زریاب سے ملنے جانا تھا۔ اس نے فوراً انکار کر دیا۔ وہ اکیلی ہی چلی گئیں۔

"بے چاری فریال تو پہچانی نہیں جاتی۔ ایسی زرد ہو گئی ہے جیسے صدیوں کی بیمار ہو۔ نہ جانے بے چاری پہ کیا کیا مصیبتیں توڑیں اس زریاب نے کہ گم صم سب کی طرف دیکھتی رہتی ہے بولتی کچھ بھی نہیں۔ بیٹی پیاری ہے اس کی۔" پھپھو واپس آ کر بتا رہی تھیں۔

بیا نے فون کر کے زریاب کو بتا دیا تھا کہ اس کی بیٹی ہوئی ہے جواباً وہ کچھ دیر چپ رہا اور پھر فون بند کر دیا۔ بعد میں اس نے دوبارہ ٹرائی کیا۔ مگر اس کا سیل فون آف تھا۔

"اور ہاں بیا! فریال تم سے ملنا چاہتی ہے۔ لازمی۔ پتا نہیں اس نے کیا بات کرنی

ہے۔ چلی جانا صبح۔'' پھپھو جاتے جاتے بولیں تو وہ کچھ حیران سی ہوئی بھلا فریال کو اب اس سے کیا کام تھا۔

اس کی محبت پر ایک بار تو پہلے وہ ڈاکہ ڈال چکی تھی اب کیا چرانے کا ارادہ تھا اس کا۔

اسے حیرت کے ساتھ تجسس بھی تھا اور یہی تجسس اسے اگلی صبح فریال کے روبرو لے گیا۔

پھپھو نے غلط نہیں کہا تھا اسے لگا وہ فریال کے بجائے کسی اور کے کمرے میں آ گئی ہے۔ وہ مڑنے لگی تھی کہ فریال نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

''اپنی خوش بختی پر مجھ سے مبارک باد نہ لو گی کیا؟'' اسے لگا فریال کی آواز کسی گڑھے سے برآمد ہوئی ہے۔

''خوش بختی؟'' وہ حیران سی آگے بڑھی۔

فریال نے بے اختیار بانہیں پھیلا دیں اور وہ خود کو ان بانہوں میں سمانے سے نہ روک سکی۔

☆☆☆

وہ جب گھر واپس آئی تو جیسے خود سے بھی بیگانہ تھی اسے پتا بھی نہیں چلا کہ وہ گھر آ چکی ہے۔

''بی بی! یہ پوسٹ مین دے کر گیا ہے۔'' ملازمہ نے رجسٹری نما خاکی لفافہ اسے لا کر تھمایا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اس پھولے ہوئے لفافے کو دیکھے گئی۔

''پھر اس کے لیے تو میرے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔'' اس کے کانوں میں رافع کی آواز گونجی اور لفافہ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر قدموں میں جا پڑا۔

وہ بے حد خوف زدہ نظروں سے زمین پر پڑے لفافہ کو دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی اژدھا اس کے قدموں میں بیٹھا ہو۔

''میں اب مر کر بھی اس لفافے کو نہیں کھولوں گی۔ کبھی نہیں۔ مجھے اپنی خوش بختی کو سیاہ بختی میں نہیں بدلنا۔ نہیں کبھی نہیں۔'' وہ خوف سے پیلا چہرہ لیے اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

لفافہ وہیں پڑا تھا۔

☆☆☆

''ارے بیا! بیٹا دیکھنا ذرا یہ کیا ہے۔ میری عینک نہیں مل رہی۔'' اس کی سسکیاں چیخوں میں ڈھلنے والی تھیں کہ سعدیہ بیگم کی اچانک آمد پر بہ وقت اس نے اپنی حالت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی اور اسی طرح رخ پھیرے بیٹھی رہی آہستہ سے اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں سے رگڑا۔

''بیا! کیا بات ہے بیٹا خیر تو ہے؟'' اس کی جامد چپ پر ان کی فکرمند آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''ک...... کچھ نہیں پھپھو؟'' وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے سیدھی ہوئی اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھک سے رہ گئی۔

سعدیہ بیگم وہی خاکی منہ بند لفافہ ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں۔

''یہ لاؤنج میں پڑا تھا معلوم نہیں کیا ہے، تم دیکھنا ذرا۔'' وہ لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ٹھٹھک سی گئیں۔

''کیا ہوا......؟ تمہیں کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ اس کے چہرے کی زرد رنگت اور متورم آنکھوں کو دیکھ کر ٹھٹکی تھیں۔

''کچھ نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' نیچی نظروں سے ان کے ہاتھ میں پکڑی اس مصیبت کو دیکھ کر اس کی آواز ایک بار پھر رندھ گئی۔

''بیا بیٹا! ٹھیک تو ہو نا؟ کسی نے کچھ کہا ہے، فریال نے کہہ دیا کچھ؟'' وہ اب اس کا کندھا ہلکے سے ہلاتے ہوئے اسی فکرمند لہجے میں بولیں جو اس کی پریشان صورت دیکھ کر اکثر ان کے لہجے میں در آیا کرتی تھی۔

''فریال!'' اس نے گہرا سانس لے کر بے اختیار پلکوں تک آئے آنسو انگلی کی پوروں سے جھٹکے۔

''فریال نے تو وہ کچھ کہہ ڈالا جو شاید کوئی بھی نہ کہہ پاتا۔'' وہ لبوں میں بڑبڑائی۔

"کیا! کیا کہہ ڈالا اس نے کہ...... مجھے تمہاری حالت اچھی نہیں لگ رہی۔"

ان کے لہجے کی ساری فکر فقط اس کے لیے تھی۔ وہ گہرا سانس لے کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"اچھی ہوں پھپھو! اور جب تک کوئی زندہ رہتا ہے تو سمجھیں، اچھا ہی ہے۔ نہ بھی ہو امید تو رہتی ہے اچھے ہونے کی۔" اس نے مبہم سے انداز میں کہا تو وہ نا سمجھی سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

لیہا کی نظریں ان کے ہاتھ میں پکڑے اس لفافہ پر ٹک گئیں۔

"کوئی نوٹس لگتا ہے۔" اس نے دھڑ دھڑاتے دل پر قابو پاتے ہوئے اس پل صراط سے گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے ان کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔

"کیسا نوٹس......؟" اس کی بات پر انہوں نے بے یقینی سے اور پھر لفافے کو دیکھ

وہ عینک نہ ہونے کے باوجود لفافے کی پشت پر لکھا "لیہا" کا نام پڑھ چکی تھیں۔

"وہ پھپھو! جو لوگ یہاں رہتے تھے انہیں کے نام سے ہے شاید پوسٹ مین غلطی سے پھینک گیا ہے۔ بھوک لگی ہے کھانے کا کوئی پروگرام نہیں کیا؟" اس نے چند قدم آگے بڑھ کر لفافہ لاپروائی سے بیڈ کے سائیڈ والی دراز میں ڈالا اور دراز بند کرتے ہوئے موضوع بدل گئی۔

وہ ابھی بھی اس پل صراط سے گزر جانے کا خود میں کسی طرح بھی حوصلہ نہیں پاتی تھی۔ ابھی وہ کچھ دیر...... کچھ دن اور آس نراس کے جھولے میں آنکھیں میچے بیٹھی رہنا چاہتی تھی۔

کب تک؟ یہ تو اسے نہیں پتا تھا مگر کچھ دیر تو اور...... وہ گم صم سی کھڑی پھپھو کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"ہاں، ہاں ہے کھانے کا پروگرام کیوں نہیں۔ شکر ہے۔ تم نے بھی اپنے منہ سے کھانا مانگا۔ آؤ سب کچھ تیار ہے۔"

"پھپھو کی سب سے اچھی بات اسے یہی تو لگتی تھی وہ خواہ مخواہ کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتی تھیں، نہ ٹوہ لیتی تھیں نہ جرح کرتی تھیں ورنہ شاید وہ کب کی اس گھر سے روانہ ہو

چکی ہوتی۔ اور وہ تو ہونا ہی ہے چند گھنٹوں بعد سہی۔

وہ مرے مرے قدموں سے ان کے ساتھ چل رہی تھی

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ دونوں کے قدم رک گئے اور بیا کا تو جیسے دھڑکتا دل بھی تھم گیا۔

اسے زور کا چکر آیا تھا اس نے بے اختیار لاؤنج کے پلر کا سہارا لیا۔

سعدیہ بیگم فون اٹینڈ کر چکی تھیں۔

"یقیناً رافع کا ہوگا کہ میں اس کے گھر سے دفعان ہوئی کہ نہیں، یہ میں نے کیا کر ڈالا۔ کاش میں اس کا آخری فون اٹینڈ ہی نہ کرتی اور نہ اس سے وہ مطالبہ کرتی محض ضد میں اس نے کیسے اس مطالبے کو فی الفور پورا بھی کر ڈالا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

اس کا دل چاہا بھاگ کر جائے اور اس خاکی لفافے کا سینہ چاک کر کے اس قیامت کا سامنا کر ہی ڈالے جو اس پر ظہور کی منتظر تھی۔

"آؤ بیا! کھڑی کیوں ہو؟" پھپھو فون بند کر کے اس کی طرف مڑیں اور کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات بدل چکے تھے یا اسے ایسا لگ رہا تھا۔

"تو رافع نے پھپھو کو بتا دیا ہوگا یقیناً اور کوئی بات چھپنے والی تھوڑی ہے کہ دراز میں لفافہ ڈال دینے سے چھپ جائے گی۔ کبوتر کے آنکھیں بند کر لینے سے بلی بھاگ تو نہیں جاتی۔"

وہ وہیں اپنے چکراتے سر کو لے کر بیٹھ گئی، اسے لگ رہا تھا۔ آگے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اتنا اندھیرا کہ وہ ایک قدم بھی اور نہیں اٹھا سکتی۔ ایک قدم بھی نہیں۔

☆☆☆

"تم تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟" وہ صبح سے اسی طرح گم صم سی بیٹھی تھی۔ پھپھو کے اصرار پر صرف ایک کپ چائے کا ہی لیا تھا۔

اس نے پوری رات جیسے کانٹوں پر چل کر گزاری تھی۔

وہ منہ بند لفافہ کسی اژدھے کی طرح ادھ کھلے دراز سے پھنکاریں مارتا رہا تھا اور وہ رات بھر اسے کھول کر دیکھنے کی ہمت اپنے اندر پیدا نہ کر سکی تھی۔

''ٹمپریچر تو نہیں ہو گیا تمہیں؟ کیسا مرجھایا ہوا چہرہ لگ رہا تھا۔ پیلا زرد اور کچھ بتاتی بھی نہیں۔ آخر پریشانی کیا ہے دیکھو بیا! بچے اتنے عرصے میں تو دو حیوان بھی ساتھ رہیں تو وہ بھی آپس میں اس درجے مانوس ہو جاتے ہیں کہ بلا جھجک ایک دوسرے سے اپنے دل کا دکھ درد کہہ سکیں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ شاید میرے ہی سلوک و محبت میں کچھ کمی رہ گئی جو میں تمہارا دل نہ جیت سکی یا تم نے ہی اپنے دل کے ہر دروازے، ہر دریچے، ہر روزن کو اس سختی سے بند کر رکھا ہے کہ میری محبت بھی اس میں کہیں کوئی سوراخ کوئی رستہ نہیں بنا سکتی یا ماں کی محبت سے دھوکا کھانے کے بعد تم اس درجہ اس رشتے سے بدظن ہو گئیں کہ کسی اور کو اس مقام کے آس پاس بھی نہیں دیکھنا چاہتیں میں تمہاری ماں نہیں مگر میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی اپنی روشی سے بھی بڑھ کر چاہا ہے اور کوشش کی ہے کہ تمہارے دل میں اس رشتے کے لیے جو خفگی جو روٹھا پن ہے وہ دور کر سکوں مگر آج کل تمہاری جو حالت ہے جیسا اجنبی سا رویہ تم نے اپنا رکھا ہے، پتا نہیں کیوں مجھے تمہارے سامنے آتے ہوئے بھی عجیب سی شرمندگی ہوتی ہے جیسے......
جیسے میں خواہ مخواہ تمہارے اعصاب پر مسلط ہوتی ہوں۔''

وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں باہم رگڑتے ہوئے دھیمی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ ان کے شرمندہ سے لہجے میں کیا نہیں تھا کہ بیا کا دل چاہا وہ کسی جادوئی عمل سے ان کے سامنے سے غائب ہو جائے انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔ مگر وہ کیسے کہتی، بیٹھی ہونٹ کاٹتی رہی۔

''بیا! میں نے تم سے کچھ کہا ہے۔'' پھر چند لمحوں کے انتظار کے بعد بولیں۔ ''خیر کوئی زبردستی نہیں، دل چاہے تو جواب دے لو ورنہ...... کوئی بات نہیں تم پھر بھی مجھے ہر طرح سے عزیز ہو۔ تمہیں دیکھتی ہوں تو نہ جانے کیوں میرے دل میں جیسے محبت کے چشمے سے پھوٹنے لگتے ہیں۔ تم پہ جو بھی نظر پڑتی ہے بہت اپنائیت بھری لگتی ہے جیسے اپنے کسی بہت پیارے، بہت چاہنے والے کو دیکھ لیا۔ تم میں مجھے اپنا پورا میکہ، اپنے ماں باپ، بھائی بھابیاں سب کی چاہت مجسم محسوس ہوتی ہے۔ صرف اس لیے کہ بعد میں جو نفرت جو کدورت ان کے دلوں میں میرے لیے پیدا ہو گئی تھی میں بھولے سے بھی اس نفرت کا خیال اپنے دل میں لا کر اپنی سوچ کو پراگندہ نہ کروں بس تمہیں دیکھوں اور چاہے جانے کی خوشی کو محسوس کرتی رہوں میری اپنی غرض ہے نا شاید تمہیں چاہنے میں۔''

وہ اب بڑے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگائے ہوئے اس کے سر کو سہلا رہی تھیں۔

''پھپھو! ایک بات بتائیں۔

''آپ نے زندگی بھر اتنی تلخیاں، اتنی نفرتیں گھونٹ گھونٹ پی ہیں، پھر آپ کے اندر اتنی مٹھاس اتنی محبت کیسے پیدا ہو گئی؟۔''

''میں نے صرف ایک بات پہلے دن پہلے لمحے سے دل میں طے کی تھی۔'' وہ اچانک جیسے ماضی میں جا پہنچی تھیں۔

''جب میرا گھونگھٹ الٹا کر آفتاب زبیری نے اپنا اصل چہرہ مجھے دکھایا تو میں شاک زدہ تھی مگر میرے دل میں انکشافات کا عجب سلسلہ شروع ہو گیا، جب میں نے اپنی محبت کو پا لیا تو خوشی نے جیسے میری سوچوں کو بھی پر لگا دیے تھے، میں اس خوشی کو سراسر اپنی لگن کا نتیجہ قرار دے رہی تھی اور جیسے ہی آفتاب زبیری نے اپنا مکروہ چہرہ مجھے دکھایا تو یک دم کسی نے میرے دل پر نقش کر دیا کہ خوشی ہو یا غم کامیابی یا ناکامی جو بھی ہوتا ہے۔ منجانب اللہ ہوتا ہے ہم فقط خوشی اور کامیابی کو اپنی کاوش سے منسوب نہیں کر سکتے اگر ایسا ہوتا تو یہ غم ملنے پر بھی ہمیں شاکی نہیں ہونا چاہیے وہ بھی تو ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بس اسی دن میں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ جو بھی ہوتا ہے۔ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور جو مجھے پے در پے غم و ابتلا مل رہے ہیں تو میں اپنے اللہ کے قریب ہوتی جو رہی۔ کہ دنیا میں غم والم سہنے والے روز حشر اپنے اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے اور ہر ملنے والا نیا دکھ مجھے اس کے اور قریب کر رہا ہے۔ اس خیال نے ہر غم ہر دکھ میں انوکھی سی لذت پیدا کر دی کہ یقیناً یہ غم میری کاوش کا نتیجہ نہیں میری تقدیر کا حصہ اور میرے اللہ کی رضا ہے اور اس خیال کو دل میں جمانا اور پھر اس پر جمے رہنا اتنا آسان نہیں اور یہ بھی میرے رب کی مجھ پر خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے میرے دل کو اس خیال پر جمایا اور وہ جو شاعر نے کہا ہے۔

پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصر
غم کو سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے

''یہ تو عمروں کی باتیں ہیں جن کے ضبط کی طنابیں پہلی چوٹ پہ ہی ہاتھ سے چھوٹ جائیں......'' وہ بے بس لہجے میں جیسے سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔

''میں اتنا سمجھی ہوں۔ عمر بھر کے تجربوں سے چوٹ چاہے ہلکی ہو یا زوردار اگر دل

پر اثر کر جائے تو اندر کی تیسری آنکھ کھول دیتی ہے اور اس سے بڑا خوش نصیب اور کوئی نہیں جس کی تیسری آنکھ بیداری کی طرف ہی مائل ہو جائے۔'' وہ ان کی یہ مشکل بات نہیں سمجھی تھی اس لیے چپ رہی۔

''اپنا دکھ اگر چاہو تو مجھ سے کہہ ڈالو اگر طبیعت اس پر مائل نہ ہو تو ایک بار وضو کر کے دو نفل پڑھ کر اس پاک ذات سے کہہ ڈالو وہ اگرچہ سب جانتا ہے مگر تم اپنی زبان سے کہہ کر اپنا دل ہلکا کر لو یقیناً وہ کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا نہ بھی نکلا تو صبر ہی آ جائے گا۔''

''اور جو میں نے اپنے تمام رستے زمانے بھر کے پتھر اکٹھے کر کے خود اپنے ہاتھوں سے بند کر دیے ہوں؟''

''پھر وہی بات جس طرح خوشی یا غم کو ہم اپنی کوششوں سے منسوب کر کے اللہ کو اس کے کاموں سے فارغ نہیں کر سکتے اسی طرح ہم اپنی کوشش سے صرف اپنی کوشش سے کوئی رستہ بند کر سکتے ہیں نہ کھول سکتے ہیں اگر اس نے کچھ اور طے کر رکھا ہو تو ہماری ایسی تمام سعی پانی پر لکھنے کے مترادف ہو گی۔''

''پھپھو...... پھپھو! میں نے خود کئی بار اپنی مرضی اپنی خوشی سے رافع سے علیحدگی کا تقاضا کیا اور انہوں نے ...... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی پہلے سب کچھ غلط تھا یا اب کچھ غلط ہونے والا ہے۔ میں کیا کروں؟'' وحشت بھرے انداز میں کہتے ہوئے اسے خود بھی پتا نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے۔

سعدیہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔

''جب ہم سب کچھ ہار چکے ہوتے ہیں تو دل میں اس یقین کی بنیاد رکھ دو کہ ابھی بہت کچھ جیتنا ممکن ہے۔ نہ بھی ایسا ہو سکے تو یاد رکھو وقت کا طلسم کدے میں ابھی بہت سے کرشمے چھپے ہوئے ہیں، چلو اٹھو۔'' وہ اسی طرح ایک مشکل سی بات کر کے ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کہاں؟'' وہ اس وقت کہیں بھی جانا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اپنے اس ذہنی خلجان سے نجات پانا چاہ رہی تھی۔

''تم نے کپڑے نہیں نکالے اپنے؟ میں نے تمہیں صبح سے کہہ رکھا ہے۔'' وہ اس کی الماری کی طرف بڑھیں تو وہ تیزی سے اٹھ کر ان کے آگے آ گئی۔

''میں نکال لیتی ہوں آپ جا کر چینج کر لیں۔'' وہ الماری کے آگے اس طرح کھڑی ہو گئی کہ سعدیہ بیگم کچھ حیران سی اسے دیکھنے لگیں۔

''ٹھیک ہے تم تیار ہو کر آ جاؤ۔'' وہ حسب توقع سر ہلا کر باہر چلی گئیں تو اس نے سینے میں رکا سانس خارج کیا اور مڑ کر الماری کھول ڈالی۔

صبح سویرے ہی اس نے اپنے ضروری کپڑے پیک کر لیے تھے۔

جانا کہاں تھا؟ اسے یہ تو نہیں پتا تھا مگر یہ پتا تھا کہ جانا ضروری ہے۔

شاید صبح پھپھو کو رافع نے فون پر بتا دیا ہو جو انہوں نے آگے سے کچھ نہیں کہا اور یہ کہ اس ایک ٹھوکر کے بعد بھی میرے پاس جیتنے کے بہت سے مواقع ہیں۔

''کون سے مواقع؟'' وہ طنز سے ہنسی۔ اسی وقت ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل فون بج اٹھا۔

''زریاب ہونہہ!'' اسکرین پر چمکتا نمبر دیکھ کر اس نے سر کو جھٹکا دیا اور الماری میں لٹکے دو چار جوڑوں میں سے پہننے کے لیے کوئی سا دیکھنے لگی۔

وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تو سعدیہ بیگم کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

''چلیں پھپھو!'' اس کی آواز پر وہ چونکی تھیں۔

''ہاں چلو۔'' انہوں نے ایک اداس سی نظر اس پر ڈالی تھی۔

''ماشاء اللہ!'' وہ لبوں میں بولیں۔ لیمن اور گرین کلر کے اسٹائلش سوٹ میں اس کا حسن کیسا پرسوز لگ رہا تھا۔ وہ یہ آئینے میں پڑھ آئی تھی نظریں چرا کر آگے بڑھ گئی۔

وہ پہلے اس کے ساتھ بازار گئی تھیں۔

''موسم بدل رہا ہے۔ تم اپنے لیے بھی کوئی سوٹ دیکھ لو۔'' وہ لیڈیز سوٹ پسند کرنے کے بعد وہ اس سے بولیں تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ابھی نہیں پھر سہی چلیں؟''

''ہاں چلو۔'' انہوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ رستے میں انہوں نے اچھا خاصا فروٹ خرید لیا۔

''پھپھو! جانا کہاں ہے؟'' وہ ان کے مسلسل سسپنس سے تنگ آ کر بولی۔ انہوں نے اس کی الجھن کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا جس پر اسے مزید دکھ اور کچھ خجالت سی

ہوئی تھی جہاں اتنا عرصہ اکیلے اس دل نے ہر درد جھیلا تھا اب بھی کیوں ان سے یہ کہا۔

وہ ہونٹ کاٹتی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

بالکل اجنبی علاقہ تھا یوں بھی اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ سبزے سے ڈھکی کلر کی دیواروں کے بیچ براؤن گیٹ تقریباً چھپا ہوا تھا۔

"آپ چلے جائیں گاڑی لے کر ہم خود ہی واپس آ جائیں گے۔"

گیٹ کے آگے اترتے ہوئے سعدیہ بیگم نے ڈرائیور سے کہا اور سامان کے شاپر باہر نکالنے لگیں۔

گاڑی جا چکی تھی جب ان کی بیل کے جواب میں کھٹاک سے گیٹ کھلا تھا۔

وہ پھپھو کے پیچھے کھڑی تھی۔ گیٹ کھولنے والے چہرے کو دیکھتے ہی اس نے بے حد شاکی نظروں سے پھپھو کی طرف دیکھا۔ جواب اس کا بازو پکڑے اسے آگے کر رہی تھیں اور اس کے پاؤں جیسے زمین نے پکڑ لیے تھے۔

☆☆☆

(میں اپنے اس دلِ ناداں کا کیا کروں اس کی نادانیوں کا، جس نے میری عمر کو رائیگاں کر ڈالا اور ابھی بھی اس ضد سے باندھ رکھا ہے!)

اسے یاد تھا بچپن میں ایک بار وہ ڈیڈی کے ساتھ ایک پتلی تماشا دیکھنے گئی تھی اور اس شو کی سب سے مزے دار بات یہ تھی کہ اس میں نقلی کٹھ پتلیوں کی بجائے جیتے جاگتے دھاگوں کی ڈوریوں سے بندھے انسان پتلیوں کی طرح پرفارم کر رہے تھے جہاں وہ اسکرپٹ کے رٹے رٹائے جملوں سے ہٹ کر اپنا کوئی جملہ بولتے یا کوئی ایکسٹرا ایکشن کرتے ان کی ڈوری اتنی زور سے کھینچی جاتی کہ بیٹھا ہوا زمین پر اوندھا گر جاتا اور سیدھا کھڑا ہوا تو رکوع میں چلا جاتا یا پشت کی طرف اکڑتے ہوئے خم کھا جاتا۔ وہ اس وقت اس شو کو اس کے تھیم کو سمجھ نہیں سکی تھی جبکہ ہال میں بیٹھے جم غفیر نے ان پتلیوں کے ہر ایکشن پر خوب داد دی تھی۔

"ہم سب کٹھ پتلیاں ہی تو ہیں جہاں تقدیر کے لکھے سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کچھ کرنا چاہتے ہیں پیچھے سے ہماری ڈوری کھینچ لی جاتی ہے۔ جس سے چوٹ بھی لگتی ہے اور لوحِ محفوظ پر بغاوت کا مقدمہ بھی دائر ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس مقدمے کو خارج کروانے کے لیے بڑی ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں ہم سب انسان فرشتوں سے بڑھ جائیں اگر اپنی تقدیر کے حرف حرف پر دل سے یقین لاتے ہوئے اس کی رضا پر راضی ہو جائیں مگر بغاوت اور سرکشی تو آدم کی سرشت میں درج ہے اور سرشت سے کوئی کیسے مفر اختیار کر سکتا ہے۔"

واپسی پر ڈیڈی کی اس طویل بات نے اس کے ناپختہ ذہن کو اور بھی الجھا دیا تھا اور آج اس لمحے نہ جانے کیسے ڈیڈی کے یہ سارے جملے حرف بہ حرف اس کے ذہن کی سلیٹ پر جگمگا اٹھے تھے۔

"تو میں بھی اپنی سرشت پر ہی چلی تھی۔ لوحِ محفوظ کے حرف حرف پر تسلیم و رضا کا اظہار کرتی تو آج یوں نہ خود اپنی نظروں میں چھوٹی پڑتی نہ دوسروں کے سامنے نظریں جھکانی پڑتیں۔"

اور انسان کے قول؟

کیا کہنے ان اقوال کے نہ جانے وہ کس گھمنڈ، کس اتراہٹ میں بڑے بڑے بول بول جاتا ہے۔ میں جیتے جی اس کی شکل نہیں دیکھوں گا۔ آپ نے مجھے لات ماری میں سو بار آپ کو ٹھکراتا ہوں۔ آپ میرے لیے میں آپ کے لیے مرگئی مُردوں کو پکارا نہیں کرتے۔ حیف ان بڑے بڑے جملوں پر کہ جب انسان کے منہ سے نکلے لفظ اس کی زندگی میں اکثر و بیشتر اس کے منہ پر مار دیے جاتے ہیں۔

لیہا کے ساتھ بھی یہی ہوا، وہ جیتے جی مرنے کا ڈھنڈورا پیٹ چکی تھی اور آج جیتی جاگتی اپنے قدموں پر چلتی سب کے سامنے کھڑی تھی۔

چھوٹے سے ہرے بھرے صحن میں آدھی دھوپ آدھی چھاؤں تھی (اور زندگی دھوپ اور چھاؤں ہی سے تو بنی ہے مگر اسے سمجھنے میں بہت دیر لگتی ہے) چھاؤں کے اس پار کاسنی پھولوں والی ہری بیلوں سے ڈھکے کاریڈور میں کرسی پر بیٹھی عارفہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی اس کی جانب اپنی کمزور بانہیں پھیلا دی تھیں۔

"اسے کیا ہوا تھا؟ اسے نہیں معلوم مگر جیسے کسی مقناطیس نے پوری قوت سے اس کے بدن کو فولاد کی مانند اپنی جانب کھینچا تھا۔

"ممی...... ممی جان...... میری ممی......!" وہ کیسے ان کی آغوش میں جا چھپی تھی۔

آنسوؤں کے سیلاب کے ساتھ اس کے منہ سے کیا نکل رہا تھا اسے خود بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ سارا بدن تو ممی کے نرم و خنک ہاتھوں کے لمس کو پانی رگ رگ میں اتارنے میں محو تھا۔

''بیا......!بیا! میری جان! میری بیٹی...... بیا کتنا تڑپایا تم نے، کتنا ماں کو ستایا۔ اک بار تو مجھے اپنی جھلک دکھا جاتیں۔ اب آئی ہو جب ماں نے رختِ سفر باندھ......'' ان کی بوڑھی اور کمزور آواز ان کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

کیا واقعی کوئی غم، کوئی روگ انسان کو اس طرح گھول سکتا ہے کہ اس گھلاوٹ میں اس کی آدھی عمر گھل جائے جیسے ان کا سارا بدن ساری توانائیاں اس کے روگ میں کہیں گھل گئی تھیں۔

''ممی! میں نہیں آ سکی تھی۔ آپ نے مجھے پکارا ہوتا ایک بار تو بلایا ہوتا۔ میں کیوں نہ آتی...... کیا حال بنا لیا آپ نے۔''

وہ دیوانہ وار ان جھریوں بھرے سرد ہاتھوں کو چومے جا رہی تھی۔

''اگر میں خود سے نہ آتی تو آپ مجھ سے ملتی ہی نہیں، ہے نا؟'' وہ اب ان کے سینے سے چمٹی رو رہی تھی۔

'تم مجھ سے دور کب تھیں۔ تم تم میرے لہو میں رواں تھیں میری دھڑکنوں کے ساتھ دل میں دھڑک رہی تھیں۔ بس اپنی زیادتی کے دکھ نے ان دیکھی زنجیروں سے باندھ دیا تھا ورنہ...... ورنہ ماں اپنی بیٹی کو کیسے بھول سکتی ہے۔ اپنی اتنی لاڈلی اچھی بیا کو۔''

''بس ممی! بس کریں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ پھپھو! آپ ہی بیا کو سمجھائیں۔'' ضویا نے آگے بڑھ کر بیا کو ماں سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ناکام ہونے پر پیچھے مڑ کر پاس کھڑی سعدیہ بیگم سے بولی تھی۔

''ہاں بیا! بس اتنا کافی ہے۔ ابھی بھابھی طویل بیماری سے اٹھی ہیں۔ کوئی بھی جذباتی شدت ان کی طبیعت پر برا اثر ڈال سکتی ہے۔ اٹھو میری بیٹی آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔'' پھپھو نے اسے سمجھاتے ہوئے نرمی سے اٹھایا تھا۔ وہ اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے سیدھی ہوئی۔ عارفہ بیگم چہرے پر میٹھی مسکان لیے بڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھا سعدیہ بیگم! یہ ہے اس کا بچپنا۔ شروع سے اس کی یہی عادت رہی ہے۔ غصہ آتا تھا آتش فشاں جیسا اور اترتا بھی دقت سے تھا مگر جب اتر جاتا تھا تو بالکل صاف دل ہو جایا کرتی تھی۔ دل میں میل نہیں رکھتی تھی ذرا بھی۔ مجھے پتا تھا میری بیٹی مجھ سے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکتی۔ میرے پاس بیٹھو آ کر۔''

ضویا نے پھپھو کے ساتھ اسے بٹھایا تھا۔ ان کے کہنے پر وہ کرسی اٹھا کر پاس لے آئی۔

''آپ کو میرے غصے کا پتا تھا، ناراضی کا بھی خیال تھا اور منانے کے لیے ایک بار بھی نہیں آئیں۔ کتنا میں انتظار کرتی رہی تھی۔'' وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر ان کے ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔

''میری نااہلی سمجھ لو۔ دو بار آئی اور دروازے سے پلٹ گئی اگر تم سب کے سامنے ملنے سے انکار کر دیتیں...... بس دل کو ایک دھوکے میں رکھنا چاہتی تھی اور پھر ولید اور رافع بار بار یہی کہتے تھے کہ بیا خود آپ سے تھوڑے دنوں میں ملے گی۔ اس آس میں دن کٹتے رہے اور اس کھلونے سے بہلتا دل کمزور پڑتا گیا۔'' دونوں ماں بیٹی راز و نیاز کر رہی تھیں۔ لیہا رافع کے نام پر چونکی تھی۔

ضویا کولڈ ڈرنک لے آئی۔

''لیں خواتین! اپنے دلوں کو ذرا اس مشروب سے تقویت پہنچائیں تاکہ مزید گلے شکووں کے لیے تازہ دم ہو سکیں۔'' وہ بیا کو گلاس پکڑاتے ہوئے شریر لہجے میں بولی۔

''تم میرے ساتھ بات نہیں کرو، نہ میں تمہارے ساتھ کر رہی ہوں۔'' لیہا تیزی سے بولی۔

''ارے باپ رے باپ! اب توپوں کا رخ میری طرف ہو گیا۔ ارے ظالم لڑکی! کب ہم سب کو باجماعت معاف کرو گی۔ کیا اب باری باری ملکہ عالیہ کے حضور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگیں اور معافی بھی کس جرم کی اتنا خوبرو، وجیہہ، ہیرو ٹائپ پرسنالٹی سے زبردستی شادی کروا دی اور ایسی سوبر باوقار بردبار خاتون کو محترمہ کی ساس بنا دیا اس جرم ضعیف کی معافی مانگیں جس کو وقوع پذیر ہوئے عرصہ اٹھارہ بیس ماہ گزر چکے؟ پھپھو! کچھ آپ ہی انصاف کریں یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔''

وہ مصنوعی لہجے میں مسکین شکل بنا کر پھپھو کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی تو سعدیہ بیگم مسکرانے لگیں۔

''بیا! اس معاملے میں تو بھئی میری ساری ہمدردیاں ضویا کے ساتھ ہیں۔''

''پھپھو! ادھر آتے ہی آپ نے نگاہیں پھیر لیں۔ چلیں چلتے ہیں ابھی۔'' وہ گلاس

رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تمہیں جانے دیتے ہیں اب ہم ایسے ہی۔ اب تو پھپھو اپنا کوئی زور دار حما
مثلاً رافع صاحب کو لائیں گی تو تمہیں یہاں سے لے جا پائیں گی۔ آج سے تم ضوبیا انصا
کی حراست میں ہو۔"

وہ آگے بڑھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے بڑے مان سے بولی۔ تو لیبا نے بھی ج
ہتھیار ڈال دیے اور اپنی اس بچھڑی دوست نما بہن کے گلے لگ گئی۔

پھپھو کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ تھی۔

"بیا! میرے خیال میں تمہارا موبائل بج رہا ہے بیگ میں۔" پھپھو نے اس سے
تھا۔

سیل فون کی اسکرین پر نظر پڑتے ہی اس نے چور نظروں سے ان تینوں کو دیکھا۔

"ہوں، رافع بھائی کا ہے؟ سن لو ہم سب کے کان بند ہیں۔ کیوں پھپھو!" ض
ہنس کر بولی۔

"ایکسکیوز می۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ موبائل لیے اندر کمرے میں چلی گئی

"آخر کیوں میرا فون اٹینڈ نہیں کر رہی تم۔ پاگل کر دیا ہے تم نے مجھے۔" زریا
کی تیز جھنجلاتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"سوری رانگ نمبر اور آئندہ مجھے فون مت کیجیے گا۔ انڈر اسٹینڈ۔"

وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے معلوم تھا اس کی آواز یقیناً کمرے سے باہ
رہی ہوگی لب بھینچتے ہوئے اس نے موبائل آف کر دیا اور کھڑے کھڑے کچھ سوچنے لگی۔

☆☆☆

"یہ گھر۔" اس نے ممی کے سینے سے سر اٹھا کر اچانک پوچھا۔ وہ شام سے ان
ساتھ لحاف میں لیٹی تھی سعدیہ بیگم ابھی کچھ دیر پہلے گھر گئی تھیں۔

"تم چلو گی بیا؟" جانے سے پہلے انہوں نے پوچھا تھا۔

"نہیں پھپھو! بیا کم از کم آج کی رات تو ادھر رہے۔ اتنے عرصے بعد تو......" ض
نے جلدی سے کہا تھا اور پھر خود ہی فقرہ ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"صبح آ جائے گی سعدیہ بیگم! یہ ویسے اگر تم لے جانا چاہو تو مجھے اعتراض نہیں تم

تو گھر میں اکیلی ہو گی نا۔"

"نہیں بھابھی جان! اکیلا تو وہ ہوتا ہے جس کا کوئی سہارا نہ ہو، میرے پاس تو الحمد
اللہ، اللہ کا سہارا ہے اور اس کے بعد میری بیٹی...... ایک رات کی کیا بات ہے۔ صبح فون کر دینا
ڈرائیور لینے آ جائے گا۔" وہ جاتے جاتے اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہہ گئیں۔

"یہ گھر...... تمہاری جدائی کا نتیجہ ہے۔" عارفہ بیگم چند لمحوں کی خاموشی کے بعد
بولیں۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

"رافع کے ساتھ تمہاری رخصتی یا انصاری ہاؤس سے ہماری۔ اس وقت یہ دونوں
آپشن تھے اور تمہاری ناراضی صرف اس بات پر تھی کہ میں نے دوسرا راستہ چھوڑ کر پہلا کیوں
تمہارا مقدر کیا۔ بیا! میں واقعی ڈرپوک تھی۔ ساری زندگی دوسروں کے سہارے گزارنے والے
لوگ خود پر بھروسا نہیں کر سکتے۔ میرے اندر اکیلے ہو جانے کا خوف سا گیا تھا اگر میں انصاری
ہاؤس سے نکل جاتی۔"

"اور آج یہ خوف کیسے دور ہو گیا؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہوا تھا۔

"تمہاری جدائی نے مجھے نڈر بنا دیا تھا بے شک اس جدائی نے مجھے جسمانی طور پر
کمزور کر دیا مگر ذہنی طور پر بڑا مضبوط کر دیا تھا۔ تمہارے بعد جب ضوبیا کے ساتھ وہی کچھ
دہرائے جانے کی کوشش کی جانے لگی تب میرے اندر کا سارا ڈر خوف کہیں بھاگ گیا اور میں
نے انصاری ہاؤس چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور تمہارے معاملے میں یہ قدم اس لیے نہ اٹھا سکی
کہ دو باتوں نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔" وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھیں جیسے واقعات
کی کڑیاں جوڑ رہی ہوں۔

"اکثر میں سوچتی ہوں اور سوچ سوچ کر کانپ اٹھتی ہوں اگر اس رات تم بلا اجازت
سعدیہ کے گھر رک کر نا قابلِ معافی جرم کا ارتکاب نہ کرتیں تو آج فریال کی جگہ تم ہوتیں اور
میرے دل کو وہ روگ لگ جاتا جسے صرف قبر کی مٹی ہی دور کر سکتی تھی یا شاید وہ بھی نہیں۔ اولاد
کا دکھ تو ماں باپ کو مرنے کے بعد بھی چین نہیں لینے دیتا۔

ان ہی دنوں مجھے ولید نے زریاب کے بارے میں کچھ اڑتی پڑتی ایک دو باتیں
کے بارے میں بتایا تھا۔ میں سخت شش و پنج میں تھی اور ان باتوں کی تصدیق تمہارے ماموں

کے فون نے بھی کی۔ جن کے کوئی قریبی دوست ان دنوں جرمنی سے آئے تھے۔ سچ پوچھو میں اندر ہی اندر خاصی پریشان تھی اور اللہ نے میری اس تشویش کو رفع کرنے کے لیے اس واقعہ کو سبب بنا ڈالا اور رافع کے حق میں یونہی میں نے فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بیا! اولاد چاہے کتنی ہی بری یا غلط کیوں نہ ہو ماں باپ ان کی زندگی بھر کا فیصلہ یونہی نہیں کر دیا کرتے اور پھر بیٹی کا معاملہ! رافع کے بارے میں، میں نے جہاں سے کچھ پتا چل سکتا تھا پتا کروایا پھر سب سے بڑھ کر ولید کی گارنٹی اور میرے دل کی ضمانت کہ بیا کے لیے رافع سے اچھا اور موزوں رشتہ او کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کہو میرا انتخاب اور میرے دل کا اطمینان بے جا تو نہ تھا۔"

وہ اب بالکل پہلے کی طرح دوستانہ انداز میں اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ رافع کے ذکر پر اس کی نگاہوں کے سامنے پھر وہ خاکی لفافہ گھوم گیا اور اس معاملے پر پھپھو کی مبہم سی، وہ بے چین ہو کر سیدھی ہو گئی۔

"تم خوش نہیں ہو رافع کے ساتھ؟ ماں کو اولاد کا چہرہ پڑھنے کا فن بخوبی آتا ہے ان کے اس جملے پر اسے پتا چلا۔

"ممی! میں اس گھر میں اور پھر...... رافع کے ساتھ کبھی سیٹ ہو ہی نہیں سکی۔ پتہ نہیں اس میں میری طبیعت کا قصور تھا یا...... رافع نے بھی مجھے قبول نہیں کیا......" وہ جھکی جھکی نظروں سے ہتھیلیاں مسلتی بالآخر اپنے دل کے داغ انہیں دکھانے لگی۔

"کیا...... کیا کہہ رہی ہو......؟" اس کی بات پر ان کے سینے میں کمزور دل نے زور سے کروٹ لی تھی۔ چہرے کا رنگ یک دم سے زرد ہو گیا۔

"ممی......! میں نے بہت کوشش کی...... مگر...... اچھا آپ پریشان نہ ہوں۔ کچھ نہیں ہوا پلیز۔" وہ ان کے چہرے کی بدلتی رنگت کو دیکھ کر بات بدلتے ہوئے بولی۔

"بیا! جو بات ہے۔ مجھ سے سچ سچ کہہ ڈالو۔" وہ سینہ مسلتے ہوئے ہولے سے بولیں۔

"آپ میرے لیے دعا کرتی تھیں۔ مجھے بتائیں؟" وہ انہیں سہولت سے گاؤ تکیے پر لٹا کر ان کا سینہ ہولے ہولے سہلاتے ہوئے بولی۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، دن رات ہر گھڑی ہر لمحہ میری ہر دعا کی ٹکٹکی تمہاری طرف لگی تھی۔" وہ رک رک کر بولیں۔

"تو بس پھر بے فکر ہو جائیں۔ یقیناً آپ کی دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ اب آپ تھوڑا آرام کر لیں ورنہ یہ ضویا آ کر مجھے ڈانٹنے لگے گی۔" وہ اب ان کے کندھے دبا رہی تھی۔

"ہوں!" انہوں نے جیسے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

"اگر میرے خدشے درست نکلے تو ممی یہ صدمہ جھیل پائیں گی کیا...... اور ایک بار پھر ان کی زندگی کے لالے میری وجہ سے نہیں...... نہیں یا اللہ! اب نہیں۔" وہ آہستگی سے ان کے پاس سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔

"ابھی بھی کسی سے اپنا دکھ کھل کر نہیں کہہ سکتی۔ سب کے مل جانے کے بعد بھی، میں تنہا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں۔" اس نے جی بھر کر آنسو بہائے اور وضو کر کے باہر نکل آئی۔

نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اس کی شفاف ہتھیلیوں پر آنسو ٹپ ٹپ گرتے رہے۔ دل حرف دعا جیسے بھول گیا۔

"اوہو! کیا بات ہے۔ تم تو بھئی بڑی پرہیز گار ہو گئی ہو۔ لگتا ہے پھپھو نے اپنے رنگ میں پوری طرح تمہیں بھی رنگ لیا ہے۔ کہیں رافع بھائی بھی کسی تبلیغی وفد کے ساتھ باہر تو نہیں گئے۔" ضویا بالکل اس کے پیچھے آ کر بولی تھی۔ جائے نماز تہہ کرتے ہوئے اس نے دوپٹے کے دامن سے چہرہ بھی رگڑ ڈالا۔

"چائے بنائی ہے میں نے۔ پیو گی تو باہر آ جاؤ۔ ادھر ممی سو رہی ہیں۔" اسے پتا تھا۔ ضویا اس سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہے۔

"میں کیا بتاؤں گی اسے۔ ان لاحاصل دنوں کی پھیکی روداد۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اپنا حلیہ درست کرتی باہر نکل آئی۔

"ممی کے زرد چہرے پر کیسا سکون تھا۔ کاش ممی! مجھے رخصت کرنے سے پہلے آپ زریاب سے متعلق مجھے یہ چند باتیں بتا ہی دیتیں تو شاید میرا دل کسی سمجھوتے پر آمادہ ہو ہی جاتا۔" وہ انہیں دیکھتے ہوئے دکھ سے سوچنے لگی۔

(اور لیہا بی بی! اس وقت بھی تمہارے دلِ ناداں نے کون سا کسی بات پر یقین کرنا تھا۔ وہ تو خوش فہمی کی اونچی اڑانوں میں مگن تھا۔ ادھوری پرواز کا غم ہی دل سے نہ جا سکا۔)

"یہ گھر اچھا ہے ضویا!" وہ اس کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے توصیفی نظروں

سے لاؤنج کے انٹیریر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوں! اچھا ہے بھی تو رینٹ پر لیا ہے۔ میں ممی سے کہہ رہی تھی کہ جیسے ہی ہمیں
ہمارا حصہ ملتا ہے ہم یہی گھر خرید لیں گے۔ باقی گھر بھی اچھا ہے نا؟ پھر لوکیشن بہت
خوبصورت ہے۔''

''اگر میں یہاں آ کر رہنے لگوں تو مجھے کون سا کمرہ ملے گا۔'' اپنے ہی کسی دھیان
میں اس کی زبان سے پھسلا تھا۔ ضویا نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے جبراً مسکرا
دی۔

''جو تم پسند کرو، ویسے اس گھر میں تین بیڈ روم ہیں۔ میں ممی کے ساتھ ہی سوتی
ہوں۔ ایک میں حارث ہوتا ہے تیسرا تم لے لیا کرنا جب بھی رافع بھائی کے ساتھ آؤ تو۔'' ا
نے چائے کا بھرا ہوا مگ اس کے آگے کیا۔

''کیا رافع کے بغیر میں ادھر آؤں تو مجھے کمرہ نہیں ملے گا؟'' وہ چڑ کر بولی تو ضو
ہنس دی۔

''بھئی ظاہر ہے۔ ان کے ساتھ ہی آیا کرو گی۔ اس میں چڑنے کی کیا بات ہے
بلکہ یوں کرتے ہیں کل پیپرز میں اناؤنس کروا دیتے ہیں کہ ایبہا انصاری اپنے شوہر نامدار را
زبیری کے ساتھ آئیں یا تنہا، کمرے کے جملہ حقوق ان کے نام ہی مختص رہیں گے، خوش۔''
مسکراتی ہوئی چمکتی نگاہیں اس پر مرکوز کرتے ہوئے بولی تو بیا کا بے اختیار ہی دل چاہا
پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور اپنے دل کا سارا درد ان آنسوؤں کے ساتھ بہاتے ہوئے ضو
سے کہہ ڈالے، شاید وہ اس کمزور لمحے کی زد میں آ کر سب کچھ کہنا ہی چاہتی تھی۔

''ارے روشی کی سناؤ۔ سنا ہے بڑا جیک لگا ہے۔ اس کا میاں ڈاکٹر ہے اور باہر
لے گیا ہے اپنے ساتھ۔''

ضویا کی بات پر اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے اور ضویا کے بیچ روشی، رافع اور پھپھو آ چکے ہیں میں کچھ بھی نہ کہہ پاؤ
گی۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے۔ بہت محبت کرنے والے، قدر کرنے والے سسرالی ملے
اسے۔ بہت خوش ہے وہ۔'' نہ جانے کیسے اس کا انداز روشی کے لیے ایک محبت کرنے

بھابھی کا سا ہو گیا۔

''اور تم...... تمہیں بھی تو بہت محبت کرنے والے، چاہت والے سسرالی ملے ہیں۔
پھپھو کتنی پولائٹ ہیں اور تم پر تو جیسے نظروں ہی نظروں میں نثار ہوتی رہتی ہیں۔ تم خوش نہیں
ہو؟''

''بیچ کے دن...... آہ بیچ کے دن...... میں کیسے تمہیں بتاؤں وہ بیچ کے دن جو میں
نے گزارے ہیں۔ اب تو سب کو سب اچھا ہی نظر آ رہا ہے۔ اس چھوٹے سے سیلن زدہ گھر کی
تاریک، حبس زدہ راتیں۔ بھوک و افلاس آفتاب زبیری کی گھٹیا فطرت کے مظاہرے، اپنے
ساتھ ہونے والی زیادتی، بے توجہی، گھٹن، تنہائی اور رافع کا پہلے دن سے نظر انداز کر دینے والا
سلوک......'' وہ بن کہے سوچتی چلی گئی۔

''ارے...... یہ تم نے کون سا چھلا پہنا ہوا ہے۔ اچھا لگ رہا ہے۔ تمہیں یاد ہے نا
میرے پاس بھی ایسا تھا اور کالج میں گم ہو گیا تھا اور ممی سے کیسی جھاڑ پڑی تھی مجھے۔'' ضویا
ایک دم سے اس کی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی رافع کی اس اکلوتی نشانی کو دیکھنے لگی۔
غم غصہ بے زاری اور کوفت کے انتہائی دنوں میں بھی وہ اسے اتار نہیں سکی تھی یا
شاید وہ اس طرح سے اس کی انگلی کا حصہ بنا تھا کہ اس سے علیحدہ کبھی محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔

''بیا! تم بیٹھے بیٹھے کس مراقبے میں چلی جاتی ہو؟ میں ہی مسلسل بولے جا رہی ہوں
اور تم گوتم بدھ بنی بیٹھی ہو۔'' ضویا اس کی انگلی میں چھلا ڈالتے ہوئے ناراضی سے بولی۔

''میں تمہیں سن جو رہی ہوں۔ حارث کب آئے گا؟''

''آنے والا ہے۔'' وہ منہ پھیلا کر بولی۔

''یہ بتاؤ۔ تمہارا معاملہ کہاں تک پہنچا ولید کے ساتھ؟'' وہ سنبھل کر ضویا کے
پسندیدہ ٹاپک پر آتے ہوئے بولی۔

''تم اپنے معاملے کی کوئی ہوا دے رہی ہو جو میں کچھ بتاؤں۔'' وہ اسی طرح
نروٹھے پن سے بولی۔

''ارے تم تو مقابلے بازی کرنے لگیں۔ میرے پاس تو کچھ خاص ہے ہی نہیں
بتانے کے لیے جو کچھ ہے تمہارے سامنے ہے۔'' مزید کیا بتاؤں۔'' وہ کہہ کر چائے کے گھونٹ
لینے لگی۔

"اور تبدیلیاں...... ایک طرف یہ تبدیلی سب سے بڑھ کر ہے۔" اس نے ضویا
بڑبڑاہٹ سنی۔

"کون سی؟"

"اپنی ذات پر پردے ڈالنے کی۔" اس نے ہنکارا بھرا تو بیا مسکرا دی۔

"وہم ہے تمہارا۔"

"اوہو ہو...... بھئی جب میں باہر تھا تو ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ نہ میں نے کہی
اٹھا پٹخ دیکھی، نہ چاند ستاروں کو زمین کے قریب گرتے پڑتے، نہ زمین کا سینہ شق ہوتے اور
پہاڑوں کو غباروں کی طرح ہوا میں تیرتے تو پھر یہ کیا ہے؟" ولید زور زور سے آنکھوں کو
ان کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس ساری بے تکی گفتگو کا؟" ضویا پہلے ہی بیا کے گم صم رو
سے چڑی بیٹھی تھی۔ ولید کے اس انداز پر اور تپ گئی۔

"بھئی بچپن سے سنتے آئے ہیں، روزِ حشر ہر کام الٹا ہوگا۔ سورج مغرب سے نکلے
گا۔ چاند تارے اپنی ڈیوٹی سے فراغت پائیں گے وغیرہ وغیرہ مگر ادھر تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ ا
قیامت سراپا حشر میری نگاہوں کے سامنے براجمان ہے۔" وہ گرنے کے سے انداز م
صوفے پر بیٹھتے ہوئے بیا کی طرف دیکھ کر بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔

"توبہ کتنی لفاظی کرتے ہو۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا
آخر بیا کب تک ہم سے ناراض رہ سکتی تھی۔" ضویا پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ناراض! اللہ میری توبہ!" اس نے دونوں کان پکڑ لیے۔ "اگر یہ ناراضی تھی تو
بی بی کی تو قتل و غارت کیا ہوگا۔"

"میں تم سے کوئی بات نہیں کر رہی، نہ کرنا چاہتی ہوں۔" لیبا نے خالی مگ سائڈ
ٹیبل پر رکھتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا۔

"دیکھا دیکھا۔ اس پتھر کا لہجہ، انداز، رویہ...... قسم سے ہمت ہے بے چارے راف
کی بلکہ مجھے تو لگتا ہے۔ اس کے اس چٹانی بلکہ فولادی رویے عرف عام میں جسے تم ناراضی کہ
رہی ہو، سے بھاگ کر کہیں سیاسی پناہ لے بیٹھا ہے۔"

"میں اٹھ کر چلی جاؤں یہاں سے۔" بیا نے ریموٹ زور سے اس کی طرف اچھا

جسے اس نے آرام سے کیچ کر لیا۔

"ولید، بس بہت ہو گئی۔ اگر اس طرح کی دل جلانے والی گفتگو تم نے کرنی ہے
تو......" ضویا نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"تو کیا؟" اس نے ہاتھ لہرایا۔ "سوچ لو لڑکی! ہمیں تم دھمکا نہیں سکتیں۔ ایک
طرف اس کا گھر، اک طرف صنم کدہ، ہم بھی کچھ اختیار بلکہ استحقاق رکھتے ہیں۔ اس دھمکی کے
جواب دینے کا۔"

"مجھے لگتا ہے تمہارا پیٹ خالی ہے۔ میں چائے کے ساتھ کچھ لے کر آتی ہوں۔"
ضویا بڑبڑاتے ہوئے دونوں خالی مگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"ویری گڈ، ضویا میں مستقبل کی اچھی بیوی ثابت ہونے کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم
موجود ہیں۔ نالائق لڑکی! سیکھو چھوٹی بہن سے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کر اس کے برابر والے
صوفے پر آ بیٹھا۔

"ہاں بس اب اس سے سیکھنا باقی ہے ورنہ تو زمانے نے خوب پٹخیاں دے کر بہت
کچھ سکھا ڈالا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر آزردگی سے بولی۔

"اچھا مذاق ختم، صرف اتنا بتا دو مجھ سے یہ ظالمانہ رویہ کیوں روا رکھا ہے۔ میرا نام
بے وفاؤں، کج اداؤں کی فہرست میں سب سے اوپر کیوں لکھ رکھا ہے۔" وہ اس کی طرف
دیکھتے ہوئے قدرے جھک کر بولا۔

"یہ اپنے دل سے پوچھو۔" وہ آنکھوں میں اترتی نمی کو پیتے ہوئے بولی۔

"بہت دفعہ پوچھا یار! ہر بار معصوم سی لاعلمی نے سر اٹھایا آخر ہمارا نام کیوں حلقہ
یاراں سے خارج کر ڈالا۔ میں نے تو کچھ نہیں کیا اور تم گواہ ہو۔ تمہارے حق کے لیے آخری
لڑنے والا پروانہ بھی میں ہی تھا۔" وہ معصومیت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اور جو ڈبل ایجنٹ بنے ہوئے تھے وہ۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تمہارے سر کی قسم! چھوٹی تائی نے اپنی محبت بھری مامتا کا واسطہ دے کر مخبری پر
آمادہ کیا تھا پر تم نے تو مجھے اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ اتنا جلال...... مجھے تو لگتا ہے تم پہ کسی جن
نے قبضہ کر لیا تھا۔ بے چارے رافع تک کو تم گھاس نہیں ڈال رہی تھیں۔" وہ آخری جملہ آہستہ
آواز میں بولا۔

''مجھے تم سے ایسی ہی بات کی توقع تھی کہ ان کی حمایت نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا۔'' وہ ایک دم سے اپنے خول میں سمٹتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیا، تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں رافع سے اس کا دوست نہیں بلکہ سالا بن کر ملا کرتا تھا اور......'' ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بیا نے پاس پڑے کشن اس پر پھینکنے شروع کر دیے۔

''قسم سے یار! مذاق نہیں کر رہا۔ بالکل اسی خیال سے کہ کہیں وہ تم کو بالکل ہی بے آسرا نہ جان لے اور ایک بات اور تھی۔'' وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میں نے سوچا تھا۔ دونوں طرف کمیونیکیشن بحال کرتے ہوئے ایک دوستانہ سفارت کا آغاز کروں گا اور دونوں کے دلوں میں جو ایک دوسرے کے لیے بے زاری اور بے نیازی ہے اس کا کوئی بندوبست کر سکوں گا مگر تم تو ظالم، پتھریلی، کٹ کھنی بلی بنی ہوئی تھیں۔ میری ساری سفارتی کوششوں پر پانی پھیر دیا اور میں چاہنے کے باوجود اپنے پراجیکٹ کو مکمل نہ کر سکا۔'' وہ آخر میں تاسف بھرے لہجے میں بولا تو بیا کے دل میں جیسے کسی نے سوئی چبھو دی۔

''ولید! میں نے بہت کوشش کی مگر...... میں کیا کرتی۔ میرا دل۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''میں جانتا ہوں۔ تم جس یوٹوپیا سے نکل کر حقیقت کی اس سنگلاخ دنیا میں پہنچ گئی تھیں وہاں ایڈجسٹمنٹ تمہارے جیسی نازک مزاج، نازک دل لڑکی کے لیے بہت مشکل تھا۔ اسی لیے تو میں چاہتا رہا کہ تم سے بات کر کے کوئی بیچ کی راہ نکال سکوں مگر تم نے تو مجھے اپنے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیا۔''

''اور سب کچھ ختم ہو گیا۔'' وہ ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بڑبڑائی۔

''کیا...... کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں ولید! مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ وہ سب کہنے کے لیے جو میں ممی سے اپنی زبان سے نہ کہہ پاؤں گی۔'' وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔ وہ بغور اسے دیکھے گیا۔

''کیا...... کیا کہنا ہے تم نے چھوٹی تائی سے۔'' وہ بے چین سا ہو کر بولا۔

''میں نے رافع سے سیپریشن کے لیے کہا تھا اور میرے اصرار پر اس نے......'' وہ

رک کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''بیا! رافع بہت اچھا انسان ہے بہت اعلا ظرف۔ اور سب سے بڑی بات تمہیں بہت چاہتا ہے۔ شروع میں وہ واقعی تم سے متنفر تھا اپنے ماموؤں کے رویے کی وجہ سے مگر پھر آہستہ آہستہ نہ جانے کیسے اس کا دل تمہارا گرویدہ ہوتا چلا گیا اور اس نے جانے سے پہلے مجھ سے تمہارے مطالبے کا ذکر کیا تھا۔''

ولید کے انکشاف پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ ششدر سی اسے دیکھنے لگی۔

''اور تمہاری خواہش کے احترام میں وہ یہ کر بھی دینا چاہتا تھا مگر میں نے اسے سمجھایا کہ اپنی واپسی تک اس فیصلے کو مؤخر کر ڈالے۔ مگر معلوم نہیں وہ کیوں بہت شکست خوردہ سا لگ رہا تھا، کہہ رہا تھا کہ وہ تمہیں جائز مقام نہیں دے سکا اور تمہاری کوئی خوشی پوری نہیں کر سکا اس لیے سوچتا ہے کہ تمہاری یہ خواہش ہی پوری کر ڈالے۔ میں نے بار بار بضد اصرار اسے اس فیصلے پر عمل درآمد سے روکا اور اس کے جانے کے بعد بھی جتنی بار اس سے رابطہ ہوا، اسے یہ یاد دہانی کرواتا رہا، پتا نہیں اس کے دل میں کیا تھا۔ ہر بار میرے اصرار پر ہنس کر چپ کر جاتا۔ پتا نہیں اس نے کیا طے کر رکھا تھا اور پرسوں کہہ رہا تھا کہ وہ ادھر ہی سیٹل ہونے کے بارے میں سوچ رہا ہے اور پھپھو کو بھی بلوا لے گا۔ میں نے بہت کہا کہ واپس نہیں آؤ گے۔ کہنے لگا، جس کام کے لیے آنا تھا وہ میں یہاں بیٹھتے ہوئے بھی کر چکا ہوں سو آنے کا کیا فائدہ...... میں خود اس کی بات سے بہت پریشان تھا اور تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا کہ کوئی میسج...... کچھ ملا تو نہیں تمہیں اس کی طرف سے۔''

ولید نے اٹک اٹک کر کہتے ہوئے اس کی فق رنگت کو دیکھا بیا کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

''میں آج صبح سے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سیل فون بھی آف ہے اور دوسرے نمبر پر بھی رابطہ نہیں ہو رہا۔''

''یہ لو ٹشو اور اپنی دماغی رو کو ٹریک پر لاؤ۔ ممی کی رپورٹس لے آئے لیبارٹری سے۔'' ضویا چائے کے ساتھ اسنیکس لے آئی تھی۔ ولید کے آگے رکھتے ہوئے بولی۔

''ایکسکیوز می۔ میں ذرا ممی کے پاس ہوں۔'' لیہا اپنے امڈ آنے والے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"پھپھو! ڈرائیور ہے کہ چلا گیا" دوسرے کمرے میں آتے ہی اس نے سعدیہ کو فون کر دیا۔

"ہاں ہے ابھی تو۔ کچھ منگوانا ہے۔"

"آپ بھجوا دیں اسے، میں نے گھر آنا ہے ابھی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"ابھی! خیر تو ہے؟" وہ فکرمند ہو گئیں۔

"خیر ہے پھر آپ بھجوا رہی ہیں نا!"

"ہاں بیٹا! کوئی بات تو نہیں ہوئی؟" وہ پریشانی سے بولیں۔

"نہیں پھپھو! اچھا میں انتظار کر رہی ہوں۔" ان کی اگلی بات سنے بغیر اس نے فو بند کر دیا۔

"کیوں؟ کیوں جا رہی ہو ابھی۔ ضویا نے کچھ کہہ دیا یا کسی اور نے۔" وہ ممی بتانے آئی تھی۔ وہ جاگ رہی تھیں۔ اس کے جانے کا سن کر پریشان ہو کر بولیں۔

"ممی! کسی نے کچھ نہیں کہا۔ میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔ رات کے لیے ا۔ کپڑے لینے جا رہی ہوں۔" وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تو کپڑے تم ضویا کے پہن لینا۔ تم دونوں کے ناپ میں کون سا اتنا فرق ہے" وہ بے چینی سے بولیں۔

"ممی! مجھے اور بھی اپنا سامان لانا ہے ابھی رہوں گی میں ادھر ہی۔" انہیں صاف وہ انہیں بہلا رہی ہے۔ سو بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ خود اتنی پریشان تھی انہیں یقین دلانے کے لیے مزید کچھ بھی نہ کہہ سکی اور چپ چاپ بیٹھی رہی۔

"اچھا ممی! میں دیکھوں ڈرائیور آ گیا ہوگا میں...... تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی آپ پریشان نہ ہوں۔ رات کا کھانا آپ کے ساتھ ہی آ کر کھاؤں گی۔" وہ ان کے گال پیار کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔

وہ گاڑی کے پہلے ہارن پر ہی باہر چل پڑی تھی اور ضویا اور ولید حیران سے با نکلے۔

"کہاں جا رہی ہو تم اس وقت!" ضویا نے حیران نظروں سے ایک نظر اسے دیکا اور ایک گہری ہوتی شام کو۔

"گھر جا رہی ہوں آ جاؤں گی۔" وہ ولید سے نظریں چراتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی۔

"گھر! کیا پھپھو نے بلوایا ہے؟" وہ اس کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔ خدا حافظ۔" وہ عجلت میں باہر نکل گئی۔

"ولید ڈراپ کر دیتا تمہیں۔ رکو تو۔" ضویا کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے روکے۔

"نہیں شکریہ۔" اس نے مڑ کر دونوں کو دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی روانہ ہو گئی۔

"کیا تمہارے ساتھ کوئی بات ہوئی؟" ضویا نے مڑ کر ولید سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کندھے اچکا دیے تو دونوں خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

میرے چارہ گر!
میرے درد کی تجھے کیا خبر
تو میرے سفر کا شریک ہے
نہیں ہم سفر؟
میرے چارہ گر، میرے چارہ گر
میرے ہاتھ سے تیرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا
نہیں جس پہ کوئی نشان پا
میرے سامنے ہے وہ رہ گزر
میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر!

''سب کچھ جانتے بوجھتے معلوم ہوتے بھی میں نے دل میں بارہا اس چاند ک
کی تھی جو کبھی میری جھولی میں گر ہی نہیں سکتا تھا اور یہ میری نیت کی خرابی تھی کہ یک
کاتب تقدیر نے میری اس بدنیتی کی سزا مجھے اس دنیا میں ہی دینے کا فیصلہ کر ڈالا۔

تم بلا اجازت، بنا بتائے پھپھو کے گھر رات بسر کر کے سب کی نظروں میں مع
ٹھہریں اور اپنے تئیں بڑے تایا جی اور دوسروں نے بظاہر تمہیں بڑی ہی قابلِ نفرت سز
کہ تمہیں اپنے سے کاٹ کر اس معتوب عورت کے بیٹے کے سپرد کر دیا جو آج تک ہم س
نظروں میں ایک گری ہوئی مخلوق تھی اور تاوان میں ساری نعمتیں سارے انعامات اور سب
بڑھ کر زریاب کے نام کی ٹرافی بھی تم سے چھین لی گئی۔

صرف ایک ٹرن نے بظاہر تمہیں خوش نصیبوں کی قطار سے نکال کر بدبختیو
ہجوم میں دھکیل دیا اور مجھ سی محروم کو اسی ایک موڑ نے خوش نصیب لوگوں میں شامل کر
زریاب کا میڈل میرے گلے میں ڈال دیا اور میں...... میں کیا بتاؤں؟ میرا ان دنوں کیا
تھا۔ لگتا تھا مجھے دنیا میں ہی جنت پلیٹ میں سجا کر پیش کر دی گئی ہے اور میرے...... میر
نکل آئے ہوں۔ بنا پرواز کے میں ہواؤں میں تھی۔ اس سارے قصے ساری اکھاڑ پچھا
کس کی حق تلفی ہوئی ہے؟ اصول کیا ہے؟ حق کس چڑیا کا نام ہے اور زریاب مجھے تمہار
دے گیا یا نہیں؟ قبول کرے گا یا نہیں؟ مجھے اس سارے مسئلے سے کوئی غرض نہیں تھی
سرخوشی کا عالم تھا اور وجد کی سی کیفیت کہ دنیا میرے قدموں تلے آ گئی ہے۔

زریاب نام کی لاٹری میرے نام کھل گئی ہے۔ اب کوئی مجھے دنیا کی خوش ق
ترین لڑکی کی جگہ لینے سے نہیں روک سکتا اور دوسرا حیران کن جھٹکا مجھے زریاب سے ملن
بعد لگا۔ اس کا التفات اس کی محبت اس کی خوشی ایسی نو بہار ایسی تازہ دم تھی میرے لیے
بچپن سے اس کے ساتھ تم نہیں میں ہی منسوب تھی۔ میں ہی اس کی پہلی و آخری چاہت تھ

اور اس کا انکشاف میرے احساس سے بڑھ کر شاکنگ تھا کہ ''فریال! میں تو
سے نہ جانے کب سے...... جب اس دل جواں نے تمہاری رعنائی کو پہلی بار حسن کی ص
مجسم دیکھا ہے تب سے...... میں تو جیسے ایک زمانے سے کشمکش میں تھا کہ کس طرح اپ
کے اس دوغلے پن کا اعلان کروں جو کسی بھی پل تمہاری خاطر لیہا انصاری کی محبت
دستبردار ہونے کا اعلان کرنے والا ہے۔ شاید میری لگن، میرے جذبوں میں اتنی شدت

گہرائی تھی کہ تقدیر نے اچانک کروٹ بدلی اور خوش قسمتی نے تمہارا یہ نرم و نازک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔''

''سوچو ان لمحات میں، میں اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز کرتی کم تھا...... میں تو ٹھکرائے جانے کا خوف لے کر زریاب کے حجلہ عروسی میں دھک دھک کرتے خوف زدہ دل کے ساتھ بیٹھی تھی کہ اس کی چاہت کی تیز بارش نے میرے وجود کو سیراب کر ڈالا۔ سارے ڈر خوف و وسوسے اس طوفانی ریلے کے سنگ کہیں بہہ گئے اور مجھے تو یہ تک بھول گیا کہ کبھی کوئی لیہا انصاری نامی لڑکی بھی زریاب سے منسوب رہ چکی ہے اور اس میں سب سے زیادہ ہاتھ زریاب کی پاگلوں جیسی محبت کا تھا۔ وہ مجھے یوں اس طرح ٹوٹ کر چاہے گا۔ ایسا تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اور اب میں اپنی ساری زندگی اس خواب میں گزارنا چاہتی تھی۔ سب گھر والوں خصوصاً تایا جی اور تائی کی بے لوث محبت، چاہت اور ان کے ڈھیر ساری دعاؤں کے پھول لیے میں زریاب کے ساتھ فرینکفرٹ آ گئی۔ پیا سنگ سفر کی خوشی تو ہر خوشی سے سوا تھی پھر یہ خیال کہ اب تو کوئی ہم دونوں کے پیار کے بیچ ڈسٹرب کرنے والا بھی نہ ہو گا۔

فرینکفرٹ میں زریاب کے لکژری اپارٹمنٹ میں تیسری رات لیہا انصاری تم مجھے بے تحاشا یاد آئیں اور اس رات میں نے بھی اتنے ہی آنسو بہائے جتنے تم نے ناکردہ جرم کی سزا سننے تک بہا ڈالے تھے۔

زریاب میری تمہاری ٹرافی نہیں تھا بلکہ وہ ماضی کی لوسی اور حال کی تانیہ کا بھی پیارا شوہر رہ چکا تھا۔ ان دونوں کے پیار محبت کا پیریڈ گزر چکا تھا اور دونوں کے درمیان قانونی طور پر علیحدگی ہو چکی تھی اور اس تیسری رات لوسی، زریاب سے ملنے آئی بلکہ شاید اس گزرے ہوئے زمانے کی تجدید کے لیے آئی تھی یا کس لیے؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اسے زریاب نے کچھ رقم دینے کے لیے بلوایا تھا اور اسی اپارٹمنٹ کے لکژری ماسٹر بیڈ روم کے کھلے دروازے کے باوجود ان دونوں نے...... میں چاہوں بھی تو تمہیں نہ بتا سکوں۔

اور میرے ہوش میں آنے کے بعد واویلا کرنے پر زریاب نے کسی وحشی جنگلی درندے کی طرح میرا جو حال کیا۔ چاہوں بھی تو زبان سے دہرا نہیں سکتی۔ مجھے مارنے کے بعد وہ گالیاں بکتا تھوکتا چیزوں کو ٹھوکریں مارتا لوسی کے پاس چلا گیا۔

اس رات میں نے تمہیں اور اپنی بد نصیبی کو ٹوٹ کر یاد کیا اور آنسو بہائے مگر یہ میری زندگی کی پہلی رونے والی رات ضرور تھی مگر آخری نہیں!

اس کے بعد تو روح کو ہلا دینے والے انکشافات اور تقدیر کی ٹھوکریں، لاتیں اور گھونسے تھے۔

اس کی زندگی میں صرف ایک لوسی نہیں تھی میں نام لے کر گنوانے لگوں تو شاید شام ہو جائے۔

زریاب کو عورتوں کی لت تھی۔ اسے نشے کی لت تھی۔ کون سا نشہ تھا۔ جو وہ نہیں کرتا تھا اسے یہ عادتیں کہاں سے لگیں۔ میں بہت سوچنے پہ بھی نہیں جان سکی ورنہ اتنا عرصہ پاکستان بھی تو وہ ہمارے پاس آ کر رہتا تھا۔ شاندار، باوقار، تروتازہ گیٹ اپ میں کوئی جج نہیں کر سکتا تھا کہ یہ فرینکفرٹ میں رہنے والا وحشی، حیوان نما انسان جو مذہب، اخلاقیات اور معاشرے کے ہر اصول قاعدے، قانون اور رشتوں کو توڑنے میں نہ صرف فخر محسوس کرتا ہے بلکہ اس کا اعلان بھی کرتا ہے۔

میں اسے چھوڑنا چاہتی تھی پاکستان آنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے جیسے میرے لیے ہر راستہ بند کر دیا تھا۔ میرا پاسپورٹ ویزا سب اس کے قبضے میں تھا۔

گیارہ ماہ گویا میں نے اذیت کی ناقابلِ بیان گیارہ صدیوں میں گزارے تھے۔

اور آخری جھٹکا...... فرینکفرٹ میں اس کا بزنس اس کی روزی کا واحد ذریعہ اس کا کسینو تھا۔ "مساج بار" اور وہ مجھے اس میں بطور ہیلپر کام کروانا چاہتا تھا جس سے انکار کی سزا میں دس ماہ کے ہر دن ہر رات بھگتتی رہی وہ اپنی نگرانی میں ہفتے میں ایک بار میری پاکستان بات کروا دیتا اور مجھے آواز کو بشاش رکھنے کا بھی حکم ہوتا۔

ان گیارہ مہینوں میں میرا جسم ہی مار کھا کھا کر لہولہان نہیں ہوا ان زخموں کی ٹیسیں میری چور چور روح کے اندر سے ابھی بھی اٹھتی رہتی ہیں۔

اور میں نے جو تم سے کہا کہ زریاب ایسا کب ہوا، کیوں ہوا تو کب ہوا کا تو مجھے پتا نہیں چل سکا۔ کیوں ہوا؟ کا سبب میں جان گئی۔ یہ تایا جان کا تکبر گناہ کے قریب بھی پھٹکنے والوں سے ان کی نفرت کا اعجاز تھا۔ ہوتا ہے نا کہ ہم بار بار کسی بات سے نفرت کا اظہار کریں۔ بلند و بانگ دعوے کریں اپنی پارسائی کے اور دوسروں کی بے حیائی و بدکرداری کے، تو اکثر

تقدیر یہ دعوے ان کے بیٹے کی صورت میں ان کے منہ پر دے مارتی ہے۔ تایا جی کے یہ دعوے ان کے بیٹے کی صورت میں ان کے منہ پر مارے جا چکے تھے اور وہ مزید اپنی بدنامی کا سامان کرنے کے لیے بیٹے کے بزنس کے لیے اس کی گناہ گار زندگی کو اور آلودہ کرنے کے لیے موٹی موٹی رقمیں بھیجتے رہتے اور پھپھو کے دل کی آہیں...... کہتے ہیں نا دکھے دل کی کسی کو بد دعا دینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اس کی آہ ہی دوسرے کی سزا بن جاتی ہے پھر جو کچھ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا بے شک برائی کی نیت سے لیکن اصل میں وہ تمہارے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی نیکی کر گئے۔ مگر ایک یتیم لڑکی کے بے داغ کردار کو ساری دنیا کے سامنے گندہ کر کے پیش کرنا اور اس کی چیخ و پکار کی پروا کیے بغیر اپنی مرضی کا فیصلہ ٹھونسنا......

آہ...... میرے پاس اپنے زخموں کو کُرید تے آنسوؤں کو پونچھتے بہاتے، گناہ و ثواب کے پیمانے جانچنے کا کتنا وقت تھا۔ یہ دنیا کیا ہے یہ ہستی کیا ہے۔ اس سارے دھوکے کی کیا حقیقت ہے یہ سب کچھ میری آنکھوں کے آگے اذیت کے اس سفر کے دوران کھلا جس کی راتیں کالی ہی نہیں ڈراؤنی اور بھیانک دن اجلا نہیں تھا۔

پھر ولید بھائی کے کسی دوست کو اللہ نے میرے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا اور اس نے جس زخمی، نیم برہنہ، نیم مردہ حالت میں زخموں سے چور مجھے دیکھا، اونچا لمبا مرد ہونے پر وہ رو پڑا۔

اس نے مجھے ہاسپٹل پہنچایا اور پھر پولیس کی مدد کی دھمکیوں سے زریاب جیسے موذی سے میرا ویزہ پاسپورٹ نکلوا کر مجھے پاکستان اپنے ساتھ لے کر آئے اور میں زندہ سلامت ایک بچی کو جنم دینے کے بعد تمہارے سامنے بیٹھی ہوں تو اسے اس صدی کا کوئی معجزہ نہ سہی میرے ماں باپ کی دعاؤں یا میرے ہی کسی بھولے بسرے اچھے عمل کی جزا سمجھنا ورنہ ہاتھ لگا کر بھی دیکھ لو تو فریال مر چکی ہے۔ ہڈیوں کے اس پنجر میں آتی جاتی سانسوں کی ڈور سے کہیں مجھے زندہ نہ سمجھ لینا۔ بیا! میں تو کب کی مر چکی اسی دن مر گئی تھی جب زریاب کا نام میرے نام کے ساتھ جڑا تھا اور اس نام سے نجات کے لیے میرے بھائی، ڈیڈی کو، مجھے اپنے حصے کی جائیداد سے دستبردار ہونا پڑے گا پھر...... پھر وہ شیطان مجھے اپنے چنگل سے رہا کر دے گا اور میں تمہیں خوش بخت نہ کہوں تو کیا کہوں۔ تمہارا مقدر نہ جانے کیسے میری بدنیتی سے میری تقدیر بن گیا جس سے بھی ملو تو اسے ضرور بتانا کہ کبھی کسی کے اچھے مقدر اچھی قسمت کو حسرت اور

حرص سے تکتے ہوئے اپنی تقدیر بننے کی دعا نہ کرنا ورنہ اس کے مقدر کے سارے کانٹے اپنی پلکوں سے چننے پڑ جائیں گے، میری طرح۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ذہن فریال کی آواز کے اندھیر جنگل میں بھٹک رہا تھا جہاں زریاب کسی خونخوار درندے کی سی لمبی سرخ زبان اور نو دانتوں کے ساتھ اس کا خون چوستا نظر آ رہا تھا۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی تھی۔

اس نے ایک سسکی لیتے ہوئے اپنا چہرہ صاف کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آ ئ

"حبیب گل! ابھی جانا نہیں میں تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گی۔" وہ ڈرائیور کہتے ہوئے گھر کے دروازے کی طرف بڑھی۔ بند گیٹ اندر سے کھلا تھا۔

"کمال ہے۔ پھپھو نے گیٹ کیوں کھول رکھا ہے۔" وہ اندر داخل ہوتے ہو بڑبڑائی۔

"لان میں مالی کیاریاں درست کر رہا تھا اسی نے گیٹ کھول کر رکھا ہوگا۔" قیاس کرتے ہوئے آگے بڑھی۔

"اور فریال! میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ میں سمجھی ہی نہیں تقدیر کی اس اکھاڑ پچھاڑ میں تو سارا وقت گئے زمانے کے پلٹ آنے اور پیش منظر کو پس منظر میں بدل جانے کی ہر دعا کرتی رہی۔ نہیں جانتی تھی کہ یہ دعا نہیں بددعا ہے اور...... یہ بددعا بالآخر قبول ہوگئی۔ آج میں آخری بار اس گھر میں آئی ہوں اس کے بعد...... کاش میں صبر کرنا جا آج اس صبر کا پھل سمیٹتے ہوئے واقعی خود کو خوش نصیب سمجھتی۔"

اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"پھپھو کہاں ہیں؟" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

"یہ کیا؟" وہ کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی کے آگے کھڑی رہ گئی۔ پھپھو وہی خ لفافہ ہاتھ میں لیے کھولے ہوئے دیکھ رہی تھیں یا پڑھ رہی تھیں۔

"تو انہیں پتا چل ہی گیا۔" اس نے لڑکھڑاتے ہوئے دیوار کا سہارا لیا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے خاکی لفافے میں کاغذ ڈال کر دراز میں ڈالتے ہو

مڑیں۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

ایبہا کا دل ڈوب گیا۔

اس کے سارے وسوسے درست نکلے تھے۔ یونہی تو اس کے دل کو پنکھ نہ لگے تھے۔

وہ خاکی لفافہ بالآخر اس کی تقدیر کا آخری فیصلہ کر گیا تھا۔

وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی دوسرے کمرے میں لے آئی۔ اس وقت وہ سعدیہ بیگم کا تو کیا کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

ان کو اس کی آمد کا پتا نہیں چلا تھا اور اب وہ انہیں بتائے بغیر ہی واپس جانا چاہ رہی تھی۔ اب اس کے لیے یہاں کیا رہ گیا تھا۔ سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا۔

وہ وہیں دیوار کے ساتھ لگی گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔

"رافع احمد! یہ کیسا تعلق تھا جس نے جڑنے سے لے کر ٹوٹنے تک فقط مجھے آنسو ہی دیے۔ میرے حافظے میں تو ایک بھی لمحہ ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اگر آنسو دیے ہیں تو خوشی بھی تو ملی تھی اور تمہاری طرف سے ملنے والا یہ آخری تحفہ یہ...... یہ تو میری آئندہ زندگی سے بھی ہر مسکراہٹ ہر خوشی کا امکان چھین لے گیا ہے۔ کیا ملا مجھے تم سے سوائے آنسوؤں اور دکھوں کے...... اچھا ہی ہوا۔ چاہے میرے کہنے پر تم نے یہ تعلق آخر کار توڑ ہی ڈالا۔ پھپھو کے سوا شاید ہی اس کے ختم ہو جانے پر کوئی دکھی ہو۔ میرا دکھ...... میرا دکھ تو تم میرے آس پاس رہ کر نہ جان سکے تو اب تمہیں کیسے پتا چلے گا کہ تم نے مجھے کیسا دائمی روگ لگا دیا ہے جس کا علاج اب کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ کسی سے بھی نہیں۔ اچھا ہی ہوا تم نے علیحدگی کے کاغذ بھجوا دیے تمہارے آنے سے پہلے میں یہاں سے جا چکی ہوں۔ یہی مطلب ہے نا اس خاکی لفافے کا......" وہ بہ دقت خود کو جوڑتی سنبھالتی سمیٹتی اٹھی تھی۔

درد کی شدت سے اس کا دل جیسے پھٹا جا رہا تھا۔

جب وہ فریال سے مل کر آ رہی تھی تو اسے لگ رہا تھا زمین ہی اس کے قدموں تلے مضبوط نہیں سارا آسمان بھی اس کی مٹھی میں آ گیا ہے محض چند لمحوں کی خوش گمانیاں...... اور پھر ہمیشگی کا دکھ......

"شاید میری قسمت ہی ایسی ہے چند پل خوشی مل جانے کے بہلاوے میں گزرتے ہیں اور وہ بہلاوا کسی بڑے طوفان کی خبر لاتا ہے...... یونہی تو ہوا میرے ساتھ اور یہی ہو رہا

ہے، یہی میری قسمت ہے۔"

☆☆☆

"ولید! تم نے محسوس کیا ہے اس بات کو۔" ضویا چند لمحے کی خاموشی کے بعد بولی تھی۔

"کس بات کو؟" ولید، عارفہ بیگم کی ٹیسٹ رپورٹس کے رزلٹ ایک طرف ڈالتے ہوئے بولا۔

"بیا! کتنا چینج ہوگئی ہے۔ بالکل چپ کھوئی کھوئی سی اور کچھ الجھی ہوئی بھی...... میں کوشش کے باوجود اس کے اندر سے پہلے والی بیا کو تلاش نہیں کر سکی اور اس کی ذات جیسے کسی گنبد بے در میں کھوگئی ہے۔ جس تک پہنچنے کا رستہ شاید اسے خود بھی معلوم نہیں اور نہ وہ کسی کو اپنے اندر جھانکنے کی اجازت دینے پر تیار ہے۔" ضویا سوچ سوچ کر بول رہی تھی اسے آج ایک بالکل بدلی ہوئی بیا ملی تھی اس کا پریشان ہونا درست تھا۔

"ایسا تو ہونا ہی تھا۔ جن حالات سے وہ گزری ہے اس کا دوسروں پر سے تو کیا خود پر سے بھی بھروسا اٹھ سا گیا ہے بظاہر وہ کھردری اور سرد مہر ہوگئی ہے مگر اندر سے وہ ڈری ہوئی ہے۔ اسے خود سے لوگوں سے اور سب سے بڑھ کر اپنی قسمت سے ڈر لگنے لگا ہے۔ اصل میں اس کے ساتھ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں سکی اور نہ وہ ان میں سے کسی بھی واقعے کے لیے پہلے سے ذہنی طور پر تیار تھی۔ ایک شخص جو سب کی آنکھ کا تارا ہو ایک دم سے اسے آنکھ کا تنکا سمجھ کر بے دردی سے نکال کر پھینک دیا جائے اور حوادث کے حوالے تن تنہا کر دیا جائے تو سوچو اس کا بھروسا کس حد تک مجروح ہو سکتا ہے اور پھپھو کے گھر کے حالات...... تم بلکہ یہاں پہ موجود کوئی بھی شخص نہیں جانتا تھا...... ضویا! بیا نے وہاں بہت مشکل دن گزارے ہیں اور پھر آفتاب زبیری جیسے شخص کی موجودگی بجائے خود ایک اذیت کا سامان تھی۔ چلو جو کچھ اس کے ساتھ ہوا اس کی تقدیر سمجھا جا سکتا تھا مگر اسے یہاں سے تو کوئی مورل سپورٹ ملتی۔ ہم لوگ اسے ایک طرح سے کنوئیں میں دھکا دے کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس کا بدگمان ہونا تو یقینی تھا اور ایسے حالات میں وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ صد شکر اس نے کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھایا۔" ولید بہت سنجیدگی سے بیا کی کیفیت بیان کر رہا تھا جیسے وہ خود ان حالات سے گزرا ہو۔

"مگر ایک اور بات...... ولید! وہ رافع کے نام سے چونکتی بھی ہے چڑتی بھی ہے۔ میرے لیے یہ بات بہت شاکنگ ہے کیا ان دونوں کے بیچ کچھ گڑ بڑ ہے۔" ضویا نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنی اصل الجھن بیان کی۔

"کچھ نہیں۔ میرے خیال میں اچھی خاصی گڑ بڑ ہے۔" ولید نے گہرا سانس لیتے ہوئے سر صوفے کی بیک پر ٹکا دیا۔

"کیا مطلب؟" ضویا پریشان نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں یہ دونوں میں سے کس کا کمپلیکس تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو قبول نہیں کر سکے۔ رافع نے اس تعلق کی مضبوطی کو حالات بہترین ہونے سے مشروط کر دیا کہ وہ بیا کے لیے ڈھیر ساری آسائشیں مہیا کر سکے گا تو حقیقی معنوں میں اس کا دل جیت سکتا ہے جبکہ...... بیا جس ٹوٹے بکھرے دل کے ساتھ اپنوں کی کج روئی اور بے اعتمادی سے چور ہو کر گئی تھی اسے کسی مضبوط اخلاقی سہارے کی ضرورت تھی کہ اس کا اعتماد کسی ایک شخص پر بحال رہ سکتا اور ان حالات میں سب سے اہم وہ ایک شخص رافع تھا جس نے شاید اپنے احساسِ کمتری یا برتری کے خیال سے اسے نظر انداز کیا۔ اس کا خیال تھا بیا جیسی نازک مزاج اور آسائشوں میں پلی لڑکی شاید ہی چند دن سے زیادہ ان کے سہولتوں سے محروم گھٹے ہوئے گھر میں رہ سکے، مگر پتا ہے۔ اسی رافع نے چند ماہ بعد ہی میرے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ بیا کا کردار ہی نہیں اس کا ظرف، اس کی فطرت بھی مثالی ہے۔ اس نے کس حوصلے اور برداشت سے ان کے ماحول کا پیوند نہ سہی کچھ حصہ بننے کی کوشش کی۔ وہ شاید اس کلاس سے گئی کوئی لڑکی نہ کر سکتی مگر پہلے دن ایک دوسرے کو نظر انداز کرنے سے دونوں کے بیچ جو جھجک سی آ گئی تھی وہ دن بدن بڑھتے بڑھتے ایک خلیج بن گئی اور بیا، رافع سے بھی بری طرح سے بدظن ہوگئی اور......"

ولید کہہ رہا تھا اور ضویا کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ تو ممی صحیح کہتی تھیں۔

"ضویا میرا دل کہتا ہے بیا خوش نہیں، میرا دل اس کی طرف سے بے چین رہتا ہے۔" اور اسی دل کی بے چینی نے انہیں بستر پر ڈال دیا۔

"اور...... کیا؟" ولید کے چپ ہونے پر وہ تیزی سے بولی۔

"بیا نے رافع سے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا بلکہ...... بار بار اصرار کے ساتھ...... اور اس وقت تک رافع کے دل میں بیا کے لیے بہت سی جگہ پیدا ہو چکی تھی وہ کمپرومائز کرنا چاہتا تھا

مگر۔"

"مگر کیا...... ولید جلدی سے بتاؤ کیا میرا ہارٹ فیل کرواؤ گے۔ رک رک کر بتا رہے ہو۔" ضویا بے چینی سے کھڑے ہو کر زور سے چلائی۔

"بیا اس پر تیار نہیں ہوئی...... اس نے جانے سے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ شاید وہ وہیں سے ڈائیورس پیپرز بھجوا دے حالانکہ میں نے بار بار سختی سے اسے منع کرنے، سمجھانے کی کوشش کی مگر پچھلے ایک ہفتے سے اس کا مجھ سے کوئی رابطہ نہیں بلکہ اس کا آخری فون آیا تو وہ بہت الجھا ہوا اور پریشان تھا میرے اصرار پر جیسے پھٹ پڑا کہ اس نے بیا سے پوچھا کہ وہ اس کے لیے کیا لے کر آئے تو اس نے صاف کہہ دیا آزادی کا پروانہ...... دوٹوک مطالبہ پر اسے بھی غصہ آ گیا۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے اس کی آمد کی تو ضرورت نہیں۔ یہ وہ ادھر سے بھی بھجوا سکتا ہے اور وہ بھجوا رہا ہے پھر میں لاکھ سر پٹختا رہا اس کے ساتھ کہ یہ سب بیا کی نادانی ہے، بیوقوفی ہے۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے وغیرہ مگر اس نے رابطہ منقطع کر دیا بعد میں میں بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر اس کا سیل فون مسلسل آف ہے اور آفس میں وہ موجود نہیں ہوتا یا جان کر فون اٹینڈ نہیں کرتا۔"

"اوہ میرے خدایا!" ضویا سر دونوں ہاتھ میں تھام کر بیٹھی چلی گئی۔

"تم نے مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ کتنی دیر بعد ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"کیا بتاتا۔ ادھر پہلے کیا کم پریشاناں ہیں۔ میں نے سوچا وہ خود ہی کسی طرح اپنا مسئلہ حل کر لیں گے نہ ہوا تو میں پھپھو کو انوالو کر لوں گا۔ وہ پھپھو کی بات بہر حال نہیں ٹال سکتی۔ اصل میں زیادہ کام ایک اور بات سے خراب ہوا ہے۔"

"اور کون سی بات؟" ضویا جیسے کسی کنوئیں سے بولی۔

"زریاب کی موجودگی۔"

"کیا مطلب؟ اس بات کا بیا کے مسئلے سے کیا تعلق؟"

"وہ زریاب سے ملی ہے ہوٹل میں۔" ولید نے گویا دھماکا کیا۔

"کیا؟" ضویا حق دق رہ گئی۔

"اور تمہیں زریاب کا پتا ہے۔ وہ کیسا باتوں کا کھلاڑی ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میرے ایک جاننے والے نے بتایا۔ جو زریاب کو جانتا ہے اور بیا کو بھی...... آج میرا ارادہ یہاں سے پھپھو کی طرف جانے کا ہی تھا کہ بیا کو زریاب کی ساری حقیقت سے آگاہ کروں۔ چاہے وہ یقین کرے یا نہ کرے ہمارا فرض ہے اسے اس خبیث کی اصلیت بتانے کا...... جس نے ہم سب کی زندگیوں کو دوزخ بنا دیا ہے۔" وہ گہرے دکھ سے بولا۔

"اب فریال کیسی ہے؟"

"بس زندوں میں شمار کی جا سکتی ہے۔ اب تائی صاحبہ، پوتی کی حقدار بن کر چلی آئی ہیں اور خبیث بیٹے کا وہی گھٹیا مطالبہ ڈائیورس کے بدلے اپنے حصے سے دستبرداری...... مجھے سمجھ میں نہیں آتا تایا جی دانا و بینا سمجھ دار ہو کر حق داروں کا حق نگلنے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ نگلنا کیا اس عیاش بیٹے کے لیے مزید عیاشی کا سامان بہم پہنچانے کے لیے دنیا میں تو سب کی نظروں میں اپنا مقام گرا رہے تھے۔ اپنی آخرت بھی بدترین کر رہے ہیں۔ اور پتا ہے ڈیڈی نے رات کو پیپرز سائن کر دیے ہیں کہ ہم اپنے ہر طرح کے حق سے دستبردار ہوتے ہیں صرف ہمیں اپنی بیٹی کی آزادی چاہیے اس ملعون سے...... اور اس کمینے کی کمینگی دیکھو...... آج بہر حال اس نے ڈائیورس پیپرز بھیج دیے ہیں۔ طلاق کسی بھی دور، کسی بھی زمانے میں شرفاء کی بیٹیوں کے لیے بدترین گالی سمجھی جاتی رہی ہے اور یہ ہے بھی مگر آج...... آج میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ ان کاغذ کے بے جان ٹکڑوں کو پا کر ہم سب گھر والے کتنا روئے ہیں مگر یہ آنسو خوشی کے تھے۔ ہم دولت کما سکتے ہیں اپنی محنت سے۔ انصاری ہاؤس سے بھی عالیشان گھر حاصل کر سکتے ہیں مگر فریال...... فریال اگر اس موذی کے ہاتھوں ختم ہو جاتی تو ہم ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر بھی اسے زندگی نہیں دے سکتے تھے۔ زریاب تو وہ سانپ نکلا ہے جس کا ڈسا پانی نہیں مانگ سکتا۔ اب ہماری سمجھ میں آ رہا ہے تایا جان جو پہلے دن سے ہی حقداروں کا حق چھین کر اپنے بچوں کے منہ کے نوالے بناتے رہتے ہیں تو دوسروں کا حق کھانے والوں کی اولاد ایسی ہی نکل سکتی تھی۔ وہ پہلے بھی اچھے کب تھے اسی چکر میں تھے کہ بیا کی زریاب سے شادی ہو جائے تو آدھی جائیداد کے مالک تو آپوں آپ بن جائیں گے۔ پیچھے ہم رہ جاتے ہیں تو اس کے لیے بھی انہوں نے ربیعہ کے سلسلے میں بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ میں ان کی نیت بہت پہلے سے سمجھ چکا تھا اور ڈیڈی اس وقت تک انہیں اپنا بڑا بھائی اور خیر خواہ

سمجھتے رہے۔ بیٹے ہاتھوں کے پیپرز سائن کروانے آئے تو ڈیڈی نے حقیقت کو مانا۔" وہ جی بولتے بولتے تھک کر چپ کر گیا۔

"اور اب بیا......" ضویا دیر بعد آہستگی سے بولی۔

"اب تم اسے کریدو۔ بات کرنے کی کوشش کرو، سمجھاؤ۔"

"وہ آئے گی تو سمجھاؤں گی۔ وہ بھی اگر وہ سمجھنا چاہے تو۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

دونوں چپ بیٹھے رہ گئے۔

اور اس چپ کو تیز آواز سے بجتی ڈوربیل نے توڑا تھا۔ ساتھ ہی کسی گاڑی کے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

"بیا آ گئی۔" ضویا جوش میں باہر کی طرف بھاگی اور گیٹ کھولتے ہی اس کا جوش جھاگ کی طرف بیٹھ گیا۔

☆☆☆

ضویا کے سامنے حارث کھڑا تھا۔

"آپی آئی ہیں؟ دیکھو میں میچ ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔ کدھر ہیں وہ۔ اوکے یار تھینکس بائے۔" وہ مڑ کر اپنے لفٹ دینے والے دوست کو ہاتھ ہلاتے ہوئے اندر آ گیا۔

"مگر تم تو کہہ رہے تھے آج اکیڈمی میں ٹیسٹ ہے۔ تمہارا فزکس کا اور تم میچ مکمل کر آ رہے ہو۔" ضویا وہیں کمر پر ہاتھ جما کر پوچھنے لگی۔

"ڈیئر آپی! میچ کا بھی یہی فائنل تھا۔ سمجھا کرو سب چلتا ہے۔ آپی کدھر ہیں آپی!" وہ پکارتے ہوئے اندر چلا گیا اور ضویا اسے گھورتی رہ گئی۔ ولید کندھے اچکا کر حارث کے پیچھے ہی اندر چلا گیا۔

☆☆☆

"ہر انسان خوش قسمتی یا بدقسمتی کو اپنی نظر سے دیکھتا اور سمجھتا ہے مگر ایک پیمانہ تو سب کی نظروں میں سب سے زیادہ قابلِ قدر ہوتا ہے۔ اور وہ ہے دولت کا پیمانہ!

میری نظروں میں بھی اس پیمانے سے بڑھ کر کبھی کوئی پیمانہ نہیں رہا اور ساری زندگی میں نے اس پیمانے کے تعاقب میں سرپٹ بھاگتے گزار دی اور سرپٹ بھاگنے کے دوران میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کیسے قیمتی انمول رشتے اور لوگ میں خود اپنے ہاتھوں سے جھٹکتا دھتکارتا اسی ایک بے وفا پیمانے کے پیچھے بھاگتا رہا اور اندھا دھند بھاگنے میں، میں یہ قطعاً بھول گیا کہ اس پیمانے سے بے وفا شے بھی اس روئے زمین پر کوئی نہیں بلکہ اس دنیا کے تماش گاہ میں سراسر نظر کا دھوکا ہے۔

دولت کا یہ پیمانہ اگر کبھی میرے پاس آ بھی جاتا تو کتنے دن میرے پاس رہتا؟ گنتی کے چند دن اور ایسا ہوا بھی۔ یہ پیمانہ میرے ہاتھ آیا بھی اور میں نے خود اسے اپنے ہاتھوں سے جھٹک کر چکنا چور کر دیا، ہے نا مزے کا لطیفہ!

اس لاحاصل دوڑ کے دوران میں بھول گیا کہ میری اصل دولت روپیہ پیسہ اور زر و

جواہر نہیں بلکہ مجھ سے وابستہ رشتے ہیں جنہیں اس بے وفا دولت کی خاطر میں ایک ایک کر کے دھتکارتا رہا۔

میری ہر زیادتی طعن و تشنیع لاتوں گھونسوں کے جواب میں بھی مجھ سے وفادار رہنے والی میری پاکباز، پرہیزگار بیوی جس نے میرے ہر ظلم کو صبر کے ساتھ سہنے کی انتہا کر دی اور اس کے صبر نے مجھے اور شہہ دی آج مجھے سمجھ میں آ رہا ہے کہ ظالم کو ظالم کون بناتا ہے مظلوم کی خاموشی اور صبر......

اس نے خاموشی اور صبر سے اپنے اعمال کے توشہ خانے میں میرے لیے دائمی سزا کیسے درج کرائی۔ ہر لات، ہر گھونسے، ہر تھپڑ، ہر الزام کا جواب آج میرے سامنے ان تاریک اندھیری خوفناک راتوں کی صورت میں موجود ہے۔

اور مجھ سا بدنصیب کون ہوگا کہ ہیرے جیسے بچوں کے لڑکپن کو ڈنڈے مارتا، کاغذ کے نوٹوں کے پیچھے بھاگتا رہا اور سچ کہوں تو ان نوٹوں کے حصول کے لیے میں نے کس کس برائی کو اپنے گلے کا بخوشی ہار بنایا، اب یاد بھی نہیں، دھوکا دہی، چھوٹی موٹی چوری چکاری، تھوڑا سا فراڈ، چھوٹا موٹا گھپلا اور سب سے بڑا ہاتھ جو میں نے ایک مالدار عورت سے جھوٹی محبت کا فریب رچا کر شادی کر کے مارنے کی کوشش کی مگر پانسہ الٹا پڑ گیا اور میرے ہاتھ ایک جھنجلائی ہوئی کوفت زدہ ناکام زندگی آئی۔

نیک بیوی کی کھری محبت اور بے ریا ساتھ نے بھی میری آنکھیں نہ کھولیں۔ حقیقتاً میرے قلب پر دولت کی مہر لگ چکی تھی اور یہ مہر آنسوؤں سے، نیکی سے یا دعاؤں کے سحر سے ٹوٹنے والی نہیں تھی اور سچ کہا گیا کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں قلب اندھے ہو جاتے ہیں۔ سو میں دولت کی حرص میں دل کا اندھا ہو چکا تھا۔ سو مجھے کیا سجھائی دیتا تھا۔ الٹا اس ہوس زر میں جو ہاتھ مارا سو الٹا ہی مارا۔

میرے کردار کا گھٹیا پن اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ ایک بار بیوی کے دام بٹورنے کی کوشش کی تو دوسری بار بیٹی کے اور تیسری بار ایک دولت مند مگر یتیم کے۔ اور میری قسمت کا مذاق دیکھو ہر بار مجھے منہ کی کھانی پڑی۔

لیہا انصاری......سعدیہ انصاری کے بعد دوسری بار مجھے اپنی قسمت کی لاٹری لگی تھی کہ جس کا ہر نمبر میرے مقدر سے میچ ہو رہا تھا۔ میں نے اس ٹکٹ کو استعمال بھی بڑی مہارت

سے کیا اور دوسری بار قسمت نے بڑی مہارت سے اس کا جواب میرے منہ پر دے مارا اور دو ڈھائی لاکھ کے چیک اور تھوڑے سے زیورات کے ساتھ بھلا میری حرص کا منہ بند ہوتا تھا؟ مجھے تو ڈھیروں ڈھیر دولت چاہیے تھی۔

اگرچہ وہ دو ڈھائی لاکھ بھی میں نے آرام سے ہتھیا لیے۔ اپنی پھپھی جیسی بیوقوف بھتیجی سے مگر دلِ بے قرار کو قرار نہ تھا اور بالآخر یوں سمجھو ہزار سالہ تپیا کے بعد اس دولت کے طلسم کدے کا دروازہ مجھ پر کھل ہی گیا شائستہ کی صورت میں۔

ہاں! آہ! پھر میری بری قسمت آڑے آ گئی۔

چند دن کے خوابناک عیش کے بعد میری حریص طبیعت نے روز سونے کا انڈا دینے والی مرغی سے سارے انڈے ایک ہی بار حاصل کرنے کے لیے مرغی ہی حلال کر ڈالی اور ساتھ ہی اس طلسم کدے سے ذلت اور رسوائی کے ساتھ دھکا بھی مل گیا۔

آج میں ہوں اور عمر قید کی یہ کال کوٹھری کہ جہاں پورے قد کے ساتھ کھڑا ہوں تو کمر کو خم دینا پڑتا ہے میں جو کبھی خمیدہ کمر تو کیا خمیدہ نہیں چلا تھا اور آج سیدھا کھڑا ہونے سے بھی قاصر ہوں۔

مجھے دولت سے بڑا پیار تھا اور اس پیار نے مجھے قدم قدم پر رسوائی، جگ ہنسائی دی اور میں نہیں سمجھا اور اب اس پیار نے میرے جسم پر ہی نہیں میری روح پر بھی سکون کے نقش کندہ کر دیے ہیں۔ میرے سارے بدن پر اٹھنی، چونی اور روپے برابر ایڈز کے نشانات۔

میرا تو بدن میرے اللہ نے ٹکسال بنا دیا۔ دہکتے ہوئے سرخ سرخ جلتے دہکتے سکے......کوئی میری اذیت میری تکلیف کا شاید ہی اندازہ کر سکے۔ درد و دکھن کے جس جہنم میں دن رات میرا بدن سوکھی لکڑی کی طرح جل رہا ہے اور کوئی خیال کرنے والا تو درکنار میری حالت دیکھنے والا بھی نہیں۔ اور یہ سب لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ میری حالت پہ رحم کھا کر میرے لیے رحم کی دعا کی جائے، مجھ جیسا رزیل، گھٹیا انسان کسی رحم، کسی ہمدردی کی دعا کا مستحق نہیں اور سچ کہوں تو میرا دل اس تکلیف دہ حالت، مار دینے والی تنہائی اور گھنگھور اندھیرے سے نہیں گھبراتا۔ سوچتا ہوں شاید اسی طرح اگلی زندگی کی دائمی سزا میں کچھ کمی واقع ہو جائے تھوڑی سی معافی مل جائے۔

تو پھر یہ سب لکھنے کا مقصد؟ یہ سب پڑھ کر بھی جن جن کی زندگیوں کو میں نے دوزخ بنانے کی کوشش کی، ان کے دلوں میں میرے لیے ہمدردی کی رمق پیدا نہیں ہو سکتی۔

لیہا انصاری! بیٹی اس لیے نہیں کہوں گا کہ مجھ جیسا بد بخت باپ کہلوانے کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا۔ جو اپنی فرشتوں جیسی معصوم بیٹی کے جذبات کو روندنے اور اس کی روح تک کچلنے سے دریغ نہ کرے، وہ کیسے باپ کہلا سکتا ہے؟

میں نے دیکھی تھی تمہاری آنکھوں میں اس منحوس پیمانے کے لیے تڑپ، تشنگی اور حسرت...... نعمتیں جب تک ہمارے پاس ہوں انہیں محسوس تک نہیں کرتے بلکہ اکثر دوسروں کی طرف دیکھ کر اپنی حالت پر جلتے کڑھتے ہی رہتے ہیں۔ میں نے بھی تو ایسا ہی کیا۔ کبھی باپ کی محبت نے انسانی فطرت سے مغلوب ہو کر بچوں کو سینے سے لگانے کی خواہش بھی کی تو ہمیشہ ''دفع دور...... یہ کھوٹے سکتے ہیں'' کہہ کر جھٹک دیا اور آج...... آج بری طرح سے یہ زخمی دل ہمک رہا ہے کوئی...... کوئی میرے پاس ہو...... روشی...... رافع ایک بار ایک بار...... میں اپنے بچوں کو گلے لگا سکوں، گلے نہ بھی لگا سکوں، ان کو چھو کر ان کا محبت بھرا لمس اپنی انگلیوں کی پوروں میں محفوظ کر سکوں۔

مگر میں نے تو انہیں کبھی نعمتیں کیا، ساتھ رہنے والے بھی نہ گردانا اور آج...... یہ تو میری تا عمر کی بے بسی ہے جس کا کوئی اعلان نہیں۔

اور نعمتیں جو تم سے چھن گئیں ان کا ملال ہمہ وقت ہماری حسرت بھری نگاہوں میں، میں نے ہلکورے لیتے دیکھا۔

اب اس کال کوٹھری میں بیٹھ کر سوچتا ہوں، تجزیہ کرتا ہوں کہ ہم سے وہی کچھ چھینا جاتا ہے جو ہمارا ہوتا ہی نہیں۔

اور چھوٹا نقصان ہمیشہ بڑے فائدے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور ہم بے تحاشا واویلا نہ کریں تو۔

رافع، مجھ جیسے بدنصیب کھوٹے سکے جیسے انسان کا کھرا، ہیرے جیسا بیٹا ہے کہ جسے یقیناً بیٹا پکارنے کا بھی مجھے حق نہیں مگر تم نے میری کمینگی اور گھٹیا پن کے باوجود میرے ساتھ نیکی کی ہے۔ میرے چار آنسو بہانے پر اپنی کل متاع میرے حوالے کر دی۔ اس وقت تو مجھے اپنی کامیاب اداکاری پر ہنسی اور تمہاری بیوقوفی پر مزہ آیا تھا اور آج سوچتا ہوں تو تمہاری یہ معصوم حرکت میرے لیے حسد و رشک کا باعث ہے کہ تم نے کس طرح اپنے نصیب کے خسارے کو میرے تقدیر کا حصہ بنا دیا۔

''انصاری ہاؤس'' کا جھوٹا سہارا، مصنوعی خوشی تم سے چھین کر رافع جیسے انمول انسان کی رفاقت شاید تمہاری اس معصومیت کو دیکھتے ہوئے رب نے تمہاری قسمت میں لکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیہا انصاری! خوشیاں مناؤ اور سارے آنسو دھو ڈالو...... کہ میری کمینگی اور گھٹیا پن نے تمہارے لیے دائمی مسرت کا اہتمام کر ڈالا اور کبھی روپے جیسی بے جان چیز کے چھن جانے پر ایک آنسو بہ بہانا۔ اپنے انمول آنسو اس چیز کے لیے بہاؤ جو تمہارے لیے رو سکتا ہے اور دولت جیسی بے وفا شے کسی کے لیے ایک قطرہ آنسو نہیں بہاتی پھر ہم اس کے چھن جانے پر کیوں روتے ہیں؟

تمہاری اصل دولت رافع جیسا بلند کردار انسان ہے اور دیکھنا تمہاری یہ دولت دن بدن دوگنی چوگنی ہوتی جائے گی کہ تمہارے دل سے اس کے چھن جانے کے سارے ملال کہیں گم ہو جائیں گے۔ اسے محض ایک باپ کی بے جا تعریف نہ سمجھنا اپنے بیٹے کے لیے بلکہ قربتِ مرگ کی گھڑیوں میں اذیت کے جہنم سے گزرتے انسان کا بے ریا مخلص مشورہ جاننا۔

تمہیں چھوٹے دکھ پہنچا کر بڑی خوشیوں کی نوید سنائی گئی ہے اس نوید کو کان لگا کر سنو۔

جانے سے پہلے معافی نہیں مانگوں گا نہ تم سے نہ کسی اور سے، مجھے معلوم ہے میں معافی کا حقدار ہوں ہی نہیں۔

اور اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دینا آفتاب زبیری کو یہ گوارا نہیں کہ اذیت کی ان گھڑیوں میں کوئی غائبانہ ہی اس پر ترس کھائے۔ ہاں روشی سے جب بھی ملاقات ہو تو ایک الگ پیار بھرا ہاتھ میری طرف سے اس کے سر پر ضرور رکھ دینا۔

یہ خط میں تم تک کیسے پہنچا رہا ہوں؟ ان سارے بے جان نوٹوں کے بدلے جو میں نے تم سے ہتھیائے تھے، اب میرے لیے کاغذ کے پرزے ہیں کسی کے کام آ جائیں گے۔''

اندھیری رات کے مسافر کا آخری پیغام

صبح کے اجالوں کے نام

خط پر جا بجا آنسوؤں کے دھبے تھے اور ٹوٹی پھوٹی تحریر، بے ربط جملے آفتاب زبیری کی شکستہ حالت کے گواہ تھے۔

وہ خود بھی تو رو رہی تھی۔

اس منحوس خاکی لفافے کا عقدہ حل ہو چکا تھا۔ اور اب اسے یاد آیا تھا ملازمہ ۔ اسے یہ کہہ کر لفافہ دیا تھا کہ آپ کے پرانے محلے سے کوئی شخص دے کر گیا ہے۔ وہ اس وقت فریال کی اذیت بھری کہانی سن کر آ رہی تھی۔ ذہنی طور پر بری طرح سے ٹوٹ پھوٹ کا شکا تھی۔ اس نے تو شاید ملازمہ کی بات بھی نہیں سنی تھی۔ خاکی لفافے سے فوراً ہی طلاق کے وسوسے نے سر اٹھایا اور اس کے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی۔

وہ زریاب سے ملنے کے بعد اپنے برباد دل کو پھر سے آباد کرنے کے لیے، اس کے ہمراہی کے لیے بری طرح سے بے تاب ہو رہی تھی۔ اس وقت تو اسے زریاب ہی اپ ہر درد کا درماں، ہر زخم کی دوا لگ رہا تھا جو اس کے خوبصورت رومانس بھرے ماضی کو ایک با پھر زندہ کر کے اس کی زندگی کا حصہ بنا سکتا تھا اسی لیے تو رافع سے علیحدگی کے مطالبے میں شدت آ گئی تھی۔ اور زریاب کی جو بھیانک صورت فریال نے اسے دکھائی تھی، اسے لگا وہ اپ کوتاہ بینی اور حماقت کے ہاتھوں خود اپنی زندگی کی کشتی کو آگ لگانے چلی تھی۔

رافع کے ساتھ وہ کیوں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی تھی؟ وہ جب بھی رافع کی دبی ہوئی شخصیت کی زریاب کی شاندار، ڈیشنگ پرسنالٹی اور دولت کی چمک دمک سے مقابلہ کرتی تو دل ہر سمجھوتے سے انکار کر دیتا۔

اس کے دل کی دوسری چبھن، جب اس نے رافع کو روشی کے معاملے میں جنگلیوں کی طرح چیختے اور گالیاں بکتے سنا۔

اور جو زبان اور فحش گفتگو زریاب کے بارے میں فریال نے بتایا۔ رافع کی بدکلامی اس کے عشر عشیر بھی نہیں تھی۔

زریاب کے مقابلے میں رافع کی غربت!

مگر آج وہ جس مقام پر کھڑا تھا وہ اس کی اپنی ان تھک محنت کا پھل تھا۔ کسی کے باپ کی بخشی ہوئی وراثت نہیں جس کے بل بوتے پر زریاب اپنا قد کاٹھ اونچا کیے کھڑا تھا۔

اور میرا دل جو اس سے خائف تھا اس دل میں لطیف درد نے کروٹ لی کہ و مجھے...... ایہا انصاری کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔ ہاں صرف یہ غم تھا سب سے بڑا کہ وہ مجھے اگنور کر رہا ہے۔

"یعنی ابھی رافع نے کوئی فیصلہ نہیں کیا...... اور ان سارے نئے واقعات کی روشنی

میں ابھی تو میرے دل نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔" اچانک ہی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی نہ جانے کب کا سینے میں گھٹا ہوا سانس اس نے بے حد اطمینان سے خارج کیا۔

"وہ سب کچھ جو میرے دل کے نہاں خانے میں اندر ہی اندر کہیں پوشیدہ ہے وہی سب تو رافع کے دل میں ہے تب تو وہ میری ضد کو ٹالے جا رہا ہے۔

وہی...... وہی تو ہے میرا چارہ گر...... میرے ہر درد کی دوا اور میں خواب کے پیچھے، سراب کے پیچھے خوار ہو رہی تھی۔"

وہ آنکھیں موندے مسکرائے جا رہی تھی۔ ایک زمانے کے بعد جیسے اس کے اعصاب پہ دھری غم کی چٹانیں ایک ایک کر کے اس کے قدموں میں جا گری تھیں۔ اس کے کندھے ہر بوجھ سے آزاد ہو گئے تھے۔ وہ اٹھی اور خط کو ضائع کرنے چل دی، آفتاب زبیری کی خواہش کے مطابق...... شاید اسی ایک نیکی کے عوض اس دنیا یا اس دنیا میں آفتاب زبیری کی سزا میں تخفیف ہو جائے۔

"ان کے مجھ پر ایک نہیں دو احسان ہیں۔ ایک اس طوفانی رات کو مجھ پر جھوٹا الزام لگانے کا احسان اور دوسرا آج۔" وہ جلتے ہوئے کاغذ کے شعلوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"اسی لیے پھپھو رو رہی تھیں۔" اسے سعدیہ بیگم کے آنسو یاد آئے دفعتاً باہر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"رافع کا فون ہو گا۔" پہلی بار اس کا دل فون کی گھنٹی سن کر انوکھی تال پہ دھڑکا تھا۔

وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

"تمہارے پاس مجھ سے ملنے کے لیے صرف اڑتالیس گھنٹے ہیں۔ ان دو دنوں کے دوران اگر تم مجھ سے ملنے نہ آئیں تو مجھ سے محبت کے جو نئے پیمان تم نے باندھے ہیں پرسوں تک سارے شہر میں نشر ہو جائیں گے۔ مجھے معلوم تھا تم ایک دن میرے ساتھ یہ کٹھور رویہ ضرور اپناؤ گی اسی لیے...... میں نے اس دن کی تیاری پہلے سے کر رکھی تھی۔ ہم دونوں کے بیچ ٹیبل پر پڑے میرے بلیک بیری کا ریکارڈنگ بٹن ہمیشہ آن ہوتا تھا کہو تو کوئی خوب صورت سے دو چار جملے سنوا دوں یا تم یونہی مجھ سے ملنے آ جاؤ گی؟" اس وقت اس کی جو ذہنی حالت تھی وہ کسی بھی طرح زریاب کے فون کے لیے تیار نہ تھی اور اس کا فون نہ سننے کے لیے تو اس نے اپنا سیل فون مسلسل آف کر رکھا تھا۔ مگر وہ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر سکتا ہے

اس کا اسے قطعاً اندازہ نہیں تھا۔

"نہیں...... میں نہیں آؤں گی جو کر سکتے ہیں، کر لیں۔"

وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"ویل، ویری ویل۔ مجھے تمہاری یہ بہادری پسند آئی۔

او کے، اب سب کچھ تمہارے حسب خواہش ہو گا بلکہ یہ تو تمہارے ساتھ نیکی ہی ہو گی کہ رافع جو تمہیں طلاق دینے پر آمادہ نہیں وہ تمہاری رومانٹک گفتگو سننے کے بعد ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرے گا۔ چلو ہم کسی کو بھلا ہی کر سکیں۔ تم نہیں آتیں نہ سہی کل یا پرسوں شام کو میں خود حاضر ہو جاؤں گا کیونکہ تین دن بعد میری سیٹ کنفرم ہے۔ اب جانے سے پہلے اپنی ڈارلنگ سے آخری ملاقات نہ کی تو یہ پیار کی بدنامی ہو گی چلیں۔ جی محبت کے سارے تقاضے ہم ہی نبھائیں گے۔ او کے ٹیک کیئر، باقی ملنے پر۔"

اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

اسے تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ جس شاخ پر بیٹھی تھی بار بار اسے کاٹنے کی کوشش کر چکی ہے اور آج اس کی یہ کوشش رنگ لا رہی تھی۔

"تو یہ ہے میری زندگی میں خوشی کی حقیقت...... رافع کتنا ہی بلند کردار، روشن خیال، کھرا اور مخلص کیوں نہ ہو کم از کم بے غیرت نہیں۔ اس کا تو مجھے اچھی طرح سے علم ہے جب بھی موقع آیا وہ غیرت پر محبت اور اپنی ذات کی ہر خوشی کو قربان کر ڈالے گا۔ اوہ میرے خدا! یہ میں نے کیا کیا۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے جھکتی چلی گئی۔

☆☆☆

"کل سے عارفہ بھابھی اور ضویا کے دس فون آ چکے ہیں کہ تم اچانک کیوں چلی آئیں اور فوراً آنے کا کہہ کر آئی تھیں پھر آئیں بھی نہیں۔ بے چارہ حارث تو تم سے ملا بھی نہیں۔ چلو رہنا نہیں ویسے جا کر مل آؤ۔"

پھپھو اٹھتے بیٹھتے اسے کہہ رہی تھی۔

اور وہ بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھے جاتی یا وہاں سے اٹھ کر چل دیتی۔

"آخر ہوا کیا ہے، کچھ پتا بھی تو چلے کسی نے کچھ کہہ دیا اور یہ رافع کو دیکھو پورے

چار دن ہو گئے آج، کوئی فون نہیں آیا خود کر رہی ہوں تو وہ مشین بولتی ہے آگے سے...... ایسے تو کبھی نہیں ہوا کہ وہ مجھے فون کرنا بھول جائے۔" وہ بات کرتے کرتے اٹھ کر چل دیں۔

"عصر کا ٹائم ہو رہا ہے، نماز پڑھ لوں۔ تم بھی اٹھ کر پڑھ لو اور چلو دو گھڑی جا کر ان سے مل آتے ہیں۔ تم ذرا رافع کو فون کرنے کی کوشش کرو تو شاید نمبر مل ہی جائے۔" وہ جاتے جاتے اسے کہہ گئیں۔

وہ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

"زریاب کا ڈیڈ لائن ختم ہونے میں چند گھنٹے باقی ہیں۔ رات کو یا کل شام...... یا اللہ! میں کیاں کروں...... " پھپھو کو بتا دوں سب۔ وہ کیا سوچیں گی کہ میں اس طرح جھوٹ بول بول کر اس سے ملنے جاتی تھی۔ بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ۔"

وہ بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

وہ ایک پل کو خوفزدہ سی ہو گئی۔

"زریاب کا فون ہو گا۔" وہ وہیں کھڑی سہمی ہوئی نظروں سے بجتے فون کو دیکھتی رہی۔

"رافع کا فون نہ ہو میں اسی سے پوچھوں وہ کب آ رہا ہے۔" اسے اس پل رافع کا خیال کسی ڈھال کی طرح لگا تھا، چھپر چھاؤں کی طرح...... بے اماں گھڑی میں کسی سائبان کی طرح۔

"ہیلو۔" اس نے کانپتی آواز میں ریسیور کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"بیا بیا! تم آ جاؤ...... تم کیوں چلی گئی تھیں می......" ضویا بری طرح سے رو رہی تھی۔

"ضویا! کیا ہوا! بولو کیا ہوا ممی کو؟" وہ تڑپ کر بولی۔

"ابھی تایا جی آئے تھے انہوں نے ممی کو، چاچو کو، ولید کو بہت برا بھلا کہا اور ساتھ ہی کہہ گئے کہ ہم لوگوں کا جتنا بھی حصہ بنتا تھا وہ ماہانہ خرچ کی صورت میں انہیں دیتے رہے ہیں۔ سارا حساب کتاب ان کے پاس لکھ رکھا ہے ہمارے حصے میں فقط دو تین لاکھ آئیں گے ورنہ کہتے ہیں تم لوگ کیس کر دو۔ ممی تو کچھ بول ہی نہ سکیں وہ گرجتے برستے چلے گئے اور ممی وہیں بے ہوش ہو گئیں۔ میں انہیں ہسپتال لیکر جا رہی ہوں۔ پلیز تم آ جاؤ۔"

"میں آ رہی ہوں ضویا! تم فکر نہیں کرو گھبراؤ نہیں میں آ رہی ہوں۔" وہ آنسوؤں کے درمیان تیزی سے بولی۔ ضویا شاید پہلے ہی فون بند کر چکی تھی۔

"کیا ہوا؟" پھپھو اس کی پریشان آواز سن کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں تو اس

نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی۔

”اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ پتا نہیں بھائی صاحب نے اس دولت کی خاطر اور کتنی جانو سے کھیلنا ہے اور جس کے لیے یہ سب کچھ سمیٹ رہے ہیں وہ عیش میں اڑاتے ہوئے گویا۔ تیلی لگا رہا ہے۔ چلو تم کپڑے بدل لو ہم بھی چلتے ہیں۔“ وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے بولیں۔

”نہیں، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں چلیں۔“

وہ دونوں جب ہسپتال پہنچیں تو عارفہ بیگم کو آئی سی یو میں لے جایا جا چکا تھا۔

”ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں اگلے چوبیس گھنٹے ان کے لیے بے حد خطرناک ہیں، اگر سروائیو کر گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ...... بہت جان لیوا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔“ ضوبیا نے رو۔ ہوئے بتایا تھا۔

کھڑے کھڑے سب کی ٹانگیں شل ہو گئیں اور دعا کرتے لب تھکنے لگے۔ باہر شا گہری رات میں ڈھل رہی تھی۔ اس کا موبائل بار بار بج رہا تھا اور ہر بار نمبر دیکھتے ہی اس دل ڈوبنے لگتا۔

اسے رافع کی کال کا انتظار تھا اور زریاب...... شاید انتظار کی آخری انتہا پر تھا۔

”بیگم صاحبہ! مجھے اجازت ہے میں جاؤں۔ موسم بھی خراب ہو رہا ہے۔“ ڈرائی سعدیہ بیگم کے پاس آ کر بولا تھا۔

”ہاں تم جاؤ۔“ انہوں نے اسے اجازت دے دی۔

”ٹھہرو حبیب گل۔“ وہ چند لمحوں بعد اس کے پیچھے چلی آئی۔

”مجھے جاتے ہوئے ذرا ڈراپ کر دینا۔“ اس نے آر یا پار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”یوں اس کو اور شہہ ملتی جائے گی، مجھے کھا تو نہیں جائے گا۔ جو ہو گا دیکھا جا گا۔“ اس نے دل میں سوچا اور پھپھو کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر چلی آئی۔

”بی بی جی! باہر موسم بہت خراب ہے۔ بارش ہو رہی ہے اور بادل۔“

”تم مجھے صرف ڈراپ کرو گے۔“ وہ دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

باہر تیز بارش ہو رہی تھی اور سارا آسمان بادلوں سے اٹا پڑا تھا۔

”تو میری قسمت کا فیصلہ آج پھر یہ دیوانہ وار برستی بارش ہی کرے گی۔“ وہ د

اسکرین پر تیزی سے گردش کرتے وائپرز کو دیکھتے ہوئے ہنسی تھی۔

وہ اب اس کشمکش کے برزخ سے نکل آنا چاہتی تھی اور اس برزخ سے نکلنے کا تاوان کیا ہو گا اس کی خبر اس کے دلِ ناداں کو نہ تھی۔

☆☆☆

”وہ کہہ رہے ہیں وہ نیچے نہیں آ سکتے انہیں ٹمپریچر ہے، آپ اوپر آ جائیں۔“ ریسپشنسٹ نے ریسیور رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ وہ چند لمحے سنگی فرش پر جیسے گڑی رہ گئی۔

”یہ خوف یہ وحشت میری جان لے لے گا۔ آج جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“ اس نے لفٹ سے اتر کر کاریڈور کے ریڈ کارپٹ پر چلتے رکتے بے شمار بار سوچا اور آخر کار فیصلہ کر لیا۔

”بس جو ہو سو ہو۔“ اور وہ اندر داخل ہو گئی۔

وہ واش روم سے گیلا چہرہ لیے نکل رہا تھا اس کی طرف دیکھ کر بڑی جاندار مسکراہٹ اچھالی۔

”میں نیچے آنا چاہ رہا تھا مگر نقاہت ہلنے نہیں دے رہی تھی۔ اسی لیے تمہیں زحمت دی ورنہ تمہارے خوف سے میں آگاہ ہوں۔“ وہ جتانے والے انداز میں بولا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے کنکھیوں سے سائیڈ ٹیبل پر پڑی ’بوتل‘ کی طرف دیکھا زریاب کی آنکھوں کے سرخ ڈورے اور لڑکھڑاتا لہجہ تو اس کا گواہ تھا۔

”بیٹھو نا، میں جانتا ہوں تم کتنی بہادر ہو۔“ اس نے بے تکلفی سے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کاؤچ پر بٹھانا چاہا۔

”پلیز۔“ وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

”میں خود بیٹھ سکتی ہوں اور میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔“ اسے یک دم یاد آیا تھا کہ ممی ہسپتال میں ہیں اور کس وجہ سے ہیں۔ اس کا خون کھولنے لگا۔

”میں جانتا ہوں مائی ڈیئر! یہ ادائیں حسن والوں کی شان ہوتی ہیں۔“ تمہاری موجودگی اور یہ قاتل موسم ہم خود کو سنبھالیں تو کیسے؟“ وہ لڑکھڑاتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

”شٹ اپ......“ اس نے چلاتے ہوئے اسے دھکا دینے کی کوشش کی مگر وہ تو کسی بھاری چٹان کی طرح وزنی تھا۔

”چھوڑو مجھے...... چھوڑو......“ اس نے پوری طاقت لگائی تھی اسے دھکیلنے کے لیے۔

''چھوڑنے کے لیے تو نہیں پکڑتا زریاب...... بس چند خوب صورت لمحات حسین شام میں اپنے اس پروانے کی جھولی میں ڈال جاؤ اور بس...... اتنی سی بات کے اتنے نخرے...... بھول گئیں کبھی ہم بھی تمہاری چاہ تھے۔ تمہاری صبح تھے تمہاری شام تھے تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد......'' وہ اس کے بازو جکڑے لڑکھڑاتی آواز میں کہہ رہا تھا۔

اسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی کمزور اور کم ہمت ہے تھوڑی سی کوشش اور آزمائی کے بعد ہی اس کی ہمت دم توڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے ا

جس کے ساتھ کبھی اس نے دن رات رو رو کر دعائیں مانگی تھیں آج اس ساتھ رسوائی اس کا مقدر بننے والی تھی۔

''میں نے ایسا کیوں کیا......؟ کیوں آ گئی اکیلی ادھر فریب کھانے...... فریال کہا تھا...... بیا! وہ انسان کے روپ میں بھیڑیا ہے شیطان ہے...... اور میں نہ جانے کس میں اس شیطان سے نپٹنے چلی آئی، میرے خدا میری مدد کر......''

اور پھر تو نہ جانے کیسے اس کے اندر کوئی لاوا سا بھڑک اٹھا تھا۔

اس نے زریاب کے ہاتھ پر زور سے کاٹتے ہوئے پوری طاقت سے اسے دھکا اور کاؤچ کے دوسری طرف الٹ گئی۔

زریاب شاید اس کے کمزور پڑ جانے سے اس دھکے کے لیے تیار نہیں تھا گر ہوئے اس کا سر بیڈ کی سائیڈ سے ٹکرایا چند لمحوں بعد وہ سر پکڑ کر بمشکل اٹھا۔

لیبا کے پاس بھی چند لمحے تھے۔ اس نے واش روم کے پاس پڑا ٹیبل کا گملا اٹھا زریاب کی طرف پھینکا۔ اور زریاب کے منہ سے نکلنے والی تیز چیخ نے اسے بتا دیا کہ اس نشانہ خطا نہیں ہوا۔

وہ اس کے گرنے کا انتظار کیے بغیر دروازے کی طرف لپکی پتا نہیں دروازہ باہر۔ لاگ تھا یا آٹومیٹک لاک ہو گیا تھا اس کی ہزار کوشش اور جھٹکوں سے بھی نہ کھل سکا۔

زریاب دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ چیختی ہوئی واش روم کی طرف بڑھی اور جلدی سے اندر گھس کے لاک لگا لیا۔

وہ اب دروازہ کھولنے کی کوشش کرے گا۔ اگر اس نے لاک باہر سے کھول لیا تو۔'' ا نے گھبرا کر دروازے کے اوپر لگی چٹخنی بھی چڑھا لی اور خود نیچے گرتے ہوئے بے اختیار رونے گی۔

کتنی ہی دیر گزر گئی اسے کچھ پتا نہیں چلا۔

''کیا کروں، باہر بھی مکمل خامشی ہے کیا معلوم وہ درندہ گھات لگائے بیٹھا ہو...... اب کیا میں ساری رات ادھر...... ایک بار پھر، نہیں نہیں، میرے خدایا...... اب کی بار نہیں۔ رحم کر مجھ پر، رحم کر، میری خطائیں بخش دے۔ ممی، پھپھو میں نے کیا کر ڈالا کیا کروں؟'' وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

باہر ابھی بھی بارش ہو رہی تھی۔ باتھ روم کی چھت کے پاس چھوٹا سا روشن دان تھا بارش کی آواز ادھر ہی سے آ رہی تھی۔

''یا اللہ! کیا کروں، کیا دروازہ کھول کر باہر جاؤں۔'' وہ وحشت بھرے انداز میں اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

کان لگا کر دروازے سے باہر کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر باہر مکمل خامشی تھی۔

''اگر زریاب کو کچھ ہو گیا...... وہ گملا کتنا بھاری تھا اس کے شاید خون بھی نکل رہا تھا...... میں یہاں باتھ روم میں بند...... اور وہ باہر مردہ...... نہیں نہیں، میں مر جاؤں گی۔'' اس خیال سے تو اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی ایسا بہر حال اس نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔

''اگر زریاب ٹھیک ٹھاک ہوا اور ہوش میں...... اور میرے انتظار میں...... اور اگر وہ...... مر گیا ہو...... تو بھی میں نہیں بچ سکوں گی۔''

ایک طرف کنواں اور دوسری طرف کھائی والا حساب تھا۔ اسے لگا یہ منحوس بارش اس کی زندگی کو آخری اندھیروں کے حوالے کرنے آئی ہے۔

وہ نیچے بیٹھ کر ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''کاش میں کسی کو بتا ہی آتی...... ولید کو ہی ساتھ لے آتی، کسی کو تو ہمراز بنایا ہوتا...... حارث کو لے آتی...... میرا موبائل باہر پڑا ہے...... کمرے میں...... اگر میں کسی طرح ولید کو کال کر سکوں...... مگر باہر کیسے جاؤں؟''

اور پھر شاید اس کے آنسوؤں پر تقدیر کو ترس آیا یا کسی دل سے چاہنے والے کی کوئی دعا اس کے حق میں مقبول ہوئی یا اس کی اپنی ہی کسی نیکی کا بدل...... اس کے کان قریب ہی کوئی غیر مانوس سی آواز سن رہے تھے۔

اس نے گھبرا کر چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور ادھر ادھر دیکھا۔

"اوہ میرے خدایا......! مائی گاڈ اوہ......" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ سارے سفر کے دوران ایک پل کے لیے پرسکون نہیں ہو سکا تھا۔ اس ذہنی کھچاؤ نے اس اعصاب شکل ڈالے تھے مگر کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ ایک آخری حل تو ان کاغذات کی صورت میں اس کے بریف کیس میں موجود تھا جو وہ ڈائیورس پیپرز کی شکل میں تیار کروا کے لے جا رہا تھا۔

بیا کے لیے...... جو اس نے اپنے لیے اکلوتی فرمائش کی تھی...... وہ کیسے اس کی یہ خواہش پل صراط سے گزر کر پوری کرنے کے قابل ہوا تھا یہ بس وہی جانتا تھا۔

"کاش...... کاش پہلے دن سے میں اپنے دل میں چھپے ان جذبات کو بیا پر آشکار کر دیتا خواہ اسے ناگوار ہی گزرتا جس طرح آہستہ آہستہ وہ ناموافق ماحول میں رہنے کی عادی ہوتی چلی گئی اسی طرح میرے جذبات بھی اس کے دل پر خواہ ہولے ہولے سہی اثر کر ہی جاتے مگر میں نے تو ان جذبات کو سیپ کے موتی کی طرح سخت بول جیسے نظر انداز کر دینے والے رویے کے پیچھے چھپا کر رکھا، اچھے حالات سے مشروط کر کے...... جب میں بیا کے لیے سب سہولتیں حاصل کر لوں گا پھر ان موتیوں جیسے سچے آبدار کھرے جذبات کو اس کے سامنے کھول کر رکھ دوں گا۔

اور میں جو ساری زندگی وقت کی قدر کو اپنی ہر ترجیح پر اولیت دیتا رہا، بیا کے معاملے میں بھول گیا کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا کہ مناسب موافق حالات پیدا ہونے پر مجھ جیسے منصوبہ ساز اپنے جذبات کا اظہار کریں۔ اور سب کچھ میری مرضی، میری پلاننگ کے مطابق تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ انتظار کرتے کرتے تھک گئی اور بری طرح سے مجھ سے متنفر ہو گئی کہ پھر میرے ہلکے پھلکے اظہار محبت اس کی معمولی سی توجہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ اب میرے پاس اس کو دینے کے لیے سب کچھ ہے سوائے گزرے وقت کے۔ جب اسے میری محبت کی سخت ضرورت تھی۔ اور اب میں چاہوں بھی تو اسے یقین نہیں دلا سکتا اور زبردستی...... زبردستی جانوروں کو باندھا جا سکتا ہے انسانوں کو نہیں...... اور پھر میاں بیوی کے رشتے دو طرفہ محبت، ضرورت اور احساس ہی باندھ سکتا ہے سمجھوتہ یا مجبوری نہیں اور ہم دونوں کے بیچ اب کچھ بھی نہیں بچا۔" ٹیکسی گھر کے آگے رکنے تک وہ ان ہی الجھی ہوئی بے تکی سوچوں میں الجھتا پریشان ہوتا رہا۔

"ایں...... بارش ہو رہی ہے۔" ٹیکسی رکنے پر اس نے چونک کر باہر دیکھا۔

جب وہ ایئرپورٹ سے ٹیکسی میں بیٹھا تھا اس وقت تو بارش نہیں ہو رہی تھی۔

"اچھا تم رکو۔" میں ذرا گیٹ کھلوا لوں پھر سامان اترواتا ہوں۔" اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہہ کر دروازہ کھولا اور تیز بارش کی بوچھاڑ سے بچتا بچاتا گیٹ تک پہنچ کر بیل بجانے لگا۔

کتنی دیر تک بیل بجانے کے باوجود کوئی باہر نہیں آیا تھا۔

"یہ انجام ہوتا ہے مسٹر رافع سرپرائز دینے کا۔ اب بھگتو۔" اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

دو تین بار مزید بیل بجانے کے بعد وہ دوبارہ ٹیکسی میں آ بیٹھا۔

"کمال ہے سب کدھر چلے گئے۔ امی تو جاگ ہی رہی ہوتی ہیں اور ابھی تو دس بھی نہیں بجے۔" گاڑی میں بیٹھ کر پہلے وہ گھر کے فون پر ٹرائی کرتا رہا پھر لبیبا کے موبائل پر مگر کہیں سے کوئی رسپانس نہیں مل رہا تھا۔

آخر تھک کر اس نے ولید کے موبائل پر کال کی۔

"ہاں رافع! ہم سب ادھر ہسپتال میں ہیں۔ عارفہ تائی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ پھپھو بھی ادھر ہی ہیں تم فی الحال ادھر ہی آ جاؤ۔"

ولید نے اسے ہسپتال کا پتا بتاتے ہوئے آنے کو کہا تو اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے ٹیکسی والے کو چلنے کو کہا۔

اسے نہیں پتا تھا کہ عارفہ مامی کی طبیعت اس قدر خراب ہو گی۔ سب ہی کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔ سامان ایک طرف رکھ کر وہ سعدیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی جس کی ایک جھلک دیکھنے کو وہ کب سے بے تاب تھا، نہ جانے کیسی جھجک تھی کہ وہ کسی سے بھی اس کے بارے میں پوچھ نہ سکا۔

"بیا تو گھر میں ہی ہو گی، اس نے دروازہ کیوں نہیں کھولا۔ نو بجے کے قریب تو ادھر سے گئی تھی میں سمجھی گھر چلی گئی ہے۔" چند لمحوں بعد سعدیہ بیگم بولیں تو وہ حیران نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"گھر پہ تو کوئی بھی نہیں تھا۔" جملہ اس کی نوک زبان پر آتے آتے رک گیا۔ اس طوفانی بارش میں اور رات کے وقت ماں کی یہ حالت دیکھ کر بھلا وہ گھر کیوں جائے گی؟ وہ امی

سے پوچھنا چاہ رہا تھا مگر پوچھ نہ سکا۔ اضطراب میں وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں عشاء کی نماز پڑھ آؤں، دیر ہو گئی ہے۔ تم بیٹھو ادھر۔" سعدیہ بیگم کہتے ہوئے برآمدے کے آخر میں بنے "نماز گاہ" میں چلی گئیں۔

"ڈاکٹرز صاحب سے میں ذرا پتا کر کے آؤں کیا کنڈیشن ہے۔" ولید تھوڑی دیر بعد آہستگی سے بولا۔

"ولید میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" ضوبا بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔ حارث آئی سی یو کی اکلوتی کھڑکی کے ساتھ کھڑا اندر زندگی اور موت کی جنگ لڑتی ماں کو دیکھے جا رہا تھا۔

سیل فون بجنے کی مدھرتیون نے رافع کو اپنی پریشان سوچوں سے چونکایا تھا۔

سامنے صوفے پر ولید کا موبائل پڑا تھا جاتے ہوئے شاید وہ ادھر ہی بھول گیا تھا۔

رافع نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھا لیا۔

"و...... ولید...... میں بیا! پلیز کم ٹو ہیلپ می...... میں ہوٹل...... کے کمرہ نمبر...... میں ہوں میں یہاں لاکڈ ہوں۔ پلیز آ جاؤ۔" وہ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور رافع کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

اسے بیا کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر ہچکیاں سن کر اس کی سماعتوں میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"وہ اس وقت ہوٹل کے کمرے میں کیا کرنے گئی ہو گی اور...... اور ولید کو فون۔"

"اللہ کا شکر ہے چھوٹی تائی کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ ڈاکٹرز کا مطمئن ہیں۔ خطرہ تو ابھی ہے مگر پہلے سے کم تمہارا آنا مبارک ہوا۔" اسی وقت ولید اندر آتے ہوئے بولا تو رافع نے چونک کر ہاتھ میں پکڑا موبائل دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے ہاتھ پشت پر کر لیا۔

"تمہارے پاس گاڑی ہے نا!" وہ یک دم ولید سے بولا۔

"ہاں ہے۔" وہ کچھ حیران سا بولا۔

"مجھے ذرا چابی دو میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

وہ عجلت بھرے انداز میں بولا تو ولید نے کچھ بھی پوچھے بغیر چابی نکال کر اس ہاتھ پر رکھ دی تو وہ ولید کا موبائل آہستگی سے پیچھے صوفے پر رکھتے ہوئے "ابھی آتا ہوں۔" کہہ

کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

دروازہ لاکڈ تھا چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر مکمل خاموشی تھی۔

اس نے ایک قدم پیچھے ہو کر روم نمبر پڑھا، یہی نمبر تھا جو لیہا نے بتایا تھا۔ رافع نے اب کے ذرا زور سے دستک دی۔ مسلسل خاموشی پر اس نے کی ہول سے اندر جھانکا۔

سامنے بیڈ خالی تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑی بوتل نے اس کا خون کھولا دیا۔ اس نے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔

"لیہا! تم اندر ہو تو دروازہ کھولو۔" اس بار اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔ بند دروازے کے پیچھے ہلکی سی آہٹ ہوئی۔

"دروازہ لاکڈ ہے شاید۔" اس کی کانپتی ہوئی آواز رافع کو سنائی دی تو ایک گہرا اطمینان اسے اپنے رگ و پے میں اترتا محسوس ہوا۔ وہ حیران سے تھی۔

"ہینڈل کو گھما کر دیکھو ورنہ چابی اندر ہی کہیں ہو گی۔" دروازے کے ساتھ کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں۔ رافع کے صبر کا پیمانہ جیسے چھلکنے کو تھا تب ہی دروازہ کھل گیا۔

"را...... رافع۔" وہ رافع کو اپنے سامنے پانے کی بالکل بھی توقع نہیں کر رہی تھی۔

اس کی حالت بے حد مخدوش ہو رہی تھی۔

"رافع۔" پھر گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی اور وہ اس کے فراخ سینے میں منہ چھپا کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

"چپ کرو بیا! پلیز چپ کر جاؤ دیکھو یہاں سب۔"

وہ اسے اپنے ساتھ لگائے لگائے دو قدم اندر کمرے میں آ گیا۔

"اچھا چلتے ہیں۔ ایک منٹ ٹھہرو۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے اندر کی طرف دیکھنے لگا۔

"رافع! چلیں...... چلیں پلیز میں مر جاؤں گی، چلیں۔"

وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے، ہسٹریائی انداز میں چلائی تھی۔

اس نے کندھوں سے پکڑ کر لیہا کا چہرہ سامنے کیا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر کوئی نشان نہیں تھا جبکہ گردن پر دو تین جگہ خراشیں تھیں۔

اس کے یوں دیکھنے پر وہ ایک پل کو ٹھٹھکی۔ اور اسے پہلی بار اپنے دوپٹے کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ بے اختیار اس نے مڑ کر اپنے دوپٹے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

دوپٹہ تین قدم کے فاصلے پر کاؤچ کے پاس پڑا تھا۔

رافع نے آگے بڑھ کر اسے دوپٹہ پکڑایا اور باتھ روم کے دروازے کے پاس ڈھیر ہوئے زریاب کو جھک کر دیکھنے لگا۔

''بظاہر، وہ زخمی نہیں تھا مگر بے ہوش تھا۔

''چھوڑ دیں رافع! اس موذی کو...... پلیز چلیں...... چلیں یہاں سے۔'' وہ اس کی شرٹ کا کالر پیچھے سے کھینچتے ہوئے خوفزدہ آواز میں بولی۔

''ایک منٹ دیکھ تو لینے دو کہیں خدانخواستہ......'' وہ اس کے دل کی دھڑکن اور نبضیں چیک کر رہا تھا۔ اسے شاید کہیں گہری چوٹ آئی تھی۔

رافع نے اسے بمشکل اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔ لیہا نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

رافع نے گاڑی میں آ کر بیٹھنے تک اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ خود کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے چل رہی تھی۔ گھنٹہ بھر کے اس جان لیوا حادثے نے اس کے جسم سے ساری توانائیاں نچوڑ لی تھیں۔

لفٹ سے باہر قدم رکھتے ہی وہ چکرا کر گرنے لگی تھی۔ رافع نے اسے کندھے سے تھام کر سہارا دیا اور اسے پتا بھی نہیں چلا ان ہاتھوں کی اجنبیت کب اس کے لیے اتنی گہری اپنائیت میں بدلی کہ اسے ان کا لمس نا آشنا محسوس ہی نہیں ہوا۔

''تم بیٹھو میں ابھی آیا۔'' اسے گاڑی میں بٹھا کر وہ ایک بار پھر ہوٹل کے اندر چلا گیا۔ وہ ریسپشنسٹ سے کچھ کہہ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

باہر بارش تھم چکی تھی۔ مگر سڑکیں ابھی گیلی تھیں۔ رات گہری اور تاریک ہو چکی تھی۔ ہوٹل کی بارونق سڑک سے مڑتے ہی آگے سب طرف خامشی، سناٹا اور اندھیرا تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی رافع کے سوالوں کا انتظار کر رہی تھی۔

''کیا ولید نے رافع کو بھیجا ہے۔' اس کو یہ الجھن بھی پریشان کر رہی تھی۔ مگر رافع تو

یوں لب سیئے بیٹھا انہماک سے ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے ساتھ بیٹھے اس کے وجود ہی سے لاعلم ہو۔

گاڑی نے موڑ کاٹا ہی تھا کہ گھرر گھرر کی آواز کے ساتھ اس کا انجن بند ہو گیا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' وہ اترتے ہوئے بڑبڑایا اور بونٹ اٹھا کر چیک کرنے لگا۔

''لیہا کی پریشان بھٹکتی نگاہیں اچانک اپنے بائیں جانب دیکھتے ہوئے پتھرا سی گئیں۔

اسے پتا بھی نہیں چلا کہ وہ مانوس رستوں پر سفر کر رہی تھی۔ نہ جانے کب اور کیسے زندگی ایسے رخ بدلتی ہے کہ مانوس رستے اجنبی اور اجنبی راہ گزر انسان کو اس کی منزل کی جانب لے جاتی ہوئی ہے۔

وہ ''انصاری ہاؤس'' کے سامنے کھڑے تھے جس کے باہر مین گیٹ کے اوپر بڑا سا بینر لگا تھا برائے فروخت کا۔

کبھی یہ انصاری ہاؤس اس کے لیے باغ عدن کے باغوں میں سے ایک تھا جس سے نکالے جانے کا غم اسے آدم و حوا کی طرح دن رات رلاتا تھا۔ یہ وہ سراب تھا جس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اس نے اپنے خوابوں کے پاؤں ہی لہولہان نہیں کیے تھے آج اپنی جان اور آبرو سب کو داؤ پر لگانے چلی تھی۔

سراب خواب ہی تو ہوتے ہیں اور خواب بند آنکھوں سے ہی دیکھے جائیں تو بھلے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ان کے تعاقب میں نکلو تو تلخ حقیقتوں کے پتھر آدمی کی آنکھیں پھوڑ دیتے ہیں۔

''شکر ہے لمبی گڑ بڑ نہیں تھی۔'' کب رافع نے اس کے برابر آ کر بیٹھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اسے پتا نہیں چلا۔ لیہا کی محویت پر ایکسلیٹر پر پڑا اس کا پاؤں ذرا سا پیچھے ہٹا تھا۔ انصاری ہاؤس پر لگے برائے فروخت کے بینر نے اسے ذرا سا چونکایا پھر اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

لیہا کی محویت ٹوٹی تو ایک گہرا سانس لے کر اس نے گردن موڑ کر رافع کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بار پھر گاڑی ڈرائیو کرنے میں محو ہو چکا تھا اس کی موجودگی سے لاعلم۔

لیہا کا جی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے یا چلا کر اس سے پوچھے کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا کیوں نہیں۔

وہ بے بسی سے اپنے گہرے احساس میں گرفتار لب کاٹتے ہوئے اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

''تم فریش ہو آؤ پھر ہسپتال چلتے ہیں۔'' وہ رافع کی آواز پر چونکی۔ ان کی گاڑی

گھر کے آگے کھڑی تھی۔

"یہ چابی لے لیں۔ میں امی سے لے کر آیا تھا۔" اس نے چابی دیتے ہوئے کہا تو اسے گہری شرمندگی نے آلیا اس کے حلیے سے کوئی کیا کچھ نہیں اخذ کر سکتا تھا۔

"اگر اللہ نے میرا پردہ رکھنا ہوتا تو یقیناً ولید کو بھیجتا رافع کو بھیجنے کا مطلب...... اب جو بھی کچھ ہے میں خود رافع سے پوچھ لوں گی اس نے کیا طے کیا ہے، مزید شش و پنج کی حالت میں رہ کر مجھے ایک بار پھر ان وسوسوں کی سولی پر نہیں لٹکنا۔" وہ دل میں فیصلہ کرتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس کی گود سے کوئی چیز آہستہ آواز کے ساتھ نیچے گری تھی۔ پہلے رافع کا ارادہ بھی اندر جا کر تھوڑا فریش ہونے کا تھا مگر نیچے گری اس چیز نے اسے گاڑی میں بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

"مجھے اب اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔" وہ دھوپ میں کرسی پر بیٹھی تھیں اور بیا ان کی کمزور پنڈلیوں اور پاؤں پہ زیتون کے تیل سے ہلکا ہلکا مساج کر رہی تھی۔ ضویا ان کے پاس بیٹھی سیب کاٹ رہی تھی۔

"ممی یہ کون سی نئی بات ہے بے چاری اولاد آدم جیسے ہی پیدا ہوتی ہے۔ موت کا خوف اس کے بڑے ہونے کے ساتھ ہی بڑا ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی حضرت ملک الموت میرے سامنے آئے اور ضویا بی بی...... مرحومہ ہوئیں کہ ہوئیں۔"

وہ سیب کی پتلی پتلی قاشوں پر نمک اور کالی مرچیں چھڑکتے ہوئے مزے سے بولی۔

"ہر وقت اول فول نہ بکا کرو۔ اس بار تو شاید تم دونوں کی دعائیں مجھے کھینچ لائیں مگر اب مزید انتظار...... میں...... میں نے تمہاری چچی اور چچا کو آج شام بلوا لیا ہے شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے۔ تمہاری پھپھو تو تھوڑی دیر میں آنے والی ہیں ان سے کچھ مشورہ کرنا ہے اور۔"

"ممی! اللہ کا خوف کھائیں۔ ابھی آپ کو ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے ایک ہفتہ ہوا اور آپ ڈھول ڈھماکے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔" ضویا زور سے چیخی تھی۔

"پھر وہی فضول بکواس۔ تم اٹھو اور جا کر کچن کو دیکھو۔ میں بیا سے بات کر لیتی ہوں۔" انہوں نے باقاعدہ ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا۔

"ماشاء اللہ ممی جی! کیا سیانا بندہ ڈھونڈا ہے آپ نے مشورے کے لیے۔" وہ بیا کی سنجیدہ شکل کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "ان سے تو اچھا آپ کو یہ سامنے والی دیوار مشورہ دے دے گی۔ نہ دیوار نے آگے سے ہوں ہاں کرنا ہے نہ انکار۔ اس طرح بیا بی بی نہ ہاں کریں گی نہ ناں۔" وہ جاتے جاتے اسے چڑا گئی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے ضویا۔ بیا! مجھے بتاؤ بیٹا، مسئلہ کیا ہے۔ کیوں اس قدر گم صم سی ہو کیا پریشانی ہے۔ پہلے میں سمجھی شاید رافع کے ساتھ تمہاری کچھ گڑبڑ ہے مگر جس دن سے ہوش آیا ہے رافع سے ملی ہوں تو اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے اسے جی بھر کر دیکھتی بھی نہیں کہ میرے رب نے میری معصوم بیٹی کا ایسا وجیہہ، سمجھدار جوڑ بنایا ہے۔ سعدیہ تو تم پر جان چھڑکتی ہے اور گھر میں کون ہے۔ جس سے تم پریشان ہو؟"

وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"ممی! ایسی کوئی بات نہیں، بس یونہی آپ کی بیماری نے مجھے جیسے خوفزدہ کر دیا کہ خدانخواستہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو...... آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے ضویا کی جلد سے جلد شادی کر دینے کا...... ممی! ہم بیٹیاں بہت کمزور، بہت بزدل ہوتی ہیں اور خود سے کوئی فیصلہ کم از کم میں تو درست نہیں کر سکتی۔ میں نے تو اپنا ہی تجربہ کیا ہے ممی! مجھے نہ انسانوں کی پہچان ہے نہ اپنی...... دوسروں کو جاننے پرکھنے کا انسان تب دعوا کرے جب وہ خود کو سمجھ لے اور اس دنیا کا سب سے مشکل کام اپنے آپ کو سمجھنا ہے۔ بڑے واقعات کو جانے دیں۔ اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم اس طرح سے ری ایکٹ کر جاتے ہیں کہ اپنا وہ روپ دیکھ کر ہم خود چونک جاتے ہیں کہ یہ میں ہوں؟ اور جو انسان درست فیصلے کی قوت ہی نہ رکھے وہ مشکل حالات کا کیا سامنا کرے گا۔"

وہ نہ جانے کیا کہے جا رہی تھی۔ عارفہ بیگم کچھ سمجھ نہ پائیں۔

"کیا پریشانی ہے بیا!" انہوں نے پیار سے اس کا گال سہلایا۔

"ممی! مجھے لگتا ہے میرے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں اب...... اب مزید کوئی بھی بڑی بات، کوئی صدمہ کچھ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ ممی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ان کے کندھوں پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

"کیا رافع نے کچھ کہا ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''السلام علیکم بھابھی جان! ماشاءاللہ آج تو بہت بہتر لگ رہی ہیں۔'' سعدیہ بیگم کی بشاش آواز کے ساتھ رافع کے بھاری قدموں کی آہٹ نے اسے یک دم سے سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔

چہرے پر آئے بال ہٹاتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں رگڑیں اور پاس کھڑی پھپھو کو سلام کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسے پیار کر کے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''کیسی ہیں اب ممانی جان۔'' وہ اسی طرح کھڑے کھڑے عارفہ بیگم کا حال پوچھنے لگا۔ لیہا نے ایک شکایتی نگاہ اس پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا! اس نے کچھ فرائض ادا کرنے کے لیے نئی زندگی دی ہے۔ اس کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے بیٹھو نا۔''

''ممانی جان! کچھ فرائض نہیں انشاءاللہ آپ اپنے سارے فرائض اپنے ہاتھوں سے ادا کریں گی۔'' وہ بڑے پر اعتماد اور اپنائیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''انشاءاللہ۔'' سعدیہ بیگم نے بلند آواز میں کہا۔

''میں اب چلتا ہوں امی! مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اسی طرح کھڑے کھڑے بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی بیٹا! اب آئے ہو تو تھوڑی دیر بیٹھو۔ بیا! اٹھو بیٹا چائے لے آؤ۔ اتنی دیر تو بیٹھو گے نا۔''

انہوں نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ وہ سر ہلاتے ہوئے بیٹھ گیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس نے چائے بنا کر ضویا کے ہاتھ بھجوا دی اور خود کچن میں ہی رہی۔ نہ جانے دل کو کیسی آس لگی تھی کہ وہ جانے سے پہلے ضرور اس کے پاس آئے گا۔

اس رات اسے ہسپتال پہنچا کر بے حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ تھوڑی دیر ہی رکا تھا۔ اگلے دن بھی کھڑے کھڑے عارفہ بیگم کی خیریت پوچھنے آیا۔ اس سے اس نے کوئی بات نہیں کی حالانکہ اس رات کے بعد اس کا رواں رواں رافع کے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔ پتا نہیں وہ اس سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا۔ نظر تک نہیں ملاتا تھا۔ یوں پاس سے گزر جاتا جیسے کسی کرسی

یا صوفے کے پاس سے کوئی لاتعلقی سے گزر جاتا ہے۔

اس کے دل میں کیا تھا؟ وہ اس کی زریاب کے کمرے میں موجودگی سے کیا سمجھا تھا اور اس سمجھنے کے نتیجے میں کیا طے کیے بیٹھا تھا یہ خیال ہی اسے وحشت زدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اور اپنی بریت ثابت کرنے کے لیے نہ اس کے پاس الفاظ تھے اور نہ کوئی گواہ۔

ابھی تو وہ خاموش تھا مگر جب بولے گا، اس سے پوچھے گا تو وہ کیا کہے گی کیسے اپنی صفائی پیش کرے گی؟ یہ خیال آتا تو اس کی خاموشی ہی غنیمت لگتی لیکن آخر کب تک؟ کوئی کب تک انتظار کی سولی پر لٹک سکتا ہے وہ اس سارے قصے کو آر یا پار کیوں نہیں کرتا؟ وہ یونہی برتن ادھر ادھر اٹھا کر رکھتی رہی اپنی الجھی ہوئی سوچوں سے باہر آئی تو رافع کے قدموں کی گونج دار چاپ بیرونی دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔ اس کا جی چاہا اپنا سر دیوار کے ساتھ دے مارے۔ ''یہ آخر اب مجھ سے کون سا کھیل کھیلنا چاہتا ہے میری بے بسی کا مزہ لے کر، سنگدل انسان۔'' پہلے بے بسی پھر طیش نے اسے آلیا وہ زور زور سے برتن پٹخنے لگی۔

''ارے رے...... بیا! یہ برتن ہمارے اپنے ہیں کرائے کے یا ہمسائیوں کے نہیں، کچھ تو خیال کرو۔'' اسی وقت ضویا اندر داخل ہوئی تھی اور اس نے ضویا کی بات سن کر اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ زور سے سنک میں دے ماری اور آنکھوں میں امڈتی نمی کو پیتی بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''ایں، اسے کیا ہوا؟'' وہ اس کے یوں بھاگنے پر حیران سی سوچتی رہ گئی۔

☆☆☆

ضویا اور ولید کے نکاح اور رخصتی کی تاریخ محض پندرہ دن بعد کی رکھی گئی حالانکہ اس نے عارفہ بیگم سے کہا بھی کہ اتنی جلدی بھلا تیاری کیسے ہو گی پھر وہ بھی ابھی پوری طرح سے صحت مند نہیں ہوئیں۔

''تیاری کے لیے تو تمہارے چچا چچی نے صاف منع کر دیا ہے کہ انہیں فرنیچر، مشینری اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ ان کے گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ ولید نے ابھی دو ماہ پہلے اپنا کمرہ فرنشڈ کروایا ہے۔ اس لیے فرنیچر کے نام پر تو ایک بیڈ بھی انہیں نہیں چاہیے، رہے کپڑے اور زیور تو وہ اس کے لیے بھی منع کر رہے تھے مگر اتنا تو بہرحال ہم کریں گے اور دیکھنا جیسے ہی تیاریاں شروع ہوں گی میری بیماری کیسے غائب

ہوتی ہے۔ میں تو ایک ایک سانس میں ہزار بار شکر ادا کر رہی ہوں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو رخصت کر سکوں۔''

''ممی! آپ کو یہ سب ابھی اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ابھی آپ مکمل طور پر ٹھیک بھی نہیں ہوئیں پھر آپ کے پاس کون رہے گا بھلا۔'' ضویا سنجیدگی سے ان کے پاس بیٹھ کر کہنے لگی۔

''میں جو ہوں ممی کے پاس۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس کے منہ سے اچانک نکلا تھا۔

''شادی تک نا، اس کے بعد تو تم بھی چلی جاؤ گی۔ پھپھو نے تمہیں یہاں اسی لیے تو رہنے دیا ہے شاید۔''

ضویا کے ''شاید'' نے بیا کے دل میں جلتا دیا جیسے بجھا ڈالا۔ پھپھو ہر دوسرے تیسرے دن چکر لگاتی تھیں آتے جاتے اسے اسی لگاوٹ سے پیار کرتیں مگر ساتھ چلنے کو ایک بار بھی نہیں کہتیں۔

''پتا نہیں ان ماں بیٹے نے کیا طے کر رکھا ہے۔'' اسے اب اس خیال سے ہی کوفت ہونے لگی تھی۔

''اور ممی پلیز، میرے لیے یہ بکس بھر بھر کپڑے اور دیہاتی عورتوں کی طرح ڈھیر سارے بھاری زیورات نہ بنایئے گا بس۔ میرے پسند کے اسٹائلش تین چار جوڑے اور ہلکی سی جیولری بس۔'' وہ اپنے خیالوں سے چونکی تو ضویا کو کہتے سنا۔

اور وہ خود کتنے دن تک اس بار کا سوگ مناتی رہی تھی کہ ممی نے اسے خاندانی دستور اور رسوم کے مطابق ٹرک بھر کر جہیز نہیں دیا بس تھوڑا سا زیور، دو سوٹ کیس کپڑوں کے اور چیک بک کی صورت بوجھ گلے سے اتار پھینکا اور یہ ضویا......

''کیا واقعی میرے بہت سے غم بہت سی محرومیاں خود ساختہ تھیں۔'' وہ قدم قدم پر خود احتسابی سے گزر رہی تھی۔

''میں واقعی بدل گئی ہوں۔ ضویا ٹھیک کہتی ہے۔'' اس نے آخر میں خود ہی اعتراف کر لیا۔

''اور ممی جی، آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ٹرک بھر جہیز لے جانا بھی کوئی کامیاب شادی

کی ضمانت نہیں تو پھر اتنے تردد کی بھلا کیا ضرورت۔ زندگی تو لوگوں کے ساتھ گزارنا پڑتی ہے چیزوں کے ساتھ تو نہیں......'' ضویا کی آواز ایک بار پھر اس کے کانوں میں پڑی۔

روشی کیا لے کر گئی تھی؟ اور کتنی خوش ہے وہ، میں تو پھر بھی شاندار خاندانی بیک گراؤنڈ، جہیز کے نام پر اچھا خاصا سونا پیسہ لے کر آئی تھی۔ یہ ہے میری کامیاب زندگی۔''

ڈھیری ساری اداسی نے پھر اسے گھیر لیا تھا۔ وہ ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر چپکے سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

☆☆☆

''یہ تو بھئی سراسر زیادتی ہے۔ ہر کوئی میری بنی سنوری دلہن کو دیکھنے کے بجائے کسی اور کی پرائی دلہن کو دیکھے جا رہا ہے۔ اٹھاؤ بھئی یہ ایہا بی بی کو میری دلہن کے پہلو سے۔'' وہ جو ضویا کے سجے سنورے شرمائے شرمائے روپ کو نگاہوں کے رستے دل میں اتارتی اس کی طرف جھکی اس کی تعریف کر رہی تھی۔ ولید کی اچانک آواز پر ایک دم سے سیدھی ہوئی تھی۔ وہ ضویا کے دوسری طرف بیٹھا بڑے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایہا نے اسے گھور کر دیکھا۔

''کیا کہہ رہے تھے تم۔'' ایک دم ہی سب اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''بھئی ابھی مووی والے سے کہہ رہا تھا کہ میری دلہن کے اچھے اچھے کلوز اپ لینا، یہ دن کوئی بار بار تھوڑی آتا ہے تو کہنے لگا اچھا جی لے لیں گے پہلے یہ جو حسین چہرہ ہمارے کیمرے کے فوکس میں آ رہا ہے پہلے اس کے تو چند اچھے اچھے کلوز اپ محفوظ کر لیں۔ اب بولو یہ زیادتی ہے کہ نہیں۔'' وہ ایہا کے گھورنے کی پروا کیے بغیر اسی ڈھٹائی سے بولا تو وہ غصے میں اٹھ کر جانے لگی۔

''بیا! تم ولید کی باتوں کا برا نہ مانو وہ بھی تو چاہ رہا ہے کہ تمہیں غصہ آئے اور تم اس سے لڑو۔'' ضویا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے سے روک دیا تھا۔

گولڈن اور براؤن بنارسی پھولوں والی خوب صورت ساڑھی میں وہ کیسی لگ رہی تھی اس کا اندازہ اسے خود بھی تھا مگر اس طرح سب اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں گے یہ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا جس کی نظروں میں وہ اچھا لگنا چاہ رہی تھی وہ تو شاید اس کی طرف دیکھنا ہی بھول گیا تھا۔

مہندی اور بارات میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ وہ بنی سنوری خوشبوؤں میں بسی اس کے بالکل آس پاس سے گزرتی رہی اور وہ کسی پتھر کے بت کی طرح انجان بنا رہا، حالانکہ کئی بار اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ مستقل کسی کی نظروں میں ہے۔ اور ان نظروں کی تلاش میں جب اس کی تلاشتی پیاسی نگاہیں رافع کے چہرے پر آ کر ٹھہرتیں تو وہ پہلے کی طرح بالکل اجنبی ہوتا۔ اب تو اسے اپنی ٹھیک ٹھاک انسلٹ محسوس ہونے لگی تھی اور وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی وہ خود خلع کے لیے درخواست دے دے گی۔

رافع کا انجان رویہ اسے بہت کچھ سمجھا چکا تھا اس سے پہلے کہ وہ اس پر کوئی گھٹیا الزام لگا کر اسے ٹھوکر مارے وہ خود کیوں نہ پہل کر ڈالے اور اب وہ اتنی بہادر ضرور ہوگئی تھی کہ یہ سب کر سکتی تھی۔

''اب بیٹھو نا بیا! فریال نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''نہیں، تھینکس۔ اب تم بیٹھو اپنی بھابھی بھائی جان کے پاس۔'' اس نے ولید کی طرف دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ آنکھ دبا کر ہنس پڑا۔

''ہاں بھئی انہیں بہت جلدی ہے۔ جانے دو انہیں کسی اور کی جان بننے۔'' پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ولید کی سرگوشی سن لی تھی کوئی اور موقع ہوتا تو واقعی پاؤں سے سینڈل اتار لیتی۔

پھپھو اور ممی، چچی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مگن تھیں وہ چپکے سے ان کے پاس سے گزرتی پنڈال کے ہجوم سے باہر نکل آئی۔

لش گرین لان کے درمیان میں بہت خوب صورت سوئمنگ پول بنا ہوا تھا جس میں صاف شفاف پانی ہلکورے لیتا سفید روشنی کو مختلف رنگوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

وہ پول کے کنارے چلتی ایک طرف بنی ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ باہر اچھی خاصی خنکی تھی مگر آسمان بالکل صاف تھا۔ تاروں بھرا گہرا نیلا آسمان

''ولید اور ضویا کتنے خوش قسمت ہیں جو چاہا سو پا لیا۔ اللہ ان دونوں کی خوشیاں اور محبت یونہی قائم و دائم رکھے۔'' اس کا دل کسی اور بات کے غم میں نڈھال ہوا جا رہا تھا اور وہ اپنے خیالات کی رو کسی اور جانب موڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ جو پچھلے چند دنوں میں خوب زور شور سے کہے جا رہی تھی کہ ضویا کے بعد ممی کے

پاس رہے گی۔ ولید اور ضویا نے چچا جان کے ساتھ مل کر چپکے سے اس کا بھی حل ڈھونڈ لیا تھا۔

ممی کے بالکل ساتھ والا گھر چچا جان نے خرید لیا تھا۔ دونوں گھروں کی پچھلی دیوار گرا کر بیچ میں رستہ بنا لیا گیا تھا اور عارفہ بیگم نے یہ گھر کس طرح خریدا اس کا علم بھی اسے کل ہی ہو سکا۔ وہ اس بات پر سب سے خوب جھگڑنا چاہ رہی تھی کہ اسے کسی بھی بات سے باخبر نہیں رکھا جاتا مگر شاید اسے اپنے خیالوں سے ہی نجات نہیں ملتی تھی جو اردگرد کی خبر رکھ سکتی۔

عارفہ بیگم نے اپنا سارا زیور بیچ ڈالا تھا۔ ضویا نے اپنے لیے محفوظ رکھی گئی ساری رقم اور زیور بھی ممی کو دے دیا تھا۔ کچھ چچا جان نے رقم دی تھی اور یہ گھر خرید لیا گیا تھا۔ تایا جان نے تو حصے کے نام پر ان کو صرف ڈھائی لاکھ روپے دیے تھے جو انہوں نے کوئی بھی شکوہ کیے بغیر رکھ لیے تھے کہ بہر حال ایک چھت انہیں چاہیے تھی کہ ان کی بیٹیاں سسرال سے آئیں تو ماں کے گھر کا دروازہ کھلا ملے۔

''ضویا نے ممی کی اصل غمگسار بیٹی ہونے کا حق ادا کیا ہے اور میں...... میں کیا کروں مجھے تو اپنے غم...... پھپھو کیسی دور دوری ہوگئی ہیں بالکل انجان۔''

شاید کسی نے اسے آواز دی تھی۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے پلٹ کر جانے لگی کہ ایک دم پیچھے سے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا وہ ذہنی و جسمانی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھی سو اسی جھونک میں کھینچنے والے کی طرف کھنچتی چلی گئی۔

رافع کے سینے سے ٹکراتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے خود کو الگ کیا تھا وہ نہ جانے کب اس کے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

''یہ کیا مذاق ہے؟'' وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگاتے ہوئے بولی۔

''یہ مذاق نہیں۔ میرے صبر کی انتہا ہے۔'' وہ گہری آواز میں بولا۔

''صبر یا تماشا۔'' وہ دانت کچکچا کر بولی اور اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔

''تماشا...... ہاں یہ لفظ ٹھیک ہے۔ ہم دونوں شروع سے اب تک جن ڈرامائی موڑ سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ اب ایک تماشا، ایک کہانی کہا جا سکتا ہے۔ ایک ایسی کہانی جو آنسوؤں میں بھیگی ہوئی ہے اب یہ تمہارے اور میرے ہاتھ میں ہے کہ ہم اسے المیہ انجام سے دو چار کرتے ہیں یا طربیہ۔'' وہ اسی طرح اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیے مزے سے بولا۔

''اچھا پلیز، میرا ہاتھ چھوڑیے اور یہ کہانیاں بنانے یا سنانے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے جو کچھ اپنے دل میں سوچ رکھا ہے اور اس روتی بسورتی کہانی کو جو بھی انجام دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے مجھے سنا دیجئے۔ میں ہر طرح کا انجام سہنے کے لیے تیار ہوں۔ اب اس تکلیف دہ ڈرامے نے میرے اعصاب اس قدر تھکا ڈالے ہیں کہ مزید انتظار...... شاید آپ میرے جان سے گزرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، میں نے اتنے دن جو تم سے لاتعلقی اختیار کیے رکھی ہے وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے تھی؟'' وہ شاید اس کی مزاحمت سے محظوظ ہو رہا تھا سو اس کے نازک ہاتھ پر اپنی گرفت اور بھی سخت کر لی۔

''توبہ، کتنے ظالم ہیں آپ۔ کیا توڑیں گے میرا ہاتھ!'' کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ظالم کون ہے ابھی اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے۔ لو چھوڑ دیا ہاتھ، ویسے میں نے چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا تھا'' اس نے کہتے ہوئے ایک دم سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، جسے دوسرے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے وہ ناراض نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں فیصلے پر اسی رات پہنچ چکا تھا جب تمہیں ہسپتال چھوڑ کر گیا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ اپنے ہاتھ کی تکلیف بھول گئی۔

''کیا فیصلہ؟'' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''تمہیں چھوڑ دینے کا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو اس کا سانس جیسے سینے میں اٹک گیا۔

''مجھے بتاؤ، کوئی بھی غیرت مند شوہر جو اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے لاکڈ کمرے سے اس حال میں نکالے اور پھر بھی اسے اپنے سے علیحدہ نہ کرے تو ایسے مردوں کو ہمارے معاشرے میں کیا کہا جاتا ہے...... اس رات رستہ بھر یہ خیال میرے دل و دماغ پر کسی تازیانے کی طرح برستا رہا تھا اور شاید میں اس معاشرتی دباؤ میں آ کر اپنے جذبات کا خون کرنے پر بھی تیار ہو جاتا اگر تم وہ چیز اپنے ساتھ زریاب کے کمرے میں نہ لے کر آتیں۔''

''کیا...... کیا چیز۔'' اس نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس چیز کے متعلق بتانے سے پہلے سن لو کہ اس واقعے کے باوجود اور خود پر اٹھنے

والی انگلیوں کا اذیت ناک احساس بھی میرے دل کو تمہیں خود سے علیحدہ کرنے پر مجبور نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ چیز اگر مجھے نہ بھی ملتی تو بھی بیا میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔'' وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

''وہ بیا، جو میرے باپ کے جھوٹے ڈرامے اور بیماری کے ناٹک پر اس سے ہمدردی کرتے ہوئے اپنی ساری رقم اس کی جھولی میں ڈال دے۔ وہ بیا بدکردار اور بری نہیں ہو سکتی پھر تمہارے دو قرض میرے اوپر واجب الادا تھے۔ ایک رات میرے باپ نے جھوٹ بول کر تمہارے کردار پر کیچڑ اچھالا اس جھوٹ کا بہت بڑا بوجھ تھا میرے سینے پر۔

دوسری وہ شام جب روشی نے نیند آور گولیوں کی آدھی شیشی حلق میں انڈیل کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔ اس شام جب اس کا نکاح ہونے والا تھا۔ اور میں اسے سب طرف ڈھونڈ آیا تھا اور ٹھیک وہی کچھ ہمارے ساتھ ہونے جا رہا تھا۔ جو میرے باپ نے تمہاری زندگی کے ساتھ کیا تھا۔ اس شام اگر تم مجھے اس بند اسٹور میں بے ہوش پڑی روشی کے پاس نہ لے جاتیں جبکہ تمہارے پاس اپنا انتقام لینے کا اچھا موقع بھی تھا۔

اس شام تم نے ہمارا، میری بہن کا پردہ رکھا، بولو ایسی لڑکی بری کب ہو سکتی ہے جو موقع ملنے کے باوجود اس کے ساتھ بھلائی کر جائے جس نے اس کے ساتھ براترین کیا ہو۔ اس شام تم نے دوسرا بوجھ میرے کندھوں پر رکھ دیا تھا۔

میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ کبھی زندگی میں موقع آیا تمہارا پردہ رکھنے کا یا کسی بھی بے گناہ کا تو میں ضرور ضرور اس قرض کو اتارنے کی کوشش کروں گا۔ سو اس رات جب تم نے ولید کو فون کر کے بلوایا اور قدرت نے مجھے اپنی آمد سے دو دن پہلے وہاں بجوا کر وہ فول کال سننے کی توفیق دی اور میرے سامنے میرے عہد کو کھڑا کر دیا۔ اس عہد کی وجہ سے میں معاشرے کی کسی بھی گالی کو قبول کرتے ہوئے تمہیں اپنانے کو تیار تھا۔

میں ضویا کی شادی کے فوراً بعد تمہیں لے جانا چاہتا تھا تم سے کچھ بھی سوال جواب کیے بغیر کہ میرے عہد نے مجھے اس کا پابند کر دیا تھا۔

رہ گیا زریاب کا معاملہ...... تمہیں شاید یاد نہ ہو جب پہلی رات تم ہمارے گھر رہنے کے لیے آئیں اور میں نے تم سے زریاب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بڑی نخوت سے جواب دیا تھا جیسے کسی بہت معتبر انسان کا ذکر آیا ہو۔

زریاب کی ان ساری حرکات کا مجھے چند دن پہلے علم ہو چکا تھا اور میں تمہیں وہی بتا کر خبردار کرنا چاہتا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اگر میں تمہیں کچھ بتاؤں تو تم یقین نہ کرو گی۔ تو تم نے بڑی رکھائی سے کہا تھا کہ یقین کرنا یا نہ کرنا میرا مسئلہ نہیں۔ تمہیں بتاؤں۔ اس لمحے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مجھے یہ سب باتیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ تم یقین نہیں کرو گی۔ الٹا اسے میرے حسد پہ محمول کرو گی اس لیے میں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

تم زریاب کے جال میں کیسے پھنسیں اس کا بھی مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا اسی رات...... اور میں سمجھتا ہوں اس میں بھی کوتاہی میری ہے اپنی ملکیت کو آپ خود Own (اپنائیں) نہیں کریں گے تو دوسرے ضرور اسے چھیننے کی کوشش کریں گے جس التفات کی تلاش میں تم زریاب کی طرف کھنچیں اگر وہ مجھ سے ملا ہوتا تو...... پھر مجھے بار بار تمہاری طرف سے طلاق کے مطالبے کا بھی رنج تھا۔ تمہارے دل کا کیا حال ہے مجھے اندازہ نہیں تھا مگر پھ تمہاری کیفیت دیکھ کر ہوتا چلا گیا۔''

''خیر چھوڑو اس ذکر کو یہ تو لمبا قصہ ہے مگر اس میں سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ تم اپنی صفائی اپنا گواہ اپنے ساتھ لے آئی تھیں جس نے سارا معاملہ شیشے کی طرح صاف کر دیا۔'' وہ کہہ کر چپ ہو گیا تو بیا نے بے چین ہو کر اسے دیکھا۔

''زریاب کا ''بلیک بیری'' جس سے تم نے ولید کے موبائل پر کال کی تھی اور خوف دہشت میں تم وہ موبائل اس طرح مٹھی میں دبائے میرے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھیں اور جب چینج کرنے کے لیے گھر اتریں تو وہ سیل فون تمہاری گود سے نیچے گر گیا اور اس میں شا زریاب نے تمہیں بلیک میل کرنے کے لیے سب کچھ ریکارڈ کر رکھا تھا۔'' رافع کی بات پر کی سانسیں جیسے تھمنے لگیں جس خوف کے باعث وہ اس سے ملنے گئی تھی اسی...... اپنے قتل سامان کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے آئی۔

''تف ہے میری بے وقوفی اور حماقت پر...... مجھ سے احمق لوگوں کا یقیناً ا خوشگوار و کامیاب زندگی پر کوئی حق نہیں ہوتا۔'' وہ ایک بار پھر دل ہی دل میں خود کو لعن ط کرنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

''اور اس میں اس آخری شام کی ساری گفتگو بھی ریکارڈ تھی وہ شاید تمہیں م ہراساں کرنے کے لیے ریکارڈنگ بٹن پش کر کے واش روم میں چھوڑ آیا تھا اور اسے نہیں

تھا یہ تمہاری بے گناہی پر آخری مہر ثابت ہو گی اس کی بدنیتی اور تمہاری مزاحمت و مقصد سب کچھ واضح تھا۔'' وہ کہہ کر یک دم چپ ہو گیا۔

''زریاب کی سحر انگیز شخصیت کا بت تمہاری نگاہوں کے سامنے پاش پاش ہونا ضروری تھا ایک کامیاب زندگی کا آغاز کرنے کے لیے۔''

بیا کو کافی دیر بعد جیسے اس جملے کی بازگشت اپنے کانوں میں سنائی دی۔

''تت...... تو آپ کو سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ میری بے گناہی بھی اور زریاب کی خباثت بھی......'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو اتنے دن...... اتنے ڈھیر سارے دن...... جب آپ ادھر گھر آتے رہے، میرے آس پاس پھرتے، اجنبی نظروں سے تکتے، منہ پھیرتے آپ کو سب معلوم تھا؟'' وہ کہتے ہوئے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یعنی میری بے بسی کا مذاق اڑاتے رہے، مزہ لیتے رہے۔'' وہ اب، اس کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

''اصل میں تمہارا حسن پرسوز وغمگین تھوڑا رویا دھویا اتنا اچھا لگتا ہے جیسے چاند کے گرد ہالہ...... تو میں نے سوچا......'' وہ معصومیت سے اقرار کرتے ہوئے بولا۔

''تو میں نے سوچا کچھ دن اس رونی صورت کا نظارہ......'' غصے میں چلاتے ہوئے اس نے پوری قوت سے رافع کو پیچھے سوئمنگ پول میں دھکیلنے کی کوشش کی مگر یہ الگ بات کہ اس کے فولادی جسم کو تو وہ پیچھے نہ دھکیل سکی الٹا اس کے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں آ گئی۔

''چھوڑیں مجھے بے ایمان انسان، ظالم......'' وہ اب بھی پوری طاقت سے اسے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ اور اس کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

''اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ اس سے زیادہ خود پر صبر کے بند نہیں باندھ سکتا۔ تمہیں سب کچھ بتا دیا تو پھر ایک پل کے لیے خود سے دور نہیں رکھ سکوں گا۔ کہاں تمہیں ضویا کی شادی کے لیے رکنے دوں...... ابھی تو تم سے بہت سارے ڈھیر سارے اولین دن سے لے کر اس گھڑی تک اتنے بدلے لینے ہیں گن گن کر کہ تم ضویا اور ولید تو کیا اپنے گھر میں بھی کسی کو کتنے ہی دن تک نظر نہیں آؤ گی۔ ظالم میں ہوں کہ تم چلو ابھی سارے حساب کتاب کر لیتے ہیں کون

ظالم ہے اور کس نے ظلم سہے ہیں۔" وہ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتا پارکنگ کی طرف جو بڑ

وہ گھبرا گئی۔

"چھوڑیں مجھے چھوڑیں نا کوئی دیکھ لے گا۔"

"آئی ڈونٹ کیئر اب تو چاہے سارا شہر دیکھ لے۔" وہ اسے اسی طرح بازو پکڑے پارکنگ تک لایا تھا۔

"ایں۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ابھی تھوڑی دیر بیشتر جو آسمان ستارو جگمگا رہا تھا وہاں جگہ جگہ سیاہ بدلیاں منڈلا رہی تھیں اور ہلکی ہلکی بوندیں پڑنا شروع تھیں۔

"یہ بارش بھی نا۔ یہ بارش میرے لیے کتنی بابرکت ثابت ہوتی ہے کوئی پوچھے۔ یہی بارش تو تمہیں مجھ تک لائی تھی ہمیشہ کے لیے۔ اور آج پھر......" ا
ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے بٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھا

اور وہ جو آج تک اس بارش سے خائف رہی تھی مسکراتے ہوئے اپنی ہتھیـ سے باہر نکالتے ہوئے رافع کی بات کی تائید کرنے لگی۔ واقعی یہ بارش تو جب بھی بر جھولی میں دائمی خوشیاں ڈال گئی بس سمجھ دیر میں آئی اور اب جب سمجھ آئی تو۔

"میں اب کبھی بارش سے خفا نہیں ہوں گی۔" اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"صرف بارش سے؟" رافع نے شوخی سے پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی ا
اس کی ہنسی میں رافع کی ہنسی بھی شامل تھی۔

اسے معلوم تھا یہ بارش اسے رلانے نہیں ہنسانے آئی ہے۔ اس کے مر بجھانے۔

وہ کھڑکی سے باہر سر نکال کر بڑے شوق اور لگن سے بوند بوند برستی رحمت کو دیکھنے لگی جو دو پیار کرنے والوں کو محبت کی بوچھاڑ میں بھگونے میں ـ جا رہی تھی۔